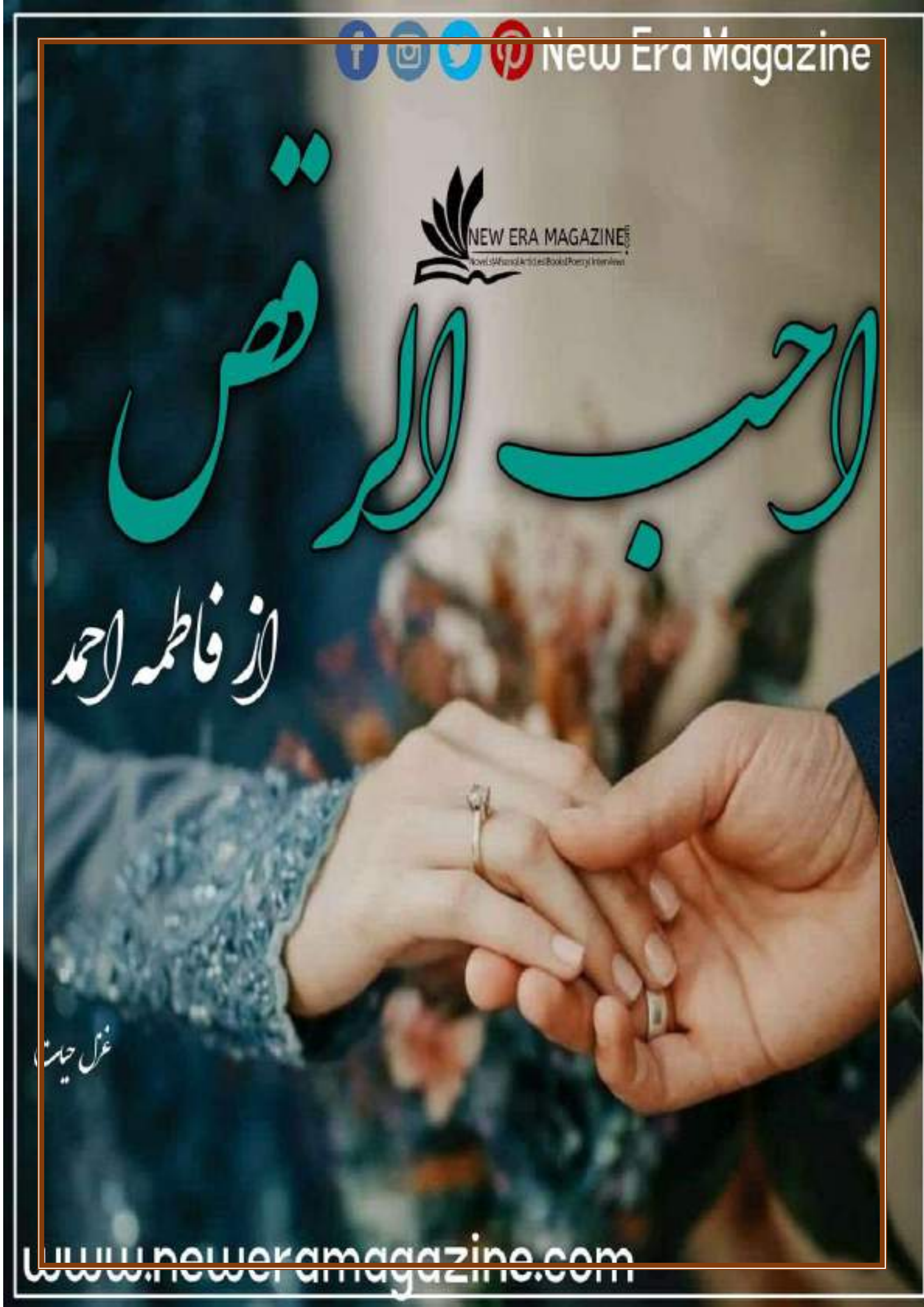
New Era Magazine
NEW ERA MAGAZINE
احب الرقص
از فاطمہ احمد
غزل حیات
www.neweramagazine.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(مکمل ناول)

احب الرقص

از فاطمہ احمد

ہماری ویب میں شائع ہونے والے ناولز کے تمام جملہ و حقوق بمعہ مصنفہ کے نام محفوظ ہیں۔ ہمیں اپنی ویب نیو ایرا میگزین(New Era Magazine)کیلئے لکھاریوں کی ضرورت ہے۔ اگر آپ ہماری ویب پر اپنا ناول، ناولٹ، افسانہ، کالم، آرٹیکل، شاعری، پوسٹ کروانا چاہیں تو اردو میں ٹائپ کر کے مندرجہ ذیل ذرائع کا استعمال کرتے ہوئے ہمیں بھیج سکتے ہیں۔

(Neramag@gmail.com)

(انشااللہ آپ کی تحریر ایک ہفتے کے اندر اندر ویب پر پوسٹ کر دی جائے گی۔ مزید تفصیلات کیلئے اوپر دیئے گئے رابطے کے ذرائع کا استعمال کر سکتے ہیں۔

شکریہ ادارہ: نیو ایرا میگزین

☆☆☆☆☆

طلوعِ آفتاب کا وقت تھا۔آسمانوں پر بکھری لالی تیزی سے پھیلتے سورج کے نکلنے کی گواہی دے رہی تھی۔تاریکی سورج کے نکلنے کے آثار کو دیکھتے الٹے پاؤں بھاگ رہی تھی۔ٹھنڈی ہوا ماحول کو معطر کرتی،اس تبدیلی پر جھوم رہی تھی۔پرندے صبح ہوتے ہی اپنے رزق کی تلاش میں پر پھیلائے آشیانوں سے نکل چکے تھے۔زرق کی تلاش میں نظریں دوڑاتے،زبان پر رب کی حمد بیان کرتے،وہ اس منظر کو بہت دلفریب اور پرکشش بنا رہے تھے۔دنیا کے مختلف حصوں میں زندگی کی دوڑ دن چڑھنے کے ساتھ رواں دواں ہو گئی تھی۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

ایسے میں لاہور کے ہوائی اڈے کے باہر لوگوں کے ہجوم سے ہٹ کر کھڑی 5 فٹ کے قد کی دبلی پتلی لڑکی جو مغربی لباس میں کالی جینز پر سرخ ٹاپ پہنے،اپنے آبشار جیسے سنہری بالوں کو پونی میں باندھ کر کمر پر لٹکائے،کھڑی مغرور ناک کے ساتھ ہیزل براون آنکھوں پر چشمہ لگائے جو اس کی مغروریت میں اضافہ کر رہا تھا،بیزاری سے اپنے ارد گرد دیکھ رہی تھی۔اس پری پیکر لڑکی کے چہرے سے پر ہلکے ہلکے اکتاہٹ، چڑچڑا پن اور غصہ کے آثار نظر آرہے تھے۔وہ لڑکی اکیلی نہیں تھی۔اس کے ساتھ ایک ماڈرن سی ادھیڑ عمر عورت اور مرد کے ساتھ ایک خوبرو لڑکا بھی تھا۔لیکن وہ

لوگ اس لڑکی کی طرح منہ بسور کر نہیں کھڑے تھے۔ بلکہ ان کے چہرے سے اشتیاق، خوشی اور انتظار جیسے جذبات صاف جھلک رہے تھے۔

"نعمان بھائی!" اچانک اِس ادھیڑ عمر کی عورت نے سامنے سے آتے شخص کو دیکھ کر خوشی لبریز لہجے میں کہا تھا۔ اور اپنے سے چند سال بڑے اس آدمی کے گلے لگی تھی۔

"خوش آمدید حمیرہ آپا! کیسی ہیں آپ؟؟ اور مراد بھائی آپ کیسے ہیں؟؟ شکر ہے آخر کار اتنے سالوں بعد آپ کو ہماری یاد آ ہی گئی۔ بلکہ مجھے تو لگتا ہے کہ اگر ابھی بھی دانش کی شادی نا ہوتی تو آپ سب نے تو آنا ہی نہیں تھا۔" نعمان صاحب اپنی بہن حمیرہ بیگم کے گلے لگنے کے بعد اپنے سالے صاحب کے گلے لگتے شکوہ کناں ہوئے تھے۔

"بھائی صاحب آپ تو جانتے ہیں کہ اتنے بڑے بزنس کو سنبھالنے کے ساتھ آپ کی بہن کو سنبھالنا جان جوکھم کا کام ہے۔ پھر اس کے ساتھ آپ کے بھتیجے اور بھتیجی کو دیکھنا، ان سب میں اتنا مصروف ہو گیا تھا کہ واپس آنے وقت ہی نا مل سکا۔

اس لیے مجھ سے نہیں بلکہ اپنی بہن سے شکوہ کیجئے جنہوں نے گھر کے ساتھ خدمت خلق یعنی انجیو میں خود کو اتنا مصروف کر لیا ہے کہ اب تو ان کے پاس ہمارے لیے لیے بھی وقت نہیں۔" مراد صاحب جو خاصِ خوش اخلاق معلوم ہوتے تھے۔ نعمان

صاحب کے گلے شکوہ دور کرتے، سارا ملبہ اپنی اہلیہ پر گرا گئے تھے۔

"اللہ اللہ کتنے جھوٹ بولتے ہیں مراد صاحب!! میں کہاں مصروف تھی؟؟ یہ تو آپ ہی تھے۔ جن کو کام سے فرصت نہیں. کبھی آپ کی یہاں میٹنگ تو کبھی وہاں میٹنگ۔۔۔۔اس لیے میرے بھائی کے سامنے مجھ پر الزام لگا کر خود بری الزمہ تو مت ہوں۔" حمیرہ بیگم تو تڑپ ہی اٹھی تھی۔

"ارے ارے بس بس ماما بابا، بھئی اب کیا آپ ائیرپورٹ پر ہی دنگل شروع کر دیں گے ۔کچھ گھر کے لیے بھی رکھ لیں۔" حمیرہ بیگم کے ساتھ کھڑا دلکش لڑکا چہرے پر بڑی سی مسکراہٹ سجائے انگریزی لب ولہجہ کے ساتھ اُردو میں بولا۔ جس اس کے منہ سے کافی بھلی لگ رہی تھی۔

"اور ماموا پنے بھانجے سے نہیں ملیں گے کیا؟؟" اب کے وہ لڑکا نعمان صاحب کی طرف ہوا تھا۔ جو اپنے بہن بہنوئی کی محبت بھری لڑائی پر مسکارہے تھے۔

"ارے یہ تو اپنا محراب بیٹا ہے۔ماشاءاللہ کتنا بڑا اور حسین ہو گیا ہے۔اللہ نظر بد سے بچائے" نعمان صاحب اپنے بھتیجے کو گرم جوشی سے گلے ملتے بولے۔

"شکریہ ماموجان! یہ حسن تو بس اللہ کی دین ہے۔ کبھی غرور نہیں کیا۔" محراب شرارت سے آنکھ مار کر بولا۔

ان سب میں وہ لڑکی بے زاری سے اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھی۔اپنی بیس سالہ زندگی میں وہ پہلی بار اپنے ماموں(جن کو اس سے پہلے اس نے صرف چند بار موبائل میں ہی دیکھا تھا.) کو اپنے سامنے دیکھ کر اسے کوئی خاص خوشی محسوس نہیں ہو رہی تھی۔

"حیات مراد! اپنے ماموں سے ملو بیٹا۔" حمیرہ بیگم نے اپنی ناراض بیٹی حیات کو زبردستی بازو سے پکڑتے نعمان صاحب کی طرف کیا تھا۔

"وہ بھائی صاحب اصل میں کیا ہے نا کہ حیات مجھ سے تھوڑا سا ناراض ہے۔یہ یو-کے اور اپنے دوستوں کو چھوڑ کر نہیں آنا چاہتی تھی۔اسی لیے منہ بنا کر کھڑی ہے۔ لیکن آپ برا مت منائیے گا۔چند دنوں میں ٹھیک ہو جائے گا" حیات کے روکھے پھیکے انداز کو دیکھتے حمیرہ بیگم اپنے بھائی کو وضاحت دینے لگی۔اتنے سالوں بعد اپنے بھائی سے ملنے پر حمیرہ بیگم بہت جذبات ہو رہی تھی۔وہ نہیں چاہتی تھی کہ ان کے بھائی کو حیات کا رویہ برا لگے۔

"کوئی بات نہیں آپا میں جانتا ہوں باہر کی زندگی کو چھوڑ کر آنا اتنا آسان نہیں ہے۔

آپ لوگ چلیں نا بڑے ابا آپ سب کا بے صبری سے انتظار کر رہے ہیں۔" نعمان صاحب بغیر برا منائے انہیں لے کر آگے بڑھ گئے۔

کچھ دیر بعد یہ چند لوگوں کا قافلہ گاڑی میں بیٹھتے، لاہور کے علاقے ڈی ایچ اے میں موجود ایک خوبصورت بنگلہ کے سامنے آکر رکا تھا۔ کئی کنال پر مشتمل اس بنگلہ میں دو پورشن بنائے گئے تھے۔ جو دور سے دیکھنے والوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی صلاحیت رکھتا تھے۔ جدید طرز سے بنے یہ دونوں پورشن سبزے کی ایک باڑ سے الگ کیے گئے تھے۔ گھر کے دروازے کے سامنے گاڑی رکتے دیکھ دائیں جانب موجود پورشن کی چھت پر کھڑی لڑکی زور سے چیخی تھی۔

"ہررےےےے پھوپھو لوگ آ گئے۔"

"منہا بندر یا آہستہ بولو کان کے پردے پھاڑو گی کیا؟؟ یہ بات آہستہ آواز میں بھی بتائی جاسکتی ہے۔ "منہا کے ساتھ کھڑا، منہا کا ہم عمر لڑکا اس کے سر پر تھپڑ لگاتے روعب سے بولتے نیچے کی جانب بھاگا تھا۔

"منیب ٹینڈے یہ جو تم ہر وقت مجھ پر روعب جھاڑتے ہو نا قسم سے کسی دن اس وجہ سے مجھ سے قتل ہو جاوگے۔ اور اپنے سے پہلے تمہیں پھوپھو لوگوں سے تو میں ہر گز

ملنے نہیں دوں گی۔!!"منہااس تھپڑپر تڑپتی منیب کو دھکادے کر پیچھے کرتی، خود تیزی سے نیچے بڑھی تھی۔

"بڑے ابا، چھوٹے بابا، مما، چھوٹی مماسب لوگ جلدی آئیں پھوپھو لوگ آ گئے ہیں۔ "منہا سپیکر کا کام کرتی، سب کمروں کے آگے چیخ چیخ کر کہتے باہر کی جانب بھاگی تھا۔ جہاں اب وہ سفید کرولا آکر رکی تھی۔

منہاکے اعلان کے ساتھ ہی اس پورشن میں موجود سب لوگ دروازہ کی طرف چلے آئے تھے۔حیات تو ایک دم اپنے نانا(جو بڑے ابا کہلاتے تھے۔)،اپنے دوماموں اور ان کی اولادوں کو دیکھ کر گھبرا گئی تھی۔اس کے چہرے پر موجود زاویے مذید بگڑے تھے۔

"Where did I come from ?? How rediculous people They are ??

(اف میں کہاں آ گئی ہوں؟؟کیسے مضحکہ خیز لوگ ہیں؟؟")

حیات اپنے ماں باپ کو ان لوگوں کو ملتے دیکھ شُستہ انگریزی میں بڑبڑائی تھی۔اسے

آنے والے دن یہاں عذاب میں گزرتے نظر آرہے تھے۔

****

"Hello hayat! how are you?? How was your first day at yours grandfather's house?

ہیلو حیات کیسی ہو؟؟اپنے نانا کے گھر میں تمہارا پہلا دن کیسا گزرا؟؟" سکائیپ پر آتی کانفرنس کال کو جیسے ہی حیات نے اٹھایا، دوسری طرف موجود کسی نے انگریزی لب و لہجے میں انتہائی اشتیاق سے دریافت کیا۔

مت پُوچھو جینی!! ان سے ملنے کے بعد، میری ایسی بری حالت ہوئی ہے کہ تین گھنٹے کی آرام دہ نیند کے بعد جا کر اس سر درد سے میں کچھ افاقہ ہوا ہے۔" مہارت سے انگریزی بولتی حیات کے چہرے کے زاویے گھر والوں کے ذکر پر پھر سے بگڑے تھے۔

"کیوں؟؟ "

اب کے موبائل کے دوسری طرف سے کسی لڑکے کی آواز آئی تھی۔

"ایڈورڈ، جینی! مجھے لگتا ہے کہ میں کسی جہنم میں آگئی ہوں۔ عجیب گوار لوگ سے بھرا گھر ہے۔ اگر میں مزید یہاں چند دن رہی تو پاگل ہو جاؤں گی۔" حیات کے رونے کی کسر باقی رہ گئی تھی۔

"تم لوگ جانتے ہو۔ یہ گھر نہیں ایک پورا چڑیا گھر ہے۔ جس میں میرے نانا فیض آفندی اور دو ماموں کے علاؤہ ان کی بیگمات اور بچے رہتے ہیں۔ میرے بڑے ماموں نعمان آفندی کے تین بیٹے ہیں۔ اور چھوٹے ماموں مصطفیٰ آفندی کی تین بیٹیاں ہیں۔ مطلب کل ملا کر 13,12 لوگ ہیں جو اس گھر میں رہ رہے ہیں۔

اور ہر ایک شخص ایک سے بڑھ بڑھ کر ایک اینٹیکس پیس ہے۔ بس میں نے فیصلہ کر لیا ہے۔ یہ اپنے کزن کی شادی ہوتے ہی میں یہاں سے بھاگ کر واپس تم لوگوں کے پاس آجاؤں گی۔" ان لوگوں کو بولنے کا موقع دیے بغیر حیات اپنے دل کی بھڑاس نکالنے لگی تھی۔

ایڈورڈ اور جینی اس کے یونی فیلو اور بیسٹ فرینڈ تھے۔ جن کے ساتھ حیات کی دوستی سکول کے زمانے سے تھی۔ اب تو ان تینوں کی دوستی اس قدر مضبوط ہو چکی تھی کہ حیات کے لیے ان کے بغیر ایک دن گزارنا مشکل تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اب وہ یہاں

آتے ہی واپسی کے منصوبے بننے لگی تھی۔

"پر سکون ہو جاو حیات! یار تم نے کون سہ یہاں ساری زندگی گزارنی ہے۔بس یہ شادی کا کچھ عرصہ ہی تو ہے۔اس کے بعد تو تمھیں واپس ہی آنا ہے۔تو یار تم جب تک یہاں ہو۔زندگی کو کھل کر انجوائے کرو۔اور منفی باتیں کم سوچا کرو۔"ایڈورڈ نے حیات کو حوصلہ دیا تھا۔ مخلص دوست بھی خدا کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہوتے ہیں

۔

بالکل حیات! ایڈی ٹھیک کہہ رہا ہے۔خیر اب اس بات کو چھوڑو اور مجھے اپنے نانا کی فیملی کے بارے میں بتاؤ!! کیا تمھیں وہاں میرے لیے کوئی ہینڈ سم لڑکا ملا؟؟"جینی نے بات بدلتے،شرارت سے آنکھیں مٹکائیں تھی۔

اس کی بات پر جہاں حیات کے چہرے پر دبی دبی مسکان بکھری تھی۔وہی ایڈورڈ نے افسوس سے سر ہلایا تھا۔کیونکہ جینی جانب بوجھ کر اسے تنگ کرنے کے لیے ایسی باتیں کرتی تھی۔

"ہاں جینی،میرے بڑے ماموں کے تین بیٹے ہیں۔جو سب کے سب بہت ہینڈ سم بھی ہیں(حیات جان بوجھ کر بہت پر زور دے کر بولی تھی۔حالانکہ نے اس نے توان میں

سے کسی کو ٹھیک سے سلام بھی نہیں کیا تھا۔)سب سے بڑے کا نام شاید دانش ہے۔ جن کی شادی پر ہم آئیں ہیں۔ان کی تو اب شادی ہے تو اسی لیے تم اسے لسٹ سے نکال دو۔

اور آخری والے کا نام مممم،ہاں! شاید منیب ہے۔جو پندرہ سالہ چھوٹا شیطان ہے۔چند منٹ،میں اس کے ساتھ کیا بیٹھی،اللہ!!اس نے میرے دماغ کی دہی کر دی تھی۔ہاں لیکن جو درمیان والا ہے۔کیا نام تھا اس کا؟؟؟آااااا۔۔۔۔۔ہاں! کیف دیکھنے میں کافی ہنڈسم ہے۔کہو تو ان سے تمہاری بات چلاو"حیات تو رشتے والی ماسی کی طرح اپنے کزن کو متعارف کروا رہی تھی۔ساتھ ہی ساتھ کی نظریں ایڈورڈز پر بھی تھی جو بچارہ جل بھن رہا تھا۔

واؤ کیا منفرد نام ہے کیف!!میرا دل تو نام سن کر ہی دھڑک اٹھا ہے۔تم پلیز مجھے اس کی تصویر بھیجنا،میں اس کے متعلق سوچوں گی۔" جینی اپنے لہجے میں مصنوعی اشتیاق بھرتے ہوئے بولی۔

"خاموش لڑکیوں! خبردار حیات تم نے میری جینی کو کسی کی تصویر بھی بھیجی تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔اور جینی تمہیں تو میں ابھی آکر پوچھتا ہوں۔"ایڈورڈ ان کی

شرارت کو سمجھنے کے بعد باوجود بھی سیخ پا ہوا تھا۔

ایڈورڈ کی حالت پر حیات اور جینی کا قہقہہ گونجا تھا۔ایڈورڈ کو پریشان کرنا ان دونوں کا پسندیدہ مشغلہ تھا۔

"ایڈورڈ یار تم پریشان کیوں ہو رہے ہو۔میرے چھوٹے ماموں کی ماشاءاللہ سے تین بیٹیاں ہے۔ کہو تو کسی ایک کے لیے گھر میں تمہاری بھی بات چلاؤں۔اسی بہانے تم لوگوں کو بھی میرے پاس آنے کا موقع مل جائے گا۔"انتہائی معصومیت چہرے پر سجاتے حیات نے پس پردہ جینی پر حملہ کیا تھا۔

بات کرتے کے ساتھ ساتھ وہ اپنا آئی پیڈ پکڑے، بالکونی میں آ گئی تھی۔

"حیات! تم میری دوست ہو یا ایڈی کی؟؟ میں بتا رہی ہوں اگر تم نے اسے کسی اور لڑکی کی تصویر دیکھائی تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔ "ایڈورڈ سے پہلے جینی سیخ پا ہوتے، چیخی تھی۔اب کہ اس کی حالت سے حیات اور ایڈورڈ نے خطا اٹھایا تھا۔ان سے بات کرتے کرتے، حیات کا موڈ پہلے سے بہت بہتر ہو گیا تھا۔

"ہاہاہاہاہا یار ایک سال ہو گیا ہے۔ تم دونوں کو ایک دوسرے کو پرپوز کیے۔ لیکن شادی

کا ابھی کوئی دور دور تک نام و نشان نہیں ہے۔ مجھے سمجھ نہیں آتا کہ اگر تم ایک دوسرے سے اتنی ہی محبت ہے تو شادی کیوں نہیں کر لیتے کیوں اپنے کیرئر کے پیچھے بھاگ رہے ہو۔ ویسے نا اکثر مجھے تم لوگوں کی، نہیں بلکہ محبت نامی چیز پر بہت ہنسی آتی ہے۔ میرے لیے محبت کوئی بہت ہی عجیب، مضحکہ خیز اور فضول چیز ہے۔ مطلب ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ انسان کسی کی محبت میں اتنا ڈوب جائے کہ خود کو بھول جائے۔

اسی لیے میرا تو خود سے عہد ہے کہ اس محبت جیسی فضول خرافات کو میں اپنے مقابل کبھی نہیں آنے دوں گی۔" حیات نے اپنی مغرور تیکھی ناک سکوڑ کر محبت کا مذاق اُڑایا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

حیات ابھی تم محبت تو نہیں سمجھ سکتی لیکن یقین جانو جس دن تمہیں محبت ہو گی نا، تب تم اس بات کو سمجھو گی۔ ویسے جو لوگ محبت کا مذاق اڑاتے ہیں یہ سب سے پہلے ان پر ہی کاری وار کرتی ہے۔ اس لیے زرا سنبھل کر۔" ایک مغربی مرد ہونے کے باوجود ایڈورڈ کے لہجے میں محبت کی ایک سچی خوشبو تھی۔ جو یہ ظاہر کر رہی تھی کہ محبت کسی کو اپنا غلام بنانے سے پہلے ذات پات، رنگ نسل اور مذہب نہیں دیکھتی۔ پر یہ بات اس انا پرست شہزادی کو کون سمجھائے؟؟

"اوہ!! چھوڑو یار میں نہیں ڈرتی کسی محبت وبّت سے۔ اگر کبھی یہ محبت نامی بلا حیات مراد کی طرف آئی تو یقین جانو شکست خوردہ واپس جائے گی۔ اب اس موضوع کو بدلو میں مزید ان فضولیات کے متعلق قطع بات نہیں کرنا چاہتی" حیات جوایڈورڈ کی آخری بات سے ڈر گئی تھی۔ خود کو پرسکون کرتے مغروریت سے بولی۔ حیات کے انداز پر ایڈورڈ اور جینی افسوس کے سوا کچھ نا کر سکے تھے۔

اس کے بعد باتوں کے درمیان حیات کو وقت گزرنے کا پتہ بھی نہیں چلا تھا۔ ہوش تو تب آئی جب دروازہ پر دستک ہوئی۔ جہاں ملازمہ اسے کھانے پر بلانے آئی تھی۔

کھانے کا نام سن کر حیات کو یاد آیا تھا کہ فلائیٹ میں کھائے گئے سنیکس کے بعد اس نے ابھی تک کچھ نہیں کھایا ہے۔ صبح بھی وہ سب سے ملنے کے بعد فوراً کمرے میں آکر سو گئی تھی۔ اس کے ساتھ ہی حیات کو یک دم بھوک کا احساس ہوا تھا۔ اس لیے انہیں خدا حافظ کہتے فون رکھ گئی تھی۔

فون رکھنے کے بعد جیسے ہی حیات نے اپنے اطراف میں نظر دوڑائی تو ایک جگہ جا کر اس کی نظر کچھ پل کے لیے جم سی گئی تھی۔ جہاں چھ فٹ پانچ انچ سے نکلتے قد پر سفید شرٹ اور بلیک پینٹ پہنے، ماتھے پر بال بکھیرے، کھڑی مغرور ناک، تیکھے نقوش اور چہرے پر

موجود ہلکی ہلکی دھاڑی لیے دلکش شہزادہ پودوں کو پانی دے رہا تھا۔اس شخص کے چہرے پر موجود نرم تاثرات میں نجانے کیا بات تھی کہ حیات بے ساختہ کتنے لمحے اسے تکتی رہی تھی۔یوں لگتا تھا کہ دیومالائی کہانیوں کا ولی عہد کہانیوں سے نکل کر اصل دنیا میں آگیا ہو۔حیات پر جاری جادوئی سحر کو ایک بار پھر دروازے پر ہونے والی دستک نے توڑی تھا۔لمحوں کا فرق تھا جس کے بعد حیات نے وہاں دیکھا تھا۔تو اب وہاں کوئی نہیں تھا۔

"کہاں گیا وہ شخص؟؟کیا میں نے کوئی خواب دیکھا تھا؟؟کیونکہ جہاں تک مجھے یاد ہے صبح تو کوئی ایسا شخص نہیں تھا؟؟ہو سکتا ہے وہ اس ساتھ والے پورش میں رہتا ہو گا؟؟تو کیا وہ بھی اس گھر کا حصہ ہے۔حیات یار لیواٹ!!ہمیں کیا وہ جو بھی ہو۔" خود سے بڑبڑاتے حیات نے اس شخص کو ذہن سے جھٹکتے تیار ہونا شروع کیا تھا۔لیکن لاکھ چاہنے کے بعد بھی لاشعور میں اس کے ذہن میں کافی دیر تک وہ شخص رہا تھا۔

****

"دامن اور ایراج بچے جلدی سے کھانا میز پر لگانا شروع کرو۔سب لوگ آگئے ہیں اور منہا جاو تم جا کر حیات کو لے کر آؤ۔"فوزیہ بیگم کیچن میں جھانکتے اپنی تینوں بیٹیوں کو

تیزی سے ہدایت دیتی ڈائینگ روم کی طرف بڑھی تھی۔جہاں سے سب لوگوں کی آوازیں آنا شروع ہو گی تھی۔

"اہم اہم دامن آپی لگتا ہے۔آج تو دانش بھائی بھی کام سے جلدی واپس آ گئے ہیں۔اس لیے میرے خیال سے یہ بریانی کی ڈش جو آپ نے اتنے پیار سے بنائی ہے۔خود باہر لے جائیں۔"فوزیہ بیگم کے جاتے ہی ایراج اپنی بڑی بہن کو دیکھتے شرارت سے بولی۔

"شرم کرو کام چور۔بڑی بہن کو تنگ کرتے تمہیں زرا شرم نہیں آتی"دانش کے نام پر اپنے رخساروں پر ابھرتی سرخی کو چھپاتے معصوم سی دامن نے شرارتی ایراج کو آنکھیں دیکھائی تھی۔

"افففف یہ ان کے نام پر آپ کے چہرے پر آتی شرماہٹ اور یہ آپکی ادائیں۔دانش بھائی دیکھ لیں کہی فدا ہی ہو جائیں۔"ایراج اس کے گھورنے کو نظر انداز چھڑنے سے باز نہیں آئی تھی۔

"سنو تسلیم ! تم یہ لے کر جاؤ ہم آتے ہیں۔اور تم ایراج بے شرم شرارت لڑکی کبھی تو موقع محل دیکھ لیا کرو۔ہر وقت شرارت تمہارے دماغ میں ناچتی کودتی رہتی ہے۔

چلواب سب ہمارا انتظار کر رہے ہونگے۔" پاس کھڑی دانت نکالتی ملازمہ کو کھانا باہر لے کر جانے کا کہتے دامن نے ایراج کو گھورکھا تھا۔

"قسم سے آپا جب آپ ڈانٹتی ہیں نا تو اور بھی کیوٹ لگتی ہے۔اور ویسے بھی وہ ایراج مصطفیٰ آفندی ہی کیا جو کسی کی ڈانٹ کا اثر لے لیں۔" دامن کے ساتھ باہر جاتے ایراج مصنوعی کالر کھڑا کرتے مسلسل بڑبڑا رہی تھی۔

"اہم اہم دانش بھائی کیسے ہیں آپ؟؟" ڈائینگ روم میں دانش کے ساتھ کرسی گھسیٹ کر بیٹھتے ایراج نے سرگوشی کرتے، جانب بوجھ کر دامن کو معنی خیزی نظروں سے دیکھا تھا۔

"میں ٹھیک چھوٹی تم بتاؤ تمہاری بہن کو کیا ہوا ہے۔وہ کیوں اتنی لال ہو رہی ہے؟؟" ایراج کی بات کا جواب دیتے دانش نے دامن کو نظروں کے حصار میں لیا تھا۔

"یہ تو اب آپ خود ہی پوچھ لیں آخر آپ کی ہونے والی ہیں" شرارت سے وہ کو لمبا کھینچتے ایراج نے آنکھیں گھمائی تھی۔ جس پر دانش کی آنکھوں میں سووالٹ کا بلب روشن ہوا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE .COM
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"چھوٹی خبردار جو آپ نے ہماری ہونے والی بیوی کو تنگ کیا تو اچھا نہیں ہوا گا۔ چلو چپ کر کے کھانا کھاؤ۔" دامن کے چہرے پر رونے کے تاثرات دیکھتے دانش نے جلدی سے اس کی سائیڈ لی تھی۔ جس پر ایراج کا منہ کھلا تھا۔

"ہاااا کیف بھائی دیکھ رہے ہیں اپنے بڑے بھائی کو کتنے میسنے ہیں یہ۔ مطلب ابھی سے اتنی سائیڈ لے رہے ہیں۔ آگے چل کر تو مجھے لگتا ہے پورے جورو کے غلام بنے گیں" ایراج کا تو صدمہ سے برا حال تھا۔

" کبھی تو چپ کر جایا کرو ایراج نجانے چھوٹی ماں نے تمہیں پیدا کرتے وقت کیا کھایا تھا۔ جو ہر وقت بول بول کر دماغ خراب کرتی رہتی ہو۔" کیف نے ایراج کی اداکاری میں اس کا ساتھ دینے کی بجائے اسے سختی سے خاموش کروایا تھا۔

"وہی کھایا تھا جو آپ جیسے اکڑو سڑیل اور کھڑوس کو پیدا کرتے وقت بڑی ماما نے کھایا تھا۔ہائے میں بھی پاگل ہر بار جانتے بوجھتے اپ جیسے گھمنڈی کو مخاطب کر لیتی ہوں" کیف کی بے مروّتی پر ایراج نے مصنوعی اہ بھرتے منہ بسورہ تھا۔

"تو کس نے کہا ہے مجھ جیسے گھمنڈی کو مخاطب کرو۔ خود ہی کرتی ہو" کیف نے بھی سڑا سہ جواب دیا تھا۔

ان چاروں میں صرف ایک محراب تھا جو مسکراتے ہوئے خاموش سامع کا کردار ادا کر رہا تھا۔ کیونکہ بڑے تو سارے اپنی باتوں میں لگے ہوتے تھے۔ محراب پہلی بار یہاں آیا تھا۔ اسے لیے کڈی کو ٹھیک ڈے نا جاننے کی وجہ سے خاموش تھا۔ لیکن اسے پھر بھی سب کا یوں باتیں کرنا اچھا لگا رہا تھا۔ جس کا اندازہ اس کے چہرے سے صاف لگایا جا سکتا تھا۔

****

کچھ دیر بعد گلابی کرتی کے ساتھ سفید کیپری پہنے، ریشمی بالوں کو اوپر سے تھوڑا سہ کیچر میں قید کیے کمرے پر کھلا چھوڑے، حیات نیچے کی جانب بڑھی تھی۔ اس وقت وہ ایک مغرور لاپرواہ حسینا لگ رہی تھی۔ کوئی اس کو ایک نظر دیکھ لیتا تو یقیناً اس کا اسیر ہو جاتا۔ اپنی دانست میں ڈائننگ روم کا اندازہ لگاتے حیات آگے بڑھ رہی تھی۔ جب سامنے سے آتے کسی میں بہت زور سے لگی تھی۔

"Oh, you bloody bitch !! Are you blind ??

(او تم گالی......! اندھی ہو گیا؟؟) ان پڑھ جاہل گوار!! تمہاری وجہ سے ابھی میں گر جاتی تو؟؟" حیات جو اپنے خیالوں میں سامنے سے آنے والی ملازمہ کو دیکھ نہیں پائی

تھی۔ یک دم اس سے ٹکرا کر گرنے لگی تھی۔ لیکن پھر جلد ہی خود کو سنبھالتے، وہ غصے سے آگ بگولہ ہوئی تھی۔

"م۔۔۔ معاف کر دیں ب۔۔۔ باجی!! آئندہ ایسی غلطی نہیں ہو گی۔" حیات کے ڈر اور اس کی اپنے بازو پر موجود سخت گرفت پر بچاری ملازمہ ڈرتے ڈرتے بولی تھی۔

"جاہل عورت تمہیں میں معافی مانگنے کے قابل چھوڑوں گی تو تم ایسا کچھ کر پاؤ گی نا۔" حیات یہ کہتے ہی چیختے ہوئے ہاتھ اونچا کیا تھا۔ لیکن نجانے کیوں اس کا ہاتھ بیچ راستے میں ہی رک گیا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

اچانک بہت شدت سے حیات کو اپنے چہرے پر کسی کی بے پناہ نفرت سے بھرپور نظروں کا احساس ہوا تھا۔ جیسے کوئی بے حد ناپسندیدگی سے اس کو دیکھ رہا ہو۔ ان نظروں کی تپش پر حیات نے اپنی آنکھیں ادھر ادھر گھمائیں تھی۔ تاکہ دیکھ سکے کہ کون ہے جو اس کو ایسے غصہ سے دیکھ رہا ہے۔

لیکن یہ دیکھنا ہی حیات کے دل کہ دنیا میں ہلچل مچا گیا تھا۔ جہاں اس وقت وہی چھ فٹ پانچ انچ سے نکلتے قد کے ساتھ، پہلے کی نسبت کالے بالوں کو ماتھے پر سجائے، چہرے پر موجود ہلکی ہلکی داڑھی لیے، جو اس شخص کو خوب جچ رہی تھی۔ اپنی تیکھی مغرور ناک

پر غصہ سجائے اور کالی گہرے راز جیسی آنکھوں میں بے حد نفرت لیے وہ ساحر اس پورشن کے دخلی دروازہ پر، جو سیڑھیوں کے بالکل سامنے تھا، حیات کے چہرے کو ناپسندیدگی سے گھور رہا تھا۔

ان آنکھوں میں موجود نفرت کے تاثرات نے حیات مراد کو بہت عجیب طرح سے اثر انداز کیا تھا۔ کیونکہ یہ پہلی بار تھا جب کسی کی آنکھوں میں اسے دیکھنے کے بعد پسندیدگی نہیں بلکہ نفرت تھی۔

اس سے پہلے کے حیات اس شخص کی طرف بڑھتی، منہا کی آواز نے اسے متوجہ کیا تھا۔

"حیات آپی یہاں کیوں کھڑی ہیں۔ نیچے آئے ناسب لوگ آپ کا کھانے پر ویٹ کر رہے ہیں" منہا کی بات پر حیات ایک سحر سے نکلتے ملازمہ کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔ لیکن وہ موقع پاتے پہلے ہی وہاں سے فرار ہو گئی تھی۔ جبکہ وہ لڑکا بھی اب وہاں سے جا چکا تھا۔ اچانک اس واقع میں ہوئی اپنی اہانت محسوس کرتے حیات کا چہرہ سرخ ہوا تھا۔ جبکہ اس کی آنکھوں میں نفرت کی چنگاری ابھری تھی۔

****

شام کے پانچ بج رہے تھے۔ صبح سے اپنے کمرے میں پڑی حیات بہت بور ہو رہی تھی۔

انہیں یہاں آئے تین دن ہو چکے تھے۔وہ چاہ کر بھی یہاں کے لوگوں سے مل جل نہیں پا رہی تھی۔اوپر سے اسے لگ رہا تھا کہ شاید ماما بابا مجھے یہاں لا کر بھول چکے ہیں۔ اور بھائی ہیں کہ انہیں دانش بھائی اور کیف کے ساتھ گھومنے پھرنے سے فرصت نہیں ہے۔اور تو اور دنوں میں کالی آنکھوں والا وہ ساحر بھی اسے اپنے ارد گرد کہی دیکھائی نہیں دیا تھا۔وہ شخص حیات کے لیے ایک پہیلی بن چکا تھا۔ایسے میں اس کی طبیعت بہت بوجھل ہو رہی تھی۔اپنا موڈ بحال کرنے کی خاطر حیات موبائل اٹھ کر نیچے کی جانب بڑھی تھی،ارادہ جینی اور ایڈورڈ سے بات کرنے کا تھا۔جن سے کل سے اس نے بات نہیں کی تھی۔

"آپا شادی میں صرف یہ چند ہفتے رہ گئے ہیں۔اور بہت سی تیاریاں کرنے والی رہتی ہیں۔میں کیا کہہ رہی تھی کہ اگر کل آپ اور حیات بھی ہمارے ساتھ شاپنگ پر چلیں۔تو میری بھی مدد ہو جائیں گی اور ساتھ میں آپ لوگ کچھ خرید بھی لیں گے۔تو کیا خیال ہے آپ؟؟"سیڑھیوں سے اترتے حیات کے کانوں میں افشاں بیگم کی آواز پڑی تھی۔جو شاید حمیرہ بیگم سے استفسار کر رہی تھی۔

"بڑی بھابھی خیال تو بہت اچھا ہے۔میں نے بھی کل سے سوچ رہی تھی کہ اب ہمیں

یہاں آئیں تین دن ہو گئے ہیں۔ ملنا ملانا بھی اب تو ختم ہو چکا ہے۔ تو اب ہمیں بھی تیاریوں میں حصہ لینا چاہیے۔ ویسے بھی ظاہر ہے شادی کا گھر ہے تو ایسے میں بازار تو جانا ہی ہے۔ تو کیا ہی اچھا ہو ہم ساتھ چلیں جائیں۔ اور جہاں تک حیات کی شاپنگ کی بات ہے تو میں اس سے پوچھ کر بتاؤں گی۔ کیونکہ اس کے موڈ کا کوئی بھروسہ نہیں۔" حمیرہ بیگم جن کی پشت حیات کی طرف تھی۔ انہوں نے سادگی سے جواب دیا۔

"حیات بیٹا اچھا ہوا آپ بھی نیچے آ گئے۔ ہم ابھی آپ کے ہی بارے میں بات کر رہے تھے۔" حمیرہ بیگم کی بات کے اختتام پر حیات پر نظر پڑتے افشاں بیگم بولی۔

"جی خیریت مامی؟؟" اپنے پاؤں کو بریک لگاتے حیات کے چہرے کے تاثرات بگڑے تھے۔ شاید ایسے رکنا اسے پسند نہیں آیا تھا۔ اس لیے جبراً مسکرا کر انجان بنتے بولی۔

"حیات! تمہاری مامی پوچھ رہی تھی کہ کل ہم سب شاپنگ پر جا رہے ہیں۔ تو کیا تم بھی ہمارے ساتھ چلو گی؟؟" حیات کے سوال کے جواب میں حمیرہ بیگم نے سوال داغا تھا۔

"نو مما مجھے کچھ نہیں لینا ویسے بھی یہاں کے لو کلاس کپڑے مجھے بالکل نہیں پسند، میں

جو وہاں سے لے کر آئی ہوں وہی پہنوں گی۔" یہ کہتے ہی حیات بغیر رکے باہر کی جانب بڑھ گئی تھی۔اس کی حرکت پر حمیرہ بیگم نے افسوس سے نفی میں سر ہلایا تھا۔وہ حیات کے رویے سے پریشان ہو چکی تھی۔

"پریشان مت ہو بھابھی حیات بچی ہے۔جیسے ہی اڈجسٹ ہو گی۔تو ٹھیک ہو جائے گی" حمیرہ بیگم کے ہاتھ کو دباتے افشاں بیگم نے انہیں تسلی دی تھی۔کیونکہ حیات کا رویہ کسی سے ڈھکا چھپا نہیں تھا۔

"آپی یہ ہمارے یو۔کے پلٹ کزن کتنی نک چڑی، مغرور اور کچھ حد تک بولڈ ہے نا؟؟ دیکھے کیسے پھوپھو کو جواب دے کر گئی ہے۔یاد ہے اس دن کھانے کی میز پر بھی اس نے سیدھے منہ بات کرنا گوارا نہیں کیا تھا۔اور پیچھلے تین دن سے مسلسل اپنے کمرے میں گھسی ہوئی ہے۔اور آج ہمیں بھی باتیں سنا کر گئی ہے۔اگر اتنا ہی اسے پاکستان نہیں پسند تو یہاں آئی ہی کیوں ہے۔" حیات کے رویے پر سامنے والے صوفہ پر بیٹھی ایراج جیسی کول بندی بھی دامن کے کان میں گھس کر بڑبڑائی تھی۔اس کے لہجے میں ہلکی سی غصہ کی رمک موجود تھی۔

"ایراج بری بات کسی کی پیٹھ پیچھے ایسے باتیں نہیں کرتے۔دیکھو ہر کسی کی رویے کے

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

پیچھے کوئی نا کوئی وجہ ہوتی ہے۔حیات کے رویے کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ وہ جیسے ماحول سے یہاں آئی ہے۔اس میں اور ہمارے میں بہت فرق ہے۔اس لیے شاید اسے یہاں اڈجسٹ ہونے میں مشکل ہو رہی ہے۔تم پلیز اسے برامت کہو۔آخری بات اگر اسے ہم سے بات کرنا نہیں پسند تو ہم اسے فورس تھوڑی نا کر سکتے ہیں۔" دامن نے بہت طریقے سے ایراج کے غصہ کو ٹھنڈا کیا تھا۔

"ٹھیک ہے آپی اگر آپ کہہ رہی ہیں تو ایسا ہی ہو گا۔خیر میں تو اس لیے بھی کہہ رہی تھی کہ دیکھے ناجب سے وہ یہاں آئی ہے۔منہا اس کے پیچھے پیچھے باتیں کرنے کے لیے اچھل رہی ہے۔لیکن یہ تو اس سے بات کرنا تو دور بلکہ اس کی طرف دیکھ بھی نہیں رہی۔ "اب کہ ایراج کے لہجے میں افسردگی گھلی تھی۔جس پر دامن نے اپنی ہنسی کو کنٹرول کیا تھا۔

"یار ایراج اگر تم حیات سے دوستی کرنے کے لیے اتنی ہی اتاولی ہو رہی تو منہا کا بہانہ تو مت بناؤ۔خود جا کر حیات سے ڈائریکٹ بات کر لوں۔دو کلو کا منہ بنا کر اس کی پیٹھ پیچھے یہ تو مت کہو کہ وہ نک چڑی ہے۔۔۔وغیرہ وغیرہ" دامن ہنسی ضبط کرتے ایراج کو مشورہ دیا تھا۔اپنی چوری پکڑی جانے پر ایراج نے منہ بسورا تھا۔

"آپی جانتی ہیں حیات کے آنے پر میں کتنی خوش تھی کہ میری ہم عمر کزن پہلی بار ہمارے ہاں آئے گی تو کتنا مزہ آئے گا۔ ہم مل کر خوب مستی کریں گے۔ لیکن اس نے تو میرے ارمانوں پر آتے ساتھ پانی کیا دریا ہی پھیر دیا ہے۔ وہ بہت مغرور ہے آپی۔ میں کوئی نہیں پہل کر رہی اسے بلانے میں اگر اس نے میری بے عزتی کر دی تو؟؟ نا بابا نا!! اب آپ بھی پلیز مجھے تنگ مت کریں۔" اپنے کانوں کو ہاتھ لگاتے ایراج نے صاف دل سے کہا تھا۔ وہ دل کی بات زیادہ دیر دل میں نا رکھنے والی سادہ لو، شرارتی لڑکی تھی۔

"آآآآمیری پیاری بہن کچھ نہیں ہوتا۔ دیکھنا ایک دن وہ ہم سب میں گھل مل جائے گی۔" دامن نے اسے حوصلہ دیتے اپنے ساتھ لگایا تھا۔

"ارے کس بات پر اتنے پیار کے مظاہرے ہو رہے ہیں لڑکیوں؟؟" حمیرہ بیگم دامن لوگوں کے پیار کے مظاہرے کو دیکھ مسکراتے ہوئے بولی۔

"کچھ خاص نہیں پھوپھو بس مجھے اپنی بہن پر ڈھیروں پیار آرہا ہے۔ کیوں کہ کچھ دن بعد تو یہ پیا دیس پدار جائیں گی۔ ہائے پھر میں اکیلی کیسے رہوں گی؟؟ " ایراج نے اپنی اصل ٹون میں آتے اداکاری کے جوہر دیکھاتے کہا تھا۔

"ہاہاہاہاہا لڑکی وہ کونسا سات سمندر پار جا رہی ہے۔ایک ہی گھر کے ایک کمرے سے دوسرے کمرے میں تو شفٹ ہو رہی ہے۔" حمیرہ بیگم نے ایراج کی بات پر قہقہ لگاتے جواب دیا تھا۔یہ نٹ کھٹ سی ایراج انہیں بے حد بھلی لگی تھی۔

"اوہو پھوپھو پھر بھی ان کی جگہ تو بدل جائے گی۔اور مجھے تو لگتا ہے دانش بھائی کو پاتے ہی دامن آپی ہمیں بھول جائیں گی" ایراج نے فٹ سے حمیرہ بیگم کے پاس بیٹھتے دامن کو چھیڑا تھا۔جس پر بچاری دامن تو سرخ چہرہ لیے وہاں سے نو دو گیارہ ہوئی تھی۔پیچھے وہ تینوں دل کھول کر ہنس دی تھی۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

****

حیات لان میں آتے ہی جینی لوگوں کو کال ملانے لگی تھی۔دو تین بار بیل جانے کے باوجود جب دوسری جانب سے کسی نے فون نا اٹھایا تو حیات کا موڈ مزید بگڑا تھا۔اس کا دل کیا کہ وہ موبائل اٹھا کر کسی دیوار میں مار دے۔وہ ایسا کر بھی دیتی اگر جو اس کی نظر اس دن والے شخص پر نا پڑتی۔

کالی آنکھوں والا وہ افسوں گر کالی ٹراؤزر پر خاکی شرٹ پہنے، سلکی بالوں کو ماتھے پر بکھیرے، کالی آنکھوں کو اپنے سامنے موجود خرگوش پر مرکوز کیے، اپنے ہاتھوں کو اس

کی پیٹھ پر نرمی سے پھیرتے، وہ شاید کچھ بول رہا تھا۔اس کے ہلتے لبوں کو دیکھ کر، یوں لگ رہا تھا کہ جیسے وہ اس خرگوش سے بہت اہم بات کر رہا ہو۔آخر ملاقات کی نسبت آج اس کے چہرے پر بہت نرم، محبت بھرے تاثرات تھے۔ حسن کی دولت سے مالا مال وہ لڑکا کسی حسین دیومالائی داستانوں کے دیوتا جیسا تھا۔

حیات تو چند پل اس ساحر کو دیکھ کر سن ہی رہ گئی تھی۔جو پیچھلے تین دنوں سے اسے لاکھ چاہے کہ باوجود کہی نظر نہیں آیا تھا۔اس نے جب بھی اس شخص کو دیکھا تھا تو ہمیشہ الگ انداز میں پایا تھا۔ابھی تو وہ کچھ دن پہلے اس کی غصے سے بھری آنکھوں کو نہیں بھولی تھی کہ اب اس کے شخصیت کے اس رخ نے اس چند پل کے لیے منجمد کر دیا تھا۔

"ایک منٹ ایک منٹ حیات ہوش کر یار وہ صرف تیرا دشمن ہے۔جس کی وجہ سے اس دن وہ ملازمہ تیرے ہاتھ سے نکل گئی تھی۔اور تو اور اس نے تجھے یعنی حیات مراد کو جس کو کسی نے آج تک سخت آنکھ سے دیکھنے کے بارے میں سوچا نہیں، اسے غصہ سے گھورا تھا۔اب اس کی سزا تو اسے ملنی ہی چاہیے۔ویسے یہ لڑکا ہے کون؟؟ حیرت کی بات تو یہ ہے کہ اسی گھر کے دوسرے پورشن میں رہتے ہوئے۔یہ تجھے ان تین دونوں

میں صرف پہلے دن کے علاوہ کہی دیکھائی نہیں دیا۔اور تو اور گھر میں کسی نے اس کی بات تو دور ذکر تک نہیں کیا۔" حیات خود سے بڑ بڑاتے بے خیالی میں آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھنے لگی تھی۔

اس سے پہلے کہ وہ اس تک پہنچتی، اچانک اس جادو گر نے اپنی کالی آنکھوں کو حیات کی طرف کیا تھا۔ جس سے حیات کے پاؤں ایسے رک گئے تھے۔ جیسے انہیں کسی نے بیڑیوں میں جکڑ دیا ہو۔

حیات کو دیکھتے ناپسندیدگی کی لہر ان کالی آنکھوں میں لہرائی تھی۔اور وہ وہاں سے اٹھتے اندر کی جانب بڑھ گیا تھا۔اگر وہ حسین تھا تو حیات بھی کسی ساحرہ سے کم نہیں تھی۔ پھر اس شخص میں اکڑ کس بات کی تھی۔حیات کو آج پھر اپنی سبکی کا احساس شدت سے ہوا تھا۔اور اپنی بے عزتی کو حیات مراد کبھی اتنی جلدی بھلانے والوں میں سے نہیں تھی۔

****

یہ اس سے اگلے دن کی بات تھی۔جب اتوار ہونے کے باوجود آفندی پیلس میں خاموشی کا راج تھا۔کیونکہ گھر کی تمام عورتیں تو شادی کی شاپنگ کے سلسلے میں بازار

گئی تھی۔مرد حضرات بھی ادھر اُدھر کے کاموں میں مصروف تھے۔اپنے کمرے کی بالکونی میں کھڑے حیات مسلسل کل سے سامنے پورشن والے کے بارے میں سوچ رہی تھی۔لاکھ جتن کرنے کے بعد اس شخص کی سوچیں کسی اوکٹوپس کی طرح اس کے دماغ کو جکڑے ہوئے تھے۔اور یہ بات اس انازادی کی برداشت سے باہر ہو رہی تھی۔ کہ وہ کیوں کسی کے بارے میں اتنا سوچے بلکہ سوچنا تو سامنے والے کو چاہیے۔

"آآآآ۔۔۔یہ کالی آنکھیں میرے پیچھے کیوں پڑ گئی ہیں؟؟؟؟؟ "اپنی بالوں میں انگلیاں پھنسائے حیات ایک دم سے بالکونی سے کمرے میں آئی تھی۔دو کالے جادو گر نینوں میں موجود نفرت حیات مراد کے دل کا چین لوٹ گئی تھی۔

"انف حیات مراد ! تم کیوں اس فضول انسان کو سوچ رہی ہو۔جس نے تمہارا چین برباد کر دیا ہے۔اس شخص کو تو میں چھوڑوں گی نہیں۔بس ایک دفعہ پتہ چل جائے کہ یہ کون ہے؟؟جو ساتھ والے پورشن میں رہتا ہے۔پھر دیکھنا اگر اس شخص کو اپنے سامنے ناک رگڑنے پر مجبور نہیں کیا نا تو میرا نام بھی حیات مراد نہیں۔"اپنے دل کی حکایت کو نا سمجھتے حیات نے دماغ کی سنی تھی۔اور مقابل کو فاتح کرنے چلی تھی۔اس بات سے بے خبر کے کہی خود ہی مفتوح نا بن جائے۔جلدی سے دماغ میں منصوبہ بندی

کرتے حیات لاونج کی جانب بڑھی تھی۔ جہاں سے اس وقت منیب اور منہا کی آوازیں آرہی تھی۔

"منیب یہ کیا بدتمیزی ہے بھئی؟؟ جب تمہیں پتہ ہے کہ اس وقت میں ڈرامہ دیکھ رہی ہوں تو کیا چینل بدل رہے ہو۔" منہا جو لاونج میں بیٹھی ٹی وی دیکھ رہی تھی۔ منیب کے چینل بدلنے پر بدمزہ ہوتے چیخی تھی۔

"بندریا چپ کر جاو ہر وقت یہ ڈرامے والی عورتوں کی دو نمبر ایکٹنگ دیکھ دیکھ کر تم بھی انہیں کی طرح ہوتی جارہی ہو۔ جن کو سارا دن لڑنے جھگڑے اور چالیں چلنے کے علاوہ کچھ نہیں آتا۔ ویسے بھی ڈرامہ میں کیا رکھا ہے۔ اگر کچھ دیکھنا ہی ہے تو ایکشن مووی دیکھو تاکہ موڈ فرش ہو۔" منیب اس کی چیخوں پر کان بند کرتا ناک چڑھا کر بولا تھا۔

"اچھا ! اگر میرے ڈرامے فضول ہے تو تمہاری موویز کونسا اچھی ہیں۔ جس میں بس ہر وقت مار دھاڑ ہی چلتی رہتی ہے۔ کبھی اس کی گردن توڑ دی تو کبھی اس کمر۔۔۔ ہنہن انسانیت نام کی تو چیز ہی نہیں ہے ان میں" منہا غصہ سے بے قابو ہوتے منیب کے سر پر کوشن مارتے بولے۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ منیب کا قتل کر دے۔

"اوئے جنگلی بلی کتنی زور سے مارا ہے۔ آلینے دو چھوٹی ماما کو تمہاری ساری شکایتیں

لگاؤں گا۔"منیب نے فوزیہ بیگم کا حوالہ دیتے منہا کو دھمکی لگائی تھی۔

"ارے چھوٹا بچہ ماما کو شکایت لگائے گا۔ویسے کیا شکایت لگائے یہ ننھا بے بی؟؟؟ماما مجھے اشنے(اسنے)مالا(مارا)ہے۔۔۔ہاہاہا کتنے فنی لگو گے تم"تمسخر اڑاتی ہنسی کے ساتھ منہا نے منیب کو چڑایا تھا۔

"منہا اس سے پہلے میں تمہارا قتل کر دوں گا۔دفعہ ہو جاوں یہاں سے!!!۔"ضبط کی انتہا پر پہنچتے منیب دھاڑا تھا۔جس کا منہا پر کوئی خاطر خواہ اثر نہیں ہوا تھا۔

"منیب بھائی اتنا کیوں چیخ رہے ہیں۔میرے کان کے پردے پھاڑنے ہیں کیا؟؟"اپنی کانوں میں انگلی ٹھونستے منہا چہرے پر بیزار گی سجاتے بولی۔

"منہا کی بچی سب بہت ہوا۔اب مجھ سے بچ کر دکھاؤ تم"منہا کو خونخوار نظروں سے گھورتا منیب جوتا لے کر اس کے پیچھے بھاگا تھا۔جس پر کھلکھلاتے ہوئے منہا تیزی سے باہر کی جانب بھاگی تھی۔بلی چوہے جیسے ایک دوسرے پیچھے بھاگتے ان لوگوں نے ادھم مچا رکھا تھا۔

"او منہا یار کیا ہو گیا ہے۔کیا پیچھے بھینس لگی ہے جو تیز گام بنی بھاگ رہی ہو؟؟"ایک

دم سے منہا کے اپنے اندر لگنے پر بچاری حیات تو گڑ بڑا ہی گئی تھی۔

"حیات آپی پلیز مجھے اس بندر سے بچالیں۔ میں ابھی قتل نہیں ہونا چاہتی۔ میری ننھی ننھی آنکھوں نے ابھی تو اپنی بہن کی شادی دیکھنی ہے۔ اور پھر اس لنگور کو اس کی بیوی سے پٹتے بھی دیکھنا ہے۔ اپنی خواہشات پوری کرنے سے پہلے میں مرنا نہیں چاہتی آپی۔ " منہا حیات کو منیب کی طرف اشارہ کرتے ڈرامائی انداز میں بولی تھی۔ جس پر حیات کو بے ساختہ ہنسی آئی تھی۔

"حیات آپی خبردار جو آپ نے اس چھپکلی کا ساتھ دیا تو میں پہلے ہی بتا رہا ہوں۔ ہٹ جائیں راستے سے آج اسے مجھ سے کوئی نہیں بچا سکتا۔" منیب جوتا نیچے رکھتے، اپنے ناک کے نتھنے پھلا کر بولا۔

"اچھا اچھا کولڈ ڈاؤن بڈی! چلو ادھر آو دونوں اور مجھے بتاؤ کیوں لڑائی ہو رہی تھی" حیات نے دونوں کو ٹھنڈا کرتے صوفہ پر اپنے ساتھ بٹھایا تھا

"حیات آپی اس نے پہلے لڑائی شروع کی تھی۔ مجھ سے ریموٹ لے کر" منہا نے جلدی سے منیب کی شکایت لگائی تھی۔

"ہاں تو ایک ریموٹ ہی تو لیا تھا۔ کونسا کوہ کاف کا خزانہ چرایا تھا۔ جس پر تم مری جا رہی ہو" منیب نے بھی غصہ سے جوابی کاروائی کی تھی۔

"وہ تو تمہارے جیسے لنگور سے چرایا بھی نہیں جانا " منہانے منہ چڑایا

"منہا اب تم حد سے بڑھ رہی ہو " منیب نے تلملا کر کہا۔

"بسسس۔۔۔۔چپ کرو تم دونوں میں نے تم دونوں کو یہاں لڑائی ختم کرنے کے لیے بٹھایا تھا۔ لیکن تم لوگوں کو مزید بلی چوہے کی طرح چونچ لڑا رہے ہو۔ میں کہہ رہی ہوں اگر تم لوگوں چاہتے ہو کہ میں تم لوگوں کی دوست بنو جلدی سے ایک دوسرے سے ہینڈ شیک کرو اور معافی مانگو" ان دونوں کے بیچ ہونک بنی حیات یک دم غصہ سے بولی تھی۔ جس پر دونوں کو چپ لگی تھی۔ اور اب سچویشن یہ تھی کہ حیات سے دوستی تو وہ دونوں کرنا چاہتے تھے۔ آخر اپنے دوستوں پر یو کے پلٹ کزن کی شو بھی تو مارنی تھی۔ لیکن ایک دوسرے سے ہاتھ ملانا ان کے لیے جان جوکھم کا کام تھا۔

"میں اور اس بندر نہیں لنگور جیسی شکل والے سے معافی مانگو گی۔ ہر گز نہیں" منیب کو قتل کرتی نگاہوں سے دیکھتے منہا نے سوچا تھا۔

"ہمم تو میں کونسا تم جیسی چھپکلی۔ نہیں چڑیل سے معافی مانگنے کے لیے مرا جا رہا ہوں"

منہا کی آنکھوں سے نکلتے شعولے دیکھ منیب بڑبڑایا تھا۔

"تم دونوں معافی مانگ رہے ہو یا میں جاؤں؟؟" حیات نے ان دونوں کے درمیان سے اٹھتے ہوتے کہا۔

"آئم سوری!" حیات کو جاتے دیکھ دونوں نے اینٹ مارنے جیسے ایک دوسرے کی جانب معافی پھینکی تھی۔

"ڈیٹس گڈ! چلو اب ہاتھ ملاو پھر میرے پاس ایک مزے کا کھیل ہے وہ کھیلیں گے"

حیات کی بات پر دنوں نے منہ کے زاویے بگاڑ کر ایک دوسرے کے ہاتھ کو ہلکا سہ ملاتے، ہاتھ ملانے کی رسم نبھائی تھی۔

اپنی طرف سے ان کی دوستی کروا کر حیات بہت خوش تھی۔ اور پھر لان میں منہا اور منیب کے ساتھ آنکھ مچولی کھیلتے حیات ہر چیز کو بھول گئی تھی۔ آج سالوں بعد وہ اپنی زندگی کو کھل کر جی کھل رہی تھی۔

"ہر رررے! منیب آخر کار پکڑ ہی لیا میں تمہیں" جوش سے کہتے حیات نے سامنے

سے آتے شخص میں ٹکرانے کے بعد اسے بازؤں سے دبوچا چکا تھا۔ جس پر بچارہ سامنے والا بھی بکھلا گیا تھا۔

"ہاہاہاہاہا پہلے آنکھوں سے پٹی اتار کر تو دیکھیں کسے پکڑا ہے" ایک دم سے منیب اور منہا کی کھلکھلاتی ہنسی کانوں پر پڑنے پر حیات نے پٹی اتاری تھی۔ لیکن اپنی ہیزل براون آنکھوں کے سامنے ان کالی گہری ساحری آنکھوں کو دیکھ کر حیات مراد کسی طلسم میں گرفتار ہوئی تھی۔ دل تو لگتا تھا کہ پسلیاں توڑ کر باہر نکلنے کو بے تاب ہے۔ گھبراہٹ سے اس کے ماتھے پر پسینہ کے ننھے قطرے نمودار ہوئے تھے۔ اپنی اتنی غیر ہوتی حالت پر اس انازادی کے دماغ نے شور برپا کیا تھا۔ اور اسے اس افسوں سے کھینچنا چاہا تھا۔

"آئم سوری!" اس شخص کے معافی مانگنے پر حیات پوری طرح سے طلسماتی حصار سے نکل کر گڑبڑائی تھی۔ اور ہونقوں کی طرح اس جانب دیکھنے لگی تھی۔ جہاں وہ معافی مانگے کے بعد گیا تھا۔

"یی۔۔۔۔یہ کون تھا؟؟" خود پر قابو پاتے حیات نے اڑے حواسوں سے پوچھا تھا۔ شاید وہ لمحہ آ گیا تھا۔ جب اس ساحرزادہ کے راز سے پردہ اٹھنے لگا تھا۔

"وہ؟؟ارے وہ تو 'ابراہیم جاسم آفندی' ہیں۔جو ساتھ والے پورشن میں رہتے ہیں"

حیات کی حالت سے لطف اٹھاتے منہا اور منیب ایک ساتھ بولے تھے۔

لیکن اس سے پہلے کے حیات مزید اس کے متعلق پوچھ پاتی۔پورچ میں رکی گاڑی نے

ان سب کی توجہ ان کی طرف مبذول کروائی تھی۔جہاں گھر کی عورتیں شاپنگ سے

واپس آچکیں تھیں۔

****

ابراہیم آفندی سکن شرٹ کے ساتھ بلیک ٹراؤزر پہنے،اپنی کشادہ پیشانی پر بال

بکھیرے،کالی گہری مقناطیسی آنکھوں کو سامنے کنویکس پر فوکس کیے اپنے خوبصورت

مردانہ ہاتھوں میں پینسل پکڑے،چیئر پر بیٹھا کسی خوبرو مجسمے کی مانند لگ رہا تھا۔جس

کے چہرے پر موجود نرم سی مسکراہٹ،جو اس کی شخصیت کا خاصہ معلوم ہوتی تھی،

پوری آب وتاب سے اس کی ہلکی بیرڈ والے چہرے پر چمک رہی تھی۔مسکراہٹ کے

باعث گال پر پڑنے والے گڑھے نے نجانے کیسا سحر تھا۔جو اس کے ارد گرد باندھا ہوا

تھا۔اس کے لب غور کرنے پر سرگوشی میں کچھ بڑبڑاتے محسوس ہو رہے تھے۔

"آپ کے نام کی طرح میں نے آپ کو ہمیشہ اپنے لیے محبت کرنے والا پایا ہے۔ایسا

محبت کرنے والا جو میری ذات کے ہر تاریک پہلو کو دنیا کی نظر سے چھپالیتا ہے۔ جو مجھے اپنی ٹھنڈی چھاؤں میں لے کر میری تار تار روح کے ہر زخم کو پیوند لگاتا ہے۔ جو مجھے کبھی بے آسرا نہیں ہونے دیتا۔ جانتے ہیں یہ ابراہیم جاسم آفندی کی ذات آپ کی محبت کی روشنی کے بغیر ایک تاریک کھنڈر کے سوا کچھ نہیں" اپنے سامنے موجود کنویکس پر تیزی سے پینسل پھیرتے کالی ساحرہ آنکھوں والا ابراہیم جاسم آفندی اس وقت کسی سے محو گفتگو تھا۔

"جانتے ہیں ایک پھر مجھے بزنیس مین آف دی آئیر کا خطاب ملا ہے۔ یہی بات میں بتانے میں کل شام بڑے ابا کو گیا تھا۔ لیکن راستے وہ لڑکی آگئی۔۔۔۔(اس لڑکی کا خیال آتے ہی ابراہیم نے سر کو جھٹکا تھا۔ جیسے اس وقت کسی اور کا ذکر اسے پسند نا آیا ہو۔)

ویسے خیر میں بھی نا کتنا پاگل ہوں۔ آپ کو سب بتا رہا ہو جو پہلے سے بھی ہر چیز جانتے ہیں۔ پلیز میری اس غلطی کو معاف کردیں " کنویکس پر موجود کسی لفظ میں موجود 'و' کے لفظ کو لکھتے ابراہیم معصومیت سے بولا۔

اس کے چہرے پر موجود نرم تاثرات اور کسی خاص سے ہونے والی گفتگو کا الگ ہی تاثر تھا۔ یوں جیسے کوئی دیوانہ اپنی دیوانگی میں مست بس اپنے محبوب سے ہم کلام تھا۔

"جب جب آپ کا نام میری قلم کو شرف بخشتا ہے۔تب تب مجھے محسوس ہوتا ہے۔کہ مجھ جیسا ناکارہ شخص جسے اس کے گھر والے پسند نہیں کرتے۔اس سے کائنات کی سب سے عظیم ہستی محبت کرتی ہے۔مجھے خود پر رشک آنے لگتا ہے۔میں خود کو خوش قسمت جاننے لگتا ہوں۔میرا دل سکون اور اطمینان کی عظیم دولت سے لطف اندوز ہوتا ہے۔"اپنے قلم سے لکھے گئے 'الودود' لفظ (اسماء الحسنیٰ) پر محبت سے ہاتھ پھیرتے ابراہیم جاسم آفندی شاید کسی اور ہی جہاں میں تھا۔

"اچھا سنیں ابراہیم جاسم آفندی جیسے ناچیز کو کبھی اس دلدل میں ڈوبنے مت دیجئے گا۔ہمیشہ 'الودود' (محبت کرنے والا) بنے مجھے اپنے پاس رکھیے گا۔کیونکہ اپنے ہر عزیز کی جدائی تو ہنس کر سہہ لی ہے۔لیکن آپ کی جدائی شاید میری سانسوں کی ڈور کو توڑ جائے "اپنوں کی جدائی کو ہنس کر سہنے والا،کالی آنکھوں میں رب کے نام پر محبت کی چمک لیے وہ شخص کسی اور ہی جہاں کا لگ رہا تھا۔

"صاحب بڑے صاحب آ گئے ہیں۔"اچانک اس دیوانہ کی سوچ میں خلل،دروازے کے باہر سے آتی،ملازم کی آواز بنی تھی۔جس پر وہ اس نام کو ڈھک کر اپنے سامنے موجود دوسرے کنویکس کے ساتھ احترام اور عقیدت سے رکھتے باہر کی جانب بڑھا

تھا۔

"السلام علیکم بڑے ابا کیسے ہیں آپ؟؟ شکر ہے دو دن بعد آپ کو اپنا یہ بھولا بھٹکا ابراہیم بھی یاد آیا ہے۔" بڑے ابا کے پاس بیٹھتے ابراہیم شکوہ کناہ لہجے میں بولا۔

"لاڈلے غصہ مت ہو۔ تم جانتے ہو کل میں اپنے دوست کی عیادت کے لیے گیا تھا۔ اور آج محراب کو ساتھ لئے فیکٹری گیا تھا۔ لیکن یقین جانوں اس دوران میں تم سے غافل بالکل بھی نہیں ہوا۔ تمہاری کامیابی کا سن کر مجھے بہت خوشی ہوئی میرے بچے۔ اللہ تمہیں مزید کامیابیاں دے۔" بڑے ابا نے ابراہیم کے ماتھے پر بوسہ دیتے اسے سینے میں بھینچا تھا۔

"شکریہ بڑے ابا! چلو اس گھر میں کوئی تو ہے جسے میری پرواہ ہے۔" آسودگی سے مسکراتے ابراہیم کی زبان سے ناچاہتے ہوئے بھی یہ الفاظ پھسلے تھا۔

"چل جھلا نا ہو تو! تو تو جانتا ہے کہ میں تجھ سے بہت محبت کرتا ہوں۔ میری جینے کی بڑی وجوہات میں سے ایک وجہ تمہارا وجود ہے ابراہیم جاسم آفندی۔ کبھی میری محبت پر شک نا کرنا۔ کیونکہ شک ہر رشتے کو دیمک کی طرح چاٹ جاتا ہے" بڑے ابا کے لہجے کی سچائی پر ابراہیم کو پورے دل سے یقین لایا تھا۔

"سوری بڑے ابا! میں تو مزاق کر رہا تھا۔ ویسے بھی اگر آپ نا بھی بتاتے تو اس بات کو یہ ابراہیم اچھے سے جانتا ہے۔" ابراہیم کے لہجے میں موجود مان پر فیض صاحب کے سینے میں ٹھنڈک اتری تھی۔

"اچھا ! چلو مکھن لگانا بند کرو۔ آؤ میں کیک لے کر آیا ہوں۔ وہ مل کر کاٹتے ہیں۔" فیض صاحب ابراہیم کا ہاتھ پکڑے ٹیبل کی جانب متوجہ ہوئے تھے۔ نجانے کیوں لیکن یہ سب دیکھ کر براہیم کے چہرے پر تکلیف کا ایک سایہ لہرایا تھا۔ جسے وہ بہت عمدگی سے چھپا گیا تھا۔

"کیک بھی کٹ ہو جائے گا ابا آپ یہ سب چھوڑے!! مجھے نا آپ سے انتہائی ضروری بات کرنی ہے پہلے وہ سنیں" ابراہیم بڑے ابا کو صوفہ پر بیٹھاتے، بات بدلتے ہوئے بولا

"بڑے ابا اگر آپ برا نا مانیں تو میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ دانش اور دامن کی شادی کی ساری زمہ داری بڑا بھائی ہونے کے ناطے میں لینا چاہتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ ان شادی میں کوئی کمی نا رہے۔ ہر چیز پرفیکٹ ہو۔ آخر آفندی ویلا کے پہلے بیٹے کی شادی ہے۔" ابراہیم کی غیر متوقع بات پر بڑے ابا کی آنکھیں کھلی تھی۔

"بالکل نہیں ابراہیم! پہلے ہی تم مجھے بلیک میل کر کر ان بے مروت لوگوں کے لیے بہت کچھ کر چکے ہو۔ یہاں تک کہ بغیر سامنے آئے تم ان کی ڈوبتی کمپنی کو بھی بروقت سنبھال کر واپس اوپر لے کر آئے ہو۔ لیکن انہیں تمہاری پھر بھی کوئی قدر نہیں۔ اب یہی دیکھ لو کہ دانش سے تین سال بڑے ہونے کے بعد ابھی تک تمہاری شادی نہیں ہوئی۔ اس کے باوجود بھی اگر تم ان کی مدد کرنا چاہوں گے تو میں اس معاملے میں تمہاری بالکل بھی مدد نہیں کروں گا۔" بڑے ابا کے چہرے پر غصہ لہرایا تھا۔

"ابا یار پلیز نا دیکھیں وہ جیسی بھی ہے میری فیملی ہے چاہے وہ میرے وجود کو دھتکاریں یا پسند کریں۔ مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ویسے بھی کیا اب آپ مجھ سے میرے بھائی اور بہن کی شادی پر اپنی خوشی کا اظہار کرنے کا حق بھی چھننا چاہتے ہیں" ابراہیم نے بڑے ابا کو بلیک میل کیا تھا۔

"ابراہیم میرے بچے مجھے سمجھ نہیں آتا تم کیوں اتنے نرم دل ہو؟ جو ان کی طرف سے ملنے والی نفرت کا بھی اپنی محبت سے جواب دیتے ہو۔ تم کیوں ان سے نفرت نہیں کرتے" بڑے ابا کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

"او ہو میرے پیارے ابا مجھے ان سے کچھ نہیں چاہیے کیونکہ جتنی محبت مجھے آپ سے

اور میرے دوست سے مل گئی ہے وہی بہت ہے۔ویسے بھی نفرت صرف وجود کو جلا کر خاک کرتی ہے۔یہ محبت ہی ہوتی ہے جو آپ کو آباد رکھتی ہے۔اور میں چاہتا ہوں کہ اپنی یہ مختصر سی زندگی کھل کر جیو تاکہ کل مرتے وقت مجھے کوئی پچھتاوا نا ہو۔" سراپا محبت بنا وہ ساحر شاید صرف ہر کسی سے محبت کرنا ہی جانتا تھا۔تبھی بڑے ابا کو سمجھا رہا تھا

"ویسے بڑے ابا اگر آپ چاہیں تو مجھے میری احسانوں کا بدلہ دے سکتے ہیں۔میں جانتا ہوں کہ میرے منحوس وجود کے سائے کو اپنے بچوں سے دور رکھنے کے لیے ماما اور چھوٹی ماما مجھے وہاں نہیں جانے دیتی۔لیکن جس دن میں مروں اس دن گھر کے ہر فرد کو میرے جنازے میں ضرور شامل کیجئے گا تاکہ زندگی میں موجود آخری کسک بھی ختم ہو جائے۔ابا اپ کا ابراہیم یہ کسک ساتھ لے کر قبر میں نہیں جانا چاہتا۔"ابراہیم کی بات پر فیض صاحب کے دل میں درد بھر گیا تھا۔

"ابراہیم اتنے بے حس مت بنا کرو۔جانتے ہوں نا تمہاری یہ باتیں سن کر میرا دل کانپ جاتا ہے۔"بڑے ابا نے سخت ناراضگی لیے کہا۔

"بڑے ابا موت تو ہر شخص کو آنی ہے۔میں نے تو جنرل بات کی ہے یار!!میرے

کہنے سے کونسا موت مجھے لینے آگئی ہے۔اس لیے پلیز ناراضگی ختم کر دیں۔اچھا ٹھیک ہے پکا میں آئیندہ ایسی باتیں نہیں کروں گا۔آپ یہ رونا تو بند کریں۔آپ ایسے رو کر مجھے میرے ارادوں سے پیچھے نہیں ہٹا سکتے۔بس میں نے کہہ دیا ہے کہ دانش اور دامن کی شادی کی ساری زمہ داری میں اٹھاؤں گا۔تو اپ بھی اس بات سے انکار نہیں کریں۔ سمجھے آپ؟؟" بات کے آغاز میں جہاں ابراہیم کا لہجہ بے چین تھا۔وہی اختتام تک اس کے لہجے میں شرارت گھلی تھی۔

"اچھا میرے باپ ٹھیک ہے جیسا تم چاہو گے ویسا ہی ہو گا۔ چلو اب کیک کاٹو" ابراہیم کے ماتھے سے بال بکھیرتے انہوں لاڈ سے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

****

وہ جو کہتی تھی کہ محبت اگر اس کے سامنے آئی تو شکست خوردہ واپس جائے گی۔اس لڑائی میں پہلے وار پر ہی کمزور ہو گئی تھی۔مقابل کے ساحرہ آنکھوں کے وار پر ہی وہ ہیزل براؤن آنکھوں والی حیات مراد کمزور پڑ گئی تھی۔بلیو ٹوپ کے ساتھ جینز پہلے اپنے آبشار جیسے بالوں کو کھلا چھوڑے وہ اس وقت بہت پر مژدہ لگ رہی تھی۔جب سے وہ کمرے میں آئی تھی۔ مسلسل تب سے بس اُس ایک لمحہ کو سوچے جا رہی تھی۔

"آآآ۔۔۔۔یہ میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔دفعہ کیوں نہیں ہو جاتے تم۔کیوں جن کی طرح پیچھے ہی پڑ گئے ہو" خود سے بڑبڑاتے حیات نے اپنے بالوں کو جکڑا تھا۔لیکن کوئی فائدہ نا ہوتے دیکھ حیات غصے سے باہر کی جانب بڑھی تھی۔ لیکن براہوا کے سامنے سے آتے کیف میں زور سے لگتے نیچے گری تھی۔

"آآآ۔۔۔۔پاگل شخص کہ نہیں چل سکتے۔اف میرا پاؤں۔۔۔توڑ دیا۔۔۔۔دفعہ ہو جاو یہاں سے" ہونک سے کیف کو سخت سست سناتے حیات پاؤں کو پکڑتے چیخی تھی۔ جو ایک دم جھٹکا لگنے سے مڑ گیا تھا۔

"حیات تم ٹھیک ہو؟ کیا ہوا ایسے کیوں بیٹھی ہو؟؟" ایراج جو ابھی وہاں آئی تھی۔ حیات کو چیختے دیکھ تیزی سے اس کی طرف بڑھی تھی۔

"میرا پاؤں میں بہت درد ہو رہا ہے۔کھڑا ابھی نہیں ہوا جا رہا۔" اپنی ہیزل براون آنکھوں میں موٹے موٹے آنسوں لیے حیات نے ایراج کی طرف دیکھتے معصومیت سے کہا تھا۔

"اوہو کیف بھائی اب آپ ایسے کیوں کھڑے ہیں؟؟ دیکھ نہیں رہے حیات کے پاؤں کتنا درد کر رہا ہے۔جلدی سے اسے اٹھا کر اندر لے کر چلیں نا۔" ایراج نے فکر مندی

سے حیات کے پاؤں کو دیکھتے کہا۔

کیف جیسا اکڑ و جو نجانے کیوں حیات کی اتنی باتیں سننے کے بعد بھی گم سم کھڑا تھا۔

ایراج کے کہنے پر تیزی سے آگے بڑھتے حیات کی طرف اپنا ہاتھ بڑھا گیا تھا۔

پہلے تو حیات کا دل چاہا کہ منع کر دے اسے لیکن پھر اپنے پاؤں میں ہوتی تکلیف کے پیش نظر مصلحت سے کام لیتے وہ اس کا ہاتھ تھامتے کھڑی ہوئی تھی۔ اور آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے اپنے کمرے کی طرف بڑھی تھی۔ جبکہ ایراج جلدی سے نیچے کی طرف بڑھی تھی۔

"آئم سوری! وہ ایکچلی میں اپنی افرا تفری میں، میں آپ کو دیکھ نہیں پایا تھا۔" حیات کو بیڈ پر بیٹھا کر، کیف کے منہ سے یک دم نکلا تھا۔ کوئی اور اگر یہ سن لیتا تو یقیناً بے ہوش ہو جاتا۔

"اٹس اوکے! شاید غلطی میری بھی تھی جو میں اندھا دھند باہر جا رہی تھی۔" بیڈ پر بیٹھے اپنے پاؤں کو ہاتھ سے ہلکا ہلکا دباتے، حیات نے بھی اپنی غلطی تسلیم کی تھی۔ ویسے بھی پاؤں کی درد نے اسے بے حال کر رکھا تھا۔

"ایک منٹ یہاں کہی فرسٹ ایڈ کٹ ہو گی میں وہ دیکھتا ہوں" حیات کی تکلیف انجانے میں کیف کو چہرے پر بھی درد کے آثار بھر گئی تھی۔اس لیے بے چینی سے وہ فرسٹ ایڈ ڈھونڈنے لگا تھا۔

"حیات یہ لو یہ جلدی سے اپنے پاوں پر رکھے۔اس سے تمہیں آرام ملے گا۔" ایراج تیزی سے اندر آتے،ہاتھ میں پکڑے فرسٹ ایڈ باکس پر رکھے آئس پیڈ (برف کی تھیلی) کو حیات کی طرف بڑھاتے بولی۔ جس پر حیات اور کیف دونوں متوجہ ہوئے تھے۔

"او تھینک گاڈ ایراج جو تم یہ لے آئی" آئس پیڈ پکڑتے حیات ممنون ہوئی تھی۔

"کیف بھائی اب آپ جا سکتے ہیں میں خود حیات کا خیال رکھ لوں گی" حیات کو پین کلر پکڑاتے ایراج نے پاس کھڑے کیف کو کہا تھا۔ جو بچارہ پیچھلی کچھ دیر سے اپنے آپ میں نہیں لگ رہا تھا۔

"اوکے حیات اگین آئم سوری اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو بتایئے گا" چہرے پر جبراً مسکان لاتے کیف نے حیات سے معزرت کی تھی۔اور اپنے دھک دھک کرتے دل کو لیے تیزی سے کمرے سے باہر نکلا تھا۔

"اللہ اللہ یہ میرے ناچیز کان آج کیا سن رہے ہیں؟؟ لگتا ہے انقلاب کا دن آیا ہے۔ جو اس سڑیل نے کسی سے معافی مانگی ہے۔اف اف ایراج کہی قیامت تو نہیں آنے والی ؟؟ نہیں کیسی باتیں کر رہی ہو ایراج!!" خود سے بڑبڑاتے ایراج نے حیات کے ہاتھ سے پانی پکڑ کر واپس رکھا تھا۔آخر کیف کا معافی مانگنا بچاری کو ہضم نہیں ہو رہا تھا۔

"کیا ہوا؟؟" ایراج کو بڑبڑاتے دیکھ حیات نے حیرت سے پوچھا۔

"آآا۔۔۔کچھ نہیں کچھ نہیں تم بتاؤ زیادہ درد تو نہیں ہو رہا؟؟" حیات کی بات پر ہوش میں آتے،ایراج اس کے پاس بیٹھتے ہوئے بولی۔

"ہو رہا ہے۔لیکن ابھی پین کلر کھائی ہے ناتو امید ہے جلد ٹھیک ہو جائے گا۔ تھینکیو ایراج!" ایراج کا ہاتھ پکڑتے حیات ہلکا سہ مسکرائی تھی۔

"او ہو پاگل اس میں تھینکیو والی کون سی بات تھی۔تم میری کزن ہو۔تمہارے لیے اتنا تو میں کر ہی سکتی ہوں۔" ایراج نے سادگی سے جواب دیا تھا۔

"سچ میں ایراج تم بہت اچھی ہو۔جس نے میرے پچھلے دنوں کے سخت رویے کے باوجود،میری اتنی مدد کی" ایراج کے ہاتھوں کو دباتے حیات بھرائے ہوئے لہجے میں

بولی۔ نجانے کیوں اس سخت دل شہزادی کا دل اچانک بھر آیا تھا۔

"حیات یار پاگل ہو گئی ہو کیا؟ رو کیوں رہی ہو؟؟ اچھا چھا میں نے مان لیا کہ میں بہت اچھی ہوں اور تمہارا تھینکیو بھی ایکسپٹ کر لیا لیکن یار رونا تو بند کرو۔ کیونکہ میں روتے ہوئے لوگوں کو دوست نہیں بناتی۔" بکھلا کر حیات کو گلے لگاتے ایراج نے آخری بات شرارت سے کی تھی۔ جس پر اپنے آنسوئں صاف کرتے حیات بھی مسکرا دی تھی۔ اس کی دیکھا دیکھی ایراج کے چہرے پر بھی مسکان بکھری تھی۔ اور یوں ایک عظیم دوستی کا آغاز ہوا تھا۔ جس کے لیے قسمت نے آگے بہت کچھ رکھ چھوڑا تھا۔

****

ایک حسین اور خوبصورت صبح کا آغاز ہو چکا تھا۔ صبح کی ٹھنڈی ہوا میں آج کچھ مستی اور پراسراریت سی تھی۔ آفندی ولا کے لان میں لگے درختوں کے پتوں کو جب یہ ہوا چیر کر نکلتی تو ایک کھنکتی ہوئی آواز پیدا کرتی تھی۔ کسی خوبصورت دوشیزہ کی نقرائی ہنسی کی مانند دل کو چھو جانے والی آواز تھی۔ کچھ تو تھا جو اس صبح میں نیا تھا۔ لیکن کیا تھا؟؟

آفندی ولا کے دائیں پورشن میں چلیں تو اس میں اس وقت خوب ہل چل مچی ہوئی تھی۔ ڈائینگ روم میں اس وقت سربراہی کرسی پر فیض آفندی بیٹھے تھے۔ ان کے

دائیں بائیں ان کے بیٹے نعمان صاحب اور مصطفی صاحب اپنی بیوں کے ساتھ بیٹھے تھے۔ان کے ساتھ ہی حمیرہ بیگم بھی مراد صاحب کے ساتھ براجمان تھی۔حیات کے سوا(جو ابھی تک سورہی تھی)ساری نوجوان پارٹی بھی اس وقت کرسیوں پر موجود تھی۔

سب لوگ خوشگوار لہجے میں بات کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے کھانے سے لطف اندوز ہورہے تھے۔

"دانش بھائی آپ کو پتہ ہے کچھ لوگ کل بہت شریف بنے ہوئے تھے۔"کیف پر ڈائریکٹ اٹیک کرتے ایراج نے دانش کے قریب جھکتے آہستہ آواز میں کہا تھا۔جو اتنی ضرور تھی کہ ان سب کو باآسانی سنائی دے رہی تھی۔

"اپنی زبان کو بند کرکے بیٹھو ایراج صبح صبح تمہاری پٹرپٹر آواز سننے کا میرا موڈ نہیں ہے۔"کیف نے جلدی سے ایراج کو گھور کھا تھا۔ابھی تو وہ خود اپنی کل والی حالت نہیں سمجھ پایا تھا۔اور وہ نمونی سب میں ڈھنڈورا پیٹنے چلی تھی

"میں نے کیا کہا ہے کیف بھائی؟؟کیا اب آپ اس چھوٹی سی معصوم سی پیاری سی بچی کے بولنے پر بھی پابندی لگائیں گے؟؟"اپنی آنکھیں پٹپٹاتے ایراج نے سوال کیا تھا۔

"دنیا کا ہر معصوم آپ جیسی معصوم کو دیکھ کر کہیں خودکشی نا کر لے" بے ساختہ محراب کے منہ سے پھسلا تھا جس پر ایراج کی آنکھوں کے ساتھ ساتھ منہ بھی پورا کا پورا کھل گیا تھا۔ جبکہ منیب سے لے کر دانش تک ہر کسی کا قہقہہ گونجا تھا۔

"واہ میرے شیر صبح صبح اس بے سری کوئل کو چپ کروا کر میرا دل خوش کر دیا تو نے" ان کے قہقہوں پر جز بز بیٹھے محراب کا کندھا تھپتھپا کر کیف نے ایراج کو مزید تپایا تھا۔ ایراج کا منہ اس بات پر پھول چکا تھا۔ اور آنکھیں بس محراب کے قتل کے لیے تیار تھی۔

"یہ کس بات پر صبح صبح مسکرایا جا رہا بچوں؟؟" بچوں کی قہقہوں پر بڑوں نے بھی متوجہ ہو کر پوچھا تھا۔۔

"کچھ خاص نہیں بڑے ابا بس ابھی تھوڑی دیر پہلے ایک نئے سپاہی نے سالوں سے بولتی ایک چڑیل میرا مطلب ہے پری کا منہ بند کروا کر کارنامہ سرانجام دیا ہے۔" منیب نے اپنی کن انکھیوں سے ایراج کے دھواں ہوتے چہرے کی جانب اشارہ کرتے بڑوں کو بھی قہقہ لگانے پر مجبور کر دیا تھا۔

"ہاہاہاہاہا شریر نا ہو تو خبردار جو کسی نے میری ایراج بیٹی کو تنگ کیا تو مجھ سے برا کوئی

نہیں ہو گا۔" حمیرہ بیگم نے جھٹ سے ان کے مذاق پر ایراج کا ساتھ دیا تھا۔ جس پر بچاری ایراج بھی کچھ بہتر ہوئی تھی۔

"چلو بس بس بچو باتیں اور کھانا دونوں ختم کرو اور اپنے اپنے کاموں پر نکلو اور نعمان اور مصطفیٰ کام پر جانے سے پہلے تم دونوں میرے کمرے میں آؤ۔" فیض آفندی حکم سنا کر اٹھ گئے تھے۔ ان کے جانے بعد باقی سب بھی کھانے کھانے کے بعد اپنے اپنے کاموں اور سکول کالجز کے لیے نکل گئے تھے۔ محراب بھی اٹھ کر باہر کی جانب بڑھا تھا۔ حمیرہ بیگم اپنی بھابھیوں کے ساتھ باتوں میں لگی تھی۔ مراد صاحب چائے کی چسکیوں کے ساتھ لاونج میں بیٹھ کر اخبار پڑھنے لگے تھے۔

NEW ERA MAGAZINE.COM
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

****

آفندی ویلا کے بائیں جانب موجود پورشن میں سوائے جم خانے کے ہر جگہ خاموشی کا راج تھا۔ جم خانے میں اس وقت رننگ مشین کی آواز گونج رہی تھی۔ باریک سفید بنیان کے ساتھ بھورے ٹراؤزر پہنے ابراہیم جاسم آفندی پوری رفتار کے ساتھ مشین پر بھاگ رہا تھا۔ بھاگنے کی وجہ سے اس کی گردن کی رگین تن کر واضح ہو رہی تھی۔ موسم میں اتنی گرمی نا ہونے کے باوجود پسینہ اس کے چہرے پر بہہ رہا تھا۔ کالے بال

ماتھے پر چپکے اس کی گہری آنکھوں کے سحر میں اضافہ کر رہے تھے۔جو اس وقت غیر مرائی نقطے پر جمی ہوئی تھی۔ہر سو بکھرے اپنے طلسم سے بے نیاز وہ شہزادہ نجانے کس سوچ میں گم تھا۔اس کی سوچوں میں خلل ایک بوڑھے شخص نے ڈالا تھا۔

"ابراہیم بیٹا! 8 بج گئے ہیں۔کیا آپ کا ناشتہ ٹیبل پر لگاؤں؟؟ "

"نہیں اسلم بابا ابھی موڈ نہیں ہے۔نہانے کے بعد میں سیدھا آفس جاوں گا۔" رننگ مشین کو بند کرتے ابراہیم نے پاس پڑی پانی کو بوتل کو اپنے چہرے پر ڈالتے کہا۔

"لیکن بیٹا صبح صبح خالی پیٹ جانا اچھا نہیں ہے۔میں ابھی آپ کے لیے جوس لے کر آتا ہوں۔آپ فرش ہو جائیں!!" اسلم بابا ابراہیم کی بات کو ٹالتے حکم دیتے دوبارہ کیچن کی طرف بڑھ گئے تھے۔اسلم بابا کی محبت پر ابراہیم کی چہرے کو مسکان نے چھوا تھا۔ کبھی کبھی اپنے غیر اور غیر اپنے ہو جاتے ہیں۔یہ بات ابراہیم کو اسلم بابا کے معاملے میں بالکل سچ لگتی تھی۔

فریش ہو کر گرے فارمل سوٹ میں بالوں کو جل سے سیٹ کیے ہاتھ میں برینڈڈ گھڑی پہنے خود پر پرفیوم چھڑ کے ابراہیم جیسے ہی نیچے آیا۔اسلم بابا پہلے ہی جوس کا گلاس تھامے اس کے انتظار میں کھڑے تھے۔

"شکریہ بابا!"جوس کا گلاس پکڑتے ابراہیم ممنونیت سے بولا۔

"پگلا اب اپنے بابا کو بھی شکریہ ادا کرے گا۔"ابراہیم کو ہلکی سی چپت لگاتے اسلم بابا خفگی سے بولے۔جس پر ابراہیم ان کا ہاتھ پر بوسہ دیتے محبت سے مسکرادیا تھا۔شاید یہ اس شہزادے کا معافی مانگنے کا ایک انداز تھا۔

"اللہ تمہاری مسکراہٹ کو نظرے بد سے بچائے بچے!"ابراہیم کے چہرے پر کھلتے گھڑے کو محبت سے دیکھتے ابراہیم بابا اسے کے سر پر پیار دے کر اٹھے تھے۔

"اللہ حافظ بابا اب میں نکلتا ہوں۔"جلدی سے جوس ختم کرتے ابراہیم باہر کی جانب بڑھا تھا۔لیکن پورچ میں کھڑی گاڑیوں کے پاس ایک شخص کو کھڑے دیکھ ابراہیم کے پاوں رکے تھے۔اور چہرے پر خوشگوار حیرت ابھری تھی۔

"کیا تمھیں یہ مرسیڈیز پسند آئی؟؟"ابراہیم نے اس شخص کے پاس جا کر پوچھا۔

"ہاں بہت زیادہ جانتے ہیں میں کب سے بابا سے اسی لیٹسٹ ماڈل کو لینے کے لیے ضد کر رہا تھا۔لیکن وہ مان نہیں رہے تھے۔لیکن خیر چھوڑیں۔!!ویسے کیا یہ یونیک کار کا لیکشن آپ کی ہیں؟"محراب نے اپنی پسند بتاتے وہاں لائن میں کھڑی چار بہترین

لگژری کار کی طرف اشارہ کر کے کہا تھا۔

"ہاں مجھے کارز کا لیکشن کا بہت شوق ہے۔اسی وجہ سے یہ یہاں ہے لیکن اگر تم چاہو تو مرسیڈیز لے سکتے ہو۔" محراب کے اشتیاق کو دیکھتے ابراہیم نے کھلے دل سے اسے آفر کی تھی۔

"کیا سچ میں؟؟آپ کہی مزاق تو نہیں کر رہے؟؟مطلب کیا میں سچ میں آپ کی مرسیڈیز لے سکتا ہوں؟؟آو نہیں نہیں اگر بابا کو پتہ چلا کہ میں نے کسی سٹرینجر سے اس کی کار لے لی ہے تو ناراض ہونگے۔" ابراہیم کی بات پر حیرت کا جھٹکا کھاتے محراب نے انکار کیا تھا۔اس کے لفظ سٹرینجر پر ابراہیم کے دل میں کچھ چبھا تھا۔جس کی تکلیف بہت شدید تھی۔

"میں اجنبی نہیں ہوں۔تم مجھے ابراہیم بھائی کہہ سکتے ہو۔اور یقین کرو اگر مراد پھوپھا کو پتہ چلا کہ تم نے یہ مجھ سے لی ہے تو کچھ نہیں کہیں گے۔" ابراہیم نے اپنی تکلیف کو نظر انداز کرتے محراب کے ماتھے کے بال ہلکے سے بکھیرتے ہوئے مسکرا کر کہا تھا۔

"کیا آپ میرے بابا کو جانتے ہیں؟؟اور کیا آپ اس گھر میں رہتے ہیں۔؟؟" محراب تو ابراہیم کی شخصیت سے کافی مرغوب نظر آرہا تھا۔اسی لیے بغیر جھجھک کے بات کر رہا

تھا۔

"ہاں بالکل اواندر چلو، وہاں بیٹھ کر تمہیں بتاتا ہوں۔ساتھ میں تم میرے مہمان ہو تمہاری خاطر مدارت تو بنتی ہے بھئی" محراب کو اندر کی طرف لیجاتے ابراہیم نے کہا تھا۔

"او! لیکن آپ یہاں کیسے ہو سکتے ہیں؟؟ مطلب یہ تو بڑے ابا کے گھر کا حصہ ہے۔ تو پھر آپ یہاں کیسے ہو سکتے ہیں؟؟ ایک منٹ کیا آپ بڑے ابا کے کچھ لگتے ہے؟؟ اگر لگتے ہیں تو پھر میں نے پہلے آپ کو اسی گھر کے دوسرے حصہ میں کبھی کیوں نہیں دیکھا ؟؟"اندر کیطرف بڑھتے دلچسپی سے محراب نے کئی سوال ایک ساتھ کیے تھے۔

"ہاں بالکل یہ بڑے ابا کا گھر ہی ہے۔اصل میں میرے بابا بڑے ابا کے لاڈلے بھتیجے تھے۔جو ماں باپ کی وفات کے بعد بڑے ابا کے پاس ہی پلے بڑے تھے۔لیکن میری پیدائش کے کچھ سال بعد ایک کار ایکسیڈنٹ میں میرے والدین بہت زخمی ہوئے تھے۔اور مرتے وقت انہوں نے بڑے ابا سے عہد لیا تھا۔کہ وہ ہمیشہ میری دیکھ بھال کریں گے۔لیکن میں ریزروسہ بندہ ہوں اس لیے گھر والوں کے ساتھ اڈجسٹ نا ہو سکا تبھی انہوں نے مجھے ایک الگ پورشن بنا دیا کیونکہ میرے بابا سے کیا آخری وعدہ ،کہ وہ میرا خیال رکھیں گے،وہ مرتے دم تک نبھانا چاہتے تھے۔بس یہی میری مختصر

کہانی ہے۔"سچ جھوٹ ملا کر ابراہیم نے محراب کو اپنی حقیقت بتائی تھی۔اپنے گھر والوں کا رویہ کسی کو بتا کر وہ کسی کو اپنے گھر والوں سے بدزن نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"او سوسیڈ! ویسے کیا میرا آنا آپ کو پسند آیا ہے یا مروت کے مارے مجھے اندر لے جا رہے ہیں"ابراہیم کی بارے سن کر افسوس کا اظہار کرتے محراب نے کسی خدشہ کے تحت پوچھا۔

"نہیں بھئی ایسی بالکل بھی بات نہیں۔بلکہ مجھے تو تمہارا آنا کافی اچھا لگا۔ویسے تم حمیرہ پھوپھو کے بیٹے ہو نا؟؟"ہلکا سہ مسکاتے ابراہیم نے پوچھا تھا۔

"او میں تو اپنا انٹرو تو کروانا بھول ہی گیا۔میں محراب مراد ہوں حمیرہ مراد اور مراد بیگ کا بیٹا۔جو اپنی چھوٹی بہن کے ساتھ یہاں دانش بھائی کی شادی اٹینڈ کرنے آیا ہے۔اور یہاں آکر آپ سے مل کر مجھے بہت خوشی ہوئی ہے۔ویسے آپ کرتے کیا ہیں ابراہیم بھائی کیوں کہ میں نے یہاں سے گزرتے ہوئے، کبھی آپ کو دیکھا نہیں ہے۔ "اپنا انٹرو دینے کے بعد محراب نے پوچھا تھا۔

"کچھ خاص نہیں بس ایک چھوٹی سی اے جے نام کی ٹیکسٹائل کمپنی چلاتا ہوں۔اور باقی ٹائم گھر ہی ہوتے ہوں۔اور لڑکے خود تم کبھی مجھے دیکھائی نہیں دے اور مجھ سے شکوہ

کر رہے ہو" ابراہیم نے چائے سرو کرتے محراب کو جواب دیا تھا۔

"ہاہاہاہاہاہا ابراہیم بھائی یہ تو سچ ہے۔ میں جب سے آیا ہوں، روز کیف بھائی مجھے کہی نا کہی گھمانے لے جاتے ہیں۔ ویسے ایک منٹ ایک منٹ ابھی آپ نے اے جے ٹیکسٹائل کمپنی کا نام لیا ہے؟؟ اومائی گاڈ یہ پاکستان کی ٹوپ ٹیکسٹائل کمپنیز میں سے ایک ہے۔ جس نے سٹوک مارکٹ میں تہلکا مچایا ہوا ہے۔ اور تو اور اس کی نا صرف پاکستان میں بلکہ بیرون ملک بھی کافی برانچز ہیں۔ سچ بتائیں میں جو کہہ رہا ہوں۔ وہ سچ ہے نا ؟؟" محراب کے لہجے میں یک دم تجسس سمٹ آیا تھا۔

"ارے واہ لڑکے تمہاری بزنیس کے معاملے میں جنرل نالج تو کافی اچھی ہے۔ مجھے امید نہیں تھی کہ تم بزنیس میں انٹرسٹ رکھتے ہو گے۔ لگتا ہے آگے چل کر بہت ترقی کرو گے" محراب کی بات پر خفیف سہ مسکرا کر سر ہلاتے براہیم نے اسے چھڑا تھا۔

"کتنے گھنے میسنے ہیں آپ ابراہیم بھائی، چھوٹی سی کمپنی تو ایسے کہہ رہے تھے۔ جیسے پتہ نہیں کتنی چھوٹی ہو۔ اور جنرل نالج کہ بھی آپ نے خوب کہی اب ایک ایم بی اے کے سٹوڈنٹ کو یہ خبریں نہیں ہو نگی تو اور کسے ہو نگی۔ ویسے کبھی کبھی بابا کے ساتھ ان کے آفس بھی جاتا ہوں۔ جو پچھلے دنوں آپ کی کمپنی کے ساتھ ڈیلنگ کا کہہ رہے تھے۔"

محراب نے چائے کا کپ میز پر رکھتے جواب دیا تھا۔ یہ ابراہیم کی نرم نیچر ہی تھی کہ وہ بہت دوستانہ طریقے سے بات کر رہا تھا۔

"اوہ سہی چلو واو آج تمہیں اپنی کمپنی دیکھاتا ہوں۔ تم اسے وزٹ کرنا میں تب تک کام کر لوں گا۔ پھر کسی اچھے سے ریسٹورانٹ میں لنچ کریں گے" پورے دن کا پلین ترتیب دیتے ابراہیم کھڑا ہوا تھا۔

" گریٹ ابراہیم بھائی مجھے منظور ہے۔ ویسے بھی میں گھر میں سارا دن رہ کر بور ہونے سے تو اچھا ہی ہے۔" ابراہیم کی تقلید میں چلتے محراب پرجوش سہ تھا۔ دوسری طرف ابراہیم بھی اپنے کزن کو خود کے ساتھ پا کر آج دل سے خوش تھا۔

****

"ابا خیریت تھی؟؟ جو آپ نے ہمیں یہاں بلایا" فیض صاحب کے کمرے میں داخل ہوتے ہی مصطفیٰ آفندی نے ان سے پوچھا۔ جو اس وقت رولنگ چیر چیئر پر جھول رہے تھے۔

"،ہمم بیٹھو مجھے تم دونوں سے بات کرنی تھی" فیض صاحب نے چیئر روکتے انہیں

سامنے موجود صوفہ پر بیٹھنے کا اشارہ کیا تھا۔

"میں تم لوگوں کو یہاں یہ بتانے کے لیے بلایا ہے کہ ابراہیم چاہتا ہے کہ بڑے بھائی کی حیثیت سے دامن اور دانش کی شادی کا سارا خرچہ ہو خود کرے۔" ان کے بیٹھتے ہی فیض صاحب نے بغیر بات بغیر گھمائے انہیں کہا تھا۔

"برے ابا یہ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔ آپ جانتے ہیں نا اگر افشان کو اس بات کی بھنک بھی پڑ گئی تو وہ کتنا واویلا مچائے گی۔ اور ویسے بھی جب ہمارے پاس اللہ کا دیا سب کچھ ہے تو ہمیں دوسروں کی مدد لینے کی کیا ضرورت ہے۔" نعمان آفندی کو شاید یہ بات بالکل بھی پسند نہیں آئی تھی۔ اس لیے جھٹ سے بولے۔

" کبھی تو بیگم کے نیچے لگنا چھوڑ دیا کرو نعمان آفندی!! مجھے سمجھ نہیں آتا کہ وہ بے زر سہ بچہ تم لوگوں کو کہتا کیا ہے۔ ہم سب کے ساتھ جو بھی ہوا۔ اس میں اس کا کوئی قصور نہیں تھا۔ بلکہ میرے خیال سے سب سے زیادہ خسارہ بھی اسی کے حصہ میں آیا ہے۔ تو پھر تم لوگ کیوں اس کے ساتھ یہ سلوک کر رہے ہو؟؟" بڑے ابا کے ضبط کا پیمانہ چھلکا تھا۔

"بڑے ابا آپ جانتے ہیں میری ابراہیم سے کوئی ذاتی پرکاش نہیں ہے۔ میرے لیے

بھی وہ اتنا ہی عزیز ہے جتنا کہ آپ کے لیے ہے۔ لیکن آپ جانتے ہیں کہ افشاں کے لیے اس کا وجود ناقابل برداشت ہے۔ اسے دیکھتے ہی افشاں کو اپنے پرانے زخم یاد آنے لگتے ہیں۔ اور اس عمر میں، میں افشاں کو کوئی دکھ نہیں دے سکتا۔" نعمان صاحب نے جھکے سر سے جواب دیا تھا۔

"بس ہمیشہ اپنی اس بیگم کا ہی سوچتے رہنا تم، کبھی کسی اور مت سوچنا۔ اور ہاں یہ جو تم کہہ رہے ہو نا کہ جب اپنے پاس سب کچھ ہے۔ تو کسی کی کیوں مدد لے۔ تو بتا دو نعمان آفندی فیکٹری حال ہی میں دیوالیہ ہونے سے بچی ہے۔ اور اب اس وقت اس میں اتنی سکت نہیں کی تمہاری بیگم کی مرضی کے مطابق اس میں سے پیسے نکال کر تم لوگوں کے بچوں کی شادی پر خرچ کیے جائیں۔ اس لیے بس میں نے کہہ دیا ہے کہ میں ابراہیم کی بات ضرور مانو گا۔ اب اپنی بیویوں کو کیسے سمجھانا ہے۔ یہ تم لوگوں کو اچھے سے پتہ ہے۔ ویسے بھی دونوں بہنیں ہیں۔ ایک کو مناوں گے تو دوسری تو خود ہی مان جائے گی۔ اس لیے جاو اور اب کوئی اچھا سہ طریقہ سوچو انہیں بتانے کا۔ میں کچھ دیر تنہا رہنا چاہتا ہوں" اپنی بات کہتے فیض آفندی نے چہرہ کھڑکی کی جانب موڑ لیا تھا۔ جس پر اس وقت سخت تکلیف کے آثارِ تھے۔ نعمان آفندی اور مصطفٰی آفندی اپنے بات کی بات پر

لب سیے سر ہلاتے وہاں سے اٹھ گئے تھے۔

****

کھڑکیوں سے آتی سورج کی شفاف کرنوں کے آنکھوں پر پڑنے سے حیات کی آنکھ کھلی تھی۔چندپل آنکھ کو غائب دماغی سے چھت پر مرکوز کیے وہ بس ابراہیم کے بارے میں سوچے جارہی تھی۔اس کے ذہن میں بے ساختہ ابراہیم کے متعلق ڈھیروں سوالات ابھر رہے تھے۔وہ کون ہے؟؟اس کا یہاں کے مکینوں سے کیا رشتہ ہے؟؟وہ اس پورشن میں رہ کر اس پورشن کے لوگوں سے مل کیوں نہیں سکتا؟؟وغیرہ وغیرہ۔ان سب کو سوچتے وہ اٹھ بیٹھی تھی۔اس کا پاؤں کل کی نسبت آج بہت بہتر ہو گیا تھا۔اس لیے وہ خود ہی فریش ہونے چل دی تھی۔

فریش ہو کر حیات اپنی بے چینی کے باعث بغیر کچھ کھائے پیئے لان سے گزرتی دوسرے پورشن میں داخل ہوچکی تھی۔نجانے کیا تاثیر تھی جو کٹ پتلی کی طرح اسے کھینچے وہاں لے جارہی تھی۔اور حیات مراد جیسی انا پرست لڑکی بس کھینچے چلے جارہی تھی۔ابراہیم پورشن کے رہائشی حصے میں قدم رکھنے سے پہلے اسے یک دم اپنے اندر سے آواز آئی تھی۔

"حیات اگر خود کو بچانا چاہتی ہو تو یہی سے واپس چلی جاو کیونکہ اگر تم یہاں قدم رکھ لو گی تو یہاں موجود جادو گر کی قید میں آجاؤں گی۔ابھی بھی وقت ہے لوٹ جاو واپس" یہ اس کا دماغ تھا جو اسے یہاں سے لوٹ جانے کا کہہ رہا تھا۔دماغ کی بات پر عمل کرتے حیات نے پاؤں واپس کھینچا تھا۔

"حیات ایک بار اندر دیکھنے میں کیا حرج ہے۔تم کونسا کچھ چوری کرنے جارہی ہے۔جو تمہیں ڈر لگ رہا ہے۔اور ویسے بھی وہ کالی آنکھوں والا جادو گر کونسا اس وقت گھر میں بیٹھا ہو گا کہ ابھی حیات مراد آئے گی اور میں اسے قید کرلوں گا۔اور اگر ہوتا بھی تو،کسی ساحر کی ابھی اتنی اوقات نہیں ہوئی کہ وہ حیات مراد کو قید کرے" حیات کے اندر موجود انا پرست لڑکی نے اسے اندر جانے کے لیے اکسایا تھا۔جس پر حیات دوبارہ قدم اٹھا کر اندر رکھنے لگی تھی۔

"نہیں حیات دیکھو پلیز ایسا مت کرنا۔پلیز اس کی باتوں میں مت آؤ۔یہ تو چاہتی ہے کہ تم برباد ہو جاو۔" حیات نے پھر سے پاؤں واپس کھینچا تھا۔

"اوہو تم کیوں اس کی بات سن رہی ہو حیات؟!تم جانتی ہو نا کہ دنیا میں ابھی تک ہوئی ایسا پیدا نہیں ہوا جو حیات مراد کی ذات کو تسخیر کرسکے۔اس لیے سب چھوڑ واور اندر

بڑھو"اس اواز کے ساتھ حیات کے اندر کی انا پرست لڑکی نے انگڑائی لی تھی۔اور وہ مضبوطی سے آگے کی جانب قدم رکھ گئی تھی۔

رہائشی حصہ میں داخل ہوتے ہی حیات کی دھڑکن اس قدر تیز ہو گئی تھی کہ اسے اپنے کانوں میں سنائی دینے لگی تھی۔اچانک ماتھے پر پسینہ قطروں کی صورت تیزی سے ابھرا تھا۔گھبراہٹ کے مارے اس کا برا حال ہونے کو تھا۔

"افف یہ میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ریلیکس حیات ریلیکس"خود کو پر سکون رکھنے کی خاطر حیات بڑبڑائی تھی۔اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ اس کے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔لیکن دور کھڑی محبت کے چہرے پر پر اثرار مسکراہٹ ضرور ابھری تھی۔

"بیٹا آپ کو کچھ چاہیے؟؟"حیات کو دروازہ پر استدعا کھڑے دیکھ کر ملازمہ نے پوچھا تھا۔

"ہاں۔۔۔۔نہیں نہیں کچھ نہیں۔وہ بس میں بڑے ابا کو دیکھنے آئی تھی" گڑبڑا کر حیات نے تیزی سے بہانہ گھڑا تھا۔

"اچھا لیکن بڑے صاحب تو یہاں نہیں آئے۔لیکن اگر آپ دیکھنا چاہیں تو دیکھ سکتی

ہیں " ملازمہ حیات کو اندر آنے کا کہتی خود ایک جانب بڑھ گئی تھی۔

حیات اس کے جانے کے بعد اپنے جھوٹ پر نروس ہوتی لاونج میں چلی آئی تھی۔ ماڈرن طرز سے بنایہ لاونج ہر چیز سے آراستہ تھا۔حیات غور سے ہر چیز کو دیکھنے لگی تھی۔ لیکن ایک طرف دیوار پر لگی، فل بلیک کلر کے ڈریس میں چہرے پر جاندار مسکراہٹ لیے ابراہیم جاسم آفندی کی تصویر پر وہ تھم گئی تھی۔

کوئی اتنا پیارا کیسے ہو سکتا ہے؟؟ حیات کے دل نے تیزی سے دھڑکتے سر گوشی کی تھی۔ محبت کسی وحی کی طرح چپکے سے اس کے دل کے نہاں خانوں میں اترنے لگی تھی۔ جو بس محویت سے اس ساحر کے گال میں موجود گھڑے میں خود کو ڈھوتا ابھرتا محسوس کر رہی تھی۔اور محبت کی دیوی انا پرست شہزادی کی غیر ہوتی حالت بس دلچسپی سے ملاحظہ کر رہی تھی۔

"بیٹا پانی !" ملازمہ کی آواز نے حیات کی محویت کو توڑا تھا۔

"شش۔۔۔ شکریہ آنٹی !!" حیات نے بکھلا کر پانی پکڑا تھا۔اور دو گھونٹ پینے کے بعد واپسی کی طرف بڑھ گئ تھی۔ کیونکہ اس کی حالت انتہائی غیر ہو رہی تھی۔حیات کے اس ردعمل پر ملازمہ کو تشویش تو ہوئی تھی۔ لیکن پھر نوکر مالک کا معاملہ تھا۔اسی لیے

چپ کر کے واپس اپنے کام میں لگ گئی۔

"یااللہ یہ کیا ہو رہا ہے میرے ساتھ؟؟ کیوں میرا دل اس قدر تیزی سے دھڑک رہا ہے۔؟؟ کہی وہ سچ کا جادو گر تو نہیں جس کی تصویر بھی جادو کرتی ہے؟؟ پاگل حیات یہ کیا سوچ رہی ہو۔اب تصویریں کہاسے جادو کرنے لگی ہیں" اپنے کمرے میں جانے کے بعد بھی جب حیات کا دل دھڑکنا بند نا ہوا تو حیات بے چینی سے بڑبڑانے لگی تھی۔

"ہو نا ہو حیات تم مان لو یہ شخص سچ میں کوئی جادو ٹونا کرتا ہے۔یہی وجہ کہ ہر بار اس کے سامنے تمہاری بولتی بند ہو جاتی ہے۔افففف چھوڑوں گی نہیں میں اس ابراہیم جاسم آفندی!!!"خود سے عہد کرتے حیات نے سکائیپ اون کرتے جینی لوگوں کو کال کی تھی۔جبکہ محبت کی دیوی ان دھمکیوں پر دل کھول کر ہنس دی تھی۔

****

"حیات !اب پاؤں تمہارا کیسا ہے؟؟اور یہ بتاؤ میرے بغیر تمہارا دن کیسا گزرا؟؟بور نہیں ہوئی تم سارا دن گھر میں رہ کر؟؟ "یونی سے آتے ہی ایراج چہکتی ہوئی سیدھا حیات کے کمرے میں داخل ہوتے خوش اخلاقی سے بولی۔

"ہاں اب تو اللہ کا شکر ہے کہ کافی بہتر ہے۔اور اتنا بور نہیں ہوئی تھی میں کیونکہ جینی لوگوں کو کال کرلی تھی میں نے"ایراج کو دیکھتے حیات کے چہرے پر بھی بوریت کے نشان مٹ گئے تھے۔

"اووو بے وفالڑکی اس کا مطلب ہے تم نے مجھے مس نہیں کیا؟؟"چہرے پر ڈھیروں افسردگی سجائے ایراج نے اداکاری کے بازو ٹانگ توڑتے پوچھا۔

"نہیں نہیں میں نے ایسا کب کہا ہے۔کیا تھانا یاد تمہیں"ایراج کے روہانسے چہرے کو دیکھ حیات تو گڑبڑا ہی گئی تھی۔

"اچھا کتنا کیا تھا یاد؟؟"لبوں پر مچلتی شرارتی ہنسی چھپائے ایراج نے حیات کو تنگ کیا تھا۔

"یاد کرنا تو یاد کرنا ہوتا ہے نا اس میں کتنا والا تو کوئی بات نہیں ہوتی ایراج"حیات نے معصومیت سے بغیر ایراج کی بات سمجھے جواب دیا تھا۔

"ہاہاہاہاہا یار حیات تم کتنی معصوم ہو میں تو صرف تمہیں تنگ کر رہی تھی۔اور تم دیکھو رونے والی شکل ہوگی ہے تمہاری"قہقہہ لگاتے ایراج نے حیات کا مذاق اُڑایا تھا۔جس

پر چند لمحے ہونقوں کی طرح ایراج کا منہ دیکھنے کے بعد حیات تیزی سے پلو پکڑتے ایراج پر برسانے لگی تھی۔

"ایراج کی بچی تم نے تو میری جان نکال دی تھی۔اب تم مجھ سے بچ کر دیکھاؤ" ایراج کی پلو سے پٹائی کرتے حیات ہانپ رہی تھی۔ لیکن مجال ہے ایراج ڈھیٹ پر کوئی اثر ہو جائے، وہ تو اب بھی بے شرموں کی طرح ہنس رہی تھی۔ کیونکہ حیات کے نازک ہاتھوں سے لگتے وہ نرم وملائم پلو اسے زرا تکلیف نہیں دے رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد جب حیات پلو مار کر تھک گئی تو ایراج کے ساتھ بیڈ پر لیٹتے خود بھی کھل کر ہنس دی تھی۔یہ دن میں آئی پہلی ہنسی تھی۔جو ایراج کی بدولت اس کے چہرے پر آئی تھی۔سچ کہتے ہیں دوست دنیا کی عظیم دولت ہوتے ہیں۔

"اچھا سنو حیات ابھی میں فریش ہونے جارہی ہوں۔پھر تھوڑا آرام کروں گی پھر تم شام میں میرے کمرے میں آنا ہم مل کر آپی کی شادی کی پلیننگ کریں گے۔" جلدی سے بیگ اُٹھاتے ایراج نے باہر کی جانب بڑھتے بولی۔کیونکہ محترمہ نے ابھی فریش ہونا تھا۔

حیات کے کمرے سے نکلتے ہی اس کا سامنا سب سے پہلے محراب سے ہوا تھا۔محراب کو

دیکھتے ہی ایراج کے چہرے پر بارہ بج گئے تھے۔ صبح کا واقع یاد آتے ہی منہ غبارے کی طرح پھول چکا تھا۔ ایراج اسے اگنور کرتے آگے بڑھی تھی۔

"ایراج وہ مجھے آپ سے بات کرنی تھی" محراب نے جھجک کر منہ پھلائے جاتی ایراج کو پکارا تھا۔

"آپ ہمارے گھر میں مہمان آئے ہیں۔ اس لیے آپ کی بات سننے کے لیے رک رہی ہوں۔ ورنہ ایراج آفندی اپنے دشمنوں کو کبھی بھلاتی نہیں ہے۔" احسان جتاتے ہوئے ایراج اس کی آواز پر رکی تھی۔

"بہت شکریہ ایراج! اصل میں مجھے صبح کے لیے آپ سے معافی مانگنی تھی۔ میرا مقصد آپ کو ہرٹ کرنا ہرگز نہیں تھا۔ اگر آپ کو برا لگا ہو تو آئم سوری" اتنے مہذب طریقہ سے محراب اس سے معافی مانگ رہا تھا کہ اگر ایراج کی جگہ یہاں کوئی اور لڑکی ہوتی تو ابھی فدا ہو جاتی۔

"جائیں معاف کیا ایراج نے آپ کو! کیا یاد کریں گے کہ کس سخی سے پالا پڑا ہے۔" بے نیازی سے ناک سے مکھی اڑاتے ایراج اسے معاف کرتے یہ جا وہ جا ہوئی تھی۔ محراب مراد کے دل نے بے ساختہ ایراج کی اس بے نیازی پر ایک بیٹ مس کی تھی۔

جس پر محراب کا ہاتھ بے ساختہ اپنے دل پر پڑا تھا۔

****

آفتاب اپنی کرنوں کو سمیٹتے غروب ہو چکا تھا۔آسمان پر سیاہی اپنے پر پھیلا چکی تھی۔ رات کے غالب آتے ہی آسمان پر تارے ٹمٹمانے لگے تھے۔یہ ٹمٹماتے تارے حسین جگنوؤں کے مانند لگ رہے تھے۔ جنھوں نے افق کو رونق بخشی ہوئی تھی۔انہی تاروں کے بیچ ماہتاب بھی پوری شان سے چمک رہا تھا۔ماہتاب،تارے اور یہ سیاہی بھرا آسمان سب قدرت کے دلکش مناظر میں سے ایک لگ رہے تھے۔

ایک ایسی ہی حسین رات آفندی ویلا کے اوپر چھائی ہوئی تھی۔ جس کے لاونج میں بڑے چھوٹے سب اس وقت خوش گپیوں میں مصروف تھے۔افشاں بیگم اور فوزیہ بیگم سب کے لیے رات کے کھانے کے بعد چائے اور کافی کا انتظار کر رہی تھی۔ نعمان آفندی، مصطفٰی آفندی اور مراد بیگ، دانش کے ساتھ بزنس کے معاملات پر گفتگو کر رہے تھے۔ دامن، ایراج اور حیات حمیرہ بیگم کے ساتھ شادی کے کپڑوں کو لے کر بحث کر رہی تھیں۔ محراب، منیب اور کیف بھی ایک طرف بیٹھے باتوں میں مصروف تھے۔ خیر باتیں تو صرف محراب اور منیب ہی کر رہے تھے۔ کیف تو چوری چوری

حیات کو اپنی نظروں کے زریعے دل میں اتار رہا تھا۔

"حیات میرے خیال سے برات والے دن اگر تم یہ میکسی پہنو گی تو تم پر خوب جچے گی"

ایراج اپنے موبائل میں موجود ایک ڈیزائن کو حیات کے سامنے کرتے بولی

"نہیں میں نے کبھی اتنے بھاری کپڑے نہیں پہنے تو اتنی ہیوی میکسی کیسے کیری کروں گی۔نا بابا نا میں تو نہیں پہنوں گی" میکسی پر ہوئے کام کو دیکھ کر حیات کی آنکھیں باہر نکلنے کو ہوئی تھی۔

"لیکن حیات اس کا کلر دیکھو کتنا پیارا ہے تم پر یقیناً اچھا لگے گا۔ویسے بھی لائف میں تھوڑا سہ چینج آنا بھی ضروری ہے۔" حمیرہ بیگم جو حیات کے یہاں کھلنے ملنے پر مطمئین سی تھی۔اس شاندار میکسی کو دیکھتے اسے قائل کرنے لگی تھی۔

"لیکن ماما مجھ سے یہ کیری نہیں ہو گا۔اور شادی تو دامن آپی کی ہے۔تو آپ سب پلیز اس کے لیے ڈریس دیکھیں نا میں کوئی بھی پہن لوں گی" اپنی ذات کو گفتگو کا محور بنتے دیکھ حیات نے روہانسے لہجے میں احتجاج بلند کیا تھا۔

"او ہو یار پلیز رونا مت مجھے رو تو بچے بالکل نہیں پسند اور ہم نے تو بس مشورہ ہی دیا

ہے۔ کونسا تمہیں زبردستی پہنارہے ہیں جو تم رونا کی تیاری میں ہورہا۔" ایراج کے ہاتھ کھڑے کرکے کہنے سے حیات کو بے ساختہ ہنسی آئی تھی۔ جس پر کیف آفندی کا دل بے اختیار دھڑک اٹھا تھا۔

اپنے دل کی رفتار پر کیف نے گھبرا کرارد گرد دیکھا تھا۔ کہ کہی کسی نے اس کی چوری تو نہیں پکڑلی لیکن سب کو اپنی باتوں میں متوجہ دیکھ کر اس نے شکر کا سانس بھرا تھا۔

"کیا ہورہا ہے بھئی؟؟ کیا میرے لیے بھی اس محفل میں کوئی جگہ ہے ؟؟" فیض صاحب جن کی پر سنیلیٹی کا چارم اس عمر میں بھی دیکھنے کے لائق تھا۔ لاونج میں داخل ہوتے خوشگوار لہجے میں بولے۔

"بڑے ابا آیئے نا۔ آپ ہی تو اس محفل کی اصل رونق ہیں۔" فیض صاحب کو اپنے پاس آنے کا کہتے محراب خوشی سے بولا تھا۔ جس پر سب نے مسکرا کر اتفاق کیا تھا۔

"اچھا ایسا ہے تو پھر آج ہم اپنی نواسی کے پاس بیٹھیں گے۔ حیات بیٹا تمہیں سب کے ساتھ گھلتے ملتے دیکھ مجھے بہت خوشی ہوئی۔ اللہ تمہیں خوش رکھے آمین" فیض صاحب حیات کے ماتھے پر بوسہ دیتے اس کے پاس بیٹھے تھے۔

"شکریہ بڑے ابا"فیض صاحب کے پیار پر حیات آسودگی سے مسکرادی تھی۔

دوسری جانب افشاں بیگم اور فوزیہ بیگم بھی چائے لے آئی تھیں۔اور سب کو پیش کرنے لگی تھی۔سب کو ہنستے مسکراتے چائے پیتے خوش گپیوں میں مصروف پا کر حیات کو نجانے کیوں کسی کی کمی محسوس ہوئی تھی۔اس لیے یک دم بول بیٹھی تھی

"بڑے ابا یہ ہمارے ساتھ والے پورشن میں جو ابراہیم جاسم آفندی رہتے ہیں۔وہ کون ہے؟؟"حیات کی بات پر پورے لاونج میں سناٹا چھا گیا تھا۔آفندی ویلا کے تمام بڑے لوگوں کے لبوں پر لگی چپ کو دیکھ کر حیات کو لگ رہا تھا کہ جیسے اس نے کوئی انہونی چیز پوچھ لی ہو۔یہاں تک مراد صاحب اور حمیرہ بیگم کے چہرے پر بھی خاموشی کا راج تھا۔تو کیا وہ بھی اس کے بارے میں جانتے تھے۔؟؟؟

"اووہ حیات وہ بڑے ابا کے بھتیجے کا بیٹے ہے۔جو والدین کی وفات کے بعد بڑے ابا کے ساتھ رہتے ہیں۔جانتی ہو وہ بہت اچھے انسان ہیں آج میں ان کی کار کا لیکشن دیکھتا وہاں چلا تھا۔وہ تو اتنے خوش ہوئے کہ انہوں نے مجھ سے کہا کہ میں چاہوں تو یہ مرسیڈیز لے سکتا ہوں۔لیکن میں نے منع کر دیا۔ایسے اچھا تھوڑی لگتا ہے۔اور ہاں بابا آپ کو پتہ ہے کہ اتنی بڑی انٹر نیشنل کمپنی اے جے جن کے ساتھ آپ ڈیل سائن کی تھی۔وہ

بھی ابراہیم بھائی ہی کی ہے۔آج وہ مجھے اپنے ساتھ اپنی کمپنی لے کر گئے تھے۔میں تو ان کا فین ہی ہو گیا ہوں۔"سب کی خاموشی پر دھیان دیے بغیر محراب نے حیات کو جواب دینے کے ساتھ آج کے دن کا خلاصہ سنایا تھا۔

"اوا چھا لیکن وہ یہاں کیوں نہیں آتے ؟؟"اس وقت لاونج میں محراب اور حیات کی اواز کے علاؤہ کسی کی آواز نہیں تھی۔

"ہاں وہ انہوں نے مجھے بتایا کہ انہیں زیادہ گھلنا ملنا پسند نہیں ہے۔اس لیے وہ الگ پورشن میں رہتے ہیں۔اور بڑے ابا کیونکہ ان سے بہت محبت کرتے ہیں اور انہیں اپنی نظروں سے دور نہیں ہونے دیتے۔اسی لیے وہ الگ گھر لینے کی بجائے ادھر ہی رہتے ہیں۔ویسے تم کیوں پوچھ رہی ہو۔ "ابراہیم کا بنایا بہانا محراب نے ہو بہو حیات کو بتایا تھا۔ابراہیم کا ہر چیز خود پر لے کر اپنے فیملی کو بچانے کے طریقے پر قربان ہوتے، فیض صاحب نے نعمان صاحب اور مصطفیٰ صاحب کو ایسی نظروں سے دیکھا تھا کہ وہ لوگ شرمندہ ہو گئے تھے۔

"نہیں وہ بس اس دن میں نے انہیں ادھر دیکھا تو منہا نے ان کا نام بتایا تھا۔اور آج بس یونہی یاد آ گیا تو پوچھ لیا۔کیا میں نے کچھ غلط پوچھا ہے۔جو آپ سب خاموش ہو

گئے ہیں" سادگی سے جواب دیتے حیات نے بڑے ابا کی جانب دیکھا تھا۔

"نہیں میری بچی تم نے کچھ غلط نہیں پوچھا۔بس تمہارا سوال بہت غیر متوقع تھا۔اس لیے سب خاموش ہو گئے۔ویسے اگر تم وہاں جانا چاہوں تو جب چاہے جاسکتی ہوں۔" حیات کے سر ہاتھ رکھتے فیض صاحب مسکرائے تھے۔

"ماما کیا میں بھی جاسکتی ہوں پلیززززبس ان ریبٹس کے ساتھ کھیل کر واپس آجایا کروں گی۔"موقع دیکھتے منہا نے بھی فوزیہ بیگم سے اجازت مانگی تھی۔جو جبراً حالات کی مناسبت سے تھوڑا سہ مسکرا کر سر ہلا گئی تھی۔

****

"کیا ہوا حمیرہ بیگم کیا سوچ رہی ہیں؟؟"رات کے بارہ بجتے ہی سب لوگ اپنے اپنے کمروں میں سونے کی نیت سے آگئے تھے۔لیکن حمیرہ بیگم نجانے کیوں جب سے کمرے میں آئی تھی گم سم گم سم تھی۔یہی وجہ تھی کہ مراد صاحب انہیں چپ بیٹھا دیکھ کر پوچھ بیٹھے۔

"کچھ نہیں۔۔۔بس ویسے ہی" حمیرہ بیگم کے نظریں چرا کر جواب دینے پر مراد

صاحب نے غور سے چند پل انہیں دیکھا تھا۔

"حمیرہ بیگم میرا آپ کا سال دو سال کا نہیں بلکہ چوبیس سال کا ساتھ ہے۔اس لیے یہ نظریں چرانا بند کریں۔اور ابراہیم کو لے کر دل میں جو بھی بات ہے کہہ ڈالیں۔اگر آپ اس سے ملنا چاہتی ہے۔تو یاد رکھیں نا میں نے آپ کو پہلے کبھی روکا ہے۔اور نا آئندہ کبھی روکوں گا۔"مراد صاحب کی بات پر حمیرہ بیگم نے نظریں اٹھائی تھی۔جو اس وقت آنسوں سے بھری ہوئی تھی۔

"بیگم جانتی ہیں نا کہ آپ کا رونا یہ آپ کا معصوم سہ شوہر برداشت نہیں کر سکتا تو کیوں روتی ہیں۔کیا میری کوئی بات آپ کو بری لگی ہے؟؟"شرارت سے اپنی بیگم کو چپ کراتے مراد صاحب نے سنجیدگی سے استفسار کیا تھا۔

"نہیں مراد صاحب بس دل بھر آیا تھا۔اسی لیے آنکھوں سے آنسوں بہہ نکلے تھے۔یہ چھوڑیے پہلے یہ بتائیں کہ آپ نے مجھے بتایا کیوں نہیں کہ آپ ابراہیم کے ساتھ ڈیل کر رہے ہیں"کچھ دیر دل کا غبار نکالنے کے بعد حمیرہ بیگم نے کب سے ذہن میں مچلتی بات پوچھی تھی۔

"بیگم یہ بات مجھے خود اس دن پتہ چلی تھی۔جس دن ڈیل کو سائن کرنے کے سلسلے

میں میں گیا تھا۔اور پھر مجھے لگا کہ آپ کو شاید اس میں کوئی دلچسپی نا ہو۔بس اسی وجہ سے میں نے نہیں بتایا۔"مراد صاحب نے تمام حکایک حمیرہ بیگم پر واضح کیے تھے۔

"مجھے نیند آرہی ہے مراد صاحب پلیز لائیٹ بند کر دیجئے"نجانے کیوں بات کو یہی ختم کرتے حمیرہ بیگم بھرائے لہجے میں بولتی چادر لے کر لیٹ گئی تھی۔

"بیگم ہماری قسمت میں جو بھی ہوتا ہے۔وہ پہلے سے تہہ شد ہوتا ہے۔اور جو اس گھر والوں کے ساتھ ہوا اس میں اس کا بھی کوئی قصور نہیں تھا۔بلکہ سب سے زیادہ خسارہ بھی اسی کے حصے میں آیا ہے۔تو اس لیے آپ اپنی فضول کی سوچوں کو جھٹک کر دل کی بات پر لبیک کہہ کر اسے گلے لگائیں گی تو یقین کریں آپ کو کچھ نہیں ہوگا۔"نرم لہجے میں حمیرہ بیگم کی پشت کو دیکھتے مراد صاحب نے کہا تھا۔اور پھر دوسری جانب کروٹ لیتے لائیٹ بند کر گئے تھے۔جبکہ اندھیرے میں چند آنسوں چپکے سے حمیرہ بیگم کی آنکھ سے نکل کر تکیے میں جذب ہو گئے تھے۔

****

ایک نیا دن اپنے ساتھ کچھ نئی چیزیں لیے کرہ ارض پر اپنی پوری جزباتیت کے ساتھ اتر چکا تھا۔آفندی ویلا میں بھی نئے دن کے آغاز کے ساتھ ہی سب لوگ اپنے اپنے

کاموں میں مصروف ہو چکے تھے۔ دانش، نعمان صاحب اور مصطفیٰ صاحب کے ساتھ کام پر روانہ ہو چکا تھا۔ ایراج، منہا اور منیب کو کالج، یونیورسٹی چھوڑنے کے بعد کیف صاحب بھی محراب کو ساتھ لیے کہیں گھومنے نکل چکے تھے۔ گھر کی عورتیں گھریلو کام کاج کے بعد شادی کی چھوٹی موٹی تیاریوں میں مصروف ہو چکی تھی۔ حیات بھی فریش سی ناشتہ نوش کرنے کے بعد ابراہیم کی پورشن کی طرف چلی آئی تھی۔

اس طرف آتے دل تو آج بھی اس کے قابو سے باہر ہو رہا تھا۔ لیکن آج دل کی حکایات پر سختی سے کان بند کیے وہ صرف دماغ کی سنتی سبزے کے اس باڈر کو کراس کرتے اس پورشن میں داخل ہوئی تھی۔ خرگوشوں کے بڑے سے خوبصورت پنجرے کے سامنے کھڑے ہو کر وہ اشتیاق سے اس خرگوش کو دیکھنے لگی تھی۔ جس کو اس دن ابراہیم نے اپنی گود میں بیٹھایا ہوا تھا۔

"مالی انکل! کیا آپ مجھے وہ بنی پکڑا سکتے ہیں۔؟؟" کچھ فاصلے پر لان میں کام کرتے مالی بابا کو مخاطب کرتے حیات بے قراری سے پوچھنے لگی۔

"لیکن بیٹا یہ ابراہیم بابا کے ہیں۔ ان سے پوچھے بغیر میں یہ آپ کو نہیں دے سکتا۔ ویسے بھی آپ کو ادھر نہیں آنا چاہیے تھا۔" مالی بابا نے سادگی سے جواب دیا۔

"مالی انکل بڑے ابا نے مجھے خود کل یہاں آنے کی پرمیشن دی ہے۔تو میں کیوں نا یہاں آتی؟؟اس لیے آپ بس مجھے یہ نیلی آنکھوں والا خرگوش کر نکال دیں"مالی بابا جو کچھ تذبذب کا شکار تھا۔بڑے ابا کا نام سن کر آگے بڑھا تھا اور حیات کی نشاندہی والا خرگوش اسے لا پکڑایا تھا۔

"شکریہ مالی انکل!"مالی بابا کے ہاتھ سے خرگوش لیتے حیات خوشی سے چہکی تھی۔اور پھر اس کی پیٹھ پر ابراہیم کی طرح نیچے بیٹھ کر نرمی سے ہاتھ پھیرنے لگی تھی۔نجانے کیوں وہ اس نیلی آنکھوں والے سفید خرگوش سے بہت انسیت محسوس کر رہی تھی۔

"کیا ہو رہا ہے یہاں؟؟"ابراہیم جو اپنی اہم فائل گھر بھول جانے پر آدھے راستے سے واپس آیا تھا۔لان کے درمیان میں اپنی پشت پر لمبے بال بکھیرے بیٹھی لڑکی کو دیکھ ٹھٹھک گیا تھا۔جو اس کے خرگوش کو گود میں لیے اس کی پیٹھ سہلا رہی تھی۔

"ہائے اللہ!مجھے تو لگا تھا کہ یہ اب تک آفس جا چکے ہونگے۔لیکن یہ تو ابھی تک ادھر ہی ہے۔ہائے اب میں کیا کروں گی۔اگر اس نے مجھے ڈانٹ دیا تو؟؟نہیں نہیں حیات مراد تو ڈر کیوں رہی ہے پاگل لڑکی تو چوری چھپے تھوڑی آئی ہے۔بڑے ابا کی اجازت سے آئی ہے۔اگر اس نے مجھے کچھ کہا تو ان سے اس کی چھینٹی لگاوں گی۔چلو بغیر ڈرے اس

کے سوال کا جواب دو۔اور خیال رہے اس جادو گر کی آنکھوں میں بالکل نہیں دیکھنا" ابراہیم کی آواز پر سہم کر خود سے بڑبڑاتے، حیات آخر میں خود کو نصیحت کرنا نہیں بھولی تھی۔

"میڈم میں آپ سے پوچھ رہا ہوں۔کیا کررہی ہیں آپ یہاں ؟؟"ابراہیم کا لہجہ روڈ تو نہیں تھا لیکن خلاف معمول سنجیدہ ضرور تھا۔جس سے نجانے کیوں حیات گھبرا گئی تھی۔

"ووو۔۔۔وہ میں یہاں بس اس بنی سے کھیلنے آئی تھی۔کیونکہ بڑے ابا نے کہا تھا کہ میں یہاں آسکتی ہوں۔"کھڑے ہوکر، خرگوش پر نظریں جما کر حیات نے منمناتے ہوئے کہا تھا۔لگ ہی نہیں رہا تھا کہ یہ وہی آنکھوں میں آنکھ ڈال کر بے خوف ہوکر بات کرنے والی مغرور حیات ہے۔

"ٹھیک ہے۔اگر آپ کو یہ خرگوش پسند ہے تو آپ رکھ سکتی ہیں۔لیکن اب جائیں یہاں سے!"حیات کو دیکھتے ابراہیم کی آنکھوں میں ناپسندیدگی کی ہلکی ہلکی رمق ابھری تھی۔یوں لگ رہا تھا کہ جیسے وہ اسے اپنا خرگوش دینا نا چاہتا ہو۔لیکن بڑے ابا کے نام پر ابراہیم ہر چیز دے سکتا تھا۔اس لیے آرام سے اپنا خرگوش اسے دے گیا تھا۔

"اووووو تھینکیو سو مچ! بائے داوے ہائے آئم حیات مراد، کچھ دن پہلے ہی دانش بھائی کی شادی پر یو کے سے آئی ہوں۔اور ہاں محراب کی بہن ہوں۔ جس سے آپ کل ملے تھے۔آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی"ابراہیم کے نرم رویے پر حیات کو حوصلہ ملا تھا۔اس لیے اپنے ازلی کنفیڈنس میں واپس لوٹتے ابراہیم کی طرف ہاتھ بڑھا کر بولی۔

"وعلیکم السلام! میں ابراہیم جاسم آفندی اور یقیناً آپ سے مل مجھے کوئی خوشی نہیں ہوئی"حیات کے ہاتھ کو اگنور کرتے ابراہیم سنجیدگی سے کہتے واپس مڑ گیا تھا۔آج تو لگتا تھا کہ اس نرم دل ابراہیم نے کس مرچ کو چبا لیا ہے۔جو آگ اگل رہا ہے۔ابراہیم کے اتنے روڈ رویے پر حیات کے چہرے پر اہانت سے سرخی ابھری تھی۔آنکھیں میں پانی ابھرنے لگا تھا۔دل میں کہی ہلکا ہلکا درد بھی ابھرا تھا۔دماغ نے فوراً سرگوشی کی تھی۔

"دیکھا میں نے کہا تھا نا کہ یہ شخص انتہائی مغرور اور فضول انسان ہے۔لیکن نہیں تمہیں تو لگتا تھا کہ جیسے اپنی بے عزتی کروانے کا شوق ابھرا تھا۔اب بھگتو بیٹھ کر"اس بات پر حیات کی آنکھوں سے چند آنسوں نکل کر رخصار پر بہے تھے۔خرگوش مالی بابا کو واپس دیتے وہ اپنے پورشن کی طرف بھاگی تھی۔

ابراہیم جو فائل لے کر واپس آیا تھا۔مالی بابا کے ہاتھ میں خرگوش دیکھتے،اس کے چہرے پر افسوس ابھرا تھا۔شاید اپنے کہے جانے الفاظ کی سختی کا احساس اسے خود بھی تھا۔

****

"ہم انسان ہر روز دن میں بے شمار گناہ کرتے ہیں۔جیسے کسی کا ناحق مال ضبط کرتے ہیں، جھوٹ بولتے ہیں،وعدہ خلافی کرتے ہیں،ماں باپ کا دل دکھاتے ہیں،کسی پر ظلم کرتے ہیں اور کبھی تو کسی کا دل توڑنے جیسے گناہ بھی کرتے ہیں۔لیکن پھر بھی آپ ہماری معافی پر ہمیں در گزر کر دیتے ہیں۔اور ہم سے محبت کرتے ہیں۔پر جب ایک انسان کسی دوسرے کو یہ سب کرتے دیکھتا ہے تو وہ اسے بغیر معافی کا موقع دیے برا بھلا کہنے لگتا ہے۔ایسا کیوں؟؟

شاید اس لیے الغفار (در گزر کرنے والا) ہونا صرف آپ کی صفات میں سے ہے۔ انسان اس کی معراج تک نہیں پہنچ سکتا۔لیکن پھر بھی انسان کو کسی کو کہنے کا موقع تو دینا چاہیے نا بغیر پرکھے تو کچھ نہیں کہنا چاہیے۔

اور جانتے ہیں۔ایسی ہی ایک غلطی آج مجھ سے بھی ہوئی ہے۔میں بھی کسی کا دل توڑا

ہے۔ صرف اس ملازمہ کے ساتھ برا سلوک کرنے کی بنا پر جج کرتے، آج میں بہت روڈلی بات کی اس سے۔ مجھے پتہ ہے میں نے بہت غلط کیا ہے۔ لیکن پلیز آپ مجھ سے معاف کر دیں۔ صبح سے میرے دل پر ایک بھوج ہے۔ یقیناً آپ مجھ سے ناراض ہیں۔ ابراہیم آپ کی ناراضگی برداشت نہیں کر سکتا۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ اس لڑکی سے معافی ضرور مانگو گا۔ کیونکہ وہ جیسی بھی وہ اپنے اعمال کی خود جواب دہ ہے۔ میں اسے کسی وجہ پر سزا نہیں دے سکتا۔ آپ پلیز مجھے معاف کر دیں۔ وعدہ میں کل صبح اٹھتے ہی اس سے معافی مانگ لونگا۔" کنویکس پر بے چینی سے 'الغفار' کے الفاظ لکھتے ابراہیم آفندی کی آنکھوں میں آنسوں کی آمیزش تھی۔

وہ نرم دل شخص تھا جس نے آج تک کسی کو برا نہیں کہا تھا۔ لیکن انجانے میں حیات کو کہے جانے والے سخت الفاظ نے اس کا چین درھم برہم کر دیا تھا۔ اور اب اپنے افعال پر شرمندہ ہوتے، اپنے رب کا نام کنویکس پر خوبصورتی سے لکھتے، وہ اس سے معافی مانگ رہا تھا۔ کیونکہ جانتا تھا کہ اس کا سکون اور معافی دونوں اسی ذات کے پاس محفوظ ہے۔

"سر نیچے کوئی عورت آپ سے ملنے آئی ہے۔" ابراہیم کی سوچ کو آج پھر ملازم کی آواز نے توڑا تھا۔ جو ہمیشہ کی طرح دروازہ کے باہر سے پیغام دے کر جا چکا تھا۔

"عورت؟؟لیکن کون ہو سکتی ہے اس وقت؟؟"کنو یکس پر لکھے نام کو ڈھکتے ابراہیم اٹھا تھا۔اور روم سے نکلتے نیچے کی جانب چل دیا تھا۔جہاں لاونج میں ادھیڑ عمر عورت صوفہ پر اس کی طرف پشت کیے ساڑھی میں ملبوس بیٹھی تھی۔

"جی کس سے ملنا ہے آپ کو؟؟"ابراہیم نے صوفہ کے پاس جا کر پوچھا۔

"ابراہیم جاسم آفندی سے!"یہ کہتے ساتھ ہی آنکھوں میں آنسوں لیے حمیرہ بیگم کھڑی ہوئی تھی۔ان کو دیکھ کر ابراہیم منجمد ہو چکا تھا۔

"کیا اپنی پھوپھو کو دیکھ کر تمہیں خوشی نہیں ہوئی ابراہیم؟؟"حمیرہ بیگم کے آنسوں رخساروں پر پھسلے تھے۔محبت،غم،خوشی کیا کچھ نا تھا،جو ان آنسوں میں شامل نہیں تھا۔

"خوشی تو بہت چھوٹا لفظ ہے پھوپھو جب ایک پیاسے کو سالوں بعد پانی کی بوند دی جائے تو جو اس کی حالت ہوتی ہے۔ویسی ہی کچھ حالت آج آپ کے ابراہیم کی ہے۔"کالی آنکھوں میں سرخی ابھری تھی۔شاید ضبط بہت مشکل ہو رہا تھا۔

"ابراہیم میرا شہزادہ پھوپھو صدقے جائے تمہارے!پلیز اپنی پھوپھو کو معاف کر دو۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

جس نے سب کی طرح سالوں تمہیں منحوس جانتے خود سے دور رکھا۔مجھے معاف کردو میرے بچے!!"حمیرہ بیگم جزباتی ہوتی یک دم ابراہیم کے گلے سے لگتے رو دی تھی۔ابراہیم کو اپنے اندر سکون کی لہر دوڑتی محسوس ہو رہی تھی۔

"تو اس کا مطلب در گزر کردیا آپ نے مجھے،یعنی اس لڑکی سے معافی مانگنا ابراہیم جاسم آفندی کی ذات پر لازم قرار دے دیا گیا ہے۔"دل ہی دل میں رب سے مخاطب ہوتے ابراہیم نے آسودگی سے حمیرہ بیگم کو حصار میں لیا تھا۔سالوں بعد اس کی تڑپتی روح کو سکون کی نعمت میسر ہوئی تھی۔

"بس کریں پھوپھو!اگر سیلاب آگیا تو آپ کا یہ غریب سہ بھانجا بہہ جائے گا"ابراہیم نے لہجے میں شرارت بھرتے ماحول کی سوگواریت کو کم کیا تھا۔

"چل شریر نا ہو تو غریب اور تو سب پتہ ہے مجھے میرا بھانجا کتنا غریب ہے اور کتنا نہیں !!"حمیرہ بیگم آنسوں صاف کرتے مسکرادی تھی۔دل کے کسی ایک حصّے میں برسوں بعد آج سکوں تو انہیں بھی مُیسر ہوا تھا۔

"پھوپھو یہ روپے،پیسا اور جائیداد وغیرہ کسی کے امیر ہونے کو ظاہر نہیں کرتیں۔بلکہ آج کے زمانے میں جس شخص کے پاس محبتوں کا ایک جہاں آباد ہو وہ امیر ترین ہوتا

ہے۔اور آپ کا ابراہیم تو محبتوں کے معاملے میں ہمیشہ سے غریب شخص رہا ہے۔"

ابراہیم کے منہ سے نکلی اتنی گہری بات پر حمیرہ بیگم کو چپ لگی تھی۔

"لیکن اب یہ پھوپھو اپنے بچے کو غریب نہیں رہنے دے گی۔"ابراہیم کے ماتھے پر بوسہ دیتے حمیرہ بیگم نے اپنے آنسوں اندر اتارے تھے۔اور اسے لے کر صوفہ پر بیٹھی تھی۔ابراہیم بھی سالوں بعد ملنے والی اس محبت پر کھل گیا تھا۔

****

تاروں بھرا آسمان اپنے چاند کے ساتھ مکمل اور دلکش لگ رہا تھا۔روح کو تسکین پہنچانے والی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔روئے زمین کی ہر چیز پر سکون تھی۔لیکن اس انا زادی کے دل میں ایک آگ جل رہی تھی۔کسی پل چین نہیں تھا۔آنکھیں صبح سے بات بات پر جھرنے بہانے کی وجہ سے سرخ ہو چکی تھی۔چہرہ پر دکھ کی ایک لہر چھائی تھی۔دل ودماغ میں چلتی جنگ نے حیات مراد کے وجود کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔محبت کی دیوی تو دور کھڑی بس اس کھیل کو چلتے دلچسپی سے دیکھ رہی تھی۔

رات کا ایک بج رہا تھا۔سب لوگ سو چکے تھے۔اپنے اندر پلتی بے چینی کے باعث حیات کچھ دیر سکون لینے ٹیرس پر آگئی تھی۔چاند کو دیکھتے اس کے چہرہ پر عجیب سہ

احساس اٹھا تھا۔

"آہ کیا قسمت ہے تمہاری میری طرح ہزاروں کی بھیڑ میں تم بھی ہمیشہ اکیلے رہتے ہو۔ جس کے حسن کو لوگ دور سے رشک کی نگاہوں سے دیکھتے یہ نہیں سوچتے کہ ایسا حسن رکھنے کے باوجود تم اس تاروں بھرے آسمان میں ہمیشہ اکیلے ہی جگمگاتے ہو۔ بالکل میری طرح، بچپن سے لے کر آج تک ماما بابا کو کبھی اپنے کاموں سے فرست نہیں ملی کہ دو گھڑی ہم دونوں بہن بھائیوں کے ساتھ مل کے کچھ وقت گزرا سکیں۔ کبھی بابا کو اپنے بزنیس سے اور ماما کو اپنے خدمت خلق کے کاموں سے فرست ہی نہیں ملتی تھی کہ وہ ہم دونوں بہن بھائیوں کے ساتھ دو پل محبت اور پیار سے گزار سکیں۔

ایسے میں بھائی بھی خود کو مصروف رکھنے کے لیے زیادہ تر گھر سے باہر ہی رہتے تھے۔ رہ گئی میں! تو میرا کیا تھا۔ میں بھی جینی اور ایڈورڈ کے ساتھ رہ کر خود کو مصروف رکھتی تھی۔ ان کے علاوہ میں کبھی کسی کو دوست نہیں بنایا کیونکہ اپنے اندر پلتی محرومیوں کو میں کسی اور نہیں دیکھانا چاہتی تھی۔ میرے رویے کو دیکھتے لوگوں نے مجھے انا پرست، مغرور اور نجانے کیا کچھ کہنا شروع کر دیا تھا۔ پر مجھے ان سب کی باتوں سے فرق نا پڑتا تھا۔

لیکن آج اس شخص کے منہ سے اپنے لیے ایسی باتیں سن کر دل نجانے کیوں درد سے پھٹ رہا ہے۔ دل کر رہا ہے اپنی ہستی کو آگ لگا دوں۔ خود کو فنا کر دو۔

نجانے کیوں اس ایک شخص کے کڑوے الفاظ میرے انا کے خول کو منتشر کرتے، میرے وجود کو خاک کر رہے ہیں۔" چاند سے باتیں کرتے حیات اپنے اندر کے غبار کو باہر نکال رہی تھی۔ اس کی آنکھیں پھر سے پانی برسانا شروع ہو چکی تھی۔

دوسری طرف ابراہیم جو آج خوشی کی انتہا پر پہنچا ابھی تک جاگ رہا تھا۔ سامنے موجود ٹیرس پر کھڑی حیات کو دیکھتے تھم سہ گیا تھا۔ شرمندگی کے اثرات اس کے چہرے پر پھر سے جگہ بنانے لگے تھے۔ شاید کہی نا کہی وہ حیات کی تکلیف کو بھی محسوس کر رہا تھا۔ اس لیے صبح اس سے معافی مانگنے کا معصم ارادہ کرتے وہ سونے چل دیا۔

"حیات آپ اتنی رات چھت پر کیا کر رہی تھی۔؟ سب خیریت ہے؟؟" دوسری طرف حیات جو اپنے دل کا غبار نکال کر نیچے آرہی تھی، کیف کے سوال پر تھم گئی تھی۔ جس کے ہاتھ میں پکڑی پانی کی بوتل کو دیکھ کر لگ رہا تھا کہ شاید وہ ابھی کیچن لے آرہا ہے۔

"وہ کیف بھائی بس کمرے میں مجھے کچھ گھبراہٹ ہو رہی تھی۔ اسی لیے چھت پر

ٹھنڈی ہوا کھانے گئی تھی۔"کیف کے سوال پر حیات نے جبرا مسکرا کر بہانہ بنایا تھا۔

"زیادہ طبیعت تو نہیں خراب ہو رہی؟؟اگر کہتی ہے تو کسی ڈاکٹر کے پاس لے کر چلوں ؟؟"کیف کے دل نے جہاں حیات کے منہ سے نکلے بھائی پر استغفار پڑھا تھا۔وہی اس کا پورا وجود حیات کی صحت خرابی کا سن کر اضطراب کا شکار ہوا تھا۔

"نہیں نہیں کیف بھائی اب تو میں ٹھیک ہوں۔کچھ دیر آرام کروں گی تو صبح تک مکمل ٹھیک ہو جاوں گی۔آپ پریشان مت ہوں۔ویسے بھی اتنی رات گئے کوئی کلینک بھی نہیں کھلا ہو گا۔"کیف کی بات پر حیات جلدی منع کرتے بولی۔

"ہاں یہ بھی ہے۔چلو اب تم میڈیسن لے کر آرام کرو جا کر۔ان شاءاللہ صبح تک ٹھیک ہو جائے گا۔لیکن اگر صحت زیادہ خراب ہو تو مجھے بلا لیجئے گا۔میرا کمرہ بھی اسی فلور پر ہے"حیات کی بات پر تھوڑا پر سکون ہوتے کیف نے اسے اپنے کمرہ کا بتایا تھا۔جس پر سر ہلاتے حیات اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی تھی۔

-

محبت نے اپنا کھیل شروع کر دیا تھا۔جس میں چوٹ ایک کو لگتی ہے تو تکلیف دونوں

طرف برابر کی ہوتی ہے۔اب دیکھنا یہ تھا کہ اس محبت کی یہ منزل کس کو نصیب ہوتی ہے۔اور کس کے ہاتھ میں خسارہ آتا ہے۔؟؟؟

****

آج صبح سے موسم کچھ آبرالود تھا۔آسمانوں پر مسلسل بادلوں نے گھیر اڈالا ہوا تھا۔کسی بھی وقت بارش آسکتی تھی۔ایسے میں ابراہیم بھی آج جلدی آفس سے واپس آگیا تھا۔کیونکہ بارش اسے کچھ خاص پسند نہیں تھی۔یہی وجہ تھی کہ جب کبھی بارش ہوتی تو وہ اپنے گھر میں رہنے کو فوقیت دیتا تھا۔

گھر آکر آرام دہ کپڑے پہنتے ابراہیم جیسے ہی نیچے آیا،تو باہر اچھی خاصی بارش شروع ہو چکی تھی۔بارش سے پہلے گھر پہنچنے پر شکر ادا کرتا ابراہیم اپنے مخصوص کیلیگرافی والے کمرے کی طرف جانے کا سوچتا اٹھا تھا۔لیکن لاونج کی سامنے والی شیشے کی دیوار سے باہر کا منظر نظر آتے وہ غیر ارادی طور وہاں جاکر کھڑا ہو گیا۔

جہاں سامنے والے پورشن کی ساری نوجوان نسل،اپنے پورشن کے دروازہ میں بیٹھے بارش کے موسم کو انجوائے کر رہے تھے۔دانش،کیف،اور محراب ایک طرف بیٹھے چائے اور پکوڑوں سے لطف اندوز ہونے کے ساتھ ساتھ باتوں میں بھی مگن تھے۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

منہا اور منیب بارش میں بھیگنے کے ساتھ ساتھ لڑنے میں بھی مگن تھے۔ دامن شاید کیچن میں تھی تبھی صرف حیات اور ایراج ایک طرف کھڑی بارش کے پانی کے قطرے ایک دوسرے پر پھینکتے کھلکھلا کر ہنس رہی تھی۔ان کو دیکھ کر ابراہیم کے چہرے پر مسکراہٹ پھیلی تھی۔ جس میں کہی نا کہی حسرت کے نشان بھی واضع تھے۔

ابراہیم جوان کو دیکھتا اپنی ہی سوچوں میں گم تھا۔ کسی اسپرا کی نقرائی ہنسی کانوں میں پڑنے پر چونکا تھا۔وہ خوبصورت ہنسی کسی پرلطف ساز کی طرح تھی۔ جس نے چپکے سے کسی کے دل پر دستک دی تھی۔ لیکن کس کے؟؟کافی دیر تک جاری رہنے کے بعد بارش اب بند ہو چکی تھی۔سب لوگ باری باری اٹھ کر اندر جا چکے تھے۔اب صرف وہاں حیات اور ایراج رہ گئی تھی۔جو نرم گھاس پر ننگے پاؤں چلتے، بارش کے بعد پڑتی ہلکی ہلکی پھوار کو چہرے پر محسوس کرتے، باتوں میں مگن تھی۔

"صاحب آپ کے لیے کچھ لاؤں؟؟"کافی دیر سے ابراہیم کو ایک ہی جگہ پر کھڑے دیکھ ملازمہ نے پریشانی سے پوچھا تھا۔

"ہاں چھاتا لے کر آؤ!"ابراہیم نے بغیر مڑے جواب دیا تھا۔اس کی بات پر ملازم نے تعجب سے اسے دیکھا تھا۔جو بارش بند ہونے کے بعد چھاتا مانگ رہا تھا۔ لیکن پھر اپنے

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interview

لب سیے مالک کا حکم سمجھتے فوراً لے آیا تھا۔

"اہمم!" پھوار سے بچنے کے لیے سر پر چھاتا اوڑھے ابراہیم چند پل بعد ان کے مقابل پہنچتے کھنکھارا تھا۔

"ابراہیم بھائی آپ یہاں؟؟ میرا مطلب تھا کوئی کام تھا؟؟ نہیں برا مت مانئے گا۔ میں تو بس یہ کہہ رہی تھی کہ آپ پہلے یہاں آئے نہیں نا تو بس اس لیے پوچھ رہی تھی۔" ابراہیم کو یوں سامنے دیکھ ایراج بکھلاہٹ میں جو منہ میں آیا بولی جا رہی تھی۔

"میں نے برا نہیں مانا چھوٹی! اصل میں مجھے مس حیات سے بات کرنی تھی۔ کیا میں کر سکتا ہوں؟؟" ایراج کے سر پر شفقت سے ہاتھ رکھتے ابراہیم برادرانہ محبت سے بولا تھا۔

"جی جی بھائی ضرور! میں تو بس اندر ہی جا رہی تھی۔" ایراج تو ابراہیم کے مان پر اس کی گرویدہ ہی ہو گئی تھی۔ اس لیے شرارتی نظروں سے حیات کو دیکھتے اندر کی طرف چل دی تھی۔

"لیکن مجھے آپ سے کوئی بات نہیں کرنی۔ رکو ایراج میں بھی تمہارے ساتھ اندر چلتی

ہوں "ایراج کی نظروں پر خائف ہوتے، حیات تیزی سے ابراہیم کو جواب دیتی آگے بڑی تھی۔

"بس ایک منٹ مس حیات! میری بات سن لیں پھر چلے جایئے گا" ابراہیم تیزی سے حیات کے سامنے آتے بولا۔ جس پر وہ بامشکل ابراہیم کے اندر لگتے لگتے بچی تھی۔

"بولیے کیا کہنا ہے آپ کو؟ کیا پھر سے مجھے برا بھلا کہنے آئے ہیں۔؟؟" ابراہیم کی بات پر تپ کر حیات ناراضگی سے منہ بسورہ کر بولی اور ایسا کرتے وہ بہت کیوٹ لگ رہی تھی۔

"مس حیات آپ غلط سوچ رہی ہیں۔ میں تو صرف آپ سے معافی مانگنے آیا تھا۔" ابراہیم نے صفائی دی تھی۔

"افففف! ٹھیک ہے۔ اگر آپ کو معافی مانگنے کا زیادہ ہی شوق ہو رہا ہے۔ تو پھر مانگیے معافی!! کھڑے کیوں ہیں؟" حیات نے آئبرو اچکاتے کڑے چتنوں سے ابراہیم کو گھورا تھا۔

"آئم سوری مس حیات! کل سچ میں، میں کچھ زیادہ ہی روڈ ہو گیا تھا۔ اس لیے میں آپ

سے سچے دل سے معافی مانگتا ہوں اور ہر جانے کے طور پر اپنا یہ لاڈلا بنی آپ کو دیتا ہوں "ابراہیم ہاتھ میں پکڑا اسفید فر اور نیلی آنکھ والا خرگوش حیات کی طرف بڑھاتے بولا۔

بارش کی وجہ سے ہوا میں بکھری مٹی کی سوندھی خوشبو میں محبت کی خوشبو بھی شامل ہوئی تھی۔ جب کالی آنکھوں والے ساحر ابراہیم جاسم آفندی نے اپنے ایک ہاتھ میں پکڑے چھاتے کو حیات پر کرتے، دوسرے ہاتھ میں موجود خرگوش کو حیات کی طرف بڑھاتے، حیات مراد سے معافی مانگی تھی۔

"اٹس اوکے! میں نے آپ کو معاف کیا۔ اور اس بنی کے لیے شکریہ" جہاں ابراہیم کے ہاتھ سے خرگوش پکڑتے حیات نے نرم مسکراہٹ لبوں پر سجائے کہا تھا۔ وہیں اس کی ہیزل براؤن آنکھوں کی چمک اس معافی پر بڑھی تھی۔ جبکہ دل کی دھڑکن نے الگ شور برپا کیا تھا۔ اس خوبصورت منظر کا حصہ بنے وہ دولوگ کسی شاعر کی غزل کا حصّہ معلوم ہو رہے تھے۔ جن کے ارد گرد کسی چیز کا سحر بہت مضبوطی سے بندھا ہوا تھا۔

****

عشاء کی اذان ہو چکی تھی۔ رات بھی پر پھیلانا اپنے جوبن پر آچکی تھی۔ بارش کی وجہ

سے ہوا میں آج کچھ ہلکی ہلکی خنکی موجود تھی۔اسی لیے آج سر شام ہی سب لوگ کمروں میں چلے گئے تھے۔ لیکن حیات تو اپنے کمرے میں بیٹھی خرگوش پر ہاتھ پھیرتے،ابھی تک اسی سحر میں گرفتار تھی، جس میں ابراہیم اسے باندھ کر گیا تھا۔ یہاں تک کہ اپنی حالت سے ڈرتے،سب کو طبیعت خرابی کا بہانہ کرتے اس نے کھانا بھی کمرے میں ہی منگوایا تھا۔ لیکن ایراج جاسوس کی چھٹی حس تو اسے کچھ اور ہی کہانی سنا رہی تھی۔اس لیے نکل پڑی تھی حیات کے کمرے کی طرف تفتیش کرنے۔

"اوہو بنورانی تم تو بڑا چہک رہی ہو۔ لیکن میں نے سنا تھا کہ تمہاری طبیعت ٹھیک۔۔۔۔"حیات کے چہرے پر ہلکی ہلکی مسکان دیکھتے ایراج نے اسے چھیڑا تھا۔ لیکن جیسے ہی اس کی نظر خرگوش پر پڑی تو ایک دم سے چیخی۔

"اومائی گاڈ کیا تمہیں یہ ابراہیم بھائی نے دیا؟؟ اللہ اللہ ایراج کی ناک کے نیچے کتنے کتنے کانڈ ہو رہے ہیں۔ "انتہائی صدماتی انداز میں کہتے ایراج حیات کے پاس بیڈ پر گرنے جیسے انداز میں بیٹھی تھی۔

"شرم کرو ایسا کچھ نہیں ہے جیسا تم سوچ رہی ہو۔ یہ تو میں خود ان سے مانگ کر لیا ہے۔"اپنی جھنپ مٹاتے حیات نے عزر تراشا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE .com

"ایک منٹ ایک منٹ ابھی تو میں نے کچھ سوچا ہی نہیں تو پھر تم کس سوچ کی طرف اشارہ کر رہی ہو لڑکی۔" ایک دم سے کھڑے ہوتے ایراج نے تفتیشی افسر کے جیسے پوچھا تھا۔

"ایراج یار پلیز تنگ مت کرو!!" ایراج کی ایکسرے کرتے نگاہوں پر ہاتھ رکھتے حیات نے منمناتے ہوئے کہا تھا۔

"ہاہاہاہاہا لڑکی تم تو گئی رے، ویسے چوائس تو تمہاری کافی لاجواب ہے۔ ہائے تم اور ابراہیم بھائی ایک ساتھ کتنے اچھے لگو گے!!" حیات کی حالت سے لطف اٹھاتے ایراج نے پرجوش ہو کر کہا تھا۔ سچ کہتے ہیں لڑکی کو آدھی محبت تو دوستیں زبردستی کہہ کہہ کر کروا دیتی ہیں۔

"پلیز چپ کر جاو ایراج!" اپنے نام کے ساتھ ابراہیم کا نام سنتے، اپنے دل کی بے قابو ہوتی دھڑکن پر نڈھال ہوتے حیات نے ایراج کے منہ پر ہاتھ رکھتے درخواست کی تھی۔

"ہائے اللہ جی لڑکی تم تو ان کے عشق میں گوڈے گوڈے ڈوب چکی ہو۔ سچ میں میں تمہارے لیے بہت خوش ہوں۔ اللہ تمہیں خوش رکھے آمین!" حیات کی غیر ہوتی

حالت پر ایراج نے شرافت کا لبادہ اوڑھتے اسے اپنے سینے لگایا تھا۔ جس پر انجانے میں حیات بھی دل میں آمین کہتی مسکرادی تھی۔

"ویسے اس کیوٹو بنی صاحب کو تو دیکھو کیسے مزے سے تمہاری گود میں بیٹھا ہے۔ جیسے ہمیشہ سے رہا ہی اس میں ہے۔ لاو ادھر دو میں اسے واپس ادھر ہی چھوڑ آتی ہوں۔ کل تم واپس لے لینا کیونکہ اب رات میں تم اسے کہاں رکھو گی۔" حیات کی گود میں موجود خرگوش کو پکڑتے ایراج باہر لیجاتے بولی تھی۔ جس پر اتفاق کرتے، حیات نے اپنی جان خلاصی ہونے پر شکر کا کلمہ پڑھا تھا۔ لیکن ایک بار پھر اپنے نام کے ساتھ ابراہیم کا نام سوچتے اس کے دل نے سرگوشی کی تھی۔

'کیا واقع مجھے ابراہیم سے محبت ہو گئی ہے؟" جس پر دماغ نے احتجاج بلند کیا تھا۔

'نہیں ہر گز نہیں! مجھے محبت کبھی نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ میں حیات مراد ہوں جس کے لیے محبت صرف بے معانی شے ہے۔' دماغ کی اس سرگوشی کے آتے ہی حیات کی کنفیوژن بڑھی تھی۔ نجانے کب انا کے اس خول نے مکمل طور پر ٹوٹنا تھا۔

****

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

آج صبح ناشتے کی ٹیبل پر خلاف معمول حیات بھی سب کے ساتھ بیٹھی کھانا کھا رہی تھی۔ جس پر سب بہت خوش اور مطمئن تھے۔ کیف تو چپکے چپکے سے صبح اس کے مسکراتے چمکتے چہرے کو دل میں اتار رہا تھا۔ ایراج حسب عادت بولنے میں مگن تھی۔ جس پر محراب مسکراتے ہوئے اس کا ساتھ دے رہا تھا۔ بڑے سب حسب معمول اپنی اپنی باتوں میں مگن تھے۔

"کیف بھائی مجھے نا سفید رنگ کا نیلی آنکھوں والا خرگوش بہتتت پسند ہے۔ کیا آپ مجھے ایسا لا کر دیں گے ؟؟" کن اکھیوں سے حیات کو دیکھتے ایراج نے شوشا چھوڑا تھا۔ جس پر حیات کا نوالہ اٹکتے اٹکتے بچا تھا۔

"حیات آپ ٹھیک تو ہیں ؟؟" حیات کی کھانسی پر کیف نے جلدی سے پانی اس کی طرف بڑھایا تھا۔ پریشان تو وہ سب ہو چکے تھے۔ لیکن کیف کی پریشانی تو کچھ الگ ہی تھی۔

"جی جی آئم فائن !" ٹشو کی مدد سے منہ صاف کرتے حیات نے جبراً مسکرا کر کہا تھا۔ اور پھر ایراج کو ایک تگڑی گھوری سے نوازہ تھا۔ جواب بھی ڈھیٹ بنے دانت نکال رہی تھی۔

"کیف بھائی آپ نے جواب نہیں دیا۔" حیات کو اگنور کرتے ایک بار پھر ایراج نے پوچھا۔

"کیوں بھئی میں تمہارا نوکر لگا ہوں جو لا کر دوں گا۔ لینا ہے تو خود جا کر لے لینا۔ اور یہ ہزار بار کہا ہے کہ سویرے سویرے اپنا منہ بند ہی رکھا کرو۔" حسب معمول سڑا ہوا جواب ہی کیف کی طرف سے موصول ہوا تھا۔ جس پر ایراج کا منہ غبارے کی طرح پھولا تھا۔ وہ بچاری تو صرف مزاق کر رہی تھی۔ لیکن کیف نے تو اسے جھاڑ کر رکھ دیا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"ایراج آپ پریشان مت ہوں میں ہوں نا۔ میں آپ کو لا کر دوں گا۔" ایراج کے منہ کے بگڑتے زاویئے دیکھ محراب تیزی سے بولا۔

"اووووو! ایسا کیا؟" محراب کی بات پر سب نے آنکھیں گھوما کر اسے دیکھا تھا۔ جس پر وہ گڑبڑا ہی گیا تھا۔

"میرا مطلب ہے کہ ایسے چھوٹی کزن کو منع کرنا اچھا تھوڑی لگتا ہے۔ اب ہم اس کو نہیں لا کر دیں گے تو اور کون لا کر دے گا" جزبز سے محراب نے تیزی سے وضاحت دی تھی۔ جس پر حیات اور ایراج کے سوا سب لوگ مطمئین ہو چکے تھے۔ ایراج کو تو

اس کا یا پلٹنے کا یقین ہی نہیں ہو رہا تھا۔تو دوسری طرف حیات بھی آنکھوں چھوٹی کیے اپنے بھائی کو گھور رہی تھی۔

"کیا چکر ہے؟؟"حیات نے سامنے بیٹھے اپنے بھائی کو آئیبر و آچکا کر پوچھا۔

"کچھ نہیں"کھسیانی ہنسی ہنستے محراب نے نفی میں سر ہلایا تھا۔حیات کو دل میں کچھ کچھ کالا لگ رہا تھا۔اب کون جانے یہ دل میں سچ میں کچھ کچھ کالا تھا یا پوری دل ہی کالی تھی۔؟؟

"بچوں چونکہ شادی میں اب صرف پندرہ دن باقی رہ گئے ہیں۔تو میرا آڈر ہے کہ اس ہفتے سب لوگ اپنی اپنی تیاریاں مکمل کر لیں۔پھر اگلے ہفتے سے شادی کے فنکشن شروع ہو جائے گا۔تو ایسے میں بازار جانے کا موقع کم ہی ملے گا۔"فیض صاحب نے ناشتہ کے ٹیبل سے اٹھتے حکم جاری کیا تھا۔ان کے اٹھتے ہی باقی سب بھی کھانا ختم کرتے اٹھنے لگے تھے۔

"بڑے ابا کہاں جارہے ہیں؟؟"فیض صاحب کو باہر کی طرف جاتے دیکھ حیات جو کھانا ختم کر چکی تھی، جلدی سے ان کے پاس آتے بولی۔

"کل سے ابراہیم سے بات نہیں ہوئی۔اسی لیے اب اس کے پاس جا رہا ہوں۔میرا بچہ یہ کیوں پوچھ رہا تھا۔؟"حیات کے سر پر ہاتھ رکھتے بڑے ابا پیار سے بولے۔

"وہ بڑے ابا اصل میں مجھے اپنے خرگوش سے ملنا ہے۔جو کل ہی مجھے ابراہیم نے میرا مطلب ابراہیم بھائی نے دیا ہے۔تو کیا میں بھی آپ کے ساتھ وہاں چلو؟؟"فیض صاحب کی بات پر معصومیت سے آنکھیں پٹپٹاتے حیات نے ان کی طرف دیکھا تھا۔

"ٹھیک ہے بیٹا چلو!"حیات کے سر پر ہاتھ رکھتے بڑے ابا سے اپنے ساتھ لیے ابراہیم کے پورشن کی طرف بڑھے تھے۔اس پورشن میں داخل ہوتے ہی اپنے خرگوش کو مالی بابا کی مدد سے لیتے،حیات بڑے ابا کی سربراہی میں پورشن میں داخل ہوئی تھی۔

"سلام بڑے صاحب!"فیض صاحب کے جاتے ہی اسلم بابا نے ان کو دیکھتے سلام کیا تھا۔

"وسلام اسلم!ابراہیم کہاں ہے؟؟"فیض صاحب نے اسلم بابا کے سلام کا جواب دیتے پوچھا۔

"صاحب وہ بابا ابھی جم خانے میں ہے۔میں ابھی بلا کر لاتا ہوں۔آپ لوگ بیٹھیے"ان

لوگوں کو لاونج کی طرف رہنمائی کرتے اسلم بابا خود ابراہیم کو بلانے چلے گئے تھے۔

جب کہ حیات بڑے ابا کے ساتھ لاونج میں لگے صوفہ پر بیٹھتے ارد گرد غور سے دیکھنے لگی تھی۔ایک طرف لگی ابراہیم کی اس تصویر نے اسے بے ساختہ کل کا بارش والا منظر یاد دلایا تھا۔وہ سب یاد آتے حیات کے چہرے پر مسکراہٹ ابھری تھی۔ جبکہ آنکھوں کی چمک مزید بڑھی تھی۔وہ نجانے کب تک ماضی کی اس حسین یاد میں کھوئی رہتی کہ ابراہیم کی آواز نے اسے حال میں کھینچا تھا۔

****

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

نیلے رنگ کی شرٹ اور کالے رنگ کی ٹراوزر پہنے نم بالوں کے ساتھ چہرے پر نرم سی مسکراہٹ لیے ابراہیم جاسم آفندی فیض صاحب کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔اس کے چہرے پر موجود پانی کے قطرے اس بات کی گواہی تھے کہ وہ فرش ہونے کے بعد سیدھا بڑے ابا سے ملنے آیا ہے۔اسے دیکھ کر جہاں فیض صاحب کے چہرے پر گہری مسکراہٹ نے احاطہ کیا تھا۔وہی حیات ایک بار پھر سے اس کے سحر میں گرفتار ہوئی تھی۔کسی مقناطیسی طاقت کی وجہ سے وہ بنا پلکے جھکائے اس کے مسکراتے چہرے کی جانب دیکھے جا رہی تھی۔

"آج آفس نہیں جانا تم نے ابراہیم؟"فیض صاحب خلاف معمول ابراہیم کو گھر کے کپڑوں میں دیکھ کر چونکے تھے۔

"نہیں بڑے ابا کل کی بارش میں بھیگنے کی وجہ سے ہلکہ ہلکہ فلو اور سر میں شدید درد ہے۔بس اسی لیے آج آفس نہیں جاوں گا بلکہ گھر سے ہی آفس کا سارا کام کروں گا" ابراہیم (جس کی آواز فلو کی وجہ سے بدلی بدلی لگ رہی تھی) نے اپنے بالوں کو ماتھے سے پیچھے کرتے جواب دیا۔

"حد ہے لاپرواہی کی ابراہیم! یہ جانتے بوجھتے بھی کہ تمہیں بارش میں نکلنے سے بخار، نزلاز کام جلدی گھیر لیتا ہے تو پھر کیا ضرورت تھی بارش میں بھیگنے کی؟؟اور یہ کس عقل مند نے تمہیں مشورہ دیا تھا کہ بخار میں اٹھ کر نہا لو۔"ابراہیم کی تپتی پیشانے پر ہاتھ رکھتے فیض صاحب نے اسے سخت سست سنایا تھا۔

فیض صاحب کی بات پر ابراہیم اور حیات کی نظریں چندپل کے لیے ملی تھی۔کالی آنکھیں جہاں گہرے راز اپنے اندر دفن کیے تھے۔وہی ہیزل براؤن آنکھیں ابراہیم کے بخار کا سنتے بے چینی لیے ہوئے تھی۔

"اوہو بڑے ابا میں اب چھوٹا بچہ تھوڑی ہوں۔جس کے لیے آپ پریشان ہو رہے

ہیں۔شام تک خود ہی ٹھیک ہو جاوں گا۔آپ فکر مت ہوں" حیات سے فوراً نظریں ہٹاتے ابراہیم نے لب دبا کر فیض صاحب کو ٹھنڈا کرنا چاہا تھا۔جو ملازم کو کاڑھا بنانے کی ہدایت دے رہے تھے۔

"بس بس زیادہ میرے ابا بنتے مجھے یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ کس بات پر فکر کرنی چاہیے اور کس بات پر نہیں کرنی چاہیے اور یہ بات بھی تم نے خوب کہی میاں کہ تم اب بچے نہیں رہے۔اگر میری نظر سے دیکھو تو ابھی بھی تیس کے ننھے کاکے ہو جسے ہر بات بتانی پڑتی ہے۔" ابراہیم پر میٹھے میٹھے تنز کے تیر چلاتے فیض صاحب اس کی صحت کی فکر میں گھل رہے تھے۔ان کے غصے پر حیات اور ابراہیم دونوں کے چہروں پر ہلکا ہلکا تبسّم ابھرا تھا۔

"اوپر سے تمہارا یہ کام کمبخت ملازم نجانے کونسا کاڑھا بنانے لگ گیا ہے۔اب مجھے خود ہی جا کر دیکھنا پڑے گا۔" فیض صاحب کے بس میں ہوتا تو چٹکی بجا کر ابراہیم کا بخار ٹھیک کر دیتے۔یہی وجہ تھی کہ ملازم کو دیر لگاتے دیکھ خود ہی کیچن کی جانب چل دیے۔

"آئم سوری!" فیض صاحب کے جانے کے بعد حیات بے چینی سے نم آنکھوں

سمیت بولی تھی۔

"کس لیے؟؟" حیات کی معافی پر ابراہیم جو فیض صاحب کی محبت پر مسکرا رہا تھا، اچھنبے سے بولا۔

"وہ کل آپ میری وجہ سے بارش میں آئے تھا۔اسی لیے آپ کو فلو ہو گیا۔ تو بس اسی لیے" یہ لڑکی تو کہی سے پہلے والی انا پرست حیات مراد تو لگ ہی نہیں رہی تھی۔ بلکہ یہ تو ابراہیم جاسم آفندی کی فکر میں گھلتی کوئی دیوانی معلوم ہو رہی تھی۔

"یہ تمہاری وجہ سے بالکل نہیں ہوا چھوٹی دوست، اس لیے پہلے تو اچھے بچوں کی طرح اپنی آنکھیں صاف کرو۔ کیونکہ یہ انمول موتی ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں پر ضائع ہونے کے لیے نہیں ہے۔" حیات کو ایک بچی کی ٹریٹ کرتے، ابراہیم نے اس کے ماتھے سے بال بکھیر کر کہا تھا۔

"میں بچی نہیں ہوں۔ اکیس سال کی ہوں" بچی لفظ پر حیات نے احتجاج بلند کیا تھا۔

"ہاہاہا لیکن میرے لیے تو میری چھوٹی دوست ہی ہو نا، میری لیٹل ڈول" حیات کی ناک پر سجے ہلکے ہلکے غصے سے لطف اندوز ہوتے ابراہیم نے اسے ایک نیا نام دیا تھا۔

"آپ کو میرا یہاں آنا برا تو نہیں لگا؟؟"ابراہیم کے دیے گئے نام پر خوش ہوتی حیات نے ایک دم سیریس ہوتے معصومیت سے پوچھا

"نہیں بلکہ ابراہیم جسم آفندی کو اپنی لیٹل ڈول کا یہاں آنا آج برا لگا ہے نا کبھی لگ سکتا ہے۔وہ جب چاہے یہاں آسکتی ہیں"حیات کی چھوٹی سی ناک دباتے ابراہیم مسکرایا، جس پر اس کے گال میں پڑتے گھڑے نے اپنی جھپ دیکھائی تھی۔حیات کا دل اس گھڑے میں ڈوب کر ابھرا تھا۔جب کے آنکھوں بے یقینی سے کھلی تھی۔

"کیا سچ میں؟؟مطلب میں جب چاہے یہاں آسکتی ہوں۔کیا آپ مجھے کچھ نہیں کہیں گے؟؟"حیات نے حیرت سے اپنی آنکھیں بڑی کرکے پوچھا۔

"سچ میں!"ابراہیم نے اس کے تاثرات سے لطف اندوز ہوتے شرارت سے آنکھیں جھپک کر کہا تھا۔اگر حیات کا دماغ کہتا تھا کہ ابراہیم جاسم آفندی کوئی جادوگر ہے تو یہی سچ تھا کہ وہ ایک ساحر تھا۔جو کسی کو بھی آسانی سے اپنے سحر میں گرفتار کرنے کی صلاحیت رکھتا۔

"تھینکیو سوچ ابراہیم!"یک دم پرجوش ہوتے حیات بولی تھی۔لیکن پھر یک دم اپنے لبوں کو دانتوں میں دبا گئی تھی۔کہ کہی ابراہیم کو اس کا نام لینا برا نا لگا ہو۔جب کہ

توقع کہ برعکس حیات کے منہ سے اپنا نام سن کر ابراہیم کو خوشگوار حیرت ہوئی تھی۔

"لیٹل ڈول آج تو تھینکیو کہہ دیا لیکن آئندہ سے یاد رکھنا ابراہیم کی دوستی میں نو سوری نو تھینکیو!" حیات کی تاثرات کو اگنور کرتے، ابراہیم ہونٹوں پر تبسم لیے بولا تھا۔ مقصد حیات کو ظاہر کروانا تھا کہ اسے حیات کا نام لینا برا نہیں لگا۔ ابراہیم کی بات پر حیات بھی آسودگی سے مسکرادی تھی۔ اس مسکراہٹ کو محبت کی دیوی نے جانثار نظروں سے دیکھا تھا۔

"ابراہیم بیٹا یہ لو جلدی سے کاڑھا پی لو۔ یہ تمہاری صحت پر اچھا اثر کرے گی" ان کی باتوں میں مداخلت فیض صاحب کی آواز نے ڈالی تھی۔

"شکریہ بڑے ابا" ان کے ہاتھ سے کاڑھا لیتے ابراہیم ممنون ہوا تھا۔

"جھلا" فیض صاحب نے ابراہیم کے شکریہ پر اس کے کندھے پر تھپڑ رسید کیا تھا۔

"ابراہیم ہماری پوتی تمہارا پورشن دیکھنا چاہتی تھی۔ اسی لیے ہم اسے یہاں لے آئے۔ تمہیں کوئی پریشانی تو نہیں ہوئی" ابراہیم کو کاڑھا پلانے کے بعد کہی جا کر فیض صاحب کو حیات کا خیال آیا تھا۔

"ہاہاہاہاہابڑے ابا آپ کی پوتی اب سے میری دوست ہے۔ جس کے آنے سے ابراہیم کو کبھی کوئی پریشانی نہیں ہو سکتی اور ہاں میری دوست جب یہاں آنا چاہے آسکتی ہے۔ آپ سب کو بتادیجئے گا کہ یہ ابراہیم کا آڈر ہے کہ کوئی بھی میری دوست کو نہیں روکے گا" ابراہیم نے قہقہ لگا کر فیض صاحب کی معلومات میں اضافہ کیا تھا۔

"ارے ماشاءاللہ! یہ تو بہت اچھی بات ہے بھئی۔ ٹھیک ہے شہزادہ تمہارا یہ پیغام میں سب کو پہنچادوں گا۔اب تم آرام کرو میں چلتا ہوں۔ حیات بیٹی تم ابھی رکو گی یا میرے ساتھ آنا چاہو گی" آسودگی سے مسکراتے فیض صاحب اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

"نہیں بڑے ابا میں بھی آپ کے ساتھ چلتی ہوں۔اب ابراہیم کو آرام کرنا چاہیے" حیات تیزی سے فیض صاحب کے ساتھ خود بھی کھڑی ہوگئی تھی۔ جس پر سر ہلاتے فیض صاحب باہر کی طرف بڑھے تھے۔

"اللہ حافظ ابراہیم میں شام کو پھر آؤں گی۔اپنا خیال رکھیے گا" ابراہیم کو اپنا خیال رکھنے کا کہتے اپنے حیات خرگوش کو پکڑے فیض صاحب کی رہنمائی میں چلتے چلی گئی تھی۔ جبکہ ابراہیم ہلکی مسکان چہرے پر لیے، حیات کو سوچے واپس اپنے کمرے کی جانب چل دیا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

****

"آپا یہ دیکھیں یہ میری شادی کے جوڑے کی چنری ہے۔میرا بڑا دل تھا کہ دامن نکاح کے وقت اسے لے لیکن یہ دیکھیں اس کا کام دیکھیں سارا کالا کالا ہو گیا ہے۔اب میں کیا کروں"فوزیہ بیگم اپنی شادی والا دوپٹہ اٹھا کر حمیرہ بیگم کے پاس لائی تھی۔جو افشاں بیگم کے ساتھ بیٹھی دلہن کی جیولری دیکھ رہی تھی۔

"لائیں ادھر دیکھائیں مجھے!"حمیرہ بیگم ہاتھ میں پکڑا جیولری باکس ایک طرف رکھتے ڈوپٹہ ہاتھ میں لیتے بولی۔

"بھابھی پریشان مت ہوں۔دیکھیں یہ کام صرف باڈر پر ہی ہوا ہوا ہے۔تو میرا خیال ہے کہ ہم باڈر کو اتار کر اس کی جگہ گوٹا کناری لگا لیتے ہیں۔اس سے اسے نئی لک بھی مل جائے گی۔اور یہ پہننے لائق بھی ہو جائے گا"حمیرہ بیگم اسے دیکھتے سہولت سے بولی۔

"ہاں یہ تو بہت اچھا مشورہ ہے۔میں آج ہی اس پر کام کرتی ہوں"فوزیہ بیگم بھی یہ سنتے مطمئین ہو گئی تھی۔

"کیا ہو رہا ہے یہاں؟؟"حیات جو ابھی جینی لوگوں سے بات کر کے آئی تھی۔ان کے

پاس بیٹھتے ہوئے بولی۔

"کچھ نہیں بس تمہاری چھوٹی اور بڑی ممانی دامن کے نکاح کے لیے کچھ سامان دیکھا رہی تھی۔" اپنے سامنے موجود جیولری اور دوسرے پڑے سامان کی طرف اشارہ کرتے حمیرہ بیگم نے مصروف سے انداز میں جواب دیا تھا۔

"ارے واہ یہ تو بہت اچھی جیولری کا لیکشن ہے۔ مامی کیا یہ سب دامن آپی کو دیں گی ؟؟" جیولری کو اشتیاق سے دیکھتے حیات بولی۔

"یہ سب میری جیولری ہے۔ جو میں اپنی تینوں بہوں میں برابر تقسیم کروں گی۔ مطلب کچھ نئی جیولری ملا کر اور کچھ ان میں سے ڈال کر میں دامن کو دوں گی۔ باقی بچا منیب اور کیف کی بیویوں کے لیے رکھوں گی۔" افشاں بیگم نے وہ سب سیٹ حیات کو دیکھاتے جواب دیا تھا۔

"یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ ویسے کیا یہ تھوڑا سہ بھاری نہیں ؟؟" ایک سیٹ کو اپنی گردن کے ساتھ لگاتے حیات نے منہ بسور کر کہا تھا۔

"نکمی لڑکی تو تمہیں کس نے کہا ہے یہ پہنو ویسے بھی یہ سب تمہارے بھائیوں کی

دلہنوں کے لیے،اس لیے تم اس کے بھاری یا ہلکے ہونے سے پریشان مت ہو۔"

حمیرہ بیگم نے حیات کے ہاتھ سے سیٹ واپس رکھتے اسے ڈپٹتے ہوئے کہا تھا۔جس پر افشاں بیگم اور فوزیہ بیگم مسکرادی تھی۔

"ماما کبھی کبھی آپ کو دیکھ کر مجھے لگتا ہے کہ آپ میں،اللہ بخشے میرے ہونے والی ساس،جو نجانے کہاں بیٹھی ہو گی،اس کی روح آگئی ہے۔اس لیے ہٹلر کی جان نشین بن گئی ہیں."حمیرہ بیگم کی ڈانٹ پر حیات نے جل بھن کر کہا تھا۔اس کی شکل دیکھ کر ان تینوں کا قہقہ لگا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"او میرا بچہ!ادھر آؤ مامی کے پاس آؤ اور بتاؤ کونسا سیٹ لینا ہے میری بیٹی نے"افشاں بیگم فوراسے حیات کو اپنے پاس کھینچتے محبت سے بولی۔

"ہاؤ سویٹ اف یو مامی دیکھیں اپ کتنی اچھی ہیں۔کاش اس ہٹلر کی بجائے آپ میری ماما ہوتی۔"مامی کے پاس ہوتے حیات لاڈلی بنتے بولی تھی۔

"تو اب بنالو مجھے اپنی ماما میں نے کونسا منع کیا ہے۔"افشاں بیگم کے منہ سے نکلی بات پر حیات تو نا سمجھی سے چہکتی ہوئی ان کے ساتھ چپکی تھی۔جبکہ حمیرہ بیگم نے ان کی طرف چونک کر دیکھا تھا۔انہیں نجانے کیوں افشان بیگم کی بات ذو معنی لگی تھی۔

لیکن پھر اپنا وہم سمجھتے سر جھٹک گئی تھی۔

****

رات ایک بار پھر اپنے پھیلائے آفندی ویلا پر اتر چکی تھی۔ سارے لوگ آج جلد ہی اپنے اپنے کمروں میں سونے کے لیے جا چکے تھے۔ لیکن حیات کو ابھی تک نیند نہیں آ رہی تھی۔ آج سارا دن وہ چاہ کر بھی ابراہیم سے ملنے نہیں جا پائی تھی۔ لیکن اب اسے ابراہیم کی فکر ستانے لگی تھی کہ نجانے وہ کیسا ہوگا۔ اس کا دل کر رہا تھا کہ وہ اڑ کر ابراہیم کے پاس پہنچ جائے۔ ایک تو مصیبت یہ تھی کہ اس کے پاس ابراہیم کا نمبر بھی نہیں ہے تھا۔ کمرے میں ٹہلتے ٹہلتے اچانک حیات کے ذہن میں ایک ترکیب لہرائی تھی۔ جس پر لبیک کہتے ہو تیزی سے نیچے کی جانب بڑھی تھی۔

"حیات کیا ہے یار؟؟ رات کے اس وقت مجھے کہاں کھینچی جا رہی ہو۔ قسم سے بہت نیند آ رہی ہے۔ سونے دو نا پھر میں نے صبح یونی بھی جانا ہوتا ہے۔" حیات کے ساتھ کھینچے چلے جاتی ایراج احتجاج میں دبا دبا چیخ رہی تھی۔ لیکن حیات تو لگتا تھا کہ آج کسی کی نہیں سننے والی تھی۔ اس لیے کان بند کیے اسے اپنے ساتھ لیجائے جا رہی تھی۔

"دیکھو پلیز ززمیری پیاری بہن نہیں، بس میری تھوڑی سی مدد کرا دو پھر جا کر تم چاہے

سو جانا میں تمہیں تنگ نہیں کروں گی۔" کیچن میں داخل ہوتے حیات نے ایراج کو پچکارتے ہوئے کہا۔

"اچھا ٹھیک ہے تم نے نیند تو میری خراب کر ہی دے۔ اب یہ بتاو رات کے اس وقت تمہیں ایسا کونسا کام ہے جس کے لیے تم نے میری اتنی پیاری نید کو قربان کیا ہے۔"

ایراج نے احسان کرنے والے انداز کرسی پر بیٹھ کر اپنی جمائی روکتے پوچھا۔

"ایراج جانتی ہو کل ابراہیم مجھ سے جب بارش میں معافی مانگنے آئے تھے نا تو تب بھیگنے کی وجہ سے آج انہیں فلو ہو گیا ہے اور یہ بات مجھے جب سے پتہ لگی ہے مجھے بہت افسوس ہو رہا ہے۔ اس لیے میں نے سوچا ہے کہ میں ان کے لیے اپنے ہاتھوں سے کچھ بنا کر لے جاتی ہوں جس وہ بھی ٹھیک ہو جائیں اور میرا گلٹ بھی ختم ہو جائے۔"

حیات نے افسردگی سے اسے ابراہیم کی طبیعت خرابی کی روداد سناتے آخر میں پرجوشی سے اپنا پلین بتایا تھا۔ جس پر ایراج کی آنکھیں ابل کر باہر آئیں گی۔

"حیات تم ٹھیک تو ہو میری بہن؟؟ مجھے کیوں لگ رہا ہے کہ تم میں کسی کی روح آگئی ہے۔ نہیں مطلب کہ تم اب واقع ابراہیم بھائی کے لیے اپنا ہاتھوں سے کچھ بناؤں گی؟؟ نہیں پہلے یہ بتاو کہ تم ابراہیم بھائی کو صرف ابراہیم کس خوشی میں کہہ رہی ہو"

ایک دم سے تفتیشی افسر کے جیسے سن گن لگاتے ایراج آنکھیں چھوٹی کیے بولی۔ جس پر حیات بچاری گڑبڑا ہی گئی تھی۔

"دیکھو ایراج سچ کہہ رہی ہوں ایسا ویسا کچھ نہیں ہے۔ میں اور ابراہیم صرف دوست ہیں اور ابھی تو ہماری دوستی کو صرف دو دن ہوئے ہیں۔ ہاں مجھے مجھے ابراہیم نے اسے نام سے بلانے پر بالکل نہیں ٹوکا۔" روہانسے لہجے میں گھبرا کر بچاری حیات نے وضاحت کی تھی۔

"او میرے اللہ یہ میری چھوٹی سی ناک کے نیچے آج کل اتنے بڑے بڑے کارنامے ہو رہے ہیں اور مجھے تک خبر نہیں پہنچی۔ اس چیز کا بدلہ تو میں تم پھر کبھی لوں گی۔ ابھی تو یہ بتاو کہ کیا تمہیں سچ میں کچھ بنانا بھی آتا ہے۔ یا بس ایسے ہی ناول کی ہیروئن کی طرح شوخی ہو رہی ہو کہ چلو کچھ بنا کر ہیرو کو پٹاتی ہوں۔ پھر چاہے بعد میں ہیرو کا پیٹ ہی کیوں نا خراب ہو جائے۔ ہاہاہاہاہا" اپنی بات سے لطف اٹھاتے ایراج نے خود ہی قہقہ لگایا تھا۔

"اب ایسی بھی بات نہیں ہے ایراج مجھے زیادہ کچھ نہیں تو کچھ نا کچھ تو آتا ہی ہے بنانا۔ اس لیے تم میرا مزاق مت اڑاؤ بلکہ یہ بتاو کہ تم میری مدد کرو گی یا نہیں؟؟" حیات نے

ایراج کے مذاق پر منہ پھلایا تھا۔

"اچھا اچھا میری پیاری سی کزن کرتی ہوں تمہاری مدد جلدی بتاؤ کیا بنانا ہے؟؟" حیات کی ٹھوڑی کو دباتے ایراج نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

"میں نے سوچا ہے کہ میں ان کے لیے چاکلیٹ چپ کوکیز بناؤں گی۔ جانتی ہوں میرے ہاتھ کے بنے کوکیز محراب بھائی کو بہت پسند ہے۔" حیات نے جوش سے ایراج کی طرف رخ کر کے کہا تھا۔ جس کو کوکیز کا نام سن کر صدمہ ہی لگ گیا تھا۔

"حیات are u serious؟؟ میرا مطلب ہے بیمار لوگوں کو ہم کوئی سوپ بنا کر دیتے ہیں یا کوئی طاقت کی چیزیں بنا کر دیتے ہیں لیکن تم وہ پہلی نمونی ہو گی جو کوکیز بنا کر دیے گی۔ مطلب حد ہو گئی پھوہڑپن کی، اب تم ابراہیم بھائی کو بخار میں کوکیز کھلاؤ گی۔" ایراج نے انتہائی صدمہ سے حیات کی جانب دیکھا تھا۔

"لیکن یار ایراج مجھے بس ایک کوکیز کے علاوہ کچھ اور بنانا نہیں آتا۔" ایراج کی نظروں سے خائف ہوتے حیات نے منمناتے ہوئے جواب دیا تھا۔ جو بس اسے نمونے پیس کو تعجب بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"اففف حیات نکمی لڑکی کیا بنے گا تمہارا؟؟ چلو اب یہی بناتے ہیں کیونکہ صبح تک بس ایسے ہی کھڑے رہنے کا میرا کوئی ارادہ نہیں ہے" حیات کی عقل پر ماتم کرتے ایراج جلدی سے سامان نکال کر دینے لگی تھی۔ جس پر حیات بھی سب کچھ بھلا کر اس کی مدد کرنے لگی تھی۔

حیات نے بٹر، فلور، براؤن شوگر، نمک، انڈے، خمیر اور بہت ساری چاکلیٹ چپس کو صحیح مقدار میں ڈالے اچھی طرح مکس کرنے کے بعد ٹرے میں انہیں سجاتے اوون میں رکھا تھا۔ تقریباً تین گھنٹوں میں انہوں نے وہ کوکیز تیار کی تھی۔

"حیات یہ تو بہت مزہ کی لگ رہی ہے۔ یممم میں ٹیسٹ کر لوں؟؟" کوکیز کے تیار ہوتے ہی ایراج ایک کو پکڑتے ہوئے بولی۔

"خبردار جو تم نے میری کوکیز کی طرف ٹیڑھی آنکھ سے بھی دیکھا بھی تو یہ سب میں نے صرف ابراہیم کے لیے بنائی ہیں۔" ایراج کے ہاتھ پر ہاتھ مارتے حیات تیزی سے کوکیز پیچھے ہٹاتے بے مروتی سے بولی۔

"ہاؤ مین یو آر؟ حیات مجھے تم سے یہ امید نہیں تھی۔ کہ مجھے اتنی خوار کرنے کے بعد تم ایک کوکیز بھی چکھنے نہیں دوں گی۔" ایراج نے آنکھیں گھماتے شکوہ کیا تھا۔

"او میری پیاری بہن یہ میں نے خاص ابراہیم کے لیے بنائی ہیں۔اس لیے نہیں دے سکتی۔لیکن پکا میں تمہیں بھی ایسی کوکیز ضرور بنا کر دوں گی۔پلیززززمیری جان مان جاوں نا" ایراج کو باہوں میں بھینچ حیات نے مکھن مارا تھا۔جس پر ایراج کے چہرے پر مسکراہٹ بکھیر تھی۔

"اچھا اچھا ٹھیک ہے لڑکی،اتنا مکھن مت لگاؤں۔میں موٹی ہو جاوں گی۔چلو کیچن صاف کریں۔اس سے پہلے کے گھر والے میں سے کوئی اٹھ کر ہمیں پٹائی لگائے" ایراج نے بکھرے ہوئے کیچن کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا۔جس پر حیات بھی سیدھی ہوئی تھی۔کیونکہ کیچن کی حالت واقع میں ابتر ہو چکی تھی۔تیزی ہاتھ ہلاتے اب وہ کیچن صاف کرنے لگی تھی۔

"اہ حیات میں تو تھک گئی ہوں۔قسم سے بہت شدت سے نیند آرہی ہے۔میں تو چلی سونا۔کام تو ہو گیا ہے اب تم بھی جاؤ جاکر آرام کرو۔" کیچن صاف ہوتے،نیند سے نڈھال ہوتے ایراج گرتے پڑتے اپنے کمرے کی جانب چلی گئی تھی۔جبکہ حیات جس کے چہرے پر،اپنی کوکیز سے آتی خوشبو کو محسوس کرتے، مسکراہٹ آئی تھی۔انہیں صبح ابراہیم کو دینے کا سوچتے کیبن میں رکھ کر خود بھی کمرے میں آگئ تھی۔اب اسے

صبح کا شدت سے انتظار تھا تاکہ ان کو کیز کو لیتے وقت وہ ابراہیم کے چہرے پر تاثرات دیکھ سکے۔

****

محبت کہنے کو ایک لفظ ہے۔ لیکن یہ ایک لفظ جب انسان کے دل کو تسخیر کرتے، اسے دنیا سے بیگانہ کرنے کی طاقت رکھتا ہے۔ اس انسان کی ذات میں موجود 'میں' کا نام و شان ختم کر دیتا ہے۔ کسی سے محبت ہونے کے لیے کبھی صدیاں درکار نہیں ہوتی اور نا ہی یہ صرف متقی اور پرہیزگار لوگوں کے دلوں کو اپنی جائے پناہ بناتی ہے بلکہ یہ تو وحی کی طرح چپکے سے اپنی پسند کے لوگوں کے دلوں میں شان سے براجمان ہوتی ہے اور اس انسان کو آزمائشوں کی بھٹی سے گزار کر کندن بنا دیتی ہے۔ جیسے اس بار محبت نے اپنا مسکن اس انا پرست شہزادی کے دل میں بنایا تھا۔ جس کے لیے محبت صرف ایک فضول شے تھی۔ کیا محبت نے حیات مراد کو آزمائش میں ڈالنا تھا؟

صبح ہونے کا شدت سے انتظار کرتے حیات کی ساری رات سوتی جاگتی کیفیت میں گزری تھی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ لڑکی جس کی آنکھ دن کے گیارہ بجے سے پہلے بہت مشکل سے کھلتی تھی۔ آج صبح چھ بجے ہی اٹھ کر بیٹھی ہوئی تھی۔ جلدی سے الماری

سے اپنا واحد سفید قمیض شلوار، جو حمیرہ بیگم نے اسے تحفے میں دیا تھا، نکالتے فریش ہونے چل دی تھی۔

سفید رنگ کی شارٹ شرٹ کے ساتھ کیپری پہنے گلے میں پہلی بار سرخ ڈوپٹہ ڈالے بالوں کو سلجھا کر کھلا چھوڑے سرخ و سفید گالوں والی حیات مراد اپنی معمولی سی تیاری میں بھی حسین مجسمہ لگ رہی تھی۔اپنی تیاری پر آخری نظر ڈالے حیات دبے پاؤں نیچے آئی تھی۔اور کیچن کے کیبنٹ سے کوکیز نکالتے وہ ابراہیم کے پورشن کی جانب بڑھی تھی۔

"میں اتنی جلدی آگئی ہوں۔نجانے ابراہیم اٹھے ہونگے یا نہیں؟؟اور پھر اگر انہیں میرا یوں علی الصباح منہ اٹھا کر آنا برا لگا تو؟ کیا سوچے گے وہ کہ میں کیسی لڑکی ہوں جو یوں سویرے منہ اٹھا کر ان کے ہاں آگئی ہوں۔اب کیا کروں میں؟؟ واپسی چلی جاؤں؟؟"ابراہیم کے پورشن کے دروازہ پر پاؤں رکھتے حیات خود سے الجھتے بڑبڑانے لگی تھی۔

"ارے حیات بیٹا آپ اتنی صبح صبح یہاں؟؟ کیا کوئی کام تھا؟؟"اسلم بابا جو اپنے کوارٹر سے نکلتے کیچن کی جانب جا رہے تھے۔حیات کو دروازہ پر استادہ دیکھ کر بولے۔

"وو۔۔۔وہ مجھے ابراہیم سے ملنا تھا۔ کل ان کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی نا تو بس اسی لیے میں پریشانی میں کچھ جلدی ہی آگئی" اسلم بابا کی آواز پر حیات کنفیوژ ہوئی تھی۔

"تو اس میں گھبرانے کی کیا بات ہے بیٹی اندر چلو نا یہاں کیوں کھڑی ہو۔ ویسے بھی ابراہیم اب تک اٹھ چکا ہو گا۔ آپ جا کر ان سے مل سکتی ہیں۔" حیات کے سر پر پیار سے ہاتھ رکھتے اسلم بابا اسے اپنے ساتھ اندر لاتے بولے۔

"نہیں بابا میں نہیں جاوں گی۔ اگر انہوں نے مجھے اتنی صبح یہاں پر ڈانٹ تو میں کیا کروں گی۔ آپ پلیز میرا ایک کام کیجئے گا۔ یہ کوکیز ابراہیم کو دے دیجئے گا اور انہیں کہے گا حیات لے کر آئی تھی۔ ٹھیک ہے؟" اسلم بابا کی شفقت پر حیات کو ڈھارس ملی تھی۔ اس لیے بلا جھجھک اپنی کوکیز کا ڈوبہ انہیں دیتے ہوئے بولی۔

"ڈرو نہیں حیات بیٹا ابراہیم آپ کو کچھ نہیں کہے گا۔ بلکہ ایک منٹ یہی رکو اور جوس انجوائے کرو میں تب تک ابراہیم کو یہاں بلا کر لاتا ہوں۔" اسلم بابا جو حیات کو لیے کیچن کی جانب آئے تھے۔ حیات کو ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھا کر جوس دیتے ابراہیم کو بلانے چل دیے۔

ان کے جانے کے بعد حیات جوس پینے کی بجائے گھبراہٹ سے انگلیاں مروڑنے لگی

NEW ERA MAGAZINE .COM
Novels|Afsanay|Articles|Books|Poetry|Interviews

تھی۔پتہ نہیں کیوں جب جب ابراہیم جاسم آفندی اس کے روبرو آتا تھا۔اس کا دل اتنا تیز سے دھڑکتے خواہش کرنے لگتا تھا کہ کاش یہ پل یہی تھم جائیں ذوروہ سب گھنٹوں بیٹھی ابراہیم کو دیکھتی رہے۔کچھ دنوں سے چلتی اپنی اس حالت پر اب وہ بھی پریشان ہو چکی تھی۔

"صبح بخیر لیٹل ڈول! کیسی ہے میری چھوٹی دوست؟شکر ہے ایک دن بعد سہی لیکن تمہیں اپنے ناچیز دوست کی خیریت دریافت کرنے کی توفیق تو ہو ہی گئ"اپنی سوچوں میں گم حیات ابراہیم کی پر شکوہ آواز پر خیالوں سی نکلتے اس جانب دیکھنے لگی تھی۔جہاں ابراہیم چہرے پر مسکراہٹ لیے کھڑا تھا۔

"مارننگ! میں ٹھیک ہوں۔آئم سوری وہ بس کل سارا دن ٹائم نہیں مل پایا تھا۔اسی لیے آنہ سکی اور پھر آج صبح ہوتے ہی آپ کی خیریت دریافت کرنے آگی۔آپ کو میرا آنا برا تو نہیں لگا؟؟"ابراہیم کے شکوہِ پر حیات نے بے چینی سے صفائی دیتے آخر میں اپنا خدشہ بھی ظاہر کر گئ تھی۔

"نہیں بھئ کتنی بار بتاو اپنی لیٹل ڈول کا یوں آنا مجھے کبھی برا نہیں لگ سکتا اور آج تو بالکل بھی نہیں کیونکہ آج تو میری لیٹل ڈول اس ڈریسنگ میں بہت کیوٹ لگ رہی

ہے۔اسلم بابا آپ ناشتہ تیار کریں۔آج میں اپنی دوست کے ساتھ ہی کھانا کھاؤں گا۔

"حیات کے سر کے بالوں کو ہلکے سے بکھیرتے اسلم بابا کو کھانا بنانے کا کہتے وہ اسے لیے اپنے ساتھ لاونج میں لے آگیا تھا۔

ابراہیم کے تعریف کرنے پر حیات کے چہرے پر سرخی ابھری تھی۔اور دل الگ ہی انداز میں دھڑک اٹھا تھا۔

"وہ میں یہ کوکیز آپ کے لیے لائی تھی۔کل آپ بیمار تھے ناتو میں سوچا کہ کیوں نا آپ کے لیے کچھ ہلدی سہ بنایا جائے لیکن سوپ تو مجھے بنانا نہیں آتا تھا۔بس یہی بنانا آتا تھا۔تو یہی بنا کر لے آئی۔"حیات نے صوفہ پر بیٹھتے جوش سے اپنی کوکیز ابراہیم کی طرف بڑھائی تھی۔

"اچھا تو آپ کو لگتا ہے کہ کوکیز ہلدی ہوتی ہیں؟؟"حیات کو معصومیت پر لب دبا کر ہنسی روکے ابراہیم نے شرارت سے پوچھا تھا۔

"ہاں۔۔نہیں۔۔۔میرا مطلب ہے پتہ نہیں۔مجھے بس یہی اچھے سے بنانا آتا تھا۔اسی لیے یہی لے آئی کیا آپ کو یہ پسند نہیں آیا"ابراہیم کی بات پر گڑبڑا کر حیات آنکھوں میں آنسوں لاتے روہانسے جلدی میں بولی۔جس پر ابراہیم کو وہ بہت انتہا کیوٹ لگی

تھی۔

"ہاہاہا میری پیاری دوست ایسا تو میں نے کہا ہی نہیں کہ یہ مجھے برا لگا ہے۔ بلکہ یہ تو میرا آج تک کا سب سے بیسٹ گفٹ ہے۔ کیونکہ یہ میری لیٹل ڈول نے مجھے دیا ہے۔" حیات کے ہاتھ سے ابراہیم نے کوکیز لیتے دلکش لہجے میں کہا تھا۔ جس پر حیات کی آنکھیں کی لو جل اٹھی تھی۔ چہرے پر خوشی کے تاثرات جھلکے تھے۔ قلب کی حرکت بڑھی تھی۔

"اوکے اب میں چلتی ہوں۔ ورنہ گھر والے مجھے ڈھونڈ ڈھونڈ کر پریشان ہو جائیں گے" اچانک ہونے والی اپنی حالت سے گھبراتے حیات تیزی سے اٹھی تھی۔

"لیٹل ڈول کیا آپ میرے ساتھ ناشتہ نہیں کریں گی؟؟" ابراہیم کو حیات کا جانا برا لگا تھا۔ شاید یہ اداسی سالوں بعد کسی اپنے کے ساتھ بیٹھ کر ناشتہ کرنے کی چاہ پھر سے ادھوری رہ جانے کی وجہ سے تھی۔

"نہیں آج نہیں پھر کبھی پلیز ززز ابراہیم!" حیات کو تو اپنی غیر ہوتی حالت کی پڑی تھی۔ اسی لیے ابراہیم کی اداسی کا نوٹ لیے بغیر بچارگی سے بولی تھی۔

"چلیں ٹھیک ہے لیٹل ڈول! لیکن یاد رکھیں یہ ناشتہ اب آپ پر پینڈنگ ہے۔ جو آپ کو ہر حال میں کسی دن میرے ساتھ کرنا ہے۔" جھٹ سے مانتے ابراہیم نے اسے جانے کی اجازتِ دی تھی۔ جس پر سر ہلاتے حیات وہاں سے رخصت ہوئی تھی۔

"اسلم بابا! کیا کوکیز کو لمبے عرصہ تک preserve (محفوظ) کرنے کا کوئی طریقہ ہے؟؟" حیات کے جانے پر مسکراتے ہوئے ابراہیم اسلم بابا کے پاس آتے پوچھنے لگا تھا۔

"یقیناً بیکری والوں کو پتہ ہو گا بچہ مجھ بڑھے کو اس بات کا کہاں سے پتہ ہو گا۔ ویسے تم کیوں یہ پوچھ رہے ہو۔" اسلم بابا نے اچھنبے سے پلٹ کر ابراہیم کی جانب دیکھ کر پوچھا۔

"وہ بابا میری لیٹل ڈول کی طرف سے مجھے ملا پہلا تحفہ ہے۔ جو میں چاہتا ہوں کہ ہمیشہ میرے پاس رہے۔ آپ پلیز آج ناشتے کی فوراً بعد کسی اچھی سی بیکری سے، یا جہاں سے بھی ہو سکے انہیں پریزرو کرنے کا طریقہ پتہ لگائے گا۔" اسلم بابا کو اسے سٹور کرنے کا طریقہ پتہ لگانے کا کہتے ابراہیم اپنے جم خانے کی طرف بڑھ گیا تھا۔ جبکہ اسلم بابا تو پہلی بار اس ابراہیم سے متعارف ہو رہے تھے۔ جس کے چہرے پر خاص چمک تھی۔ اس چمک کی وجہ نجانے کیوں انہیں حیات لگی تھی۔

****

"کیف بیٹا دوپہر کے بارہ بج گئے ہیں اور تم ابھی تک پڑے سو رہے ہو۔ مطلب کہ حد ہوتی ہے کاہلی کی، اوپر سے شادی والا گھر ہے لیکن تمہیں زرا پرواہ نہیں کہ چلو انسان اکیلی ماں کی مدد ہی کروا دیتا ہے۔ بس جب دیکھو یا تو آوارہ گردی کرتے رہتے ہو۔ یا پھر پڑے سوتے رہتے ہو۔ اب جلدی سے اٹھو اور فریش ہو کر یہ کچھ سامان لے کر آؤ۔" کیف کے کمرے میں داخل ہوتے افشاں بیگم روایتی ماؤں کی طرح غصے سے کھڑکیوں سے پردے ہٹاتے بڑبڑا رہی تھی۔ وہ اپنے بچوں کی پرورش کے معاملے میں ہمیشہ سے بہت سنجیدہ رہی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ کیف کی سستی پر اکثر انہیں چڑ ہوتی تھی۔

"کچھ دیر بس اور سونے دیں نا میری سویٹ سی ماما کیوں صبح صبح ہٹلر کی نانی بنی ہوں ہے۔" چہرے پر بلینکٹ اوڑھتے کیف لاڈ سے بولا تھا۔

"کیف دن کے بارہ بجے ابھی تمہارے لیے صبح صبح ہے۔؟؟ مطلب حد ہو گئی کاہلی کی! اگر ایسی ہی تمہاری حرکتیں رہی نا تو تمہیں تو کسی نے لڑکی بھی نہیں دینی" کیف کے منہ سے نکلے صبح لفظ پر صدمے سے چور ہوتے افشاں بیگم نے کیف کے منہ سے لحاف کھینچا تھا۔

"ماما یار ابھی بھائی کی شادی تو ہو لینے دیں۔ جب میری آئے گی تو تب کی تب دیکھی جائے گی۔ لیکن تب تک تو مجھے آرام کرنے دیے" کیف نے چڑھ کر لحاف دوبارہ سے سر پر لیا تھا۔

"بہت اچھے بیٹا جی بہت سہی جا رہے ہو۔ مطلب جو میرا ارمان تھے کہ میں حیات کو اپنی بہو بناؤں گی۔ ان پر تم بہت اچھی طرح پانی پھیر رہے ہو۔ کیونکہ تم جیسے نکمے کو تو حمیرہ بھابھی ایک جوتا تک نا دیں۔ اپنی بیٹی دینا تو دور کی بات" کیف کی حالت پر افسوس کرتے افشاں بیگم صوفہ پر بکھرے اس کے کپڑے اکٹھے کرنے لگی تھی۔

"کیا کہا ابھی آپ نے؟؟ کس کے لیے حیات کا رشتہ مانگنے کا سوچ رہی تھی آپ؟؟"

تیزی سے لحاف منہ سے ہٹاتے کیف حیات کے نام پر پٹ سے آنکھیں کھولتے بولا۔

"تمہارے لیے اور کس کے لیے پوچھوں گی۔ منیب تو ابھی اتنا ہوا نہیں کہ میں اس کے لیے لڑکی ڈھونڈنی شروع کروں۔ ویسے ایک بات تو بتاؤ کیا تمہیں حیات سے کوئی پروبلم ہے۔ جو یہ آنکھیں کھولے دیکھ رہے ہو۔" کیف کے ردعمل پر آنکھیں چھوٹی کیے افشاں بیگم نے اسے گھورا تھا۔

"اوووو میری پیاری ماما آخر میرے دل کی بات آپ کو کیسے اتنی جلدی پتہ چل جاتی ہے۔

"تیزی سے بیڈ سے اترتے کیف نے افشاں بیگم کو محبت سے گھمایا تھا۔

"ایک منٹ رک جاؤ لڑکے کیوں اس عمر میں ماں کی ہڈی پسلی توڑنے کے چکر میں ہو۔
اور یہ بتاؤ کیا سچ میں تمہیں حیات پسند ہے۔؟؟ مطلب میں کیا اس بات کو حمیرہ بھابھی
سے کروں؟؟" کیف کو روکتے افشاں بیگم خوشی سے بولی تھی۔ کیف کے رضامندی
نے ان کے دل میں سکون لہر دوڑ گئی تھی۔

"جی ماما مجھے اس رشتے سے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ آپ پھوپو سے بات کر سکتی ہیں۔"
کیف نے شریف بنتے سنجیدگی سے اقرار کیا تھا۔

"ماں صدقے جائے میرے بچے آج تو تم نے میرا دل خوش کر دیا ہے۔ میں آج ہی
بھابھی سے بات کرنے کی کوشش کرتی ہوں۔ لیکن پہلے تم مجھ سے وعدہ کرو گے کہ
اب تم باقاعدگی سے دانش کے ساتھ آفس جایا کرو گے۔ اور اپنی یہ آوارہ گردی جیسی
عادتوں کو بدلوں گے؟" کیف کے ماتھے پر بوسہ دیتے، شدت جذبات سے بولتے
افشاں بیگ نے آخر میں اس سے وعدہ چاہا تھا۔

"ٹھیک ہے ماما وعدہ میں اب باقاعدگی سے آفس جاوں گا۔ اب بس پلیز کسی بھی طرح
حیات کو میری کر دی جائے" ماں کے گلے لگتے کیف نے بھی وعدہ کیا تھا۔ نجانے اب

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

کس کو اس کی منزل ملنی تھی۔اور کس کے ہاتھ میں صرف خسارے آنے تھے۔

****

"ایراج میں سوچ رہی تھی کیوں نا ہم آج شاپنگ پر چلیں اور شادی کے لیے کچھ اچھے اچھے ڈریس لے کر آئیں "اپنے سامنے منہا کے ساتھ بیڈ منٹن کھیلتی ایراج کو مخاطب کرتے کسی سوچ میں ڈوبی حیات بولی۔

"ہائے اللہ جی یہ میرے کان کیا سن رہے ہیں۔کہ حیات مراد ہمارے لو سٹینڈر کے شاپنگ مال جانے کا کہہ رہی ہے۔کہیں کوئی انقلاب تو نہیں آگیا؟؟"ایراج حیات کی بات پر ریکٹ رکھتے ڈرامائی انداز میں اس کے پاس آتے شرارت سے بولی۔

"ہاہاہاہاہا یار ایراج کوئی انقلاب نہیں آیا۔میں تو بس اس لیے کہہ رہی تھی کہ ایک جیسے کپڑے ڈال ڈال کر میں بور ہو گئی ہوں۔اس لیے میں اب کچھ چینیجز کرنا چاہتی ہوں "ایراج کے انداز پر قہقہ لگاتے حیات صفائی دینے لگی تھی۔حالانکہ سچ تو یہ تھی کہ قمیض شلوار میں ابراہیم کے منہ سے اپنے لیے تعریف سن کر حیات کا دل اب اپنے پہلے کپڑوں سے اچاٹ ہو گیا تھا۔

"ناناحیات مراد تم مانو یا مانو میری چھٹی حس کہہ رہی ہے کہ ایراج آفندی تم اُلو کی طرح سوتی رہ گئی ہے اور کسی کے دل میں کوئی گھس آیا ہے۔اب مجھے سچ سچ بتاؤ تم نے تو آج ابراہیم بھائی کو کوکیز دینے جانا تھا۔اب اچانک سے یہ شاپنگ کا پلین کہاں سے بنا" پہلی بات تجسّس پھیلانے کے انداز میں کہتے آخر میں ایراج نے حیات کے نزدیک ہوتے سرگوشی میں بولی تھی۔

"وہ کوکیز وہ تو میں کوکیز تو میں صبح ہی دے آئی تھی۔۔۔" تیزی سے کہتے حیات نے آخری بات پر زبان لبوں کے نیچے دبائی تھی۔

"او میرے اللہ انوں رانی کتنی تیز ہو تم کل رات مجھ سے سارا کام کروایا اور اب مجھے بغیر بتائے کوکیز بھی دے آئی ہو۔اٹس ناٹ فئیر یار" حیات کی بات پر ایراج نے منہ پھلایا تھا۔

"او میری پیاری جانی پلیز ناراض مت ہو اصل میں نہیں چاہتی تھی کہ کوئی مجھے ابراہیم کے لیے کوکیز لیجاتے دیکھے اس لیے سب کے سوتے وقت میں ہی میں دے آئی تھی۔ لیکن تم یقین کرو میں کوکیز پکڑا کر فوراً واپس آئی تھی۔" ایراج کے گلے میں باہیں ڈال کر حیات نے مسکا مارا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"اوکے مان لی تمہاری بات لیکن پہلے یہ بتاؤ ابراہیم بھائی کو کیز پسند آئی کہ نہیں؟؟
انہوں نے تم سے کیا کیا کہا؟" ٹیڑھی آنکھ کرتے ایراج نے حیات کے چہرے کو دیکھا
تھا۔

"پتہ نہیں انہوں نے کھائی بھی ہے کہ نہیں میں تو بس پکڑا کر ہی واپس آگئی تھی۔ جس
پر انہوں نے شکریہ کہا تھا۔" حیات نے سرخ چہرے کے ساتھ نظریں چراتے ہوئے
کہا تھا۔

"تمہاری یہ نظریں چرانا تو مجھے کوئی اور ہی داستان سنا رہی ہے حیات جانی کہ میرے
بھائی کافی تعریف کی ہے۔ ویسے کہیں تمہیں میرے ہینڈسم سے بھائی سے لو شو تو نہیں
ہو گیا۔" حیات کے نظریں چرانے سے لطف اندوز ہوتے ایراج نے سوالیہ انداز اپنایا
تھا۔

"نن۔۔۔ نہیں نہیں ایسی کوئی بات نہیں وہ صرف میرے اچھے دوست ہیں۔ ویسے
بھی وہ مجھ سے نو سال بڑے ہیں۔ اس لیے پلیز آئندہ سے ایسا مت کہنا اور خدا کا واسطہ
ہے۔ اب جاو جا کر جلدی سے تیار ہو کر آو پھر شاپنگ پر چلتے ہیں۔" ایراج کی بات پر
دل کی حکایات کو نظر انداز کرتے، حیات نے ایک بار پھر سے اپنی محبت سے انحراف کیا

تھا۔

"ٹھیک ہے جانی ابھی ہو کر آتی ہو۔ویسے اگر تم اپنی محبت کو نہیں ماننا چاہتی تو مت مانو لیکن سچ کہہ رہی ہوں کہ ایراج کی پری ڈکشن کبھی غلط نہیں ہوتی جانی" حیات کے سختی سے انکار پر ایراج کندھے جھٹکتے،اس کی رخصار پر چٹکی بھرتے، تیار ہونے گئی تھی۔ جب کہ حیات ایراج کی باتوں کو سوچتے کشمکش میں گھری وہی کھڑی رہ گئی تھی۔

****

ایک گھنٹے بعد ایراج اور حیات محراب کے ساتھ لاہور کے سب سے مہنگے اور مشہور ترین بازار ایمپوریم آئی تھی۔اتنا شاندار شوپنگ مال لاہور میں دیکھ کر اسے اپنی پہلی سوچ پر افسوس ہوا تھا۔لیکن پھر سر جھٹکتے وہ ایراج کے ساتھ مختلف دکانوں میں جاتے کپڑے دیکھنے لگی تھی۔

"حیات میری بہن یہ دیکھو میرے جڑے ہوئے ہاتھ، گھنٹہ ہو گیا ہمیں آئے پلیز اب تو کچھ پسند کر لو۔" ایک گھنٹے کی خواری کے باوجود ان کو خالی ہاتھ دیکھ کر محراب نے دہائی دینے والے انداز میں ہاتھ بلند کیے تھے۔

"تو آپ کو کسی نے ہمارے ساتھ آنے کے لیے انوائیٹ نہیں کیا تھا۔بلکہ آپ خود ہمارے ساتھ آئیں ہیں۔اس لیے اب چپ چاپ کھڑے رہیں" محراب کی دہائیوں پر تیش میں آتے ایراج نے محراب کو جھڑکا تھا۔جس پر حیات نے لب دبا کر ہنسی کا گلا گھونٹا تھا۔

"میں نے کب کچھ بولا ہے ایراج؟میں تو بس کہہ رہا تھا کہ آرام سے جتنا وقت چاہیے اتنا وقت لے سکتی ہے۔"ایراج کے دبنگ انداز پر گڑبڑا کر محراب منمناتے ہوئے بولا۔

"ڈیٹس گڈ!ایسے ہی اچھے بچوں کی طرح اب آپ ساری شاپنگ کے دوران اپکی آواز اب بالکل بھی نہیں چاہیے۔سمجھ گئے؟۔پھر چاہے اس میں ہمیں تین چار گھنٹے مزید لگے۔"محراب کی حالت سے لطف اندوز ہوتے ایراج نے روعب سے کہا تھا۔

"تین چار گھنٹے؟؟"محراب بچارے کی تو صدمہ سے آنکھیں ہی ابل پڑی تھی۔حیات کو تو اس سچویشن پر خوب ہنسی آرہی تھی۔

"کم ہیں نا؟؟مجھے بھی لگ رہا تھا۔چلیں پانچ کر لیتے ہیں ٹھیک ہے۔؟؟"معصومیت آنکھیں پٹپٹاتے ایراج نے جان بوجھ کر ایک گھنٹے کا مزید اضافہ کیا تھا۔

"ہاں کچھ زیادہ ہی کم ہے۔(اس محبت نے تو آج میری بینڈ بجادینی ہے)"۔منہ پر بارہ بجائے محراب نے مریل آواز میں کہتے آخر میں دل ہی دل میں اپنی محبت کو کوسا تھا۔ جس پر ایراج نے بہت مشکل سے قہقہ ضبط کیا تھا۔

"ابراہیم! آپ یہاں؟؟"حیات نے ان کی باتوں پر ہنسنے کے دوران نظر اٹھائی تو سامنے سے آتے ابراہیم کو دیکھ کر اس کی آنکھوں کی چمک بڑھی تھی۔جو اپنی باڈی گارڈز کے حفاظت میں چلتا اپنے ساتھ موجود کسی شخص سے بات کر رہا تھا۔براؤن فارمل سوٹ میں اپنی سحر زادہ شخصیت کے ساتھ وہ ماحول پر چھایا ہوا لگ رہا تھا۔

"تم لوگ یہاں کیا کررہے ہو۔"اس آدمی سے ایکسکیوز کرتے ابراہیم ان لوگوں کی جانب چلا آیا تھا۔

"شکر ہے ابراہیم بھائی آپ آ گئے۔ورنہ انہوں نے تو مزید پانچ گھنٹے چلا چلا کر مجھے یہاں مارنے کا پلین بنایا تھا۔جن کو پچھلے ایک گھنٹے سے ایک سوٹ تو پسند آیا نہیں۔ ویسے آپ یہاں کیا لینے آئے تھے؟؟"ابراہیم کو دیکھتے محراب نے شکر کا کلمہ پڑھتے، آخر میں حیات کے سوال کو زبان دی تھی۔

"ہاہاہا کوئی نہیں لڑکے پانچ گھنٹے میں تمہیں کچھ نہیں ہونے والا حوصلہ رکھو۔ویسے بھی

میں تو یہاں ایک آفیشل کام کے سلسلہ میں آیا تھا۔اگر تم لوگوں کو میری مدد چاہیے ہو تو ضرور بتانا" محراب کی بات پر مسکراتے ابراہیم نے آفر کی تھی۔ لیکن اس سے پہلے کی وہ واپس جاتا ایراج حیات کے چہرے کی بجھتی لو کو دیکھتے تیزی سے بولی۔

"ابراہیم بھائی اب اگر آپ آہی گئے ہیں تو پلیز حیات کی مدد کر دیں۔اصل مجھے جو کپڑے لینے ہیں وہ دوسری طرف ہیں اور حیات نے اپنے لیے جو لینے ہیں وہ مخالف سمت میں ہیں۔اگر آپ ہماری مدد کریں گے تو ہم جلدی فارغ ہو جائیں گے۔"ایراج کے مسکینیت سے کہنے پر ابراہیم نے چند پل رک کر حیات کی جانب دیکھا تھا۔پھر کیا ہو گیا فیصلہ اپنی لیٹل ڈول کے لیے تو ابراہیم آفندی اہم سے اہم کام چھوڑ سکتا تھا۔یہ میٹنگ تو کچھ اہم نا تھی۔

ٹھیک ہے چھوٹی تم لوگ جاؤ، جو لینا ہے لے آؤ۔تب تک میں حیات کے ساتھ ہوں" اپنے مینجر کو میٹنگ کینسل کرنے کا کہتے ابراہیم حیات کی طرف آتے بولا تھا۔جو بچاری اس افتاد پر گڑبڑا کی گئی تھی۔

"چلو آؤ محراب" محراب کو اپنے ساتھ کھینچتے ایراج حیات کو آنکھ مارتے تیزی سے دوسری جانب بڑھی تھی۔

"ہم بھی چلیں لیٹل ڈول؟؟" کنفیوژ کھڑی حیات کو ابراہیم نے مخاطب کیا تھا۔

"ویسے کس طرح کے کپڑے لینے ہے آپ نے؟؟ مطلب گھر میں پہننے کے لیے لینے ہے یا شادی پر پہننے کے لیے" حیات کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلتے ابراہیم استفسار کرنے لگا تھا۔ جن کے پیچھے ہاتھ میں گن تھامے باڈی گارڈ چل رہے تھے۔

"اصل میں مجھے اپنی وارڈروب اور شادی دونوں کے لیے کچھ مشرقی کپڑے ڈریسز لینے تھے۔" حیات نے کچھ جھجھکتے ہوئے جواب دیا تھا۔

"اوکے لیٹل ڈول دین ادھر آو میرے ساتھ!" ابراہیم اس کا جواب سنتے، اسے لیے ایک اچھی بوتیک میں آیا تھا۔ اور وہاں موجود سیل گرل سے مخاطب ہوتے بولی۔

"آپ کی شوپ میں جتنے بھی اچھے اچھے ڈریسز ہیں سب لے کر آئیں۔ جو گھر میں بھی پہنے جا سکتے ہوں اور شادی پر پہننے جا سکتے ہوں۔" ابراہیم کا لہجہ سیل گرل سے بات کرنے کے دوران سنجیدگی اور روعب سے بھرپور تھا۔ حیات تو اس کے روعب دار انداز کو دیکھتے رہ گئی تھی۔

"جی سر!" ابراہیم کی بات پر سر ہلاتی وہ سیل گرل اپنے ساتھ کھڑی باقی لڑکیوں کے

ساتھ مل کر ڈریسز لانے لگی تھی۔ابراہیم وہ ڈریسسز حیات کے ساتھ لگاتے کچھ کورد کررہاتھ۔اور کچھ پسند کرتے،ایک طرف کیے جارہاتھا۔

"ٹھیک ہے آپ یہ سب پیک کردیں۔اورہاں ان کے ساتھ کی باقی جتنی بھی اسیسریز مطلب میک اپ،شوز وغیرہ جو بھی ہیں اپ وہ سب بھی پیک کردیں۔"دس بارہ سوٹ حیات کے لیے پسند کرنے کے بعد ابراہیم نے سیل گرل کو ہدایت دی تھی۔

"ابراہیم میں اتنے کپڑوں کا کیا کروں گی۔"کپڑوں کے ڈھیر کو دیکھتے حیات چکرا کر بولی۔

"کیا کروں گی مطلب پہنوں گی لیٹل ڈول!اورہاں شادی کے لحاظ سے مجھے یہاں سے کچھ بھی پسند نہیں آیا۔وہ ہم کہی اور سے لے لیتے ہیں"حیات کی ناک کو دباتے ابراہیم مسکرا کر بولا تھا۔

"نہیں بالکل نہیں اب ہم گھر جائیں گے۔میں بہت تھک گئی ہوں ابراہیم"کافی دیر سے مسلسل ایک جگہ بیٹھنے سے ہی حیات میڈم تھک گئی تھی۔اس لیے احتجاج کرتے بولی۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"اچھا ٹھیک ہے لیٹل ڈول" حیات کے ماتھے کے بال سے عادت کے مطابق بگاڑتے ابراہیم ہنس کر بولا تھا۔ جس پر پاس کھڑی سیل گرل نے مسکرا کر رشک سے انہیں دیکھا تھا۔

"ماشاءاللہ سر آپ کا کپل بہت پیارا ہے۔" سیل گرل کی آواز پر حیات کے چہرے کا رنگ ایک دم متغیر ہوا تھا۔ اس کے دل نے چپکے سرگوشی کی تھی۔ 'کیا واقع میں وہ دونوں ایک ساتھ اتنے اچھے لگتے ہیں؟ "

"آپ غلط سمجھ رہی ہیں میڈم یہ صرف میری دوست ہے۔ اس لیے تکے لگانا بند کریں اور ہمارا بل بنا کر دیں۔" سیل گرل کی بات پر سختی تو ابراہیم کے چہرے پر بھی ابھری تھی۔ اس لیے باقی سامان آتے دیکھ، سنجیدگی سے اسے بل بنانے کا کہنے لگا۔

"ائم سوری سر! اگر آپ کو برا لگا ہو تو میں۔۔۔" بل ابراہیم کی طرف بڑھاتے وہ لڑکی معزرت خواہ لہجے میں بولی تھی۔

"اٹس اوکے!" اس لڑکی کی بات پوری ہونے سے پہلے ابراہیم بل کو بغیر بغیر ادا کرتے، گارڈز کو سامان لانے کا کہتے خود حیات کا ہاتھ پکڑتے باہر کی جانب بڑھا تھا۔

حیات ابراہیم کے لہجے کی سختی پر سہم سی گئی تھی۔ دل میں ہزاروں وسوسے جنم لینے

لگے تھے۔

****

"ایراج یار جلدی کرلو، ابراہیم بھائی اور حیات کب سے شوپنگ مکمل کر کے ہمارا فوڈ کوٹ میں انتظار کر رہے ہیں۔ لیکن تم ہو کہ تم سے دو سوٹ پسند نہیں کیے جا رہے" اپنے فون پر جگمگاتے ابراہیم کے میسج کو دیکھ کر محراب نے تیسری دفعہ تپ کر کہا تھا۔ لیکن سامنے بھی کوئی بہت ہی ڈھیٹ قسم کی مخلوق تھی۔ جس کے کان پر جو بھی نہیں رینگ رہی تھی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsane|Articles|Books|Poetry|Interviews

"خبردار محراب بھائی یار وار نہیں ہو میں آپ کی اس لیے آئندہ مجھے میرے نام سے بلائے گا۔ ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔" ڈھیٹ بنی ایراج نے یک دم محراب کی طرف انگلی اٹھائے جلال سے پر لہجے میں کہا تھا۔

"(لاحول ولا قوۃ یہاں میرا دل اسے کیا بنا کا سوچ رہا ہے۔ اور وہاں سے یہ لڑکی مجھے بھائی بنانے پر تلی ہے۔) اچھا اچھا ٹھیک ہے نہیں کہتا لیکن تم پلیز جلدی کرلو۔ دیکھو اب تو چل چل کر میرے پاوں بھی تھک گئے ہیں۔ پلیز مجھ پر کچھ رحم کرو۔" پہلی بات منہ میں بڑبڑاتے محراب نے آخر میں منت سماجت کرتے ہوئے کہا تھا۔

"ہاں تو میں کونسا شوق سے آپ کو لیے گھوم رہی ہوں۔اب ان کمبخت دکان والوں کے پاس کوئی اچھا سوٹ نہیں ہے۔تو میں کیا کروں "ایک ادا سے ایمپوریم کی سب دکانوں کو بھاڑ میں ڈالتے ایراج نے سر جھٹکا تھا۔حالانکہ کے حقیقت یہ تھی کہ وہ جان بوجھ کر شوپنگ میں زیادہ ٹائم لگا رہی تھی۔تاکہ حیات زیادہ وقت ابراہیم کے ساتھ گزار سکے۔

"استغفرُللہ ایراج اگر تمہیں اتنے اچھے اچھے برینڈ کے سوٹ نہیں پسند آرہے تو چلو یہاں سے کیونکہ اب کوہ قاف سے تمہارے لیے کوئی اسپیشل ڈریس یہاں آنے سے رہا کہ ایراج پرینسز یہ لیں یہ پوشاک خاص اپ کے لیے تیار کی گئی ہے۔"ایراج کی بات پر صدمے سے منہ کھولے کھڑے محراب نے غصہ ضبط کرتے اب کے تنز کیا تھا۔

"واؤ اگر ایسا ہو تو کتنا اچھا ہو گا نا محراب بھائی "اشتیاق سے کہتے ایراج نے محراب کے ارمانوں کا قتل کیا تھا۔

"واقع؟کیا تمہاری شکل ایسی ہے کہ اس کے لیے کوہ قاف والے کچھ بھیجیں گے۔" محراب نے تمسخر اڑاتے پوچھا تھا۔

"کیاہوامیری شکل کواچھی بھلی تو ہے۔ہزاروں دل مرتے ہیں اس شکل پر" ایراج نے اس کی بات پر جل بھن کر ناک سے مکھی آڑائی تھی۔

"ایک بات کان کھول کر سن لو میری اگر میری ایراج کی جانب کسی نے ایک آنکھ اٹھا کر بھی دیکھنا ناتو اس کی جان لے لوں گا! میں سمجھی؟" یک دم غصہ میں آتے محراب نے ایراج کا بازو پکڑا تھا۔ جس پر ایراج کا چہرا فق ہوا تھا۔وہ بچاری تو مزاق کر رہی تھی۔ اسے کیا پتہ تھا کہ محراب سنجیدہ ہو جائے گا۔

"محراب میں تو مزاق کر رہی تھی۔ پلیز میرا بازو چھوڑے درد ہو رہا ہے۔" اپنے بازو سے محراب کی گرفت ہٹانے کی کوشش کرتے ایراج لڑکھڑاتے لہجے میں بولی۔

"آئم سوری! وہ میں جذبات میں کچھ زیادہ ہی کہہ گیا تھا۔" جلدی سے ہوش میں آتے محراب نے پیچھے ہٹتے بالوں میں ہاتھ پھیر کر خود کو کر پر سکون کیا تھا۔ عجیب سی جھجھک ان دونوں کے درمیان ہائل ہو گئی تھی۔

"بس بس رہتے نہیں آپ سکندر بھا کے بھائی، میرے ساتھ دو گھنٹے تو مال میں چل نہیں سکتے۔آئے بڑے میرے لیے لوگوں کا قتل کرنے والے۔ چلیں اب بھائی لوگ ہمارا انتظار کر رہے ہونگے۔" ایراج نے ماحول کے اثر کو ضائع کرتے اپنے پہلے والے

لہجے میں لوٹتے کہا تھا۔اور اسے اپنے پیچھے آنے کا کہتی خود فوڈ کوٹ کی جانب چل دی تھی۔

"جو حکم میری سرکار لیکن یہ سکندر بھا کون ہے؟؟"ایراج کے انداز پر زیر لب مسکراتے محراب بالوں میں ہاتھ پھیرتے بڑبڑاتے ہوئے آگے بڑھا تھا۔لیکن پھر کچھ یاد آنے پر تیزی سے بولا تھا۔اس کے لہجے میں جیسلی کی ہلکی سی رمک موجود تھی۔ ایراج اس کے لہجے کو انجوائے کرتی بغیر جواب دیے حیات لوگوں کی جانب چل دی تھی۔محراب بھی جلتا کڑھتا آخر کار اس کے پیچھے چل دیا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

****

حیات لوگوں کو یہاں بیٹھے کافی دیر ہو چکی تھی۔لیکن اس دوران ابراہیم اور حیات کے درمیان گھمبیر خاموشی حائل تھی۔حیات کو لگ رہا تھا کہ شاید ابراہیم کو اس سیل گرل کی بات بہت بری لگی ہے۔اسی لیے وہ جب سے یہاں آئے ہیں ابراہیم موبائل پر بات کرتے اسے اگنور کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔اوپر سے عجیب بات تو یہ تھی کہ اسے خود کو سیل گرل کی بات بری نہیں لگی تھی۔بلکہ ابراہیم کا ایسے سنجیدہ ہونا برا لگ رہا تھا۔اس لیے ابراہیم کو موبائل رکھتے بولی۔

"ابراہیم آپ ناراض ہیں؟"نم آنکھوں اور جھکے سر کو اٹھاتے حیات نے ابراہیم سے استفسار کیا تھا۔

"یہ کس نے کہا آپ سے لیٹل ڈول؟؟اور یہ آپ کی آنکھوں میں آنسوں کیوں ہیں۔؟"حیات کی حالت پر پریشان ہوتے ابراہیم نے پوچھا تھا۔

"نہیں وہ جب سے اس سیل گرل نے کہا ہے کہ۔۔۔۔تب سے آپ مجھے اگنور کر رہے ہیں۔لیکن اس میں میری تو کوئی غلطی نہیں ہے نا"حیات نے سر جھکاتے شرمندگی سے کہا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"لیٹل ڈول پاگل ہو گئی ہیں۔جب میں جانتا ہوں کہ اس کے ایسا کہنے میں آپ کا کوئی ہاتھ نہیں تھا تو میں کیوں آپ سے ناراض ہو نگا۔؟

اور دوسری بات لیٹل ڈول جانتی ہیں۔آپ میری پہلی دوست ہے جو میری زندگی میں آئی ہے۔آپ سے دوستی کا رشتہ میرے لیے بہت خاص اور مقدس ہے۔اور ہر طرح کی غرض سے پاک ہے۔اس پر سوال اٹھانے کا اختیار تو میں نے خود کو نہیں دیا تو کسی سیل گرل کی یہ مجال کے وہ ہمارے رشتے کو غلط نظر سے دیکھے۔بس یہی بات مجھے غصہ دلا گئی تھی۔اس لیے میں آپ کے سامنے غصہ یو گیا۔اگر آپ میرے لہجے سے ڈر گئی

ہیں تو اس کے لیے میں آپ سے معافی مانگتا ہو گا۔اور یقین دلاتا ہوں کہ آگے سے ایسا بالکل نہیں ہو گا" حیات کے جھکے سر کو نرم نظروں سے دیکھتے ابراہیم نے صفائی دی تھی۔جو اگر حیات کی جگہ کوئی اور ہوتا وہ بالکل نہیں دیتا۔

"آپ سچ کہہ رہے ہیں نا آپ مجھ سے ناراض تو نہیں؟؟"اپنے جھکے سر ایک بار پھر اٹھتے حیات نے بھرائے لہجے میں پوچھا تھا۔

"اب کیا سٹام پیپر پر لکھ کر دوں اپنی لیٹل ڈول کو کہ ابراہیم کبھی اپنی لیٹل ڈول سے ناراض نہیں ہو سکتا۔کیا آپ تب ہی مانیں گی؟؟"ماحول کے تناو کو ہلکا پھلکا کرتے ابراہیم شرارت سے بولا۔

"اب ایسا تو میں نے نہیں کہا"اپنی ناک سکوڑتے حیات نے آنسوں سے بھری آنکھوں کے ساتھ مسکرا کر کہا تھا۔

"اچھا چھوڑو یہ بتاو کیا کھائے گی میری لیٹل ڈول"حیات کی بات پر جواب دینے کی بجائے ابراہیم نے اس کا دھیان بٹاتے اسے مینیو کارڈ پکڑایا تھا۔کیونکہ وہ اب مزید اس ٹاپک کو ڈسکس نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"نہیں پہلے بھائی لوگوں کو آ لینے دیں وہ نجانے کہاں رہ گئے ہیں؟" کارڈ واپس ٹیبل پر رکھتے حیات نے ادھر اُدھر دیکھتے کہا تھا۔

"ہاں کافی دیر پہلے میں نے انہیں میسج کیا تھا۔اب تک تو انہیں آ جانا چاہیے" حیات کی بات پر یاد آتے ابراہیم نے بھی ایک بار پھر سے موبائل نکالتے محراب کے نمبر پر کال کی تھی۔

"بھائی یار ہم آپ کے پیچھے کھڑے ہیں۔اس لیے یہ موبائل پر رنگ کرنا بند کر دیں۔" ابراہیم کے پیچھے والی سائیڈ سے آتے محراب نے ہانک لگائی تھی۔

"او شکر ہے آ گئے تم! ہو گئی تم لوگوں کی شاپنگ؟" ایراج لوگوں کے چیئر پر بیٹھتے حیات نے بے صبری سے پوچھا تھا۔

"کہاں یہ تمہاری دوست تو کوہ قاف سے آئی اپنی پوشاک ڈھونڈ رہی تھی۔جو اتنی دیر مشقت کے بعد بھی نہیں ملی تو ہم لوگوں کو ویسے ہی آنا پڑا۔" ایراج کے بولنے سے پہلے محراب نے دہائی دیتے کہا تھا۔جس پر حیات اور ابراہیم کے چہرے پر مسکراہٹ بکھری تھی۔جبکہ ایراج کا منہ ایک بار پھر سے پھول چکا تھا۔

"بس بس اب باقی باتیں گھر جا کر لینا۔ ابھی تو آڈر کرو۔ گھر والے انتظار کر رہے ہونگے "ڈھلتی شام کو دیکھتے ابراہیم نے ان کا دھیان بٹاتے آڈر دینے کا کہا تھا۔ جس پر انہوں نے اپنی اپنی پسند سے کھانا منگوایا تھا۔

****

شام کے چار بج رہے تھے۔ ابھی کچھ دیر پہلے ہی ایراج اور حیات لوگ شوپنگ سے واپس آئی تھی اور تھکاوٹ کے باعث سونے چل دی تھی۔ ایسے میں دوسری طرف افشاں بیگم جن سے اپنی بات کہنے کے لیے بالکل بھی انتظار نہیں ہو رہا تھا، موقع دیکھتے حمیرہ بیگم کے کمرے کی طرف آئی تھیں۔

"آپا اگر آپ فارغ ہیں تو میں آجاؤ مجھے آپ سے کچھ ضروری بات کرنی ہے۔" دروازے پر کھڑے ہوتے افشاں بیگم نے بے قراری سے پوچھا۔

"بھابھی اس میں پوچھنے والی کیا بات ہے۔ آئیں نا میں بس یہ کپڑے الماری میں رکھ دوں بس پھر فارغ ہی ہوں۔" اپنے سامنے تہہ شدہ کپڑوں کو پکڑتے حمیرہ بیگم خیر مقدمی مسکراہٹ لیے بولی۔

"شکریہ آپا!" افشاں بیگم حمیرہ بیگم کی ممنون ہوتے اندر داخل ہوئی تھی۔اور جا کر صوفہ پر بیٹھ گئی تھی۔

"جی بولئے بھابھی کیا بات کرنی تھی آپ کو؟؟" افشاں بیگم کے بیٹھنے کے کچھ لمحوں بعد حمیرہ بیگم بھی سب کچھ سمیٹتے ان کے پاس بیٹھتے بولی تھی۔

"حمیرہ آپا میں جانتی ہوں کہ شاید یہ بات ابھی کرنے والی نہیں ہے لیکن کیا بتاؤ جس دن یہ خواہش میرے دل میں اٹھی ہے۔اس دن سے بس میرا بس نہیں چل رہا کے کہ میں وہ آپ کو بتا دو۔" افشاں بیگم نے دبے دبے جوش کے ساتھ تمہید باندھی تھی۔

"جی بھابھی کہیے میں سن رہی ہوں" حمیرہ بیگ نے ان کا ہاتھ دباتے حوصلہ افزائی کی تھی۔

"آپا فوزیہ آپا کی بیٹیوں کی طرح حیات بھی مجھے بہت عزیز ہے۔اس لیے اگر آپ برا نا مانیں تو میں حیات کو سچ میں اپنی بیٹی بنانا چاہوں گی۔" افشاں بیگم نے ڈھکے چھپے الفاظ میں مطالبہ کیا تھا۔

"بھابھی آپ جو بھی کہنا چاہتی ہے پلیز کھل کر کہیں یہ پہیلیاں میری سمجھ سے باہر

ہے۔" حمیرہ بیگم کے چہرے پر اس وقت نا سمجھی کے تاثرات چھائے تھے۔

"آپا اصل بات یہ ہے کہ میں چاہتی ہوں کہ آپ حیات کو میرے کیف کی دولہن بنا دیں۔یقین جانے آپا گر آپ مجھے حیات دیں گی تو یہ میرے لیے بہت خوشی کی بات ہو گی۔" جذبات سے بھرپور لہجے میں افشاں بیگم نے حمیرہ بیگم کا ہاتھ پکڑتے کہا تھا۔

"بھابھی یہ بہت جلدی ہے۔ مطلب آپ جانتی ہیں ابھی حیات کی اسٹڈیز مکمل ہونا رہتی ہے۔اور پھر ابھی میں نے اس کے متلعق ایسا سوچا بھی نہیں ہے۔" حمیرہ بیگم جن کو اس بات پر جھٹکا لگا تھا، کو سمجھ نہیں آرہا تھا کہ اس غیر متوقع بات کا وہ کیا جواب دیں۔

"آپا اگر پہلے نہیں سوچا تو اب سوچ لیں۔ سوچنے میں کونسا وقت لگتا ہے۔اور ویسے پڑھائی تو بعد میں بھی ہو سکتی ہے۔جو حیات یہاں رہ کر بھی کر سکتی ہے۔میں اسے کبھی منع نہیں کروں گی آپا اور ہاں اگر آپ کو کیف کو لے کر کسی بھی قسم کا خدشہ ہے تو وہ آپ کھل کر کہہ سکتی ہے۔" افشاں بیگم نے اپنے دلائل سے قائل کرتے آخر میں اپنے خدشات کو ظاہر کرنے لگی۔

"نہیں آپا کیف دیکھا بھالا بچہ ہے۔اور سب سے بڑھ کر میرے بھابھی کا بیٹا ہے۔ اگر

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

میری بیٹی میرے بھائی کے گھر جائے تو مجھ سے زیادہ کس کو خوشی ہو گی۔ میں تو بس اس بات کے لیے ابھی تیار نہیں تھی۔ اسی لیے کہہ رہی تھی۔" حمیرہ بیگم نے رسان لہجے میں جواب دیا تھا۔ کیونکہ وہ بغیر سوچے سمجھے کچھ نہیں کہہ سکتی تھی۔

"آپا تو تیار ہونے میں کتنا وقت لگتا ہے۔ پلیز آپ مان جائیے نا، میں بس جلدی جلدی حیات کو اپنی بیٹی بنانا چاہتی ہوں۔ میں نے تو یہ بھی سوچ لیا ہے۔ کہ آپ کے واپس جانے سے پہلے دانش کی شادی پر ہم کیف اور حیات کی منگنی رکھ دیں گے۔ شادی آپ جب حیات کی پڑھائی مکمل ہو تب کر دیجئے گا۔" افشاں بیگم تو لگتا تھا کہ ہاتھوں پر سرسوں جما کر آئیں ہیں۔

"افشاں بھابھی اتنی جلدی بھی کیا ہے۔ ابھی مجھے مراد صاحب سے تو یہ بات کر لینے دیجئے اور پھر حیات کی مرضی بھی تو اس معاملے میں بہت اہم ہے۔" حمیرہ بیگم نے سہولت سے انہیں جواب دیا تھا۔ اب اپنی اکلوتی بیٹی کی شادی وہ یوں جلد بازی میں تھوڑی کر سکتی تھیں۔

"ٹھیک ہے آپا آپ ایک دو دن میں آرام سے سوچ کر مجھے جواب دیجئے گا۔ تب تک ہم بڑے ابا سے بھی اس معاملے میں بات کر لیتے ہیں۔ اور اگر آپ کا جواب ہاں ہوا تو

تو یقین جانیں مجھ سے زیادہ خوش کوئی نہیں ہوگا آپا" حمیرہ بیگم کے ہاتھوں پر دباؤ ڈالتے افشاں بیگم نے اپنی آخری بار یقین دلایا تھا۔اور جانے کے لیے اٹھی تھی۔

"ان شاءاللہ آپا اگر اللہ نے چاہا تو فیصلہ آپ کے حق میں ہی ہوگا۔آپ بے فکر ہو کر جائے۔" حمیرہ بیگم نے بھی ان کو اچھی امید کے ساتھ رخصت کیا تھا۔اب قسمت نجانے کونسا کھیل کھیلنے والی تھی۔

****

"حیات کیا سوچ رہی ہو؟" اپنے دونوں ہاتھوں میں موجود کافی کے کپ میں سے ایک ایراج نے حیات کو دیتے پوچھا تھا۔جو اس وقت اپنے کمرے کی بالکونی میں تاروں بھرے آسمان پر نظریں جمائے بیٹھی تھی۔

"کچھ نہیں بس یہی سوچ رہی ہوں۔یہاں آنے سے پہلے میری زندگی کیا تھی اور تم لوگوں میں آنے کے بعد میری زندگی کتنی خوبصورت ہوگئی ہے۔اب آنے والے ہفتے میں دانش بھائی کی شادی کو اٹینڈ کرنے کے بعد ہم واپس چلیں جائیں گے پھر میں واپس جا کر تم لوگوں کو بہت مس کروں گی۔" حیات نے کپ کے کناروں پر انگلی پھیرتے ہوئے کہا تھا۔

"اوہو پاگل ابھی تو اگلے ہفتے کو بھی شروع ہونے میں دو دن پڑے ہیں اور تم ابھی سے واپس جانے کا سوچتے اداس ہوئے بیٹھی ہو۔ ویسے یہ بتاؤ یہ اداسی ہم سے بچھڑنے کی ہے یا ابراہیم بھائی سے علیحدہ ہونے کی ہے۔" حیات کو گلے لگاتے آخر میں ایراج نے شرارت سے پوچھا تھا۔

"پتہ نہیں مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا کہ مجھے کیا ہو رہا ہے۔ جانتی ہو دل کرتا ہے کہ بس میں ہر پل ان کے ارد گرد رہو۔ کبھی ان سے دور نا جاوں۔ ان کے چہرے پر جو مسکراہٹ آتی ہے میں ہمیشہ اس کی وجہ بنو۔" کھوئے کھوئے لہجے بولتی حیات ایراج کو کسی اور ہی جہاں کی لگی تھی۔

"جانتی ہوں آج جب وہ میرے لیے شاپنگ کر رہے تھے۔ تو اس سیل گرل نے کیا کہا ؟؟" حیات نے ایراج نے آنکھوں میں دیکھتے پوچھا لیکن پھر ایراج کے نفی میں سر ہلانے پر خود ہی جواب دینے لگی۔

"اس سیل گرل نے کہا کہ سر آپ کا کپل بہت اچھا ہے۔ نجانے کیوں یہ الفاظ مجھے برے نہیں لگے تھے۔ لیکن ابراہیم کے اس بات پر سنجیدہ رویہ نے مجھے بہت تکلیف دی تھی۔ مجھے لگا کہ شاید وہ مجھ سے ناراض ہو گئے ہیں۔ جس پر میرا دل بے چینی سے

بھر گیا تھا۔لیکن ایسا کیوں ہوا مجھے سمجھ نہیں آ رہا" اپنے بالوں کو مٹھی میں جکڑتے حیات بے بسی سے بولی تھی۔

"او مائی گاڈ حیات کہی تمہیں ابراہیم بھائی سے محبت تو نہیں ہو گئی؟؟" حیرت سے حیات کی باتوں کو سنتی ایراج ایک دم پر جوش سی بولی۔

"محبت؟ لیکن ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔؟" صدمہ سے چور لہجے میں حیات خود سے بڑبڑائی تھی۔ جس پر پاس کھڑی محبت نے قہقہ لگایا تھا۔شاید آگاہی کا وقت آن پہنچا تھا۔

"ہاں محبت! اور ایسا کیوں نہیں ہو سکتا۔کیا تم انسان نہیں ہو۔" اب کے ایراج نے سنجیدگی سے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں نہیں میرا مطلب ہے کہ مجھے کیسے محبت ہو سکتی ہے۔؟ مطلب میں کیسے محبت کر سکتی ہوں؟؟ میرے نزدیک تو محبت صرف فضول چیز تھا۔" حیرت در حیرت تھی۔ جس سے نکلنا حیات مراد کے لیے مشکل ہو رہا تھا۔

"پاگل مت بنو حیات محبت فضول چیز نہیں ہے بلکہ یہ ایک پاکیزہ جذبہ ہے جو اپنے مرضی کے لوگوں کے دل میں پنپتا ہے اور تم تو وہ خوش نصیب ہو جس کو محبت نے خود

چنا ہے تمہیں تو اس بات پر خوش ہونا چاہیے۔"حیات کی بات پر ایراج نے ڈپٹتے اسے سمجھایا تھا۔

"نہیں میں نہیں مانتی یہ!"ایک دم سے کھڑے ہوتے حیات نے پھر سے نفی کی تھی۔جبکہ اس کا دل بے اختیار دھڑک کر اس کی بات کی گواہی دے رہا تھا کہ 'یہ سچ ہے حیات مراد مان لو میری بات کو۔'شاید آنا کا وہ خول ریزا ریزا ہونے والا تھا۔

"اچھا ٹھیک ہے۔اگر تمہیں میری بات پر یقین نہیں تو ادھر آؤ اپنی آنکھیں بند کر کے اس انسان کو سوچو جس کو تم دنیا میں سب سے زیادہ چاہتی ہو۔جس کہ ساتھ رہنا تمہیں خوشی دیتا۔جس ایک کا ساتھ پاتے،تم اپنی تمام عمر گزار سکتی ہو۔میں جانتی ہوں یہ بہت فلمی ہے۔لیکن ٹرائی کرنے میں کیا ہرج ہے۔"حیات کے ہاتھ پکڑتے ایراج نے سمجھانے والے انداز میں کہا تھا۔

لیکن حیات کو تو آنکھیں بند کرنے کی بھی ضرورت نہیں تھی۔اس کے سینے میں دھڑکتا دل ایراج کی ہر بات پر بے دھڑک ابراہیم کا نام پکار رہا تھا۔آگہی کے در واہ ہو چکے تھے۔اور انا کا خول مکمل طور پر ٹوٹ چکا تھا۔محبت پوری شان سے حیات مراد کے دل کی سلطنت میں براجمان ہو چکی تھی۔ہر طرف اس آگاہی پر شادیانے بج اٹھے

تھے۔اس وقت حیات اکیلا رہنا چاہتی تھی۔

"یہ ایک انتہائی فضول اور انتہائی فلمی بات ہے۔جاؤ یہاں سے مجھے ابھی اس بارے میں بات نہیں کرنی"تنہائی پانگ کے لیے حیات ایراج کو زبردستی کمرے سے نکالتے مسکینیت سے بولی تھی۔

"لیکن تمہارے چہرے کی لالی تو کوئی اور ہی داستان سنا رہی ہے جانی ہائے میں بہت خوش ہو حیات, مجھے پوری امید ہے کہ ابراہیم بھائی کی پھیکی زندگی میں تم ضرور رنگ بھر دو گی۔اب میں چلتی ہوں اور تم بیٹھ کر میرے ہینڈسم بھائی کے خیال دیکھو"حیات کو محبت سے گلے لگاتے ایراج خوشی سے چہکتے واپس مڑی تھی۔

"کیا میرے ساتھ جو ہو رہا ہے وہ سب سچ ہے؟؟"اپنے تیز دھڑکتے دل پر ہاتھ رکھتے اڑے حواسوں اور بے یقین لہجے میں بولتے حیات دروازہ بند کرتے بیڈ پر جا بیٹھی تھی۔

لیکن دل کے اندر جھانکنے پر ہر جگہ ابراہیم کو پاتے، وہ سن رہ گئی تھی۔

"تو کیا محبت کو فضول سمجھے والی، محبت کے کاری وار کا شکار ہو گئی۔کیا ایڈورڈ کی بات سچ نکلی؟ہائے اب میں ابراہیم کا کیسے سامنہ کروں گی اگر یہ بات پتہ چلی تو وہ بہت غصہ کریں گے۔اففف چپ کر جاو حیات پلیز کچھ مت سوچوا بھی بس سو جاؤ باقی صبح کی صبح

دیکھی جائے گی۔"اپنی حالت سے پریشان خود سے بڑبڑاتے حیات خود کو پر سکون کرنے کی خاطر لیٹ گئی تھی۔کیونکہ ایک پر سکون نیند ہی اس کو اپنے اعصاب کنڑول کرنے میں مدد دے سکتی تھی۔پر جانے اس انکشاف کے بعد اسے نیند آنے بھی تھی یا نہیں؟؟

****

جب تک انسان کسی چیز سے لا علم رہتا ہے۔تب تک وہ خوش اور مطمئن رہتا ہے۔ لیکن جیسے ہی آگاہی کی در اس کی عقل پر واہ ہوتے ہیں۔اسے شعور آنے لگتا ہے۔ویسے ویسے انسان کی خوشی اور اطمینانیت ہوا ہونے لگتی ہے۔اپنے دل کے تسخیر ہونے کی آگاہی کے بعد حیات مراد کے ساتھ بھی یہی کچھ ہو رہا تھا۔جس حیات کا ابراہیم آفندی کو دیکھے بنا دن گزرنا مشکل ترین ہوتا تھا۔اب وہ حیات مراد مسلسل پیچھلے دو دن سے اس جگہ سے گزرنے سے بھی گریز کر رہی تھی۔جہاں ابراہیم آفندی کے آنے کا اور گزرنے کا خدشہ ہوتا تھا۔

دوسری طرف آج سویرے سویرے ہی گھر کے تمام بڑے ابا کے کمرے میں جمع تھے۔شاید کوئی بہت ضروری بات چیت کر رہے تھے۔ایراج،منیب اور منہا آج

اخری دن یونی اور سکول گئے تھے تاکہ شادی کے لیے چھٹیاں لے سکے۔باقی سب بھی ادھر اُدھر مصروف تھے۔ایسے میں حیات بہت زیادہ بوریت کا شکار ہورہی تھی۔اپنی بوریت مٹانے کی خاطر حیات نے اپنے بنی کو اس پورشن سے لانے کے بارے میں سوچا تھا۔کیونکہ اب تو اسے اپنے کمرے کے درودیوار پر بنے نقش و نگار بھی یاد ہو گئے تھے۔

"حیات بس تو نے اپنے بنی کو لے کر سیدھا گھر آجانا ہے۔خبردار جو تم نے ادھر اُدھر جھانکنے کی کوشش بھی کی تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔ویسے اگر وہ کہی سے نکل آئے تو کیا کروگی۔نہیں نہیں ایسا کچھ نہیں ہوگا۔بس اچھا اچھا سوچ اور بنی کو لے کر واپس آجاؤ گے" ابراہیم کی ایک جھلک دیکھنے کے بےتاب قلب کو سنبھالتے حیات نے خود کو خدایت دی تھی۔کیونکہ جس طرح کی آج کا اس کا دل فرمائشیں کر رہا تھا۔وہ اس نازک سی جان پر بہت بھاری ثابت ہو رہی تھیں۔اسی لیے تو چھپتی پھر رہی تھی۔

"شکریہ مالی بابا" اپنے خرگوش کو مالی بابا سے لیتے حیات نے اپنی دل کی حکایات پر کان بند کرتے وہاں سے تیزی سے اپنے پورشن کی طرف بڑھی تھی۔

"لیٹل ڈول !رکیے یہ اتنی تیزی سے واپس کیوں جارہی ہیں۔؟؟" ابراہیم کی آواز نے حیات مراد کے تیزی سے بڑھتے قدم منجمد کیے تھے۔جو اپنے پورچ میں کھڑا اسی کی

طرف دیکھ رہا تھا۔

"وو۔۔۔وہ ابراہیم مجھے لگا آپ آفس جا چکے ہونگے بس اسی لیے بس بنی لے کر واپس جا رہی تھی۔" اپنی نظروں کو ادھر اُدھر گھماتے حیات نے گھبراہٹ سے بھرپور لہجے میں جواب دیا تھا۔ اس کا تنفس ابراہیم کی موجودگی میں تیز ہو چکا تھا۔ ہتھیلیاں پسینے سے بھر گئی تھی۔

"اففف حیات ریلیکس یار کیوں مجھے ذلیل کروانے پر تلے ہو۔" اپنی غیر ہوتی حالت پر حیات نے پریشان ہوتے اپنے اعصاب کو کنٹرول کرنا چاہا تھا۔

"اچھا اور پچھلے دو تین دن سے کہاں تھی تم؟؟ مجھ سے ملنے کیوں نہیں آئی؟؟ اور یہ تمھیں کیا ہو رہا ہے تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟؟" حیات کی پاس آتے ابراہیم نے شکوہِ کیا تھا۔ لیکن جیسے ہی حیات کی پیسنہ سے تر پیشانی اور گھبراہٹ سے بھرپور چہرہ دیکھا تو ایک دم پریشان ہو کر پوچھ بیٹھا۔

"کک۔۔۔کچھ نہیں وہ بس یہاں دھوپ ہے نا تو اسی لیے پسینہ آ رہا ہے۔" اپنی پیشانی کو صاف کرتے حیات نے بوگھس سی دلیل دی تھی۔

"ادھر دیکھاؤ لیٹل ڈول تمہاری طبیعت مجھے ٹھیک نہیں لگ رہی۔؟؟"اس کی لنگڑی دلیلوں سے مطمئن ناہوتے ابراہیم نے حیات کے ماتھے پر ہاتھ رکھا تھا۔حیات کا دل تو بس اچھل کر حلق سے باہر آنے کو بے تاب تھا۔آنکھیں حیرت کی زیادتی سے کھل چکی تھی۔

"ماتھا تو تمہارا نارمل ہے پھر تم مجھے کیوں ٹھیک نہیں لگ رہی؟ایک کام کرو چلو تم میرے ساتھ اندر آؤ۔پانی وانی پیو ایسے میں تمہیں جانے نہیں دوں گا"ابراہیم نے حیات کے ہاتھ خرگوش واپس مالی کو پکڑاتے حیات کو اپنے ساتھ اندر لیجانا چاہا تھا۔

"ابراہیم مم۔۔۔میں ٹھیک ہوں۔پلیز ہاتھ چھوڑیں۔میں گھر جاکر آرام کروں گی تو ٹھیک ہو جاؤں گی سچی میں"حیات نے مسکینیت چہرے پر سجاتے منت سماجت کرنے کے انداز میں کہا تھا۔اور زبردستی اپنا ہاتھ چھڑاتے بھاگنے لگی تھی۔

"ایک منٹ لیٹل ڈول سچ سچ بتاؤ ایسی کیا وجہ ہے جو تم مجھ سے نظریں چرا کر بھاگ رہی ہو۔"اب کے ابراہیم نے تفتیشی نظروں سے حیات کو دیکھا تھا۔حیات کو اس میں آج کسی جاسوس کی روح نظر آرہی تھی۔جو ہر حال میں اس کی حالت کی سن گن لگا کر رہے والا تھا۔

"میں نے کب نظریں چرائی ہیں۔دیکھ تو رہی ہو آپ کی طرف "ابراہیم کے کوٹ کے بٹنز کو دیکھتے حیات نے خود کو مضبوط کرتے کہا تھا۔

"اچھا ایسی بات ہے تو آج میری لیٹل ڈول میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کیوں نہیں کر رہی؟؟ حیات کے سامنے کھڑے ہوتے ابراہیم نے جانچتے ہوئے کہا تھا۔

"لیں دیکھ تو لیا اب؟؟"ابراہیم کی بات کو چیلنج سمجھتے حیات نے بہادر بنتے اس کی آنکھوں میں دیکھا تھا۔لیکن یہ کیا ابراہیم کی مسکراتی نظروں میں دیکھنا حیات مراد کی دنیا کو سحر زادہ کر گیا تھا۔دل کی سرزمین میں تو ان کالی جادوئی آنکھوں کو دیکھتے سکون اترا تھا۔

"ہاں اب لگ رہی ہوں نا میری ڈول!!"حیات کی ہیزل براون آنکھوں میں جھانکتے ابراہیم نے اس کے بال بکھیرتے مسکرا کر کہا تھا۔

"ابراہیم اب میں جاؤں؟ آپ نے آفس بھی تو جانا ہو گا نا" بڑی مشکل سے اپنی آنکھیں ان کالی رات جیسی پراسرار جیسی آنکھوں سے ہٹاتے حیات معصوم منہ بناتے بولی تھی۔کیونکہ اب اگر وہ مزید یہاں رہتی تو اپنا آپ عیاں کر دیتی جو ابھی تو بالکل

بھی نہیں چاہتی تھی۔

"ہاہاہاہاہاہا اتنی جلدی کیوں ہے آپ کو واپس جانے کی لیٹل ڈول؟ ویسے اگر میں آپ کو جانے سے منع کروں تو کیا آپ رک جائیں گی؟" ابراہیم نے حیات کی بات سے لطف اندوز ہوتے اس سے پوچھا تھا۔ لیکن اس کی یہ بات حیات کو مشکل میں ڈال گئی تھا۔

"ہاں اگر آپ حیات مراد کو جانے سے منع کریں گے تو وہ آج کیا کبھی بھی آپ سے دور نہیں جائے گی بلکہ ہمیشہ کے لیے آپکی داسی بن کر یہاں ہی گزارے گی۔" حیات کے دل نے ابراہیم کی بات پر بے ساختہ جواب دیا تھا۔ جس پر نظریں چراتے حیات جلدی سے اپنے پورشن کی طرف بڑھتے ہوئے بولی۔

"ابراہیم مجھے ابھی بہت اہم کام ہے۔ پکا میں شام میں ضرور آؤں گی۔ بس ابھی جانے دیں" حیات کی حرکت پر ابراہیم کے چہرے پر گہری مسکراہٹ ابھری تھی۔

"پتہ نہیں آج لیٹل ڈول اتنی عجیب عجیب حرکتیں کیوں کر رہی تھی۔" خود سے حیات کی حرکتوں کے بارے میں سوچتا ابراہیم اپنی گاڑی میں بیٹھا تھا۔ جس نے یہاں آ کر اس کے دو دن سے سنجیدہ چہرے پر مسکراہٹ بکھیر دی تھی۔

****

"غالب" نظر کے سامنے حسن و جمال تھا

"محسن" وہ بشر خود میں سراپا کمال تھا

ہم نے "فراز" ایسا کوئی دیکھا نہیں تھا

ایسا لگا "وصی" کہ وہ گدڑی میں لعل تھا

اب "میر" کیا بیان کریں اس کی نزاکت

ہم "فیض" اسے چھو نہ سکے یہ ملال تھا

اس کو "قمر" جو دیکھا تو حیران رہ گئے

اے "داغ" تیری غزل تھا وہ بیمثال تھا

"اقبال" تیری شاعری ہے جیسے باکمال

وہ بھی "جگر" کے لفظوں کا پر کیف جال تھا

بلکل تمہارے گیتوں کے جیسا تھا وہ "قتیل"

یعنی """یہ سچ ہے کہ وہ لازوال تھا۔۔

ابراہیم کے خیالوں میں گم حیات کے لب، سکرین پر نظر آتی غزل پر پڑتے مسکرا دیے تھے۔اسے لگ رہا تھا کہ شاید یہ غزل اس کے جذبات کی عکاسی کر رہی ہے۔ابراہیم کی باتوں کو سوچنا، تو آگاہی کے درواہ ہونے سے پہلے ہی حیات کے لیے ایک دلفریب عمل تھا۔لیکن جب سے وہ محبت کے اپنی روح پر قابض ہونے سے واقف ہوئی تھی۔تب سے یہ عمل تو اس نے خود پر لازم قرار دے دیا تھا۔ابھی بھی وہ انہی سوچوں میں گم تھی جب حمیرہ بیگم دروازہ کھٹکھٹا کر اندر آئی تھی۔

"کیا کر رہی تھی میر بیٹی؟ کہی میں نے اسے ڈسٹرب تو نہیں کیا؟"حیات کے پاس بیٹھتے حمیرہ بیگم نے اس کے چہرے سے بال ہٹاتے ہوئے پوچھا۔

"بالکل نہیں ماما میں آپ کے آنے سے کبھی بھی ڈسٹرب نہیں ہو سکتی۔ویسے بھی کچھ خاص نہیں کر رہی تھی میں"حمیرہ بیگم کی گود میں سر رکھتے حیات لاڈ سے بولی۔

"او میرا پیارا بچہ!"حیات کی محبت پر خوش ہوتے، حمیرہ بیگم نے محبت سے اس کے ماتھے پر بوسہ دیا تھا۔

"حیات میری جان مجھے اندازہ ہے کہ اپنے کاموں میں مصروف ہو کر میں نے آپ دونوں بہن بھائی کے بچپن کا سنہری وقت یادگار بنانے کا موقع گنوا دیا ہے۔اس کے لیے ہو سکے تو اپنی ماما کو معاف کر دینا لیکن کبھی مجھ سے بدگمان مت ہونا کہ میں تم دونوں سے محبت نہیں کرتی۔ کبھی بھی اگر میں کوئی فیصلہ کروں تو یہ مت سمجھنا کہ میں یہ تم پر تھوپ رہی ہوں۔بلکہ مجھے اپنا دوست سمجھتے ہر چیز کھل کر بتا دینا۔یقین جانو تمہاری خوشی میں ہی ہماری خوشی ہے۔"حیات کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے حمیرہ بیگم گلوگیر لہجے میں بولی تھی۔شاید اپنی پرورش میں کی گئی غلطیوں سے وہ خود بھی اچھی طرح واقف تھی۔

"اوہو میری پیاری ماما مجھے آپ سے کوئی شکوہِ نہیں ہے۔بلکہ اگر تھا بھی تو وہ یہاں آنے سے مٹ گیا ہے۔میرے ممی دنیا کی والڈ بیست ممی پاپا ہے۔"حمیرہ بیگم کی بات پر شدتِ جذبات سے حیات نے انہیں گلے لگایا تھا۔جس پر حمیرہ بیگم نم آنکھوں سمیت مسکرائی تھی۔

"کیا آپ کو یہاں آنا سچ میں اتنا اچھا لگا ہے حیات؟"اپنی نم آنکھیں صاف کرتے حمیرہ بیگم نے پوچھا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"جی ماما مجھے یہاں آکر بہت اچھا لگا ہے۔اب تو میرا دل کرتا ہے کہ واپس جاؤں ہی نا بلکہ ہمیشہ کے لیے یہی رہ جاوں۔یہاں سب بہت اچھے ہیں ماما کیا ہم یہاں نہیں رہ سکتے ماما ؟؟"پرجوش لہجے میں بتاتے حیات نے آخر میں افسردگی سے پوچھا تھا۔کیونکہ ابراہیم سے علیحدگی تو اس کے لیے سوہانے روح تھی۔

"کیا میری بیٹی سچ میں یہاں رہنا چاہتی ہے ؟؟"حیات کی بات پر مسکراتے حمیرہ بیگم نے تصدیق تھا

"جی ماما کیا ایسا ممکن ہے ؟ مطلب کیا ہمیشہ کے لیے یہاں رہ سکتے ہیں ؟"حیات نے چہرے پر مسکینیت تاری کرتے پوچھا۔

"بالکل میری جان بالکل ممکن ہے۔لیکن خیر یہ چھوڑو پہلے میری بات غور سے سنو حیات ! تمہاری افشاں مامی اور گھر کے سب بڑے چاہتے ہیں کہ جانے سے پہلے تمہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے کیف سے منسوب کر دیا جائے۔مجھے اور تمہارے بابا کو اس میں کوئی مضحکہ خیز بات نہیں لگ رہی بلکہ مجھے خوشی ہوگی اگر تم اپنے ماموکے گھر رکوگی۔ تم بتاؤ تمہیں اس رشتے سے کوئی مسئلہ تو نہیں ؟"حیات کی ذات پر پے درپے وار کرتے حمیرہ بیگم نے پوچھا تھا۔لیکن حیات ہوش میں ہوتی تو جواب دیتے وہ تو اس وقت

صدمے سے چور گم سم سی ہو گئی تھی۔

"تو کیا محبت ملنے سے پہلے ہی میری محبت مجھ سے چھن جائے گی۔ کیا محبت کو جھٹلانے کی اتنی سخت سزا ملے گی؟ "ان سوالوں نے حیات کا دل درد سے بھر دیا تھا۔

"نہیں ایسا نہیں ہو سکتا ماما" اچانک ہوش میں آتے، درد میں ڈوبی وہ شہزادی چیخی تھی۔ آنسوں قطار در قطار اس کی آنکھوں سے بہہ نکلے تھے۔

"کیوں ایسا کیوں نہیں ہو سکتا حیات؟ یہ اتنی غلط بات تو نہیں ہے نا ہمیں ویسے بھی کہی نا کہی تو آپ کی شادی کرنی ہے نا تو اگر وہ یہی تو بہت بہتر ہے۔ ویسے بھی تم ہی تو کہہ رہی تھی کہ تم یہاں ہمیشہ کے لیے رہنا چاہتی ہو تو اب تم کیوں ایسے کیوں بی ہیو کر رہی ہو؟" حیات کے شدید رد عمل پر حیران پریشان حمیرہ بیگم نے تعجب سے پوچھا۔

"ماما میرے یہاں رہنے کا مطلب یہ تو نہیں تھا کہ آپ میری شادی ہی کر دیں" حیات نے صدمہ سے نکلتے انتہائی دکھ سے سوچا تھا۔

"حیات بیٹا ہم تمہاری شادی تھوڑی کر رہے ہیں۔ ابھی تو صرف منگنی کرنے کا کہہ رہے ہیں۔ جب تمہاری پڑھائی مکمل ہو گئی تو ہو جائے گی شادی بھی" حمیرہ بیگم کو سمجھ

نہیں آرہا تھا کہ آخر حیات کو ہو کیا رہا ہے۔

"منگنی ہونے سے آپ دوسرے شخص سے منسوب ہو جاتے ہیں ماما اور میں نے تو ابھی بالکل بھی ایسا نہیں سوچا ہاں جب پڑھائی مکمل ہو گی تو ضرور کروں گی۔ لیکن جب بھی کروں کیف بھائی سے نہیں کروں گی۔ کیونکہ میرے لیے وہ صرف میرے بھائی ہیں۔ آپ پلیز جا کر میرا انکار سب تک پہنچا دیجئے" حیات نے مضبوط لہجے میں آنسوں صاف کرتے، انہیں اپنا جواب بتایا تھا۔

"دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا حیات جو اتنے اچھے رشتے انکار کر رہی ہو۔ سچ سچ بتاؤ کون ہے وہ شخص جس کے لیے تم کیف کو رشتے کو ٹھکرا رہی ہو۔ کس سے تمہارا چکر چل رہا ہے۔" یک دم تیش میں آتے حمیرہ بیگم نے اس کی بازو دبوچتے ہوئے پوچھا تھا۔ حیات کا انکار ان کی توقع کے برعکس تھا یہی وجہ تھی کہ انہیں خود بھی نہیں پتہ تھا کہ وہ کتنے سخت الفاظ استعمال کر چکی ہیں۔ ان کے اس سوال پر حیات منجمد ہو گئی تھی۔

"حمیرہ بیگم کیا کر رہی ہیں آپ؟؟ ہوش میں تو ہیں اپنی جوان جہاں بیٹی سے کوئی اس طرح بات کرتا ہے۔ اگر آپ نے اس کچھ پوچھنا بھی ہے تو پیار سے اعتماد میں لے کر بھی پوچھ سکتی ہیں۔ ایسے بے اعتباری دیکھانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔" حمیرہ

بیگم کی آخری بات مراد صاحب بھی سن چکے تھے۔جو حیات کے کمرے کی طرف ہی آرہے تھے۔اس لیے حمیرہ بیگم کو پکڑ کر پیچھے کرتے بولے تھے۔

"یہ کیا ہو رہا ہے میرے ساتھ؟ کیا وہ محبت جس کا میں نے ابھی اپنے سے اعتراف نہیں کیا۔وہ اسے دنیا کی نظروں میں ذلیل کردے گی۔کیا وہ غلط لڑکی کہلائے گی؟؟ جس نے اپنے ماں باپ کی پسند کو چھوڑ کر کسی اور چاہا تھا۔کیا ابراہیم کا نام اس کی قسمت میں لکھنے سے پہلے مٹا دیا جائے گا۔" ایسی بے شمار باتیں حیات کے ذہن پر دباؤ ڈالنے لگی تھی۔اسے لگ رہا تھا کہ شاید وہ اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کا اختیار کھو رہی ہے۔اس سے پہلے کہ وہ گرتی، مراد صاحب جو اس کی طرف مڑے تھے، بے اختیار ہو کر اسے تھام گئے تھے

یہ عشق نہیں آسان بس اتنا سمجھ لیجیے

اک آگ کا دریا ہے اور ڈوب کے جانا ہے۔

"حیات بیٹی! میری جان آپ ٹھیک ہیں۔؟" بے ہوش ہوئی حیات کو بیڈ پر لیٹاتے مراد صاحب اس کے چہرے تھپتھپاتے بول رہے تھے۔دوسری طرف حمیرہ بیگم بھی پریشانی سے آگے بڑھی تھی۔

"بس حمیرہ بیگم پیچھے رہیں میری بیٹی سے! کیا ایسی ہوتی ہیں مائیں جو اپنی بیٹی پر یقین کرنے کی بجائے، اسے بے یقین کی موت ماریں۔ میں آپ سے صاف کہہ رہا ہوں میں اپنی بیٹی پر کوئی زبردستی نہیں ہونے دوں گا۔ جہاں وہ کہے گی وہی اس کی شادی کی جائے گی۔ اور یہ بات آپ اور اس گھر والے جتنی جلدی سمجھ لیں اتنا اچھا ہے۔" مراد صاحب نے سخت لہجے میں حمیرہ بیگم کو آگے بڑھنے سے روکا تھا۔ اپنے الفاظ کے تیکھے پن کا احساس ہوتے، حمیرہ بیگم کی آنکھوں سے ندامت کے آنسوں بہنے لگے تھا۔

****

ابھی کچھ دیر پہلے ڈاکٹر حیات کا معائنہ کر کے گئے تھے۔ جو اچانک ہونے والی ذہنی دباؤ کی وجہ سے بے ہوش گئی تھی۔ گھر والوں کو مراد صاحب نے حیات کی اچانک ہونے والی صحت خرابی کے متعلق بتاتے ہوئے جھوٹ کا سہارا لیا تھا۔ کیونکہ جب تک وہ حیات سے خود نا بات کر لیتے تب تک اس معاملے کو مزید اچھالنا نہیں چاہتے تھے اور یہی وہ وجہ تھی کہ اُنہوں نے حمیرہ بیگم کو نا چاہتے ہوئے بھی حیات کے پاس بیٹھنے کی اجازتِ دے دی تھی۔

اس وقت حیات کے ایک طرف مراد صاحب اور دوسری طرف پریشان سی حمیرہ بیگم

بیٹھی تھیں۔ محراب ڈاکٹر کو چھوڑنے گیا تھا۔ باقی سب لوگ حیات کو دیکھنے کے بعد جا چکے تھے۔ جب حیات کی آنکھیں میں ہلکی سی لرزش ہوئی تھی۔

"حیات میرا بچہ تم ٹھیک ہو؟" حیات کو ہوش آتے دیکھ حمیرہ بیگم نے اس کے اوپر جھکتے ہوئے پوچھا تھا۔ لیکن آنکھیں کھولنے کے بھی حیات چندپل غائب دماغی سے انہیں دیکھتے کچھ دیر پہلے ہوئی باتوں سوچنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"کیسی طبیعت ہے اب میری بیٹی کی؟ سر میں درد تو نہیں ہو رہا؟" اس کو ایسے ہی خاموش دیکھتے مراد صاحب کی پریشانی بھی بڑھی تھی۔

"بابا! میں بری بیٹی نہیں ہوں۔ یقین کریں آپ کی حیات کا کسی کا ساتھ کوئی چکر نہیں ہے بابا" شعور کی دنیا میں رکھتے حیات کی آنکھیں بھر آئی تھی۔ شاید ماں کی بے اعتباری نے اس شہزادی کو گہری چوٹ پہنچائی تھی۔

"میں جانتا ہوں میری جان! کہ میری بیٹی کبھی میرا غرور پر آنچ نہیں آنے دے گی۔ وہ تو بابا کی جان ہے بابا کیسے اس پر شک کر سکتے ہیں" حیات کے ماتھے پر بوسہ دیتے مراد صاحب نے اسے مان بخشا تھا۔ جس پر حیات کی روح اندر تک پر سکون ہو گئی تھی۔ خوش قسمت تھی وہ جس کا باپ اس کے ساتھ تھا۔

"اپنی ماما کو معاف کر دو میری پرنسسز ماما نے انجانے میں بہت سخت لفظ کہے ہیں اپنی بیٹی کو" اب کہ حمیرہ بیگم نے بھی آگے ہو کر حیات کی آنکھوں کو چوما تھا۔

"مجھ سے معافی مانگ کر مجھے گناہگار مت کریں ماما میں جانتی ہوں اگر آپ کی جگہ کوئی اور ماں بھی ہوتی تو یہی کرتی۔ مجھے خوشی ہے کہ میں آپ دونوں کی بیٹی ہوں" اپنے ماں باپ کی محبت پر حیات نے ان کے ہاتھوں کو پکڑ کر آنکھوں سے لگایا تھا۔ چند پل والی بے چینی، تکلیف سب کہیں غائب ہو چکے تھے۔

"میری پیاری پرنسسز" مراد صاحب اور حمیرہ بیگم نے حیات کے ہاتھوں کو چومتے مسکرا کر کہا تھا۔ جس پر نم آنکھوں کے ساتھ وہ آسودگی سے مسکرا دی تھی۔

"حیات میری جان جو رشتے ہوتے ہیں نا وہ بہت کچی ڈور سے بنے ہوتے ہیں۔ ذرا سہ کھچاؤ اس ڈور کے ٹوٹنے کا باعث بن سکتا ہے۔ اس لیے کیف کے رشتے کا انکار گھر والوں کو پہنچانے سے ہم چاہتے ہیں کہ آپ ہمیں ٹھوس وجہ بتا دیں تاکہ کیف کے رشتے پر انکار سے گھر والوں کو بھی کوئی اعتراض نا ہو اور ہاں آپ جانتی ہیں نا کہ بابا اپنی پرنسسز سے بہت محبت کرتے ہیں۔ وہ کبھی آپ پر شک نہیں کر سکتے بلکہ ہمیشہ ہر جگہ اپنی پرنسسز کا ساتھ دیں گے۔" مراد صاحب نے بہت طریقے سے حیات سے اس کی

مرضی پوچھی تھی۔

"کیا مجھے بابا کو ابراہیم کے متعلق بتانا چاہیئے؟ کیونکہ محبت تو صرف میں کرتی ہوں۔ ابراہیم تو نہیں کرتے اگر انہوں نے انکار کر دیا تو؟" چندپل اپنے باپ کی نظروں میں دیکھتے سوچا تھا۔ لیکن پھر باپ کے مان بھرے چہرے کو دیکھتے حیات نے فیصلہ کرنے میں چندپل بھی نہیں لگائے تھے۔

"باباووو۔۔۔وہ میں۔۔۔ابراہیم سے محبت کرتی ہوں" ابراہیم کے متعلق مراد صاحب کو بتاتے حیات کی زبان لڑکھڑائی تھی۔ لیکن دل کڑا کر کے وہ بتا گئی تھی۔ پر مراد صاحب اور حمیرہ بیگم کے چہرے نجانے کیوں لٹھے کی مانند سفید ہو گئے تھے۔ یوں لگ رہا تھا کہ گویا انہیں سانپ سونگھ گیا ہو۔ لیکن کیوں؟؟

****

تمہیں جب کبھی ملیں 'فرصتیں مرے دل سے بوجھ اتار دو

میں بہت دنوں سے اداس ہوں، مجھے کوئی شام ادھار دو

کسی اور کو مرے حال سے نہ غرض ہے کوئی نہ واسطہ

میں بکھر گیا ہوں سمیٹ لو' میں بگڑ گیا ہوں سنوار دو

شام سے ایک بے چینی مسلسل ابراہیم کی ذات کو اپنے گھیرے میں لیے ہوئے تھی۔ کسی پل بھی اسے سکون نصیب نہیں ہو رہا تھا۔ یوں لگ رہا تھا کہ جیسے کوئی بہت اپنا تکلیف میں ہو۔ وہ چاہنے کے باوجود ساتھ والے پورشن میں جا کر معلوم نہیں کر پا رہا تھا کہ وہاں سب لوگ ٹھیک تو ہیں۔ کہی کوئی پریشانی میں، درد میں یا تکلیف میں تو نہیں ہے؟ لیکن پھر آخر کار مجبوراً اس نے محراب کو کال کرنے کے بارے میں سوچا تھا کیونکہ وہاں سے ایک وہی تو تھا جس سے اس کی بات چیت تھی۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"السلام علیکم محراب! کیسے ہو یار؟ کافی دن ہو گئے تم نے میری طرف چکر نہیں لگایا" دوسری طرف سے فون اٹھائے جانے پر ابراہیم نے بے صبری سے کہا تھا۔

"ابراہیم بھائی میں۔۔۔ایراج! وہ شاید محراب بھائی اپنا فون یہی لاونج میں ہی بھول گئے ہیں۔ اسے بجتے دیکھا تو میں نے ضروری کال سمجھتے اٹھایا تھا۔" ابراہیم کی اواز سنتے ایراج نے جھجھکتے ہوئے کہا تھا۔ اسے محراب کا فون اٹھانا اچھا تو نہیں لگ رہا تھا۔ لیکن پھر بار بار فون پر آتی ابراہیم کی کال نے اسے مجبور کر دیا تھا کہ وہ کال اٹینڈ کرے۔

"اوہ اچھا چھوٹی! ویسے کہاں گیا ہے محراب؟؟" ابراہیم نے ایراج کی آواز پر چند پل

سوچنے کے بعد پوچھا۔

"وہ بھائی محراب کچھ دیر پہلے ڈاکٹر کو چھوڑنے گیا ہے۔اب تک تو واپس بھی آتا ہوگا۔"

ایراج نے گھڑی کی جانب دیکھتے جواب دیا۔

"ڈاکٹر! لیکن ڈاکٹر کیوں آیا تھا؟سب ٹھیک ہے نا چھوٹی؟ بڑے ابا تو ٹھیک ہیں؟"

ڈاکٹر کے نام ابراہیم کو اپنا شک یقین میں بدلتے دیکھائی دے رہا تھا۔کہ یہ بے چینی بے سبب نہیں تھی۔

"وہ بھائی حیات کمزوری کے باعث بے ہوش ہوگئی تھی۔پھوپھا بتا رہے تھے کہ شاید اس نے کل سے کچھ ٹھیک سے کھایا نہیں تھا۔بس اسی وجہ سے بی پی لو ہو گیا ہے۔لیکن آپ پریشان مت ہوں وہ اب ٹھیک ہے۔"ایراج نے ابراہیم کے پوچھنے پر جھٹ سے جواب دیا تھا۔مقصد یہ دیکھنا تھا کہ کیا ابراہیم حیات کی تکلیف پر اضطرابی کا شکار ہوتا ہے یا نہیں؟؟اور کیا اس محبت کے سفر میں حیات اکیلی ہے یا ابراہیم بھی ساتھ ہے؟

"زیادہ تشویش والی بات تو نہیں چھوٹی؟؟"اپنی آواز میں لاکھ چاہنے کے بعد بھی ابراہیم پریشانی کے عنصر کو چھپا نہیں پایا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"جی جی بھائی آپ فکر مت کریں میں آپ کی لیٹل ڈول کا اچھا سے خیال رکھوں گی" ایراج کو ابراہیم کے لہجے کی بے قراری نے دلی سکون پہنچایا تھا۔ کہ شکر تھا کہ اس کی سہیلی محبت کی راہ میں اکیلی نہیں تھی۔

"اوکے تھینکیو چھوٹی! پلیز اگر کچھ ہو تو مجھے اسی نمبر پر فوراً اطلاع دینا اور جتنا ہو سکے حیات کے ساتھ رہنا" ابراہیم نے سنجیدگی سے ایراج کو کہتے فون بند کیا تھا۔ کیونکہ اس پل اسے اپنے رب سے بات کرنے کی شدید ضرورت تھی۔

'صاحب عرض ہے: عشق اور مشک چھپائے نہیں چھپتے' فون بند ہوتے ہی ایراج اطمینانیت سے مسکراتے ہوئے بڑبڑائی تھی۔ یہی تو سچے دوست کی پہچان ہے کہ وہ ہر حال میں اپنے دوست کی خوشی ہی چاہتے ہوتے ہیں۔

****

"کک۔۔ کون ابراہیم حیات؟ اور کیا وہ بھی تم سے محبت کرتا ہے۔" حیات کے منہ سے نکلے ابراہیم لفظ پر منجمد ہوئی حمیرہ بیگم کمرے میں پھیلی معنی خیزی کو توڑتے، لرزتے ہوئے لہجے میں پوچھنے لگی۔ دوسری طرف مراد صاحب کے ہونٹوں کو ابھی بھی خاموش تھے۔

"ابراہیم جاسم آفندی، جو ہمارے ساتھ والے پورشن میں رہتے ہیں ماما اور مجھے نہیں پتہ کہ وہ مجھ سے محبت کرتے ہیں یا نہیں؟ لیکن آپ دونوں کو کیا ہوا اتنے خاموش کیوں ہو گئے ہیں۔ کیا محبت کرنا غلط ہے؟؟ " لاعلمی کا اظہار کرتے حیات نے ان دونوں کے چہروں کو آخر میں غور سے دیکھتے استفسار کیا تھا۔ جن پر ابراہیم کی لاعلمی جان کر سکون کی چھائی اتری تھی۔

"محبت کرنا غلط نہیں ہے میری بچی! بس تم اتنا جان لو کہ جیسا جس شخص کے ساتھ تم نے محبت کی ہے۔ وہ تمہیں ملنا ناممکن ہے۔ یہاں تک کہ اگر ابراہیم کو پتہ چلا تو وہ خود اس رشتے کو کبھی نہیں مانے گا۔ انفکٹ وہ کبھی بھی کسی سے شادی نہیں کرے گا حیات کیونکہ وہ کسی کی زندگی برباد نہیں کر سکتا۔ اور ہم جانتے بوجھتے تمہاری زندگی برباد نہیں ہونے دیں گے اور یہ بات تم جتنی جلدی ہو سکے خود کو سمجھا لو پرینسز" حیات کے بالوں کو سنوارتے، حمیرہ بیگم نے رساں لہجے میں سمجھایا تھا۔

"لیکن کیوں ماما بابا؟ ایسا کیوں نہیں ہو سکتا؟ اور ماما ایسے کیوں کہہ رہے تھے؟ پلیز ماما بتایئے نا؟ مجھے پریشانی ہو رہی ہے۔" مراد صاحب اور حمیرہ بیگم کو دیکھتے حیات نے بیکلی سے پوچھا۔

"حیات تم نے زندگی میں کبھی مشکلات نہیں دیکھی۔ لیکن اب تم جس راستے کا چناؤ کر رہی ہو وہ خاردار کانٹوں سے بھرا راستہ ہے جس پر چلنا تمہارے لیے ناممکن ہے۔ تمہارے پاس ایک دن کا وقت ہے۔ اچھے سے سوچ لو تم کہ تم کیا چاہتی ہو۔ میں ہمیشہ تمہارے ساتھ کھڑا رہوں گا۔" حیات کے ماتھے پر بوسہ دیتے مراد صاحب سنجیدہ چہرہ لیتے وہاں سے اٹھ گئے تھے۔

"حیات وہ جو بھی کہہ کر گئے ہیں تم ویسا کچھ نہیں کروں گی بلکہ تم صرف کیف کو چنو گی کیونکہ میری جان میں جانتے بوجھتے بھی تمہیں اندھے کنوئیں میں نہیں دھکیل سکتی۔ جہاں تکلیف درد کے علاوہ تمہیں کوئی سکھ نہیں مل سکتا اور یہ بات جتنی جلدی ہو سکے میری جان تم بھی جان لو تم کبھی بھی ابراہیم کے ساتھ خوش نہیں رہ سکتی اس لیے اس کا خیال دماغ سے نکال دو۔" حمیرہ بیگم نے اپنی نم آنکھوں کو صاف کرتے حیات کو تلقین کی تھی۔

"ایسا مت کہیں ماما ! مجھے ایسا کیوں لگ رہا ہے کہ آپ سب ابراہیم کے متعلق ہم بچوں سے بہت کچھ چھپا رہے ہیں ماما، پلیز مجھے بتائے ناماما اگر آپ نے مجھے ابراہیم سے علیحدہ ہونے کی وجہ نا بتائی تو شاید آپ کی بیٹی کا دل درد سے پھٹ جائے ماما کیونکہ میں

ابراہیم کے بنا نہیں رہ سکتی ماما" سسکتی ہوئی روح کے ساتھ حمیرہ بیگم کی گود میں سر رکھتے حیات نے بھرائے ہوئے لہجے میں کہا تھا۔ آنسوؤں پر پڑا بند تکلیف کی شدت سے تیزی سے ٹوٹا تھا۔

"ابراہیم ایک نامکمل مرد ہے حیات جو تمہیں کوئی خوشی نہیں دے سکتا اس لیے اس کو بھول جاؤ حیات اور اپنی جان پر ظلم مت کرو میری بچی" حیات کے سر ہاتھ رکھتے حمیرہ بیگم نے جی کڑا کر کے حیات پر حقیقت کے در واہ کیے تھے۔

" کلک۔۔۔۔کیا۔۔۔مم۔۔۔مطلب۔۔۔ماما؟؟" پھٹی آنکھوں کے ساتھ حیات نے سوال داغا تھا۔

"بچپن میں ہوئے ایک شدید حادثہ میں ابراہیم کے کچھ ایسی چوٹیں لگی تھی۔ کہ جن کے باعث وہ اب کبھی باپ نہیں بن سکتا اور یہی وہ وجہ ہے جس کے بنا پر تمہاری مامیوں نے اسے منحوس گردانتے اور اس کا سایہ اپنے بچوں سے دور رکھنے کے لیے اسے یہاں نکال دیا۔ مجھے اس سے کوئی مسئلہ نہیں ہے حیات لیکن میں تمہیں ایک ادھوری زندگی جیتے نہیں دیکھ سکتے میری بچی! اولاد زندگی کا ایک اہم جز ہوتی ہے۔ جس کے بغیر انسان ادھورا رہتا ہے۔ اور جو شخص پہلے خود کی ادھورا ہو وہ تمہیں کیا

NEW ERA MAGAZINE .COM
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

مکمل کرے گا۔

پلیز میرا امتحان مت لینا اور اسے بھول جانا اور ہاں کیف کی طرف قدم بڑھانا یا نا بڑھنا اب تم پر منحصر ہے کہ یہ فیصلہ میں نے تم پر چھوڑا ہے۔ آخری بات حیات ماں باپ اولاد کے دشمن نہیں ہوتے، وہ ہمیشہ اولاد کے لیے بہتر ہی چاہتے ہوتے ہیں۔ اس لیے میری باتوں کو دل پر مت لینا میری بچی، اور غیر جانبداری سے فیصلہ کرنا۔" یہ سچائی نہیں تھی بلکہ کوئی پگھلا سیسا تھا جو حمیرہ بیگم حیات کے کانوں میں انڈیل کر گئی تھی۔ جس نے حیات کی ذات کو کرچی کرچی کیا تھا۔ اسے لگ رہا تھا کہ شاید دل آری سے کاٹنے کی بھی اتنی تکلیف نا ہوتی کہ جتنی یہ تلخ حقیقت جاننے کے بعد اسے دے رہی تھی۔ آنکھوں سے آنسو لڑیوں کی صورت بہہ رہے تھے۔ ہیزل براون آنکھیں دل کی تکلیف کو شدت سے بیان کر رہی تھی۔

تو محبت کی دیوی نے اتنا بڑی آزمائش حیات کی راہ میں رکھی تھی؟ کیا حیات ابراہیم کے ادھورے وجود کو اپنا سکے گی؟ کیا وہ کیف کی طرف قدم بڑھا لے گی؟ یا ہر کسی کی طرح ابراہیم کو ناکارہ، منحوس اور ادھورا گردانتے اس سے کنارہ کشی کر لے گی؟

****

NEW ERA MAGAZINE

"میں ناشکرا نہیں ہوں. بلکہ مجھے جو کچھ بھی دیا گیا اس پر میں راضی ہوں۔اور بہت خوش ہوں لیکن پھر بھی دل کے کسی نہاخانے میں ایک کسک سی ہے کہ جسے میں نے بے پناہ محبت کی میں اسے پا نہیں سکتا۔جب میں اسے پا ہی نہیں سکتا تو پھر اس سے محبت کیوں ہوئی؟ یہ بات مجھے کبھی سمجھ نہیں آئی !کیونکہ تیرے کام تو ہی جانتا ہے۔

آج سے کچھ عرصہ پہلے جس دن میں نے مراد بیگ کی کمپنی کے ساتھ ڈیل فائنل کی تھی۔اس دن میں نے اسے پہلی بار دیکھا تھا۔وہ کوئی حور تھی جس کی کھلکھلاتی ہنسی نے ابراہیم آفندی کا دل لے لیا تھا۔ابراہیم جاسم آفندی اس چھوٹی سی لڑکی کی محبت میں اسی ایک لمحے میں گرفتار ہو گیا تھا۔لیکن یہ بات میں نے بہت جلد ذہن نشین کر لی تھی کہ وہ لڑکی میری محبت تو ہو سکتی ہے۔لیکن کبھی میری زندگی میں نہیں آسکتی۔پر وہ میری زندگی میں آئی۔میں نے اس سے کنارہ کشی اختیار کرنے کے لیے اس سے برا سلوک کرنا چاہا۔لیکن یہ دل یہ اس کے سامنے ہار گیا۔

آپ تو سب جانتے ہیں کہ ہر روز، ہر دعا میں میں نے یہ دعا کی ہے کہ حیات مراد خوش رہے،اسے کبھی محبت جیسی بیماری لاحق نا ہو اور یک طرفہ محبت تو کبھی اس کے حصے میں نا آئے۔میں نے برسوں اس کے ایک ایک لمحے پر نظر رکھی ہے اور اس سے بے

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

انتہا محبت کی ہے۔اسے ہر مصیبت سے بچانے کی کوشش کی ہے۔

میں نے بہت چاہا کہ ہماری دوستی نا ہو۔پر پھر سے اس قلب کی غداری پر میں بے بس رہ گیا ہوں۔جب سے اس کی مجھ سے دوستی ہوئی ہے۔مجھے خود سے ڈر لگنے لگا ہے کہ میں کبھی اس کی تکلیف کی وجہ نا بن جاوں۔کیونکہ مجھے دیکھ کر اس کی آنکھوں میں آنے والی چمک بہت خاص ہوتی ہے۔اگر وہ چمک محبت کی ہوئی تو وہ میرا زندگی کی تلخ حقیقت کو جان کر کہی ٹوٹ نا جائے۔آپ پلیز اسے کبھی میرے ادھورے وجود کے ساتھ محبت نا ہونے دیجئے گا۔اگر ایسا ہوا تو وہ بہت تکلیف سے گزرے گی پر منزل پر میں اسے پھر بھی نہیں ملوں گا اور اگر محبت ہونے کے بعد اسے میرا سچ پتہ چلا اور اس نے مجھے سب کی طرف موجود حقار چیز کی طرح دیکھا تھا۔تو میں ٹوٹ جاوں گا یہ تو پتہ نہیں کہ مجھے موت آئے گی یا نہیں لیکن اتنا ضرور جانتا ہوں کہ اس دن میرا دل ضرور ٹوٹ کر بکھر جائے گا۔

برسوں میں خود کو سمیٹ کر رکھا ہے۔برسوں میں نے اپنے ہر زخم کو لوگوں کی نظروں سے دور رکھا ہے۔اگر اس بار میں بکھر تو سب پر آشکار ہو جاوں گا اور ابراہیم جاسم آفندی صرف آپ کے سامنے ٹوٹا،بکھرنا پھر ٹوٹ کر جوڑنا چاہتا ہے۔کیونکہ میں

جانتا ہوں کہ آپ مجھے سننے گے۔ پھر میرے ہر زخم پر اپنی محبت کی دوا رکھیں گے۔ جو مجھے پر سکون کرے گا۔ لیکن دنیا میرے زخم مزید کریدے گی اور مجھے حرام موت مرنے پر مجبور کرے گی۔ لیکن آپ کا ابراہیم کبھی حرام موت مر کر آپ کے پس نہیں آنا چاہتا" کالیگرافی کے اس محسوس کمرے میں مقناطیسی شخصیت کا حامل وہ شخص کالی قمیض شلوار میں ہاتھوں میں پینسل پر پکڑے کنویکس پر 'السمیع' کے الفاظ کندہ کرتے بڑبڑا رہا تھا۔ نہیں شید رب سے بات کر رہا تھا۔ کیونکہ جانتا تھا وہی سننے والا ہے۔

"اگر آپ مجھے سننے والے نا ہوتے تو شاید میں بہت پہلے خود سے ہار کر حرام چیزوں کا عادی ہو گیا ہوتا، اگر آپ میرے میری ہر بات کو توجہ سے نا سنتے اور مجھے احساس نا دلاتے کہ میں دنیا میں اکیلا نہیں ہوں آپ کی ذات ہے جو ہر وقت مجھے سننے کو تیار ہے اور میری ہر پریشانی کو دور کرنے والی ہے تو میں شاید اپنی آزمائشوں کی ابتداء پر ہی ٹوٹ جاتا۔

مجھے یاد ہے جس دن میں نے پہلی بار حیات مراد کے چہرے کو دیکھا تھا۔ وہ رات مجھے پر بہت بھاری تھی کیونکہ بے اختیاری کے اس ایک لمحے نے محبت کو دل میں پناہ دی تھی۔ اس رات میں اس خیال سے بہت رویا تھا کہ جب اس نے میرا ہونا ہی نہیں تھا تو

یہ محبت کیوں ہوئی؟ لیکن تب آپ کی ذات نے میرے گلے شکوہ سنے تھے اور بتایا تھا کہ کیا ہوا اگر وہ مجھ سے محبت نہیں کرے گی۔ آپ تو ہیں جو مجھ سے محبت کرتے ہیں۔ یہ بات مجھے پر سکون کر گئی تھی۔ مجھے اب کوئی شکوہ نہیں کہ وہ مجھ سے محبت کرے یا نا کرے میں تو اس سے ہر لمحہ محبت کرتا آیا ہوں اور کرتا رہوں گا۔

کیونکہ یہ لفظ محبت مجھے آپ سے جوڑنے کا وسیلہ ہے۔ بس ایک دعا ہے کہ حیات کی آنکھوں کی وہ چمک کبھی میرے سے محبت کی نا ہوا۔ میری وجہ سے اسے کسی امتحان سے نا گزرنا پڑے۔ میرا وجود کبھی حیات مراد کی نظروں میں حقیر نا بنے۔ وہ ہمیشہ خوش رہے۔ ہر بیماری پریشانی اس سے دور رہے۔ اے سننے والے رب میری دعا کو ہمیشہ کی طرح میرے نبی کے صدقے قبول فرمانا" کیا تھا وہ شخص جو محبت کر رہا تھا تو انتہا پر جا کر کر رہا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ آج حیات کی صحت خرابی کا سننے کے بعد، اپنے اندر پلتی گھٹن کو ختم کرنے کے لیے وہ پھر سے ایک بہترین سامع کے پاس آ بیٹھا تھا۔ چہرے پر ایک ملال و حزن چھایا ہوا تھا۔ کالی آنکھوں میں نمی تھی جوان کو مزید پرکشش بنا رہی تھی۔ وہ ایک مکمل مرد تھا۔ لیکن لوگوں کی تنگ نظری نے اسے ایک ادھورا شخص بنا دیا تھا۔

آخر بچپن میں ہوئے حادثے میں کیا قصور تھا اس کا؟ کیا اس نے چاہا تھا کہ اس کے ساتھ ایسا ہو؟ نہیں تو پھر کیوں یہ دنیا اسے ہی کیوں برا سمجھتی تھی؟

****

وقت کی ایک خاصیت ہے کہ چاہے یہ اچھا ہو یا برا گزر ہی جاتا ہے۔ جس طرح کل کا دن سخت آزمائش بن کر آفندی ویلا کے ایک کمرے میں میں بیٹھی اناز ادی، جس کی آنکھیں رت جگے کو ظاہر کر رہی تھی، پر آزمائش بن کر اترا تھا۔ پھر اسے کچھ وقت کی مہلت دیتے گزر گیا تھا۔ لیکن ساری رات بیٹھ کر زندگی کے اس رخ پر سوچنے کے بعد بھی وہ ٹھیک سے کوئی فیصلہ نہیں لے پائی تھی۔ یا شاید اس نے فیصلہ لے لیا تھا۔ پر اس کے چہرے سے پتہ نہیں چل رہا تھا کہ یہ فیصلہ کس کے حق میں بہتر تھا اور کس کے حق میں بہتر نہیں تھا؟

"کیسی ہو حیات؟ کل تمہاری طبیعت خرابی کا سن کر میں تو فکر مند ہی ہو گیا تھا۔ لیکن تمہیں ٹھیک دیکھ کر مجھے بہت خوشی ہو رہی ہے۔" حیات جو ابھی اپنے کمرے سے نکلی تھی۔ پیچھے سے آتی کیف کی آواز پر رکی تھی۔ جو محبت سے اس کے سوگوار حسن کو دیکھ رہا تھا۔

"میں ٹھیک ہوں کیف بھائی! بہت شکریہ تیمارداری کا" حیات کے منہ سے پھر سے بھائی سن کر کیف کو اس بار پہلے سے کہیں زیادہ چڑچڑاہٹ ہوئی تھی۔

"تو کیا حیات کو اس بات کا علم نہیں کہ گھر والے ہمارے بارے میں کیا سوچ رہے ہیں؟ یا ایسا تو نہیں کہ وہ اس رشتے سے خوش نہیں تبھی ایسے بول رہی ہے۔؟" حیات کے چہرے کو گہری نظروں میں لیتے کیف سوچ میں ڈوبا تھا۔ حیات اس کو سوچتے دیکھ دوبارہ سے نیچے کی جانے کے لیے بڑھی تھی۔

"ایک منٹ حیات! مجھے یہ جاننا تھا کہ کیا پھوپھو نے آپ سے ہمارے رشتے کے متعلق کوئی بات نہیں کی؟ یا آپ کو یہ رشتہ منظورِ نہیں جو آپ مجھے ایسے مخاطب کر رہی ہیں؟ مجھے آپ کی رائے جاننی ہے" اپنی سوچوں سے چونکتے کیف نے ڈائریکٹ حیات سے پوچھا تھا۔ جس کی حیات کو بالکل بھی توقع نہیں تھی۔

"کیف بھائی میری جو بھی رائے ہے وہ آج میں اپنے بابا کو بتادوں گی۔ اور دوسری بات آپ کا اور میرا کزن کا علاؤہ ابھی کوایسا رشتہ نہیں کہ میں آپ کو بے تکلفی سے مخاطب کروں۔ اس لیے مائینڈمت کیجئے گا۔ میں تو ایسے ہی بلاؤ گی۔" حیات نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا تھا۔ جس پر کیف کا چہرہ اہانت سے سرخ پڑا تھا۔

"لیکن پھر بھی گھر میں ہمارے رشتے کی بات چل رہی ہے۔اپ کو ایسے نہیں کہنا چاہیے" کیف نے اپنے غصے کو ضبط کرتے اسے سمجھانا چاہا تھا۔

"ابھی صرف رشتے کی بات ہوئی ہے بھائی! شادی تو نہیں ہو گی۔آپ پلیز برامت مانیے جس دن ہماری شادی ہو گی اس دن میں آپ کے نام کے ساتھ موجود بھائی کے سیغہ کو ختم کر دوں گی" بغیر کسی تاثر کے یہ کہتے حیات تیزی سے نیچے کی طرف بڑھی تھی۔جب کہ کیف اس کی باتوں سے کنفیوژ ہو گیا تھا کہ جانے وہ رشتے پر راضی ہے یا نہیں ؟؟

****

گھر میں دانش کی شادی کے لیے آج سے ڈھولکی رکھی جانی تھی۔جس کی وجہ صبح صبح ہی ہر طرف ہل چل سی تھی۔حیات تو ناشتہ کرنے کے بعد دوبارہ کمرے میں آکر لیٹ گئی تھی۔رت جگے کی وجہ سے سرخ ہو رہی آنکھیں ایک لمبی نیند لینے کے بعد بھی ویسی کی ویسی ہی سرخ تھی۔گھر کی سجاوٹ کے لیے خاص طور پر ویڈنگ پلینر کو بلایا گیا تھا۔ جس کی کیف اور محراب جام میں مدد کروا رہے عورتیں بھی عورت شادی کے لیے کپڑے تیار کرتی مصروف سی تھی۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

ان سب میں ایک حیات ہی تھی۔جو سو کر اٹھنے کے بعد بھی مضطرب سی بکھلائی بکھلائی پھر رہی تھی۔تازہ ہوا میں خود کو پر سکون کرنے کی خاطر حیات آخر کار اٹھ کر لان میں چلی آئی تھی۔دل میں جب بے سکونی ہو تو پھر ارد گرد جتنا بھی سکون ہو آپ کے اندر بیکلی ہی رہتی ہے۔یہی حال حیات کا بھی ہو رہا تھا۔اپنی حالت سے بیزار وہ دوبارہ سے اندر کی طرف جا رہی تھی،جب سامنے کسی شخص کو ہدایات دیتے ابراہیم پر نظر پڑتے، اس کے بے چینی دل کو کہی قرار سہ مل گیا تھا۔انجانے میں کئی لمحے وہ وہی کھڑی اپنی آنکھوں کو پیاس کو دید کی نعمت سے سیراب کرتی رہی تھی۔

"نہیں مجھے ان کے سامنے نہیں آنا چاہا۔"ابراہیم کو پلٹتے دیکھ ذہن نے فوراً حکم جاری کیا تھا۔جس پر حیات چپکے سے اندر کی طرف بڑھی تھی۔بیوقوف یہ نہیں جان پائی تھی کہ مقابل تو اس کی بہت چھوٹی چھوٹی آہٹوں کو بھی محسوس کر لیتا ہے۔تو پھر اس کا یوں جانا کیوں نا سمجھ پاتا؟

"مس حیات مراد اب کیسی ہے آپ کی طبیعت؟"ابراہیم کے منہ سے نکلے 'حیات مراد' کے ترز تخاطب نے اس کے دل کو زور سے بھینچا تھا۔یوں لگا جیسا کوئی نوکیلی چیز اس کی روح کو زخم زخم کر رہی ہو۔

"وہ۔۔۔وہ میں ٹھیک ہوں۔ لیکن آپ مجھے میرے نام سے کیوں پکار رہے ہیں۔" شکوہ فوراً حاضر ہوا تھا۔

"لیکن آپ کی سرخ آنکھیں تو بتا رہی ہیں کہ آپ ابھی بھی ٹھیک نہیں ہے۔" ابراہیم جو سنجیدگی سے اس کے مرجھائے چہرے کا مشاہدہ کر رہا تھا، اس شکوہ پر سر جھٹکتے بولا۔ دوسری بات کو وہ سرے سے ہی اگنور کر گیا تھا۔

"وہ۔۔۔وہ تو رات کو نیند نہیں آئی تھی نا تو بس اسی لیے سرخ ہو گئی ہیں۔ لیکن آپ میری دوسری بات کا جواب کیوں نہیں دے رہے" خفگی سے ابراہیم کو جواب دیتے حیات نے ایک بار پھر پوچھا تھا۔

"اور رات کو نیند کیوں نہیں آئی تھی۔؟" ابراہیم کا انداز ہنوز پہلے جیسا تھا۔

"کچھ نہیں!۔۔۔۔۔۔" رات کا یاد آتے پھر سے تکلیف دہ سوچوں کا تانتا ذہن میں آنے لگا تھا۔ جس پر حیات کا چہرہ ایک دم سپاٹ ہوا تھا اور تیزی سے وہ بولتی وہاں سے جانے لگی تھی۔

"مس حیات میری لیٹل ڈول بہت معصوم ہے جس کی آنکھیں ابراہیم کے لیے

صاف شیشے کی مانند شفاف ہیں۔ بلکہ اس کے من کی طرح ہر گرد سے پاک، لیکن آپ کی آنکھیں اپنے اندر بہت کچھ دفن کیے ہوئے ہیں۔ آپ بہت پر اثرار ہیں۔ ہو سکے تو میری لیٹل ڈول کو جلد میرے پاس لے آیا گا۔ کیونکہ اس کا دوست بہت شدت سے پیچھلے دو دنوں سے اس کا منتظر ہے۔

اور ہاں اپنی صحت کا دھیان رکھا کریں۔ آپ کی وجہ سے میری دوست کو کچھ نہیں ہونا چاہیے۔" حیات کی ذات کو ساکن کرتے ابراہیم جاسم آفندی نم آنکھیں لیے واپس مڑ گیا تھا۔ کیونکہ حیات کے برتاؤ نے اسے تکلیف پہنچائی تھی۔

لیکن اگر حیات کی آنکھوں میں اترتی جذبات کی عجیب سی لہر کو ابراہیم کی کالی ساحرہ آنکھیں پا چکی لیتی تو وہاں سے ہلنے کے قابل نا رہتا۔ دوسری طرف اس ملاقات نے حیات کو اپنے فیصلہ پر مضبوط کیا تھا۔ جس کی تکمیل شاید اب بہت ضروری ہو گئی تھی۔

****

شام کے چھ بجتے ہی منہاڈھولکی لے کر بیٹھ گئی تھی۔ ساتھ ہی اس نے ایراج کو بھی اپنے ساتھ راگ آلاپنے کے لیے گھسیٹ لیا تھا اور اب وہ دونوں اپنی خوبصورت آوازوں کا سحر جگاتے سب کو کمروں سے باہر نکالنے پر مجبور کر رہی تھی۔ ڈھولکی پر

خاص طور پر کسی کو مدعو نہیں کیا گیا تھا۔اسی لیے منہا اور ایراج نے گھر کی ساری ملازمہ کو بھی اپنے ساتھ بیٹھا لیا تھا۔حیات جو صبح سے اپنے کمرے میں گھسی مراد صاحب اور حمیرہ بیگم کی سوالیہ نظروں سے بچنے کی کوشش کر رہی تھی۔وہ بھی چہرے پر زبردستی مسکراہٹ سجائے یہاں آگئی تھی۔

"منہا اب ہمیں بلا ہی لیا ہے تو کوئی اچھے سے ٹپے گانے ہے بچے! تاکہ یہ شادی یادگار بن سکے۔"حمیرہ بیگم نے منہا لوگوں کے پاس آتے ہوئے کہا تھا۔

"جی جی پھوپھو میں شروع کرنے لگی۔چلیں جی تو پہلی میری بار 'یہ کہتے ہی منہا نے تالی بجاتے شروع کیا تھا۔

"ٹپے شپیاں دی دے واری۔۔۔۔۔

ٹپے شپیاں دی دے واری

میں کڑی لور شیر دی

ایتھاٹیاں تو دل ہاری۔۔۔۔"منہا نے اپنی سریلی آواز میں لہک لہک کر پنجابی روایتی گیت گاتے ڈھولکی کا آغاز کیا تھا۔جس پر سب نے ہوٹنگ کرتے محفل کی رونق کو

بڑھایا تھا۔

'چٹا ککڑ بنیرے تے، چٹا ککڑ بنیرے تے

کاسنی ڈوپٹہ والیے

میرا ویرا دانش صدقے تیرے تے ے ے،

کاسنی ڈوپٹہ والیے منڈا صدقے تیرے تے" اب کے ایراج نے بھی محفل کو چار چاند لگاتے دامنِ کے ڈوپٹے کی طرف دیکھتے اشارہ کیا تھا۔ جس پر محفل زعفران ہوئی تھی۔

"میں بھی میں بھی گاؤ گا، پیچھے پیچھے ہو جاو سارے لڑکیو " ! ان سب کو دیکھتے جوش میں آتے منیب بھی ڈھولک اٹھا کر بھاگا چلا آیا تھا اور منہا کو کندھا مارتے پیچھے کرتے اس کے ساتھ بیٹھ کر بولا تھا۔

"اے بندر یہ لڑکیوں کی محفل ہے نکلو یہاں سے !" اس کو دیکھتے چڑ کر منہا نے کہا تھا۔

"کیوں بھئ میرے بھائی کی شادی ہے۔اب میں ٹپے نہیں گنگناؤں گا تو پھر کون

گنگنائے گا۔ داداآپ اس چھپکلی کو کہیں کہ اپنے ساتھ پلیززز مجھے بھی گانے دیں" فوراً سے بڑے ابا کی حمایت لینے کے لیے منیب نے معصوم منہ بنایا تھا۔

"ہاں ہاں میرے بچے گاو جتنے گانے ہیں۔ تمہیں کوئی نہیں روکے گا۔ چلو شروع ہو جاؤں!" بڑے ابانے بھی منیب کی فوراحمایت کی تھی۔ جس پر منیب نے شوخی سے گردن گھمائی تھی۔ان کی نوک جھوک پر سب ہنس رہے تھے۔

"منڈیاااامنڈیاااامنڈیادوپٹہ چھڈمیرا

نی شرماں داکنڈلائی دا

وے اینج نہیں ستاناچائیدا" منیب کو ناراض نظروں سے دیکھتے منہانے اپنے ڈوپٹہ کھینچا تھا۔ جس پر منیب بیٹھا تھا۔

"کڑیےےے کڑےےے بادامی رنگ تیرا

نی شرماں داکنڈالائی دا

نی ایوے نہیں وکھوناچائیدا" منیب کونساکم تھا۔ڈوپٹہ اس پر پھینکتے سر گاتے گنگنایا تھا۔ جس پر مہنانے منہ بسورہ تھا۔

"وٹ پے گیا جالر نوں

وٹ پے گیا جالر نوں

کڑیاں نوں روپ نا چڑے

خالی کر کے وی پالر نوں" منیب نے زبان نکالتے پھر سے بمب گرایا تھا۔یوں لگتا تھا کہ وہ فنکشن کم اور مقابلہ زیادہ کر رہے ہیں۔

"کوئی ٹریفک جام کیتا

کوئی ٹریفک جام کیتا،

پیڈی کیور منڈے کراندے

کڑیوں نا بدنام کیتا" منیب کا بمب لڑکیوں کے سروں پر پھٹا اور پیروں پر بجھا تھا۔اس لیے ایراج بھی میدان میں اتری تھی۔جس پر منیب لاجواب ہوا تھا۔

"باغیچے چ آیا کرووو

اسی جے نا آئے تے تسی مکھیاں اڑایا کرو۔"اب کی بار پہل ایراج کی طرف سے کی گئی تھی۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"توسی روز نا ایا کرووو

مکھیاں توڑ ردے او

تے گرڑ

تھوڑا کھایا کرو۔" منیب کو کمزور پڑتے دیکھ محراب بھی اس کے ساتھ آ گیا تھا اور یوٹیوب بابا جی کو کھولتے ایراج کو اپنی نظروں میں لیتے اپنی انگلش ایکسنٹ میں گانے لگا تھا۔ جو کے بہت ہی خوبصورت لگ رہا تھا۔

"اتھے پیار دی پوچھ کوئی نا

تیرے نال نی یوں ویا نا تیرے منہ تے مچھ کوئی نا" محراب کی نظروں کی پیغامات سے تنگ ہوتے ایراج نے اس کے کلین شیو چہرے پر نشان داغا تھا۔

"اساں پیار وی کرلاں گے

جے تیرا حکم ہوئے اساں مچھ وی رکھلاں گے" کیا کمال کا جواب دیا تھا محراب نے کہ ایراج کا چہرہ سرخ پڑ گیا تھا۔ اب یہ نہیں پتہ تھا کہ یہ غصہ سے سرخ پڑا ہے یا پھر شرم سے؟

"پاواں طوطے نے چوریاں وے، پاواں طوطے نوں چوریاں وے

تک مینوں ناہس کے پھوپھی پاندی اے کوریاں وے" حمیرہ بیگم کی مسکراتی نظروں کو گھوریاں قرار دیتے ایراج نے محراب کے ٹھرک پن پر نشانہ باندھا تھا۔جس پر حمیرہ بیگم اور حیات کے علاوہ باقی سب مزاق سمجھتے کھلکھلائے تھے۔ایک بھٹکی سی مسکراہٹ تو حیات کے چہرے پر بھی آئی تھی۔

"سوٹ سیتادرزیاں اے

پھوپھی دابہانا چھڈدے

دس تیری کی مرضی اے" ایراج کو آنکھ مارتے محراب نے موقع پر چوکا مارا تھا۔جس پر ایراج نے منہ بسورہ کر نولفٹ کا سائن دیا تھا۔پھر منہا اور منیب کے ساتھ مل کر دوبارہ سے گانا شروع کیا تھا۔پر یہ سب دیکھتی حمیرہ بیگم نے محراب کے کان کو پکڑتے چپکے سے سرگوشی ضرور کی تھی۔

"رکو لڑکے میں بتاتی ہوں میری کیا مرضی ہے۔شرم نہیں آتی میرے سامنے میری بیٹی پر لائن مار رہے ہو۔" حمیرہ بیگم کی سرگوشی پر محراب کا سانس سوکھا تھا۔

"میری پیاری ماما میں تو مذاق کر رہا تھا۔" جلدی سے حمیرہ بیگم کو مکھن لگاتے محراب نے اپنی جان کا خلاصہ کرنا چاہا تھا۔

"شکر ہے تم نے پہلے ہی بتا دیا کہ یہ مزاق تھا۔ ورنہ سوچو اگر میں اسے سچ سمجھتے میں فوزیہ بھابھی سے اس بارے میں بات کر لیتی تو بعد میں مجھے کتنی ایمبر سمنٹ ہوتی۔" حمیرہ بیگم نے بھی جان بوجھ کر محراب کے منہ سے سچ سننے کی خاطر کہا تھا۔

"کیا بات کرنی تھی آپ نے ماما؟" یک دم بے چین ہوتے محراب نے پوچھا تھا۔

"تم تو اس معاملے میں سیریس نہیں تھے نا تو میرے خیال سے یہ بات تمہارے مطلب کی بھی نہیں ہو گی۔ اس لیے تم رہنے دو یہ بات" محراب کو زرا سہ تنگ کرنے کے لیے، چہرے پر نو بورڈ کا سائین لگاتے حمیرہ بیگم اب خود محفل انجوائے کرنے لگی تھی۔ اس کے بعد وقفے وقفے سے محراب کے مسکین چہرے کو دیکھ کر حمیرہ بیگم کافی لطف اندوز ہوئی تھی۔ قہقہوں اور شگوفوں میں لپٹی یہ حسین شام آفندی ویلا کے لوگوں کے لیے بہت ہی شاندار اور یادگار گزری تھی۔ لیکن شاید ان لوگوں کی ہنسی کو نظر لگنے والی تھی۔

****

ڈھولکی کے ختم ہوتے ہی سب لوگ سونے کے لیے اپنے اپنے کمروں میں جا چکے تھے۔ لیکن نجانے کیا بات تھی جو کیف کے دل کو آگ میں جھلسا رہی تھی۔ اسی اگ کو ٹھنڈا کرنے کی خاطر وہ لان میں چکر لگا رہا تھا۔ محبت جس شخص کی ذات کو ڈس لے اسے سکون کہاں سے نصیب ہو سکتا ہے۔ یہی کچھ حال کیف آفندی کا بھی تھا۔ کیونکہ محبت کے ڈسوں میں تو وہ بھی شمار تھا۔ اپنے گھر کا سب سے کھڑوس اور اکڑو شخص جو کسی کو جلدی خاطر میں نہیں لایا تھا۔ محبت نے اس کی ساری اکڑ نکال دی تھی۔

'اوہ یہ جس تن نوں لگدی اے او تن جانے' گھر میں موجود اندھیرے کو دیکھتے کیف بڑبڑایا تھا۔ شاید وہ خود کو اس وقت اکیلا محسوس کر رہا تھا۔

"کیف کیا بات ہے بیٹا؟ اتنی رات کو یہاں کیا کر رہے ہو سونے کیوں نہیں جاتے؟" کیف کو لان میں ٹہلتے دیکھ افشان بیگم اس کے پاس آتے بولی تھیں۔

"ماما نیند نہیں آ رہی تھی۔ بہت بے چینی سی ہو رہی تھی۔ اسی لیے یہاں چلا آیا۔ ویسے آپ یہاں کیا کر رہی تھی۔؟" افشاں بیگم کو رات گئے یہاں دیکھ وہ آخر میں پوچھ بیٹھا تھا۔

"جب بیٹا پریشان ہو تو کس ماں کو نیند ائے گئی۔ مجھے بھی نیند نہیں آ رہی تھی۔ اسی لیے

کیچن میں چائے بنانے آئی تھی۔ لیکن جب تمہیں یہاں دیکھا تو یہی چلی آئی" کیف کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرتے محبت سے بولی۔

"میں نے آپ کو پریشان کر دیا ناماما" افسوس سے کہتے کیف نے افشاں بیگم کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھامے تھے۔

"نہیں میرے بچے آپ نے نہیں بلکہ آپ کی پریشانی نے مجھے بے سکون کیا ہے۔ چلو بتاو کیا مسئلہ ہے" ماں کی ممتا ایسے ہی ہر غرض سے پاک ہوتی ہے۔

"ماما مجھے نجانے کیوں لگتا ہے کہ شاید حیات اس رشتے پر راضی نہیں ہے۔ اور وہ ضرور انکار کرے گی۔" کیف نے مایوسی سے حیات کا صبح والا رویہ سوچتے کہا تھا۔

"کیا حیات نے تم سے کچھ کہا ہے بیٹا؟" افشاں بیگم نے پر سوچ انداز سے کچھ جانچنا چاہا تھا۔

"نہیں ماما بس وہ مجھے بھائی کہہ کر مخاطب کرتی ہے تو بس اسی بات سے اندازہ لگا ہے۔" کیف نے افسردگی سے جواب دیا۔

"ہاہاہا میرا پاگل بچہ شادی سے پہلے تو وہ تمہاری کزن ہی ہے۔ تو بھائی کہہ یا جو بھی کہے

اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔اصل بات تو شادی کی ہے۔ایک بار وہ ہو جائے گی تو تمہیں تمہارے نام سے بھی بلانے لگ جائے گی۔

اور دوسری بات مجھے پورا یقین ہے کہ حمیرہ آپا چاہے ساری عمر باہر ہی کیوں نا گزار کر آئی ہیں۔ لیکن وہ اپنے بچوں کی شادی یہی کریں گی اور خاندان میں تمہارا مقابل نا کوئی ہے اور نا میں کبھی آنے دوں گی۔اس لیے تم پریشان ہونا چھوڑو اور جاو جا کر سو جاو" کیف کے رخسار کو تھپتھپاتے افشاں بیگم نے آخری بات کچھ پر اثرار لہجے میں کی تھی۔ جس کی کیف کو بالکل نہیں سمجھ پایا تھا۔

لیکن اتنا ضرور ہوا تھا کہ افشاں بیگم کے کہنے پر وہ سونے کے لیے چل دیا تھا اور وہ خود بھی کیچن کی بجائے اپنے کمرے کی جانب چلی آئیں تھیں۔

****

چڑیوں کی چہچہاہٹ نے آسمان پر شور کرتے ایک نئی صبح کی آمد کا اعلان کیا تھا۔آفتاب کی کرنوں کو دیکھ کر آسمان نے رب کا شکر ادا کیا تھا کہ ایک خوفناک اندھیرے کے بعد اسے ایک چمک دار روشنی سے منور کیا جا رہا ہے۔آفتابِ نے بے تابی سے اپنی کرنیں لوگوں تک پہنچائی تھی تاکہ آسمانوں کے ساتھ وہ بھی اس مستفید ہو سکے۔مظاہر

قدرت کی یہی نہیں ہر چیز اس نئی صبح میں بہت پرامید اور خوشگوار تھی۔

ایسے میں صبح کے دس بجے جب ہر شخص اپنے اپنے روزمرہ کے کاموں میں مصروف ہو چکا تھا۔ تب سکن کلر کے سوٹ میں بالوں کو پشت پر بکھیرے، سرخ ہزل براون آنکھوں کے ساتھ وہ پرمژدہ سی شہزادی سٹڈی روم میں داخل ہوئی تھی۔ یہ بڑی بڑی دیوار گیر بک ریکس اور ایرانی قالینوں سے سجا اعلی ذوق کا کمرہ تھا۔ جسکی تمام دیواریں ساونڈپروف بنائی گئی تھی۔ بک ریکس میں اعلیٰ ذوق کی بہت سی کتابیں سجائی گئی تھی۔ اس شاندار سٹڈی روم میں اس وقت بڑے ابا کے ساتھ مراد صاحب چیس کھیل رہے تھے۔

"السلام علیکم بڑے ابا اور باباجانی! اگر آپ فارغ ہیں تو مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔" دروازہ سے اندر داخل ہوتے حیات نے بلند آواز پوچھا تھا۔

"آجاؤ میرے بچے اس میں پوچھنے والی کونسی بات ہے۔" حیات کو دیکھ کر مراد صاحب اور فیض صاحب دونوں کے چہرے پر مسکراہٹ بکھیر تھی

"میں نے آپ لوگوں کی گیم تو خراب نہیں کی؟" ان دونوں کے پاس بیٹھتے حیات نے معصومیت سے پوچھا۔

"نہیں بالکل نہیں بلکہ اچھا ہوا تم آگئی کیونکہ بس ابھی بڑے ابا ہارنے والے ہیں اور وہ بھی بہت برے طریقے سے، دیکھنا تم کتنا مزہ آتا ہے۔" شرارت سے حیات کی بات کا جواب دیتے مراد صاحب بولے۔

"ہاہاہا اچھا ایسا ہے تو میں ضرور دیکھوں گی۔" حیات نے مراد صاحب کی بات سے لطف اندوز ہوتے کہا تھا۔

"بس بس مجھے اکیلا دیکھ کر کمزور سمجھنے کی کوشش مت کرو۔ یہ کھیل تو چلتا رہے گا۔ حیات بیٹا آپ وہ بتاؤ جو آپ کہنا چاہتی ہیں۔" بڑے ابا اپنے جمائی راجہ اور نواسی کی شرارت پر ہنستے خود بھی مسکرا کر بولے۔

"بابا آپ لوگوں نے مجھے جو وقت دیا تھا۔ وہ آج پورا ہو چکا ہے۔ میں نے ان دونوں بہت سوچا پھر میں ایک فیصلہ کیا ہے۔۔۔۔۔" حیات نے ٹھہر ٹھہر کر بات کا اغاز کیا تھا۔

"بالکل بچے آپ کا جو فیصلہ ہے وہ ہمیں دل و جان سے قبول ہے۔ لیکن دھیان رہے کہ اس پر تمہیں بعد پچھتانا نا پڑے" مراد صاحب نے بھی اس کی طرف متوجہ ہوتے کہا۔ بڑے ابا بس خاموشی سے اس کے بولنے کے انتظار میں تھے۔

"بابا میں نے بہت سوچ سمجھ کر فیصلہ لیا ہے کہ میں۔۔۔۔۔"

****

شادی کی وجہ سے نعمان صاحب کے پورشن میں اس وقت ہلچل مچی ہوئی تھی۔ایک طرف لڑکوں کی موجودگی میں سجاوٹ چل رہی تھی۔تو دوسری طرف حمیرہ بیگم، افشاں بیگم اور فوزیہ بیگم دانش کے کمرے میں موجود، دامن کی بری کا سامن طریقے سے لٹکا رہی تھی۔کل مہندی کا فنکشن تھا۔اسی لیے انہیں آج ہی یہ سارا کام مکمل کرنا تھا۔تاکہ بعد میں کسی قسم کی پریشانی نا ہو۔ایراج اور منہا اس وقت ایراج کے کمرے میں بیٹھی دودھ پلائے کے لیے گلاس کو سجا رہی تھی۔جس میں ایک گلاس کو بلیک پینٹ کوٹ پہنا کر اسے گروم (دولہا) کی شکل دی گئی تھی۔تو دوسرے گلاس کو سرخ رنگ کی فراق نما چیز سے ڈھانپ کر دولہن کی طرح سجایا تھا۔خلاف توقع آج نعمان صاحب اور مصطفیٰ صاحب بھی سٹڈی روم میں بیٹھے یہی سے آفس کا کام کر رہے تھے۔

گہما گہمی کے اس ماحول میں سب لوگ آنے والے طوفان سے بے نیاز اپنے اپنے کاموں میں لگے تھے۔اچانک باہر بادلوں نے انگڑائی لی تھی۔اور کالی گھٹائیں آفندی

ویلا کے اوپر امڈ آئیں تھی۔ تیز آندھی چلنے لگی تھی۔ایسے میں نعمان صاحب کے پورشن کا دروازہ ایک جھٹکے سے کھلا تھا اور بڑے ابا نے دروازہ میں قدم رکھا تھا۔

"کیا ہوا بڑے ابا آپ ایسے کیوں کھڑے ہیں؟" بڑے ابا کے چہرے پر سجی سنجیدگی کو دیکھتے کیف نے پاس آتے تشویش سے پوچھا تھا۔

"سب لوگوں کو لاونج میں اکٹھا کرو کیف!" بڑے ابا نے حکم جاری کیا تھا۔ جس پر سر ہلاتے منیب تیزی سے سب کو پیغام دینے کے لیے بڑھا تھا۔

بڑے ابا خود حکم جاری کرتے لاونج میں بیٹھ گئے تھے۔ کیف اور محراب بھی پریشان سہ چہرہ لیے ان کے پاس آکر ان کے بولنے کا انتظار کرنے لگے تھے۔

"کیا بات ہے بڑے ابا؟ سب خیریت تو ہے نا آپ نے ہمیں یوں کیوں بلایا ہے۔؟" نیچے آتے ہی افشاں بیگم نے سب سے پہلے لب کشائی کی تھی۔

"پریشان مت ہو بہو رانی سب ٹھیک ہے۔ گھبرانے والی کوئی بات نہیں ہے بلکہ ایک خوشی کی خبر ہے جو میں تم سب کے ساتھ بانٹنا چاہتا ہوں۔ پہلے تم سب آرام سے یہاں بیٹھ جاؤ۔" بڑے ابا کے سنجیدہ چہرہ پر بہت سکون تھا۔ جیسے سچ میں کوئی بہت ہی خوشی

کی خبر وہ سنانے والے تھے۔ لیکن اب یہ پتہ نہیں تھا کہ ان کی خبر کن کے لیے خوش کن ثابت ہونے والی تھی اور کن کے بری ثابت ہونے والی تھی۔

"مراد بیٹا انہیں اندر لے آؤ!" ان سب کے بیٹھنے کے بعد بڑے ابا نے صدا لگائی تھی۔ جس پر مراد صاحب اپنے ساتھ دو لوگوں کو لیے اندر داخل ہوئے تھے۔ جن کے حلیے کو دیکھ کر یوں لگ رہا تھا کہ شاید وہ ابھی ابھی نکاح کر کے سیدھا یہاں آئے ہیں۔

"بابا جان! یہ کیا ہو رہا ہے۔ میری ہونے والی بہو اس منحوس اور ناکارہ شخص کے ساتھ ان شادی کے کپڑوں میں کیا کر رہی ہے۔؟" افشاں بیگم سب سے پہلے اس جھٹکے سے ہوش میں آتے چیخی تھی۔ ان کے لہجے میں اژدھوں جیسی پھنکار تھی۔ یوں لگ رہا تھا کہ وہ بول کم اور زہر زیادہ اگل رہی ہیں۔ ان کی بات پر ابراہیم نے بہت مشکل سے اپنی مٹھیوں کو بھینچ کر اپنا غصہ کنٹرول کیا تھا۔ آخر وہ ابراہیم کو کس حق سے باتیں سن رہی تھی۔؟؟

"اپنی زبان کو لگام دو بہو رانی! دوسروں پر انگلی اُٹھانے سے پہلے اس بات کا دھیان ضرور رکھنا کہ تمہاری اپنی اولاد بھی ہے۔" بڑے ابا نے پر سکون مگر سخت لہجے میں افشاں بیگم کو خاموش کروانے کی کوشش کی تھی۔

"کیوں باباجان ہر بار میں ہی کیوں چپ کرو؟پہلے بات میری ذات پر آتی تھی۔اسی لیے خاموش رہی تھی لیکن اس بار میں چپ نہیں کروں گی کیونکہ اب بات میرے بچوں کی خوشیوں کی ہے باباجان آپ کو میرے سوالوں کا جواب دینا ہوگا۔میری بہو اس غاصب نامرد شخص کے ساتھ کیوں کھڑی رہی ہے۔ " کیف کے لٹھے کی مانند سفید پڑتے چہرے کو دیکھ کر افشاں بیگم کے سینے پر سانپ لوٹ رہے تھے۔تو ایسے میں وہ چپ کیسے رہ سکتی تھیں۔ان کی بات سوائے بڑوں کے کسی کو سمجھ نہیں آئی تھی۔ نامرد جیسے سخت الفاظ ابراہیم کے منہ پر تماچہ کی طرح پڑے تھے۔اس کا چہرہ اہانت سے سرخ ہوا تھا۔اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ یہ جگہ چھوڑ کر اڑ کر کہی اور جگہ پہنچ جائے جہاں کوئی اس کی ذات پر بات نا کر سکے۔ لیکن شاید ضبط اس پر لازم کر دیا گیا تھا۔

"بس بہت ہو گیا بہو رانی! حیات نے ابھی کیف کے رشتے پر ہاں نہیں کہا تھا۔جو آپ اسے اپنی ہونے والی بہو کہہ رہی ہیں اور دوسرا انہوں نے کوئی بھاگ کر شادی نہیں کی کہ آپ میرے پوتے کو غاصب کہیں بلکہ ان دونوں بچوں نے میری اور مراد کی مرضی سے یہ شادی کی ہیں۔اس لیے اب منہ بند کر کے بیٹھو اور حیات کو اچھے سے پیار دے کر ابراہیم کے سنگ رخصت کرو۔"بڑے ابا کے چہرہ غصے سے سرخ پڑ رہا تھا۔اپنے

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

لاڈلے پوتے کے لیے غاضب جیسے الفاظ انہے رنج پہنچا چکے تھے۔

بڑے ابا کی بات پر صرف منہا، منیب، ایراج اور محراب کے چہروں پر خوشی کی رمک چھائی تھی۔ لیکن تھوڑی الجھن ابھی بھی ان کے ذہنوں میں تھی کہ یہ شادی ایسے چھپ چھپا کر کیوں کی گئی ہے؟؟

"یہ سب کیا بیہودہ مزاق ہے مراد صاحب؟ اپنی بیٹی کی زندگی کو اپنے ہاتھوں سے برباد کر کے آپ چپ کیسے ہو سکتے ہیں۔ کہہ دیں نا کہ ابھی جو بڑے ابا نے کہا وہ سب جھوٹ ہے۔" حمیرہ بیگم بڑے ابا کی بات پر ایک دم صدمہ اور تکلیف کے ملے جلے احساس سے مراد صاحب کا گریباں پکڑتے ہوئے استفسار کرنے لگی تھی۔

"ماما کیا ہو گیا ہے آپ کو؟ ایسے کیوں کہہ رہی ہیں آپ؟ اتنا اچھے تو ہیں ابراہیم بھائی، حیات یقیناً ان کے ساتھ خوش رہے گی۔ پلیز آپ خود کو سنبھالیے" محراب نے حمیرہ بیگم کو پکڑتے پریشانی سے کہا تھا۔

"تمہیں کچھ نہیں پتہ محراب تمہاری بہن بسی نہیں ہے بلکہ ایک ایسے شخص کے ساتھ بیاہ کر اجڑ چکی ہے۔ جو خود ادھورا ہے۔ تو وہ تمہاری بہن کو کیا خوشی دے گا۔ سہی کہتی تھی بھابھی کہ تم منحوس ہو منحوس جو دوسروں کی خوشیوں کو نگل جاتے ہیں۔" اس

وقت حمیرہ بیگم کو اپنے غم میں یہ بھی معلوم نہیں ہو تہا تھا کہ وہ اپنے بھتیجے کو کن الفاظ سے مخاطب کر رہی ہیں اور ان کے الفاظوں نے ابراہیم کو کتنی تکلیف سے دو چار کیا ہے۔

کیا ہی اچھا ہوتا اگر وہ ابراہیم کو افشاں بیگم کی نظروں کے ترازو میں تولنے کی بجائے اپنے بڑے بھائی کی اکلوتی نشانی کے طور پر دیکھتی تو شاید ابراہیم یوں تڑپ نا اٹھتا۔

"حمیرہ بیگم بس اب اگر آپ نے میری بیٹی اور داماد کے متعلق ایک اور لفظ بھی برا کہا تو میں بھول جاوں گا کہ ہمارا کوئی رشتہ ہے۔میں تو بڑے ابا سے زبردستی کر کے ان دونوں کو ادھر لے کر آیا تھا کہ میری بیٹی آپ سب کے سائے میں رخصت ہو لیکن آپ کی باتوں نے مجھے بہت ایذا پہنچائی ہے بیگم!" مراد صاحب نے ایک دم گرج کر کہا تھا۔ان کی آواز نے حال کی فضاء میں سناٹا پھیلا دیا تھا۔

"ابراہیم بیٹا! اپنی بیٹی میں نے اج سے اللہ کے بعد تمہارے سپرد کی۔جاو اور اپنی خوشیوں سے بھری زندگی کی شروعات کرو۔ایک بات ہمیشہ یاد رکھنا میرے بیٹے اولاد ،مال ودولت یہ سب دینا اللہ کی اختیار میں ہے۔وہ بے نیاز ہے وہ کبھی بھی کچھ بھی کر سکتا ہے۔اس لیے اللہ سے کبھی مایوس مت ہونا اور ہر تنگ دستی اور خوش حالی میں

میری بیٹی کے ساتھ رہنا۔اللہ تم دونوں کو آباد رکھے آمین" مراد صاحب نے حیات کے ماتھے پر بوسہ دیتے،اس کے ہاتھ کو ابراہیم کے ہاتھ پر رکھتے ڈھکے چھپے الفاظ میں حوصلہ دیتے بولے تھے۔

ان کی بات پر سپاٹ چہرے کے ساتھ ابراہیم نے سر ہلایا تھااور بڑے ابا سے ملنے کے بعد حیات کو لیتے وہاں سے چل دیا تھا۔ محراب اور ایراج کا بہت من تھا کہ یہاں سے جاتے ہوئے ان سے ملے لیکن پھر خود پر ضبط کے پہرے بٹھائے چپ چاپ وہ سب دیکھ رہے تھے۔کیونکہ ابھی حقیقت جاننا ان کے لیے بہت زیادہ ضروری تھا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

****

اپنا فیصلہ بتاتے حیات کی زبان لڑکھڑا رہی تھی۔اس نے کبھی سوچا نہیں تھا کہ زندگی اسے اس نہج پر لے آئے گی۔

"بابا میں آپ سے بہت محبت کرتی ہوں اور آپ کا ہر فیصلہ میرے لیے بہت اہمیت کا حامل ہے۔لیکن آج اگر میں نے خود غرض ہو کر،ابراہیم کو برا جانتے کیف کا ہاتھ تھام لیا تو پھر ساری زندگی سر اٹھا کر جی نہیں پاوں گی۔میرا ضمیر مجھے کچوکے لگاتا رہے گا کہ محبت کی مالا جپنے والی کے سامنے جب محبت کے سفر کی پہلی آزمائش آئی تو وہ ڈر کر بھاگ

آئی۔میں ڈرپوک کہلائی جاوں گی کہ جس نے وقت آنے پر پہلے سے خوشیوں کو ترسے ہوئے شخص کا ہاتھ تھامنے کی بجائے، مشکل حالات کے ڈر سے کسی اور کا ہاتھ تھام لیا۔ بابامیں ڈرپوک نہیں ہو بابا! بابامیں اس آزمائش میں اترناچاہتی ہوں۔" مراد صاحب کے گھٹنے پر سر رکھے حیات روتے ہوئے بول رہی تھی۔اس کی بات پر بڑے ابا اور مراد صاحب کی آنکھوں میں بھی آنسوں آ گئے تھے۔

"بابا، ناناآپ میری فیصلہ سے ناراض تو نہیں ہے۔؟" کمرے میں موجود گہری خاموشی کو محسوس کرتے، حیات نے سر اٹھاتے کسی خدشے کے تحت پوچھا تھا۔

"حیات میری بچی میں بتا نہیں سکتا کہ تم نے میرے جاسم میرے بچے کی نشانی کے حق میں فیصلہ دیتے، میری روح کو پر سکون کر دیا ہے۔" حیات کو گلے سے لگاتے بڑے ابا ہوش میں آتے فرحت جذبات سے بولے۔

"کیا مطلب بڑے ابا؟ جاسم انکل آپ کے بیٹے تھے؟" بڑے ابا کے لہجے میں جاسم کے نام پر موجود تڑپ پر حیات چونکی تھی۔

"ہاں میری جان ابھی بہت کچھ ہے۔ جس سے تم لا علم ہو۔ وقت کے ساتھ تمہیں سب پتا چل جائے گا۔ کیونکہ فلحال اس بات کو بیان کرنا ناممکن ہے۔ ابھی صرف اتنا

جان لو کہ ابراہیم میرے سب سے بڑے بیٹے جاسم آفندی کا بیٹا ہے۔ابراہیم کے والدین یعنی میرا بڑا بیٹا اور بہو ابراہیم کے بچپن میں ہی حادثے کا شکار ہو گئے تھے۔ میری جان ابراہیم بچپن سے ہر پیار کے لیے ترستا آیا ہے۔لیکن اس نے کبھی کسی سے شکایت نہیں کی۔

اب اگر تم نے اس راستے کو چن لیا ہے۔تو ایک بار پھر غور کر لو۔کیونکہ آگے کا راستہ بہت خاردار ہے۔جس پر چلنے کے لیے ہمت اور حوصلہ چاہیے ہوتا ہے۔یہ نا ہو کہ تم راستہ میں ساتھ چھوڑ جاؤ۔اگر ایسا ہوا تو میرا ابراہیم مزید بگڑ جائے گا۔" بڑے بابا نے اپنی آنکھوں سے آنسوں صاف کرتے حیات سے ایک بار پھر دریافت کیا تھا۔

"بڑے ابا آپ کی حیات بہت مضبوط ہے۔ان شاءاللہ اسے کچھ نہیں ہو گا۔بس اپ لوگ میرے ساتھ رہیے گا۔" حیات نے بڑے ابا کے ہاتھوں پر بوسہ دیتے مضبوط لہجے میں کہا تھا۔جس پر بڑے ابا مطمئین ہو گئے تھے۔

"بابا آپ میرے فیصلہ سے خوش تو ہیں نا" اب کے حیات اپنے باپ کی طرف ہوئی تھی۔اسے ڈر تھا کہ کہی مراد صاحب اس سے ناراض نہ ہو جائیں۔

"حیات میری بچی مجھے احساس ہی نہیں ہو سکا کہ کب میری بیٹی اتنی بڑی ہو گئی کہ وہ

غلط سہی کی میں فرق پہنچانے لگی۔اب جب پتہ چلا ہے تو اس کے رخصت ہونے کا وقت آ گیا ہے۔اہ کاش کے میں تم لوگوں کے بچپن میں اپنے بزنیس کو چمکانے کی بجائے تم لوگوں کے ساتھ مل کر کچھ حسین پل گزارتا تو آج حالات مختلف ہوتے۔" حیات کو سینے سے لگاتے مراد صاحب نے گلوگیر لہجے میں کہا تھا۔جس پر حیات کے آنسوں بھی نکل آئے تھے۔

"بس بھئی بہت ہوا رونا دھونا میرے خیال سے ہمیں اب آگے کے بارے میں سوچنا چاہیے کیونکہ مجھے پتہ ہے حمیرہ چاہے لاکھ ابراہیم سے محبت کر لے لیکن وہ کبھی اسے حیات کا شوہر بنانے پر راضی نہیں ہوگی اور پھر گھر میں کچھ اور لوگ بھی تو موجود ہیں جن کے لیے یہ سب ناقابل قبول ہوگا۔اسی لیے ہمیں اگلا قدم بہت سوچ سمجھ کر اٹھانا ہوگا۔" بڑے ابا نے حالات کا باریک بینی سے جائزہ لیا تھا۔

"بڑے ابا صرف حیات کی مرضی سے کیا ہوتا ہے۔جب تک ابراہیم نہیں مانے گا۔ تب تک یہ رشتے کیسے ہوگا؟" مراد صاحب نے بھی ایک اہم پہلو اجاگر کیا تھا۔

"وہ سب تم مجھ پر چھوڑ دو بس تم اپنی بیٹی کو رخصت کرنے کی تیاری کرو۔آج ہی ابراہیم اور حیات کا نکاح اور رخصتی ایک ساتھ ہوگی۔" بڑے ابا نے پر سوچ انداز میں

فیصلہ کیا تھا۔

"لیکن اتنی جلدی کیوں بڑے ابا؟ میرا مطلب ہے کہ میری اکلوتی بیٹی ہے۔ اس کی شادی کا ہر ارمان پورا کرنا میری خواہش ہے۔ اب ایسے افراتفری میں یہ سب کیسے ہو گا۔؟" مراد صاحب بے چین ہوئے تھے۔ پریشانی تو حیات کے چہرے پر بھی جھلکی تھی۔ جو بھی ہو رہا تھا وہ بہت غیر متوقع تھا۔ پہلے رشتے کی بات ہونا اور اب شادی ۔۔۔۔۔ حیات تو چکرا کر ہی رہ گئی تھی۔

"مراد بچے دیکھو اس وقت جو صورتحال ہے۔ اس میں ان دونوں کا نکاح ہی بہتر طریقہ ہے باہر نکلنے کا، ورنہ تم جانتے ہو معاملے بگڑتے دیر نہیں لگے گی اور دوسرا ایک بار یہ دونوں اپنی زندگی میں سیٹل ہو جائیں پھر تم جیسے چاہیے دوبارہ سے ان کی شادی کر کے اپنی خواہش پوری کر لینا" بڑے ابا کی بات کچھ کچھ مراد صاحب کے پلے پڑ گئی تھی۔

اسی وجہ سے پھر سب کچھ بہت تیزی سے تہہ پایا تھا۔ حیات نہیں جانتی تھی کہ اس کے بعد بڑے ابا نے ابراہیم کو کیسے منایا، وہ تو بڑے ابا کے کہنے پر مراد صاحب کے ساتھ قریبی مسجد میں اگئی تھی۔ جہاں سکن رنگ کے سوٹ میں سر پر سرخ چنری اوڑھے، جو بڑے ابا نے ہی منگوائی تھی، حیات نے تین بار 'قبول ہے' کہہ کر ابراہیم جاسم آفندی

کی ہمسفری قبول کی تھی۔

دوسری طرف آفس کے فارمل بلیک پینٹ کوٹ میں موجود ابراہیم جاسم آفندی نے بھی قبول ہے کہہ کر اپنی ڈول کو اپنی زندگی میں خوش آمدید کہا تھا۔

****

تم کیا جانو محبت کے 'م' کا مطلب

مل جائے تو 'معجزہ' نا ملے تو 'موت'

تم کیا جانو 'محبت' کے 'ح' کا مطلب

مل جائے تو 'حکومت' نا ملے تو 'حسرت'

تم کیا جانو 'محبت' کے 'ب' کا مطلب

مل جائے تو 'بہادری' نا ملے تو 'بلا'

تم کیا جانو 'محبت' کے 'ت' کا مطلب

مل جائے تو 'تخت و تاج' نا ملے تو 'تنہائی'

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

لاونج کے صوفہ پر بیٹھی حیات بہت دیر سے اپنی یادوں کے دریچوں میں گھوم رہی تھی۔ابراہیم تو یہاں اتے نجانے کہاں گم ہو گیا تھا۔آج کا دن جتنا ابراہیم کے لیے تھکن زدہ تھا،اس سے کہی زیادہ حیات مراد کی ذات پر بھاری تھا اور ابھی تو محبت کے سفر کا آغاز ہوا تھا،آگے نجانے کیا کیا آنے والا تھا۔

"حیات بیٹی بڑے صاحب نے پیغام بھجوایا تھا کہ آپ نے صبح سے کچھ نہیں کھایا،اس لیے میں کھانا لے کر آیا۔چلو تھوڑا سہ کھانا کھالو۔" حیات کے سر پر ہاتھ رکھتے اسلم بابا پیار سے بولے۔حیات تو انہیں پہلے ہی پیاری تھی،ابراہیم کے حوالہ سے تو وہ انہیں اور بھی عزیز ہو گئی تھی۔

"بابا ابھی بھوک نہیں ہے۔کیا ابراہیم نے کھانا کھالیا؟" آہستہ سے جواب دیتے حیات نے اچانک کچھ یاد آنے پر پوچھا تھا۔لیکن پھر جھجھک کر نظریں جھکا گئی تھی۔

"سالوں بعد بڑے صاحب کے علاوہ کسی اور کے چہرے پر ابراہیم کے لیے فکر دیکھ کر دل کو بہت تسلی ہوئی ہے بیٹی!اللہ تمہیں صدا سھاگن رکھے،خوش رہو،جاو اوپر جو دائیں جانب والا کمرہ ہے یقیناً ابراہیم اس وقت وہی ہو گا۔اس نے بھی صبح سے کھانا نہیں کھایا،دونوں مل کر کھالو" نم آنکھوں سے مسکراتے اسلم بابا،حیات کے سامنے

کھانا رکھتے خود باہر کی جانب بڑھے تھے۔

لیکن حیات کو مصیبت میں ڈال گئے تھے۔اس وقت ابراہیم کا سامنہ اس کے لیے سہانے روح تھا۔لیکن مرتی کیا نا کرتی کے مصداق وہ ہمت کرتی اوپر کی جانب چل دی۔

****

"اللہ میرا قلب درد سے پھٹ رہا ہے۔یہ آزمائش میرے لیے بہت بھاری ہے۔میں اتنا بھار کیسے اٹھاؤں گا۔وہ لڑکی جس کو میں ہر تکلیف سے بچانا چاہتا تھا۔اب وہ میری وجہ سے تکلیف سے گزرے گی۔میں ایسا نہیں چاہتا تھا یارب!!تو پھر ایسا کیوں ہوا؟" شرٹ کے گلے کے اوپری دو بٹن کھولے،برستی آنکھوں کے ساتھ ہاتھ میں اسم اللہ کے لفظ سے کندہ بورڈ تھامے وہ شکوہ کر رہا تھا۔

اور شکوہ تو بندہ بشر ہی کرتا ہے۔کیونکہ وہ جلد باز شخص رب کی حکمت سے لاعمل ہوتا ہے۔وہ رب کے 'الحکیم' ہونے کو سمجھ نہیں پاتا،جو یہ نہیں جان پاتا کہ بے شک اللہ کے ہر کام میں حکمت چھپی ہے اور اس وقت ابراہیم جاسم آفندی اپنے جذبات میں اٹھتے طوفانوں کی بدولت،غم سے نڈھال رب کی حکمت کو سمجھنے سے لاعمل تھا اور پھر

محبت تو اس نے بھی کی تھی۔اسی لیے تو اس وقت اپنی تکلیف پر نہیں بلکہ حیات کو تکلیف دانے پر شکوہ کر رہا تھا۔تو پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ آزمایا صرف حیات مراد کو ہی جاتا،ابراہیم کی ذات کا آزمائش سے گزرنا بھی اتنا ہی ضروری تھا۔

"نوک۔۔۔نوک۔۔۔"دروازے کے بجنے پر ابراہیم ہوش میں آیا تھا۔ساتھ ہی دروازے پر باہر حیات کی ذات کاالہام تیزی سے اس کے دماغ میں کوندھا تھا۔اب وہ اس گھر میں اکیلا تو نہیں تھا۔اس کے ساتھ ایک اور فرد کا اضافہ بھی ہو گیا تھا۔جس کے لیے اسے رب کے حضور جواب دہ ہونا تھا۔

"کچھ چاہیے تھا۔؟"ابراہیم اپنی حالت درست کرتے کمرے سے نکلا تھا اور توقع کے مطابق دروازہ کے پار حیات کو پایا تھا۔

"ہہ۔۔۔ہاں وہ اسلم بابا نے کھانا بھیجا ہے۔"ابراہیم کے باہر آنے سے حیات دو قدم پیچھے ہٹی تھی۔لیکن پھر بھی وہ ابراہیم سے صرف دو قدم کے فیصلہ پر کھڑی تھی۔ابراہیم کی موجودگی نے اس کے دل کی دھڑکن تیز کر دی تھی۔ہتھیلیاں پسینے سے نم ہو گئی تھی۔اس لیے خود کو سنبھالتے حیات نے مریل آواز میں جواب دیا تھا۔

"مجھے بھوک نہیں ہے۔اگر آپ نے کھانا ہے تو کھا لیں۔اور ہاں میرے پیچھے آئیں"

حیات سے نظریں چرائے ابراہیم اسے پیچھے آنے کا کہتے چل پڑا۔ جس پر حیات بھی بے دلی سے ٹرے پکڑے اس کے پیچھے چل دی۔ کیونکہ کھانے کا دل تو اس کا بھی نہیں تھا۔

****

ابراہیم کی تقلید میں چلتی حیات آج پہلی بار اس کے کمرے میں آئی تھی۔ جو آفندی ولا کے سب کمروں میں سے منفرد اور ہوادار تھا۔ کمرے کا انٹریئر کالے اور گرے رنگ کا تھا۔ کمرے کی دائیں دیوار کے ساتھ جہازی سائیڈ بیڈ پڑا تھا۔ جس کو کمرے کے فرش سے دو سیڑھیاں جتنا اونچا رکھا گیا تھا۔ بیڈ کے سامنے والے دیوار جس پر ایل ای ڈی لگی اس میں ایک دروازہ تھا جس کے ساتھ ایک اور کمرہ ملحقہ تھا۔ اس کمرے میں ڈریسنگ ٹیبل اور تمام ضرورت کی اشیاء رکھی گئی تھی۔ اسے ڈریسنگ روم کہا جا سکتا تھا۔ جسکے ساتھ ہی ایک واش روم کا بھی دروازہ اٹیچ تھا۔ جبکہ بیڈ کے دائیں جانب والی دیوار میں ایک سلائیڈنگ ڈور تھا۔ جو بالکونی کی طرف کھُلتا تھا۔ جبکہ بیڈ کے بائیں جانب والی دیوار میں موجود راستہ ساتھ والے کمرے میں کھلتا تھا۔ جہاں چھوٹا سہ سٹڈی روم بنایا گیا تھا۔ ساتھ میں وہاں ایک کونے میں چھوٹی سائز کی فریج بھی رکھی تھی۔ سارا کمرہ

حیات کو دیکھانے کے بعد ابراہیم نے حیات کو مخاطب کیا تھا۔

"رات بہت ہو گئی ہے۔آپ اس کمرے میں سو جائیں میں ادھر سٹڈی روم میں ہی ہوں اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو بلا لیجئے گا۔"وہ نجانے کیوں آج حیات سے نظریں نہیں ملا پا رہا تھا۔شاید وہ ان آنکھوں میں دیکھنے سے ڈر رہا تھا۔

"جی!" ہلکے سے بولتے حیات نے کھانے کو بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر رکھا تھا۔حیات کے عمل پر ڈریسنگ روم کی طرف جاتے ابراہیم کے پاؤں تھمے تھے۔

"یہ کھانا آپ کے کھانے کے لیے ہے۔اسے یوں مت رکھیں۔بلکہ جلدی سے فینش کریں"ابراہیم نے اب کے تھوڑے سخت لہجے میں کہا تھا اور کپڑے بدلنے روم میں بند ہو گیا تھا۔اس کے جانے بعد آنسوں حیات کی آنکھوں سے در بہ در بہنے لگے تھے۔

ایک تو وہ پہلے ہی خالی پیٹ تھی اوپر سے براہیم کا سنجیدہ رویہ اور آج دن کے تمام واقعات نے اس کے ذہن کو بہت بری طرح متاثر کیا تھا۔اس کے سر میں بہت شدت سے درد ہونے لگا تھا۔اپنے سر کو ہلکے ہلکے دباتی، بہتی آنکھوں کو بند کرتے وہ بیڈ سے ٹیک لگائے نیم دراز ہوئی تھی۔شاید وہ کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر کے خود کو اپنی تکلیفوں سے دور محسوس کر لینا چاہتی تھی۔

کافی دیر خود پر پانی برساتے،اپنی روح کو پر سکون کرنے کے بعد ابراہیم ٹراؤزر اور سفید ہلکی پھلکی شرٹ پہنے باہر آیا تو حیات کی حالت دیکھ گھبرا گیا تھا۔

"لیٹل ڈول آپ ٹھیک تو ہیں۔؟"حیات کے پاس بیٹھتے،اس کے ست پر ہاتھ رکھتے بولا۔

"سر بہت درد کر رہا ہے۔"اپنی سرخ ہوتی نم آنکھیں کھولتے حیات معصومیت سے بولی تھی۔تکلیف اس وقت اس کے چہرے سے عیاں تھی۔

"یہ شاید کھانا نا کھانے کی وجہ سے ہو رہی ہے۔جب میں کھانے کا کہہ کر گیا تھا تو آپ نے کھانا کیوں نہیں کھایا؟"سائیڈ ٹیبل سے کھانا اٹھاتے ابراہیم بولا تھا۔اس کے لہجے میں ہلکی سی خفگی کا عنصر بھی نمایا تھا۔

"اگر آپ مجھے ایسے ہی ڈانٹیں گیں تو،اب کیا میں کبھی بھی کھانا نہیں کھاؤ گی"اپنی چھوٹی ناک کو غصہ سے چڑھاتے حیات نے ابراہیم کا نوالہ والا ہاتھ پرے کیا تھا۔

ابراہیم کو اچانک سے احساس ہوا تھا کہ اس سب میں سامنے بیٹھی لڑکی کا کیا قصور ہے جو وہ اسے ایسے ٹریٹ کر رہا ہے۔اسے بھی تو شاید زبردستی اس کے ساتھ باندھا گیا ہو گیا

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

ورنہ کون پاگل اس سے نکاح کرنے کو تیار ہوتا۔شاید اس وقت ابراہیم اپنے بارے میں کچھ زیادہ ہی تلخ سوچ رہا تھا۔

"اچھا ٹھیک ہے سوری حیات ابراہیم میں اپنی غلطی مانتا ہوں۔اب اپنا غصہ تھوک دو اور جلدی سے کھانا کھاو" ایک ہاتھ سے اپنے کان پکڑے ابراہیم اسے منانے کی کوشش کرتے بولا۔

"پہلے پرامیس کریں اب نہیں ڈانٹے گیں" حیات نے کچھ مغرور ہوتے کہا تھا۔کیونکہ نم بال ماتھے پر بکھیرے، چہرے پر نرم تاثرات لیے کالی آنکھوں والا وہ ساحر ابراہیم جاسم آفندی اس سے معافی مانگ رہا تھا۔ابراہیم کے نرم رویہ دیکھ جہاں اس کا دل کو تھوڑا حوصلہ ہوا تھا۔وہی ابراہیم کے منہ سے حیات کے ساتھ ابراہیم لفظ سن کر اس کی دھڑکن بڑھی تھی۔یہ خیال ہی بہت خوش کن تھا کہ اب وہ اس کے نام سے جانی جائے گی۔

"اوکے پرومیس!" حیات کے بڑھے ہوئے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھتے ابراہیم نے محبت سے کہا تھا۔اگر محبت ساتھ ہو تو انسان ہر بڑی سے بڑی مشکل بھی پار کر سکتا ہے۔اسی لیے حیات کو بھی یقین ہو گیا تھا۔جب تک ابراہیم اس کے ساتھ ہے وہ تب تک کبھی ہار

نہیں سکتی۔ایک وقت ضرور آئے گا۔جب اس کی ماں اسے ابراہیم کے حوالہ سے قبول ضرور کرے گی۔

"بہت اچھے! چلو اب یہ میڈیسن کھالو یقیناًاس سے افاقہ ہوگا۔" کھانے کے بعد حیات کو میڈیسن دیتے ابراہیم نے اسے بلینکٹ اڑھایا تھا۔اور بیڈ کے دوسری جانب سے اس کے ساتھ بیٹھتے اس کا سر ہلکے ہلکے دبانے لگا تھا۔

پہلے تو حیات ابراہیم کے لمس پر جھجھکی تھی۔لیکن پھر پر سکون ہوتے نیند کی وادی میں جانے لگی تھی۔کیونکہ اس لمس میں موجود مسیحائی کا مرحم، محبت اور عقیدت نے اس کی روح کو آرام پہنچایا تھا۔

"ابراہیم آپ مجھ سے ناراض تو نہیں ہے۔؟" نیند میں جاتی حیات منہ ہی منہ بڑبڑائی تھی۔جس پر اپنی سوچوں میں گم ابراہیم نے چونک کر اسے افسوس سے دیکھے تھا۔شاید وہ اندر سے بہت پریشان تھی تبھی گنودگی کے عالم میں بھی وہ اسی سب کو سوچ رہی تھی۔

"حیات ابراہیم جاسم آفندی جب آپ ابراہیم جاسم آفندی کی دوست تھی۔تب ابراہیم کبھی آپ سے ناراض نہیں ہو پایا تھااور اب تو آپ اس کی شریک حیات جس

سے ناراض ہونے کا وہ سوچ بھی نہیں سکتا۔

میں نہیں جانتا کہ بڑے ابا نے میری طرح کیا کہہ کر اور کس وجہ سے بلیک میل کرتے ہوئے یہ نکاح کروایا ہے۔ لیکن میں نہیں چاہتا کہ آپ میری سچائی جانے بنا، میرے ساتھ رہ کر ادھوری زندگی گزارے۔ اس لیے بہت جلد میں آپ کو اپنی اصلیت سے واقف کردوں گا۔ پھر چاہے تم مجھے چھوڑ دو لیکن میرے ساتھ ساری زندگی تنہا سب سے دور رہنے سے تو وہ قدرے اچھا ہی ہوگا۔" خودا ذیتی کی انتہا پر پہنچا ابراہیم نے حیات کی پیشانی پر پھول کھلاتے، نجانے خود کو پرسکون کیا تھا۔ یا حیات کو جو اس کی موجودگی محسوس کرتے ہی پرسکون نیند کی وادی میں اتر چکی تھی۔

****

تاروں بھرے آسمان کے نیچے، چہرے پر افسردگی اور تکلیف کے تاثرات لیے محراب مراد نعمان صاحب کے پورشن کے دروازہ پر بیٹھا تھا۔ اس وقت وہ متضاد کیفیات کا شکار تھا۔ وہ جان نہیں پا رہا تھا کہ ابراہیم جیسے شاندار اور نرم دل شخص کے متعلق جان کر وہ افسردہ ہو یا پھر اپنی بہن کے لیے خوش ہو کہ اس نے اپنی محبت پالی یا ان سب کے علاؤہ اسے اپنی ماں کی طرح اپنی بہن کے فیصلہ پر غصہ ہوتے اس سے قطع تعلق کر لینا

چاہیے۔یہی سب سوچتے اسے نجانے کتنی دیر گزری تھی جب کوئی چپکے سے اس کے ساتھ آکر بیٹھا تھا۔

"محراب بھائی کیا سوچ رہے ہیں؟" محراب کے ساتھ بیٹھتے ایراج نے اس کے چہرے کی جانب دیکھا تھا۔

"کچھ نہیں! تم بتاو اتنی رات کو یہاں کیا کر رہی ہو" نفی میں سر ہلاتے محراب نے سادگی سے جواب دیا تھا۔اس وقت وہ اتنا اضطراب کا شکار تھا کہ ایراج کے بھائی کہنے پر حسب عادت چڑا نہیں تھا۔

"حیات کے بارے میں سوچتے مجھے نیند نہیں آرہی تھی۔ سمجھ نہیں آرہا کہ اپنی دوست کے فیصلے پر خوش ہوں یا پھر اس کے فیصلہ کو غلط جانتے اس پر ماتم کروں؟؟ ذہن اتنا منتشر ہے کہ نیند نے بھی منہ موڑ لیا ہے۔" اپنی کیفیات بتاتے ایراج نے گہری سانس لی تھی۔

"ہاں یہی کچھ میرا ابھی حال ہے۔کچھ سمجھ نہیں آرہا۔اوپر سے ماما اور بابا کے درمیان تعلقات کبھی اس نہج پر نہیں پہنچے جس پر آج کے معاملے کے بعد آگئے ہیں۔میں سوچ ہی نہیں پارہا کہ مجھے کس طرف ہونا چاہیے اپنی ماں کیطرف یا اپنے بابا اور بہن کی تھی۔

"محراب نے سہارا ملتے اپنی گھٹن کو باہر نکالا تھا۔

"ایک بات پوچھوں؟ کیا آپ کو یہ جان کر غصہ نہیں آیا کہ حیات نے ابراہیم کی بھائی کی محبت میں اپنی زندگی کیوں خراب کی؟ کیا آپ کو نہیں لگتا کہ حیات کو کیف بھائی کو چننا چاہیے تھا۔" محراب کے چہرے کو غور سے دیکھتے ایراج نے کچھ کھوجنا چاہا تھا۔

"ایراج ماما بابا نے ہمیشہ ہم دونوں بہن بھائیوں کو ایک جیسا ٹریٹ کیا ہے۔ انہوں نے کبھی ہم میں بھید بھاؤ نہیں کیا۔ تو پھر میں کیوں محبت کو اپنے لیے جائز اور حیات کے لیے ناجائز سمجھو۔ ہاں اس نے محبت کی آزمائش قبول کر کے خود کے لیے تکلیف دہ راستہ چنا ہے۔ جس پر مجھے افسوس ضرور ہے۔ لیکن حیات کے کیف کو انکار کر کے ابراہیم کو چننے پر میں ناراض نہیں ہو۔ بس میری یہی دعا ہے کہ میری بہن خوش رہے۔" اپنی نم آنکھوں کو ایراج سے چھپاتے محراب نے کہا تھا۔

"حیات بہت خوش قسمت ہے جس کے پاس آپ جیسے بھائی ہیں۔ کاش کہ میرا بھی کوئی آپ جیسا بھائی ہوتا۔" ایراج کو اس لمحے حیات پر رشک آیا تھا۔ جس کے پاس مراد صاحب جیسے باپ کے ساتھ محراب جیسا محبت کرنے والا بھائی تھا۔ اسی وجہ سے اس کے لہجے میں یاسیت ابھری تھی۔

"تم چاہو تو حیات کا بھائی تم سے اس سے بھی زیادہ محبت کر سکتا ہے۔ اگر تم اجازت دو تو
!" ایراج کے چہرے پر یاسیت کو دیکھتے محراب نے ایک جذب سے کہا تھا۔ جس پر پہلی
بار ایراج کی دھڑکن بے ترتیب ہوئی تھی۔ جو اس بات کی علامت تھی کہ شاید ایک اور
محبت بھری کہانی شروع ہونے والی ہے۔

"وو۔۔۔ وہ میں کہہ رہی تھی کہ مجھے حیات سے ملنا ہے۔ کیا ہمیں اس وقت وہاں جانا
چاہیے ؟" چند منٹ کی بے اختیاری کے بعد ایراج نے اپنی نظریں پھیرتے گڑبڑا کر کہا
تھا۔

"نہیں ابھی رات بہت ہوگئی ہے صبح میں چلیں گے لیکن ابھی تم جا کر سو جاؤ۔" ایراج
کے چہرے پر ابھرتی سرخی کو دیکھ کر محراب نے لب دبا کر کہا تھا۔ جس پر ایراج تیر کی
تیزی سے وہاں سے فرار ہوئی تھی۔ ایراج کی حرکت پر مسکراتے اس کے چہرے نے
بے ساختہ اعتراف کیا تھا۔

"یہی لڑکی میری زندگی کی ہمسفر ہو سکتی ہے۔ جو اپنی بے خیالی میں بھی میرے چہرے
پر مسکراہٹ لا سکتی ہے۔ "

****

صبح کے چار بجے کروٹ بدلنے پر ابراہیم کی آنکھ کھلی تو نظروں کے سامنے حیات کا چہرہ دیکھ کر چونک اٹھا تھا۔اسے خبر ہی نا ہوئی تھی کہ رات کے کس پہر وہ حیات کا سر دباتے دباتے کب نیند وادی میں اتر گیا تھا۔ایسی بے خبری کی نیند اسے پہلی بار نصیب ہوئی تھی۔جو شاید ساتھ لیٹی اس کی شریکِ حیات کا اثر تھا۔

اس کے لیے وہ احساس بہت خوبصورت ہوتا تھا۔جب جب وہ اسے اپنی شریک حیات کہتا تھا۔دل تو خوشی کی ایک عجب سی لہر سے بھر جاتا تھا۔ مسکراہٹ خود باخود اس کے چہرے کا احاطہ کر لیتی تھی۔

"حیات ابراہیم تمہارا استحقاق سے یہاں ہونا مجھے ایک ایسے خواب کی تعبیر لگ رہی ہے کہ جسے دیکھنے کی میں نے کبھی خود کو اجازتِ نادی تھی۔میں نہیں جانتا کہ تم کس چیز کے انعام میں مجھے عطا کی گئی ہو۔میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ ابراہیم جاسم آفندی کے لیے لازم وملزم قرار دے دی گئی ہو۔

میں یہ بھی نہیں جانتا کہ آگے زندگی میں کیا ہوگا۔بس اتنا جانتا ہوں کہ تمہیں پا کر مجھ پر شکر واجب ہو گیا ہے۔"حیات کے رخ کے ہر پہلو کو اپنا احساس بخشتے وہ دیوانہ نم آنکھوں سے شکر بجا رہا تھا۔اپنے جذبات پر قابو پاتے ابراہیم کچھ دیر بعد اٹھا تھا اور

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsanay|Articles|Books|Poetry|Interviews

رات کے اس پہر جائے نماز بچھائے کھڑا ہو گیا تھا۔ کیونکہ اس دیوانہ کو زبان کے شکر سے زیادہ سجدے کی صورت میں شکر کرنا زیادہ بہتر لگا تھا۔

کافی دیر تک رب سے راز و نیازِ کرنے کے بعد وہ فجر کی نماز پڑھ کر اٹھا تھا۔ کیونکہ اب اسے اپنی باقی کی زندگی کے لیے کوئی لائحہ عمل تیار کرنا تھا۔ لیکن اس کی سوچ میں خلل صبح کے اس وقت بجتی گھنٹی نے ڈالا تھا۔

"اس وقت یہاں کون آسکتا ہے؟ اللہ خیر کرے!" خود سے بڑبڑاتے وہ نیچے کی جانب چلا آیا تھا اور لاؤنج کا دروازہ کھولتے سامنے کھڑے وجود کو دیکھ اس کے چہرے کا رنگ متغیر ہوا تھا۔

****

"ابراہیم مجھے تم سے ضروریات بات کرنی ہے۔" دروازے پر کھڑی حمیرہ بیگم سپاٹ چہرے کے ساتھ مخاطب ہوئی تھیں۔

"جج۔۔۔جی پھوپھو آیئے نا!" حمیرہ بیگم کو اندر آنے کا کہہ کر ابراہیم خود ایک طرف ہوا تھا۔ اس کا دل کچھ برا ہونے کے احساس سے ایک دم تیزی سے دھڑکا تھا۔ اسے

یوں لگ رہا تھا کہ حمیرہ بیگم حیات کو اس سے چھین کر لے جائیں گی۔

"ابراہیم میں یہاں تم سے آپی بیٹی کے متعلق بات کرنے آئی ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ یہ سن کر تمہیں لگے کہ میں ایک خود غرض ماں بن رہی ہوں۔ لیکن تم بھی جانتے ہوں اور یہ میں بھی جانتی ہوں کہ تم میری بیٹی کو کوئی خوشی نہیں دے سکتے اور میرے لیے اپنی بیٹی کو برباد ہوتے دیکھنے سے بہتر ہے کہ میں خود غرض بن جاؤں۔" حمیرہ بیگم کی باتیں معنی خیز تھی۔ جو ابراہیم کی سمجھ سے باہر تھی۔

"پھوپھو آپ نے جو بھی کہنا ہے پلیز یہاں بیٹھ کر کھل کر کہیں!" حمیرہ بیگم کو لاونج کے صوفہ کی طرف اشارہ کرتے ابراہیم نے دھڑکتے دل اور ماتمی چہرے کے ساتھ کہا تھا۔

"میں یہاں بیٹھنے نہیں آئی ہوں ابراہیم، بلکہ میں یہاں ایک ماں بن کر تم سے اپنی بیٹی کی زندگی بچانے آئی ہوں۔۔۔۔۔ ابراہیم تمہیں میرا ڈوپٹہ کی لاج کا واسطہ ہے تمہیں مجھ سے وعدہ کرنا ہو گا کہ تم حیات کے سر سے پیار کا بھوت اتارتے اسے بہت جلد طلاق دے دو گے۔ کبھی اس کے ساتھ کوئی ازدواجی رشتہ قائم نہیں کرو گے۔ بلکہ میری بیٹی جیسے آج تمہارے پاس آئی ہے۔ پورے 5 ماہ بعد تم ویسے کی ویسے مجھے واپس

کروگے۔"اپنا دوپٹہ ابراہیم کے پاوں میں رکھتے حمیرہ بیگم ایک دم سے روتے ہوئے بولی تھی۔

ان کی باتیں سن کر ابراہیم کا چہرہ فق ہوا تھا۔درد کی ایک تیز لہر اس کے دل میں اٹھی تھی۔ایسا درد اسے پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔جتنا تیز درد آج ہوا تھا۔ابراہیم بے ساختہ دو قدم پیچھے ہوا تھا۔آہ اگر موت آجاتی تو بھی ابراہیم کو اتنی تکلیف نا ہوتی جتنی تکلیف حمیرہ بیگم جو چاہ رہی تھی،اسے سن کر ہو رہا تھا۔

"پھوپو یہ کیا کر رہی ہیں۔کیوں مجھے گناہگار کر رہی ہیں۔آئندہ کبھی اپنے ڈوپٹہ کو یوں کسی کے پاؤں میں نا رکھیے گا۔کیونکہ یہ جب تک عورت کے سر پر رہتا ہے۔تب تک قابلِ احترام اور عزت کی علامت سمجھا ہوتی ہے۔لیکن جیسے ہی کسی کے پیروں میں آتا ہے تو روندھ دیا جاتا ہے۔آپ نے مجھ سے جو بھی مانگا ہے۔وہ سب میں آپ کو ایسے ہی دینے کو تیار ہوں۔آپ کو اس کے لیے یہ سب کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔"ڈوپٹہ کو حمیرہ بیگم کے سر پر اڑھاتے ابراہیم نے سپاٹ چہرے سے کہا تھا۔کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اگر ایک دفعہ اس کا اندرونی خلفشار واضح ہو گیا تو وہ بکھرتا چلا جائے گا۔جو فلحال تو وہ بالکل نہیں چاہتا تھا۔

"تم سچ کہہ رہے ہوں نا ابراہیم؟ تم۔۔۔ تم میری بچی کی زندگی برباد نہیں کرو گے نا؟ تم اسے طلاق دے دو گے نا؟ بتاو نا ابراہیم تا کہ مجھے تسلی ہو۔" اس وقت ایک مطلب پرست ماں بنی حمیرہ بیگم جانے انجانے میں اس شہزادے کی روح کو لہولہان کر رہی تھی۔ جس کی خبر شاید انہیں خود بھی نا ہو رہی تھی۔

"جی پھوپھو جیسا آپ چاہتی ہیں۔ سب کچھ ویسا ہی ہو گا آپ پریشان مت ہوں۔ میں حیات کو اپنی سچائی بتاتے آج ہی آپ کے پاس بھیج دوں گا۔" ضبط کے انتہاؤں کو چھوتے ابراہیم کے منہ الفاظ نکلے تھے۔ اندر ہوتی ٹوٹ پھوٹ بڑھی تھی۔

"ہم اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ وہ پہلے ہی سب کچھ جانتی ہے۔ اس پر تو تمہاری محبت کا بھوت چڑھا ہے اسی لیے اچھے بھلے کیف کے رشتے کو ٹھکرا کر یہاں آئی ہے۔ اب تمہیں ایسا کچھ کرنا ہو گا کہ اس کے سر سے یہ پیار کا بھوت اتر جائے" اپنے سر کو جھٹکتے حمیرہ بیگم نے زہر خندہ لہجے میں کہا تھا۔ جس پر ابراہیم کو سمجھ نہیں آیا تھا کہ وہ اس خبر پر روئے یا پھر اپنی لیے حیات کی محبت پر دل کھول کر خوشی منائے !

"ٹھیک ہے میں وعدہ کرتا ہوں کہ اس کے سر سے پیار کا بھوت اتارنے کی کوشش کروں گا۔" ابراہیم نے یہ چند لفظ جس طرح کہے تھے۔ یہ تو صرف وہی جانتا تھا لیکن

حمیرہ بیگم تو یہ سنتے کھل اٹھی تھی۔

"بہت شکریہ ابراہیم! دیکھو مجھے غلط مت سمجھنا ابراہیم، یہ تم بھی اچھی طرح جانتے ہو کہ مادی چیزوں کے علاوہ تم اس قابل نہیں ہو کہ میری بیٹی کو کوئی خوشی دے سکوں۔ اس لیے میں یہ سب کر رہی ہوں اور میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ یہ پانچ ماہ میں پاکستان میں ہی گزاروں گی۔ تاکہ جب تم حیات کو طلاق دو تو اسے واپس لیتے میں اسے کیف کے حوالے کرتے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے واپس چلی جاؤ۔ اس لیے یہ مت سمجھنا کہ میں یہ سب بھول جاؤ گی۔ اب چلتی ہوں میں صبح کی روشنی پھیل رہی ہے۔ سب لوگ جاگ چکے ہونگے۔" بے حسی کی چادر اوڑھے ابراہیم کے جسم میں آخری کیل ثابت کیے، حمیرہ بیگم مطمئین سی واپس چلی آئی تھیں۔ لیکن جان نکلنے کے عمل سے گزرتے ابراہیم بڑی مشکل سے خود کو گھسیٹتے کالیگرافی کے اس کمرے میں لا یا تھا۔ اپنے پیچھے دروازہ بند کرتے وہ نیچے گرتا چلا گیا تھا۔ دل کی تکلیف نے اس کے حواس صلب کیے تھے۔ یوں لگ رہا تھا کہ بس اب آخری وقت آپہنچا ہے۔

"آہ نہیں ابراہیم اتنی جلدی تم جیسی ڈھیٹ ہڈی کو تو موت بھی نہیں آسکتی۔" خود سے مخاطب ہوتے ابراہیم تکلیف سے بڑبڑایا تھا۔ لیکن پھر ہوش و حواس سے بے قابو

ہوتے زمین پر گر پڑا تھا۔یونانی دیوتاؤں جیسا حسن رکھنے والا وہ شخص اگر آج مر بھی جاتا تو اس پر رونے والوں میں ایک دو سوا کوئی بھی نا ہوتا۔

****

نعمان صاحب کے پورشن میں اس وقت سب لوگ ڈائنگ روم میں بیٹھے ناشتہ کر رہے تھے۔خلاف معمول وہاں پر اتنی خاموشی چھائی ہوئی تھی کہ اگر سوئی بھی وہاں گرتی تو اس کی آواز بھی باآسانی سنی جاسکتی تھی۔کچھ لوگ تو انتہائی پر سکون چہرے لیے ہوئے تھے اور کچھ کے چہرے پر خفگی اور نفرت کی دبی دبی چنگاریاں اب بھی موجود تھی۔صرف ایک حمیرہ بیگم تھی جن کا سکون مراد صاحب کو ان حالات میں کچھ کھٹک رہا تھا۔دوسری طرف افشاں بیگم یوں لگتا تھا کہ شاید وہاں بیٹھی اپنے ضبط کو آزما رہی ہیں۔ان کے ضبط کا سرا تب جھکا جب کیف بغیر کچھ کھائے اپنی سرخ آنکھیں لیے وہاں سے اٹھ کر چلا گیا تھا۔وہ توکل سے اپنے بچہ کا کملایا چہرہ دیکھ دیکھ کر تڑپ رہی تھی۔یہ سب ان کی برداشت سے باہر ہو رہا تھا۔

"بڑے ابا گستاخی معاف کیجئے گا۔لیکن بس اب بہت ہوا،میرے بچے کی حالت میری لیے ناقابل برداشت ہو رہی ہے۔اب آپ کو فیصلہ کرنا ہوگا یا تو اس مینشن میں وہ

غاصب لڑکا رہے گا۔ جس نے میرے بڑے بیٹے کی شادی کے رنگوں میں بھنگ ڈالا ہے اور تو اور چھوٹے کی منگ اس سے چھین لی ہے یا پھر میں نہیں رہوں گی اور ہاں یہ فیصلہ آپ کو ابھی کے ابھی کرنا ہو گا۔ ورنہ مجھ سے بھی کوئی اچھائی کی امید مت رکھیے گا۔" افشاں بیگم کی چیختی آواز اس پورشن کے درو دیوار ہلا گئی تھی۔

"بس بہت ہوا نعمان آفندی اپنی بیگم کی زبان کو ابھی کے ابھی لگام دو۔ ورنہ مجھے دو منٹ نہیں لگے فیصلہ لینے میں اور اگر اس نے جانا ہے تو ایک بار کیا سو بار یہ گھر چھوڑ کر جائے، لیکن میں بھی دیکھتا ہوں کہ میرے جاسم کے بیٹے کو کون اس گھر سے نکالتا ہے۔" کرسی دھکیلتے بڑے ابا نے جلال سے کہا تھا۔ ان کے ماتھے پر پڑے بل اس بات کی نشاندھی تھے کہ انہیں افشاں بیگم کی بات گراں گزری ہے۔

اپنی اتنی بے عزتی پر افشاں بیگم منہ پر کپڑا رکھے روتی ہوئی وہاں سے اپنے کمرے کی جانب بھاگی تھی۔ ان کے پیچھے پیچھے فوزیہ بیگم بھی اٹھ کر جانے لگے تھے۔ جب بڑے ابا پھر سے بولے تھے۔

"اگر کوئی کھانا چھوڑ کر بڑی بہو کے پیچھا گیا تو اس کے لیے بھی اس گھر کا دروازہ کھلا ہے۔ وہ جب چاہے یہاں سے جا سکتا ہے۔" بڑے ابا سپاٹ چہرے کے ساتھ بیٹھتے

اپنا ناشتہ ختم کرنے لگے تھے۔ان کے پر سکون انداز نے وہاں پر موجود بہت سے چہروں پر ناصبوری پھیلائی تھی۔

بڑے ابا کے آٹھ کر جانے کے بعد سب سے پہلے افشان بیگم کی طرف بڑھنے والی حمیرہ بیگم ہی تھی۔جو کھانا لے کران کے کمرے میں داخل ہوئی تھی۔

"بھابھی اٹھیے دیکھیے میں آپ کے لیے کھانا لائی ہوں۔جلدی سے کھا لیجیے! پھر ہمیں دانش کی مہندی کی تیاری بھی تو کرنی ہے۔"حمیرہ بیگم کا انداز ایسا تھا کہ جیسا کچھ ہوا ہی نا ہو۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"نہیں آپا مجھے بھوک نہیں ہے۔آپ پلیز اسے لے جائیں۔ویسے بھی اب تو اس گھر کا پانی بھی میرے خلق سے نہیں اترے گا جہاں قدم قدم پر میرے بچوں کے ساتھ نا انصافی کی جاتی ہے۔"اپنی نم آنکھیں صاف کرتے افشاں بیگم نے گلوگیر لہجے میں کہا تھا۔وہ اپنے بچوں پر جان چھڑکنے والی ماں تھی۔جن کے لیے یہ سب نا قابل برداشت تھا۔

"بھابھی یہ وقت نا صرف آپ کے لیے بلکہ ہم سب کے لیے ایک مشکل وقت ہے۔ لیکن آپ کو جذبات میں آکر جلد بازی میں کوئی غلط فیصلہ نہیں چاہیے۔بس میری

بات مان کر تھوڑا وقت انتظار کیجئے یقین جانیں بہت جلد آپ کی تمام مرادیں پوری ہونگی گی۔ "افشاں بیگم کو سمجھانے کی کوشش کرتے حمیرہ بیگم بیڈ کے سامنے رکھی کرسی پر بیٹھی تھی۔

"لیکن کب تک صبر کروں آپا؟ مجھے نہیں لگتا کہ جب تک وہ منحوس لڑکا اس گھر میں ہے تب تک میرے بچوں کو کوئی خوشی حاصل ہوسکے گی۔" افشاں بیگم تلخی سے کہتی اٹھ بیٹھی تھی۔

"افشاں بھابھی جیسے آپ اپنے بیٹے کیف کو تکلیف میں نہیں دیکھ سکتی بالکل ویسے ہی میں بھی اپنی بچی حیات کو تکلیف میں نہیں دیکھ سکتی۔اس لیے یقین جانیے کہ جو قدم میں نے آج اٹھایا ہے۔اس کے نتیجہ میں بہت جلد ان دونوں کی تکلیف ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے گی اور ہم اپنے بچوں کی خوشیاں دیکھ سکیں گے۔" ذو معنی لہجے میں کہتے حمیرہ بیگم نے افشاں بیگم کے ذہن میں تجسس پیدا کیا تھا۔

"ایسا کونسا قدم اٹھایا ہے آپ نے آپا؟" حمیرہ بیگم کے چہرے کو دیکھتے افشاں بیگم نے حیرت سے دریافت کیا تھا۔ جس پر حمیرہ بیگم صبح اپنے اور ابراہیم کے درمیان ہوئی ہر بات بتاتی چلیں گئی تھی۔

"بھا بھی کیا آپ کو لگتا ہے کہ پانچ ماہ بعد ابراہیم اپنا وعدہ ضرور پورا کرے گا اور کیا حیات ابراہیم سے علیحدہ ہو پائے گی؟" حمیرہ بیگم کی بات پر جہاں افشاں بیگم کے دل میں سکون کی لہر ابھری تھی۔ وہی کئی خدشات نے بھی سر اٹھایا تھا۔

" بالکل جہاں تک میں ابراہیم کو جانتی ہوں، وہ اپنا پاس رکھنے والا آدمی ہے۔ وہ کبھی اپنی بات سے نہیں پھرے گا اور پھر جہاں تک حیات کی بات ہے تو وہ چھوٹی بچی ہے جو اپنا برا بھلا نہیں سمجھتی، اسی لیے جب اسے بار بار ابراہیم کی طرف سے دھتکار ملے گی اور کوئی خوشی نہیں ملے گی تو اس کا دل اُچاٹ ہو جائے گا۔ تب یقیناً ہمارے پاس ہی آئے گا۔ لیکن تب تک ہمیں انتظار کرنا ہو گا۔" حمیرہ بیگم بیٹی کی محبت میں اندھی ہوئی اتنا نہیں دیکھ پا رہی تھی کہ جس کو وہ اپنی بیٹی کی نادانی گردان رہی یں۔ وہ ان کی بیٹی کی اصل محبت ہے۔

"اللہ کرے آپ جیسا کہہ رہی ہیں آپا! ویسا ہی ہو میں اپنے کیف کو ساری زندگی ایسے ہی نہیں دیکھ سکتی۔" آنکھوں میں عجیب سی کیفیت لیے افشاں بیگم نے یہ بات کہی تھی۔ جس کو حمیرہ بیگم سمجھ ہی سکی تھی۔

"ان شاء اللہ ایسا ہی ہو گا بھا بھی ابھی آپ اٹھیے اور کھانا کھالیں۔ پھر بڑے ابا سے معافی

مانگنے کے بعد آپ کو اپنے بڑے بیٹے کی منہدی کی تیاری بھی تو کرنی ہے۔جو ایسی شاندار ہو گئی کہ ساری دنیا برسوں تک آفندی ولا کے پہلے بیٹے کی شادی یاد رکھے گی۔ "حمیرہ بیگم نے کھانا افشاں بیگم کے سامنے رکھتے کہا تھا۔جس پر مطمئین سی سر ہلاتے افشاں بیگم کھانا کھانے لگی تھی۔

اپنی منصوبہ بندی میں وہ لوگ یہ بھول گئیں تھیں کہ جو اوپر بیٹھی ذات ہے نا وہ ایسے بہترین منصوبہ بناتی ہے کہ اس کے سامنے پھر کسی بشر کے منصوبے چل نہیں سکتے۔

****

صبح کے دس بجے رہے تھے۔حیات کب سے اٹھ چکی تھی۔بڑے ابا نے جو ملازمہ کے ہاتھ کپڑے بھیجے تھے۔ان میں سے ایک اچھا سہ نیلے رنگ کا سوٹ نکال کر اب تو وہ فریش ہو کر، کھانا بھی کھا چکی تھی۔ابراہیم کے رات کے رویے کو سوچتے وہ بہت مطمئن تھی۔لیکن ساتھ ہی ساتھ ابراہیم کا یوں صبح سے غائب ہونا،اس کی تشویش میں اضافے کا بھی باعثِ بن رہا تھا۔

"اسلم بابا! آپ نے کہیں ابراہیم کو دیکھا ہے؟؟"کیچن میں داخل ہوتے حیات نے جھجھک کر ابراہیم کے بارے میں استفسار کیا تھا۔

"نہیں بٹیا! آج تو ابراہیم جم خانے میں بھی نہیں آیا تھا۔ مجھے لگا کہ شاید وہ ابھی سو رہا ہو اسی لیے میں نے اسے جگانا مناسب نا سمجھا اور تم لوگوں کا کھانا بھی میں نے یہی سوچتے کمرے میں بھیجا تھا کہ تم لوگ وہی کرو گے۔ کیا وہ کمرے نہیں ہے بٹیا؟" حیات کی بات پر اسلم بابا نے حیرانگی کا اظہار کرتے جواب کے ساتھ سوال داغا تھا۔

"وو۔۔۔وہ تو میرے اٹھنے سے پہلے سے کمرے سے نکل آئے تھے بابا!" اسلم بابا کے سوال پر حیا سے چور حیات نے لڑکھڑاتے لہجے میں جواب دیا تھا۔ جس پر اسلم بابا کو اب پریشانی نے آن گھیرا تھا۔

"اچھا! میرے خیال سے میں جانتا ہوں کہ ابراہیم کہاں ہو سکتا ہے۔" اسلم بابا تیزی سے کہتے ابراہیم کے کیلی گرافی والے کمرے کی جانب بڑھے تھے۔ جس کے پیچھے پیچھے مضطرب سی حیات بھی وہی چلی آئی تھی۔

"ابراہیم بیٹا! کیا بات ہے آج تم صبح صبح ہی ادھر ڈیرا جمائے بیٹھے ہو۔ آفس نہیں جانا کیا؟؟" اسلم بابا نے دروازے کے باہر سے آواز لگائی تھی۔ کیونکہ اگر ابراہیم اندر ہوتا تو یقیناً اُن کا یوں اندر جانا اسے برا لگ سکتا تھا۔

لیکن دو منٹ تک جب اندر سے کوئی آواز نا آئی تو حیات نے اسلم بابا کو مخاطب کیا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"بابا آپ اندر جا کر دیکھ کیوں نہیں لیتے؟ ہو سکتا ہے کہ ان کی آنکھ لگ گئی ہو۔ یا پھر وہ یہاں ہو ہی نا" حیات کی بات میں اسلم بابا کو دم تو لگا تھا۔ لیکن پھر وہی بات کہ پہلے کبھی ایسا ہوا تو نہیں تھا۔

"بیٹی پہلی بات ابراہیم اس کمرے میں بیٹھ کر کبھی سو نہیں سکتا اور ویسے بھی جب وہ یہاں ہوتا ہے تو کسی کی مداخلت پسند نہیں کرتا۔ یہاں تک کہ ابراہیم اس کمرے کی صفائی کے لیے ملازم پر انحصار کرنے کی بجائے خود ہی کرتا ہے۔ لیکن میرے خیال سے اگر تم جاؤ تو وہ شاید برہم نا ہو۔ اس لیے جاؤ دیکھو تو سہی وہ اندر ہے کہ نہیں؟" اسلم بابا نے اپنے اعتراض بتاتے آخر میں مشورہ سے نوازہ تھا۔

"میں کیسے بابا؟ مطلب جب کسی اور اجازتِ نہیں ہے تو مجھے کیسے ہو سکتی ہے۔" اسلم بابا کی رائے حیات کو بلکہ ٹھیک نہیں لگی تھی۔ اگر ابراہیم اس وجہ سے اس سے ناراض ہو گیا تو۔۔۔ پہلے ہی ان کا رشتہ بہت نازک موڑ پر تھا۔

"کیونکہ تم کوئی نہیں بلکہ حیات ابراہیم جاسم آفندی ہو میری بیٹی! جو کو میرے بیٹے بیوی ہے اور بیوی کو شوہر کی ہر چیز پر حق حاصل ہوتا ہے۔ مجھے یقین ہے ابراہیم تمہارے جانے سے غصہ نہیں ہو گا۔" اسلم بابا نے بہت سلیقے سے اسے سمجھایا تھا۔

ان کے الفاظ حیات کے دل پر اثر انداز ہوئے تھے۔اپنی حیثیت کا اندازہ ہوتے دل میں ایک ہی انوکھا سہ احساس ہوا تھا۔اس احساس نے حیات کو طاقت دی تھی۔اسی لیے وہ ہمت کرتی اندر داخل ہوئی تھی۔وہ کوئی معمولی سہ کمرہ نہیں تھا بلکہ ابراہیم جاسم آفندی کی من پسند جگہ تھی۔جو ہر طرف اسماء الحسنٰی کے کالیگرافی سے بھری پڑی تھی۔ اس سے پہلے کہ حیات اس جگہ کے سحر میں گرفتار ہوتی نیچے زمین پر پڑے ابراہیم کو دیکھ اس کی چیخ نکلی تھی۔

"ابراہیم! ابراہیم کیا ہوا ہے آپ کو؟یوں ادھر زمین پر کیوں لیٹیں ہیں۔پلیز اٹھیں نا ابراہیم مجھے گھبراہٹ ہو رہی ہے۔"ابراہیم پر جھکی حیات کی آنکھوں سے فوراً سے آنسوں بہنے شروع ہوئے تھے۔اسلم بابا بھی حیات کی چیخ سن کر اندر آ گئے تھے۔

"حیات بیٹا حوصلہ کرو۔ہمیں اسے کمرے میں لے کر جانا ہو گا۔میرا بچہ نجانے کب سے بخار میں بے ہوش پڑا ہے۔چلو بچے ہمت کرو"ابراہیم کے ماتھے پر ہاتھ رکھتے اسلم بابا پریشان ہوا اٹھے تھے۔جس کو بچوں سے بڑھ کر پالا تھا اس کا یوں بے جان وجود انہیں بھی ایذا پہنچا رہا تھا۔

ان کی بات پر حیات نے سر ہلاتے آگے بڑھ کر ان کے ساتھ مل کر ابراہیم کو سنبھالا تھا

اور اسے لیے کمرے میں آ گئی تھی۔

****

"مسسز ابراہیم اس وقت انہیں بخار بہت تیز ہے۔ایسے میں دوائی یا انجیکشن سے زیادہ ٹھنڈے پانی کی پٹیاں کام آتی ہیں۔اس لیے آپ پٹیاں بھگو بھگو کر ان کے ماتھے پر رکھیں۔امید ہے کچھ دیر تک ان کا بخار اتر جائے گا۔پھر آپ انہیں یہ دوائی دے دیجئے گا امید ہے کہ کل تک آفاقہ ہو جائے گا۔اللہ نا کرے اگر ایسا نا ہوا تو آپ مجھے فون کر لیجیے گا۔اب مجھے اجازت دیجئے۔"پر فیشنل انداز میں ابراہیم کا معائنہ کرنے کے بعد ڈاکٹر نے حیات سے رخصت چاہی تھی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

جو اس وقت کبھی ابراہیم کی گرم ہتھیلیوں کو اپنے ہاتھوں کی ٹھنڈک پہنچاتے پر سکون کرنے کی کوشش کرتی، تو کبھی پاؤں کی ہتھیلیوں کو رگڑتی تھی۔

"بہت شکریہ ڈاکٹر صاحب! آئیں میں آپ کو باہر تک چھوڑ دیتا ہوں اور حیات بیٹا پریشان نا ہو میں ابھی ملازمہ کے ہاتھ ٹھنڈا پانی اور پٹیاں بھیجواتا ہوں۔"اسلم بابا حیات کی حالت دیکھتے، خود ہی ڈاکٹر کو لے کر باہر کی جانب بڑھے تھے۔

"ابراہیم دیکھیں آپ مجھ سے ناراض رہ لے لیں یا غصہ کر لیں لیکن پلیز ایسے چپ مت لیٹیں آپ کی خاموشی میری جان لے رہی ہے ابراہیم! دیکھیں آپ کی لیٹل ڈول بہت کمزور دل ہے۔ خدا دا اس کا امتحان مت لیں ابراہیم!" اسلم بابا اور ڈاکٹر کے جاتے حیات ابراہیم ہاتھ پر سر رکھتے پھک پھک کر رو دی۔ امتحان بہت سخت تھا اور حیات ابھی سے کمزور پڑ رہی تھی۔

"بیگم صاحبہ! یہ ٹھنڈا پانی اور پٹیاں لائی ہوں۔ کیا میں اندر آ جاؤ؟" دروازہ کے پار سر جھکائے کھڑی نے دکھ سے حیات کو دیکھتے پوچھا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"ہہ۔۔۔ہاں یہاں لاؤ مجھے دو۔ میں کر لوں گی" ملازمہ کے ہاتھ سے پٹیاں لینے کو حیات تیزی سے اٹھی تھی۔ پھر بہت احتیاط اور محبت سے ابراہیم کے ماتھے پر ہتھیلیوں پر سینے پر پٹیاں رکھتے وہ دیوانی پاگل سی ہو رہی تھی۔ لیکن ابراہیم کا بخار تھا کہ کم ہونے کی بجائے بڑھی جا رہا تھا۔

****

نعمان صاحب کے پورشن میں اس وقت رات کی منہدی کی زور و شور تیاریاں چل رہی تھی۔ جب اسلم بابا بڑے ابا اور مراد صاحب کو ساتھ لیے تیزی سے ابراہیم کے پورشن

کی طرف بڑھے تھے۔ایراج جو آج صبح سے حیات کے پاس جانے کے لیے پر تول رہی تھی۔ان کو دیکھ کر حیران ہوئی تھی۔اس کی چھٹی حس اسے کسی پریشانی کی طرف اشارہ کر رہی تھی۔ایراج تیزی سے کچھ سوچتے محراب کے کمرے کی طرف بڑھی تھی۔

"محراب جلدی چلو میرے ساتھ، مجھے لگتا ہے کہ حیات اور ابراہیم بھائی کے بیچ ضرور کچھ ہوا ہے۔اسی لیے اسلم بابا مراد انکل اور بڑے ابا کو بلا کر لے کر گئے ہیں" ایراج نے پھولے سانس کے ساتھ کہتے محراب کا بازو کھینچا تھا۔جو خلاف عادت اس ٹائم تیاریاں کروانے کی بجائے اپنا موبائل استعمال کر رہا تھا۔

"سانس تو لے لو ایراج! پھر مجھے کھل کر بتاو کہ تمہیں ایسا کیوں لگا کہ حیات اور ابراہیم کے درمیان کچھ غلط ہوا ہے۔کیا تم وہاں دیکھ کر آئی ہوں؟" محراب نے سمجھداری کا ثبوت دیتے، پہلے بات کی تفتیش کی تھی۔

"اوہو تمہاری یہ جاسوسی والی روح بھی ابھی بیدار ہونی ہے کیا؟ دیکھو میری بات کا یقین کرو ابھی اسلم بابا آئے تھے۔نجانے انہوں نے ایسا کیا کہا تھا کہ بڑے ابا اور مراد انکل کے چہرے پر اضطرابی کی کیفیت چھا گئی تھی۔اور وہ تیزی سے ادھر چلے گئے۔ مجھے نجانے کیوں لگتا ہے ہمیں بھی وہاں چلنا چاہیے" ایراج نے ایک بار پھر تفصیل

NEW ERA MAGAZINE

دہراتے آخر میں محراب کو ساتھ کھینچا تھا۔

"اوکے اوکے ہم چل رہے ہیں۔ لیکن پلیز تم یہ رونا مت شروع کر دینا۔ سچی روتی ہوئی بھوتنی لگو گی" محراب نے شرارت سے اس کی پریشان آنکھوں میں دیکھتے کہا تھا۔ جو کسی بھی وقت آنسوؤں کی ندیاں بہا سکتی تھی۔

"بہت فضول بولتے ہیں آپ! میں جا رہی ہوں آپ نے آنا ہوا تو آ جائے گا۔" خفگی سے کہتے ایراج کمرے سے نکلی تھی۔ جس پر محراب بھی دانتوں کی نمائش کرتے، تیزی سے اس کے لیے پیچھے لپکا تھا۔

****

"سنو ابراہیم بھائی اور حیات کہاں ہیں؟؟ ان کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟" ایراج نے ابراہیم کے پورشن میں داخل ہوتے، لاونج میں کام کرتی ملازمہ سے پوچھا تھا۔ جو آج کل اس پورشن میں ہونے والی تبدیلیوں پر پہلے ہی حیران سی تھی۔ مزید دو لوگوں کو یہاں دیکھ کر اسے مزید حیرانگی کا جھٹکا لگا تھا۔

"اے ایسے آنکھیں کیا پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہی ہو۔ بھوت نہیں ہے ہم جو تمہیں دورا پڑ گیا

ہے۔جو پوچھا جلدی سے اس کا جواب دو۔"اس ملازمہ کے برتاؤ نے ایراج کا دماغ گھمایا تھا۔اسی لیے محراب کا غصہ بھی اسی پر نکالتے پھاڑ کھانے والے لہجے میں بولی تھی۔

"معافی میڈم! وہ بس پہلے کبھی یہاں اتنے لوگ نہیں آئے نا اسی لیے حیران ہو رہی تھی۔...."ملازمہ کی وضاحت پر محراب نے تیزی سے اسے ٹوکا تھا۔

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے یہ سب چھوڑیں اور اس بات کا جواب دیں جو ایراج نے پوچھا ہے۔"اس دوران ایراج کی نظریں ارد گرد سب لوگوں کو تلاش کرنے کی تگ و دو میں تھی۔

"صاحب وہ دوسری منزل پر بائیں جانب والے پہلے کمرے میں ہے۔وہ جی ابراہیم صاحب کی طبیعت بہت خراب ہے۔اسی لیے سب وہی موجود ہیں۔"ملازمہ کی بات پر دونوں کو جھٹکا لگا تھا۔اس لیے تیزی سے ان کے کمرے کی جانب بڑھے تھے۔جہاں اس وقت سب لوگ موجود تھے۔

****

"حیات میری بچی پریشان مت ہو! ابراہیم ٹھیک ہو جائے گا۔ اگر تم ایسے ہی روتی رہو گی تو اپنی بھی طبیعت بھی خراب کر لو۔ پھر بتاو ابراہیم کی دیکھ بھال کیسے کرو گی۔" مراد صاحب نے تیسری بار حیات کو اپنے ساتھ لگاتے سمجھایا تھا۔ جو روتے ہوئے کچھ بھی سمجھنے کو تیار ہی نہیں تھی۔

"بابا میں رونا نہیں چاہ رہی لیکن آنسوں خود باخود آرہے ہیں۔ مجھے سمجھ نہیں آرہا میں کیا کروں۔ آپ پلیز ابراہیم سے کہیں نا کہ وہ اٹھ جائے۔" حیات کی حالت بہت قابلِ رحم تھی۔ مراد صاحب نے اپنی بیٹی کی تکلیف پر لب بھینچے تھے۔ یہ سب دیکھنا ان کے لیے آسان نہیں تھا۔ آسان تو بڑے ابا کے لیے بھی اپنے پوتا پوتی کو ایسے دیکھنا نہیں تھا جو اس وقت ابراہیم کے ماتھے کی پٹی رکھ رہے تھے

"حیات یار پلیز حوصلہ کرو۔ تم تو میری مضبوط بہن ہو۔ مجھے پورا یقین ہے کہ ابراہیم بھائی ٹھیک ہو جائیں گے۔" محراب جو اندر آتے حیات کی بات سن چکا تھا، آگے بڑھ کر حیات کو اپنے ساتھ لگاتے بولا تھا۔

"بھائی!" اپنے بھائی کی آمد پر حیات شدت جذبات سے رو پڑی تھی۔ جس پر اس کے ماتھے پر بوسہ دیتے محراب نے اسے چپ کروایا تھا۔ بھائی تو بہنوں کا مان اور حوصلہ

NEW ERA MAGAZINE

ہوتے ہیں۔یہی وجہ تھی محراب کی آمد، محبت اور ساتھ کا یقین کرتے حیات کی روح کی گہرائیوں تک سکون کی لہر دوڑ گئی تھی۔

"جھلی بس بھی کر دو رونا یہ نا ہو تمہارے آنسوں سے یہاں سونامی آجائے اور تمہارا بھائی اپنے چھوٹے چھوٹے ارمان دل میں لیے بہہ جائے۔اگر ایسا ہوا تو یاد رکھنا میرے بچے بھی اپنی پھوپھو کو کبھی معاف نہیں کریں گے۔"شرارت سے حیات کی ناک دباتے محراب نے ایراج کی طرف گہری نظروں سے دیکھتے اتنی آواز میں کہا تھا۔جو صرف ان تینوں کو سنائی دی تھی۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels | Afsana | Articles | Books | Poetry | Interviews

محراب کی بات پر جہاں ایراج نے گڑبڑا کر نظروں کا زاویہ بدلتے خود کو لا تعلق ظاہر کیا تھا۔وہی حیات کھل کر مسکرا دی تھی۔

"تھینکیو سو مچ بھائی مجھے سمجھنے کے لیے!"حیات نے اچانک سنجیدہ ہوتے ہوئے کہا تھا۔جس پر محراب نے اپنی بہن کے سر پر ہاتھ رکھتے، مسکراتے ہوئے نفی میں سر ہلایا تھا۔

"حیات میری جان! بس بھی کرو بہت ہو گیا یہ رونے دھونے کا سین۔ہائے مجھے تو بہت خوشی ہے کہ تم نے کیف کھڑوس کی بجائے ابراہیم بھائی کو منتخب کیا ہے۔دعا ہے

کہ ابراہیم بھائی اور تمہارا ساتھ ہمیشہ قائم رہے آمین۔" حیات کو گلے لگاتے ایراج نے خوشی سے بھرپور لہجے میں کہا تھا۔ جس پر ایراج کے گلے لگی حیات نے خود کو دنیا کی خوش قسمت ترین لڑکی جانا تھا جس کے پاس باپ اور بھائی کے سہارے کے بعد ایک مخلص ترین دوست بھی تھی۔ ان سب کی آمد نے اسے بہت تقویت بخشی تھی۔

****

بڑے ابا اور باقی سب صبح تھوڑی دیر بیٹھنے کے بعد واپس جا چکے تھے۔ ان کی آمد سے یہ فائدہ ہوا تھا کہ حیات خود کو مضبوط محسوس کرتے، دل و جان سے ابراہیم کی خدمت کرنے لگی تھی۔ جو ہوش اور بے ہوش کی درمیان کیفیت میں جھول رہا تھا۔ اب تو شام کے سات بج چکے تھے اور ساتھ والے پورشن سے ڈھول کی تھاپ اور گیتوں کی آوازیں آنا شروع ہو چکی تھی۔ شاید مہندی کے فنکشن کا باقاعدہ آغاز شروع ہو گیا تھا۔ لیکن ابراہیم کا بخار کم ہونے کی بجائے ایک بار پھر سے بڑھ گیا تھا۔ اس کی حالت اس قدر خراب ہو گئی تھی کہ وہ تکلیف سے تکیے پر سر پٹکنا شروع ہو گیا تھا۔ یہ سب دیکھ حیات کی تو جان لبوں پر آ گئی تھی۔

"اے میرے اللہ! میں کیا کروں؟ مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا کہ ابراہیم کو کیا ہو رہا ہے۔

ابراہیم ادھر دیکھیں نا میری طرف! بتائیں نا کیا سر میں درد ہو رہا ہے؟ اگر کہتے ہیں تو میں سر دباؤ؟ پلیز آپ کچھ بولیے نا! ایسے چپ کیوں ہیں؟" حیات نے تڑپتے ہوئے ابراہیم کے قریب بیڈ پر بیٹھتے ہوئے کہا تھا اور ساتھ ہی اس کا سر اپنی گود میں رکھتے دبانے لگی تھی۔

حیات کے ہاتھوں کی ٹھنڈک کو محسوس کرتے ابراہیم کے اندر سکون اترا تھا۔اسی لیے غنودگی کے عالم میں کبھی اس کے ہاتھوں کو اپنی آنکھوں پر لگا رہا تھا۔تو کبھی اپنے سینے پر رکھتے ان کی ٹھنڈک میں اتار رہا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE .COM
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"یااللہ یہ کیسی آزمائش ہے۔؟میں ابراہیم کو ایسے نہیں دیکھ سکتی۔میرے اللہ پلیز ابراہیم کو جلدی سے ٹھیک کر دیں۔" ابراہیم کے بخار میں تڑپتے وجود نے حیات کے آنکھیں ایک بار پھر سے آنسوں سے بھری دی تھی۔سارا حاصلہ ریت کے ٹیلے کی مانند ڈھے گیا تھا۔

"اسلم بابا! ہیلو اسلم بابا پلیز جلدیں آئیں ابراہیم کی طبیعت پھر سے بگڑ گئی ہے۔" اچانک سے کسی کو بلانے کے خیال سے، انٹر کام سائیڈ ٹیبل سے اٹھاتے حیات نے بے چینی سے کہا تھا۔

"بیگم صاحبہ! اسلم بابا کو تھوڑی دیر پہلے بڑے صاحب نے بلایا ہے۔اگر کوئی کام ہے تو آپ مجھے کہہ دیں۔" یہ کوئی اور ملازم تھا جس نے لاونج میں پڑے انٹر کام کو اٹھاتے جواب دیا تھا۔

"ہاں تم ایک کام کرو جلدی سے مزید ٹھنڈا پانی کسی ملازمہ کے ہاتھ اوپر بھیجو اور ہاں جو صبح ڈاکٹر صاحب آئے تھے۔ان کا نمبر بھی لے آنا" اسلم بابا کی غیر موجودگی کا سن کر حیات کو مایوسی ہوئی تھی۔ لیکن وہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر نہیں بیٹھ سکتی تھی۔اسی لیے اب خود ہی اس نے ڈاکٹر صاحب سے بات کرنے کا سوچا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"بیٹا جیسی حالت آپ ابراہیم کی بتا رہے ہو۔اس سے مجھے ڈر ہے کہ کہی اتنا تیز بخار اس کے دماغ کو نا چڑھ جائے۔اس لیے اسے فوراً ٹھنڈے پانے کے شاور کے نیچے کھڑا کرو۔یہی اب بہتر حل ہے۔" ڈاکٹر نے حیات کا جواب سنتے اسے فوراً ہدایت دی تھی۔ جس پر فون بند کرتے حیات سوچ میں پڑ گئی تھی۔

دھان پان سی اس لڑکی کے لیے ابراہیم جاسم آفندی جیسے بھرپور جسامت والے مرد کا وجود اُٹھانا بہت مشکل تھا۔حیات نے بے بسی کے احساس سے ایک نظر کھڑکی کے اس پار سے آتی روشنی اور شور و غل کے ساتھ ایک نظر ابراہیم کے تڑپتے وجود پر ڈالی تھی۔

اس وقت تنہا کے احساس سے وہ ٹوٹنے لگی تھی۔جب اس کے اندر سے آواز آئی تھی۔

"حیات ابراہیم تمہارا شوہر ہے۔تم اسے یوں تڑپنے کے نہیں چھوڑ سکتی۔اس لیے ہمت مت ہارو بلکہ اپنے شوہر کا سہارا بنو۔"اپنے دل کی آواز پر اپنے حوصلہ کو یک جا کرتے حیات نے نم آنکھیں صاف کی تھیں۔پھر ابراہیم کے سر کو اختیار سے سرہانے پر رکھتے وہ اٹھی تھی۔دوسری طرف سے آتے اس نے ابراہیم کی ٹانگیں پہلے نیچے کی تھی۔اور پھر ابراہیم کے بائیں بازو کو اپنے کندھے پر رکھنے لگی تھی۔انہی سب نے اسے تھکا ڈالا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interview

"بیگم صاحبہ آپ کہیں تو میں بھی مدد کرواں"پاس کھڑی ملازمہ نے حیات کو بے حال ہوتے دیکھا تو ہمدردی سے بول بیٹھی۔

"نہیں تم ایسا کرو جلدی سے کسی ملازم کو بلاؤ"اپنے شوہر کے نزدیک کسی مرد کی موجودگی وہ بھی حیات برداشت کر جائے قطع نہیں،یہی وجہ تھی کہ اس نے ملازم کی مدد لینے کا سوچا تھا۔

"ابراہیم پلیز ہوش کریں اور آنکھیں کھولیں۔مجھ سے آپ کی یہ حالت مزید برداشت نہیں ہو رہی۔پلیز زز اپنی لیٹل ڈول کے حال پر ترس کھائیں۔"شاور کے ٹھنڈے پانی

کے نیچے کرتے،حیات نے ابراہیم کو جھنجھوڑا تھا۔وہ مسلسل اسے ہوش میں لانے کی کوشش کررہی تھی۔پانی کی بوندھیں ابراہیم کی روح پر پڑتے اسے تسکین پہنچارہی تھی۔بخار کا زور ٹوٹ رہا تھا دوسری طرف شہزادی کا ضبط بس جھلکنے کے نزدیک تھا۔

جب سارے دن پہلی بار شہزادہ نے اپنی شہزادی کے کندھے پر سر رکھتے نیم خفتگی میں سرگوشی کی تھی۔

"پیپ۔۔۔پلیز مجھے چھوڑ کر مت جانا. میں تمہارے بنا۔۔۔نہیں رہ سکتا۔۔۔تم میری زندگی کی آخری اور اکلوتی خوشی۔۔۔ہو۔۔۔میں تمہارا کھونا برداشت نہیں کر سکتا۔۔۔میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں۔۔۔"

اس سرگوشی کے ساتھ ابراہیم نے اپنا حصار حیات کے گرد باندھا تھا۔شاید بخار میں بھی وہ کسی اپنے کے دور جانے سے بے چین تھا۔لیکن کس کے؟؟اس خیال نے حیات کی آنکھوں میں مرچی بھر دی تھی۔

"تو کیا وہ اس کی زندگی میں زبردستی داخل ہوئی تھی۔کیا ابراہیم کسی اور کو چاہتا تھا۔؟ کون ہے وہ جس کی دوری ابراہیم کو تکلیف دے رہی ہے۔کیا میری وجہ سے ابراہیم اس لڑکی سے دور ہوا ہے۔اوہو حیات تم کچھ زیادہ ہی سوچ رہی ہو۔یہ بھی تو ہو سکتا

ہے کہ وہ لڑکی تم ہی ہو۔ لیکن یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تم نا ہو۔۔۔" اپنی سوچوں میں غلطاں حیات ابراہیم کے حصار میں موجود اپنے لیے محبت، اپنے لیے اس کی شدت کو محسوس ہی نہیں کر پا رہی تھی۔

"ائم سوری ابراہیم! میں انجانے میں آپ کی تکلیف کی وجہ بن گئی ہوں۔ میں نہیں جانتی کہ آپ کس سے محبت کرتے ہیں۔ پر میں آپ سے ہمیشہ محبت کرتی ہوں اور رہوں گی۔ میں وعدہ کرتی ہوں۔ کہ آپ کی زندگی کو اتنی خوشیوں سے بھر دوں گی۔ کہ آپ کسی اور کے پاس جانے کا کبھی سوچ بھی نہیں پائیں گے۔ کیونکہ حیات ابراہیم اپنے شوہر تو دور اپنی کسی چیز میں شراکت برداشت نہیں کر سکتی۔" کسی انجان سے رقابت کے احساس میں ڈوبی حیات ابراہیم کے گرد حصار باندھتے جنونیت سے بڑبڑا رہی تھی۔ اگر عورت ضد میں آجائے تو کوئی اسے ہرا نہیں سکتا۔

تھوڑی دیر کے بعد جب ابراہیم کے بخار کا تھوڑا ٹوٹا اور وہ تھوڑا تھوڑا ہوش میں آنے لگا تو تب تک اسلم بابا بھی آچکے تھے۔ ابراہیم کو بیڈ پر لیٹا لینے کے بعد حیات انہیں ابراہیم کے کپڑے بدلنے کا کہتی خود بھی کپڑے بدلنے کے لیے ڈریسنگ روم میں بند ہو چکی تھی۔

****

نعمان صاحب کے پورشن کو گیندے کے پھولوں اور فینسی لائٹنگ سے سجایا تھا۔ سجاوٹ کے بعد تو اس کی جھب ہی نرالی ہو گئی تھی۔ مہندی کے فنکشن کے لیے لان میں ایک مصنوعی فاؤنٹین بنایا گیا۔ جس سے کچھ فاصلہ پر ایک خوبصورت جھولا رکھا گیا تھا۔ جہاں اس وقت دولہا اور دولہن کو بیٹھایا گیا تھا۔ مہندی کی رسم شروع ہو چکی تھی۔ لیکن کیف کی غیر موجودگی کو محسوس کرتے، مہرون فینسی نگینوں والے سوٹ زیب تن کیے افشاں بیگم، اس کے کمرے میں چلی آئی تھی۔

"کیف نیچے رسم شروع ہو چکی ہے اور تم ہو کہ ابھی ویسے ہی لیٹے ہو کتنی غلط بات ہے۔ کیا سوچیں گے سب لوگ کہ چھوٹا بھائی بڑے بھائی کی شادی پر کیوں نہیں آیا اور دانش وہ کتنا ہرٹ ہو گا جب اسے پتہ چلے گا کہ اس کا چھوٹا بھائی اس کی خوشیوں میں شامل نہیں ہوا۔ اس لیے چلو جلدی سے تیار ہو۔" افشاں بیگم نے کیف کو بیڈ سے کھینچ کر اٹھاتے ہوئے کہا تھا۔

"ماما میرا دل نہیں وہاں جانے کا اور جہاں تک لوگوں کی باتوں کا سوال ہے تو وہ لوگ کب باتیں کرنا نہیں چھوڑتے۔ آپ پلیز ان کی پرواہ مت کریں۔ میں دانش بھائی سے

خود بات کر لوں گا۔" کیف نے بیزار گی سے اپنی بازو کو چھڑاتے کہا تھا۔

"لیکن میں تمہیں اس جوگی روپ میں بالکل نہیں دیکھ سکتی کیف! میری بات کان کھول کر سن لو میرے بچے حیات تمہاری تھی اور ہمیشہ تمہاری ہی رہے گی۔ فلحال وہ بڑے ابا کی باتوں میں آکر غلط قدم اٹھا چکی ہے۔ لیکن یقین کرو میں جلد ہی اسے تمہاری قسمت میں لے کر آؤں گا گئی۔ وہ صرف تمہاری دولہن بنے گی۔ اس لیے تمہیں تھوڑا صبر کرنا ہو گا" کیف کی برین واشنگ کرتے افشاں بیگم زہر اگل رہی تھی۔

" کیسی عجیب باتیں کر رہی ہیں ماما! چاہے حیات نے بڑے ابا کے دباؤ میں آکر نکاح کیا ہے یا اپنی مرضی سے کیا ہے۔ لیکن سچ یہ ہے کہ وہ اب صرف ابراہیم کی بیوی ہے۔ اس پر میرا کوئی حق نہیں ہے۔ اپ پلیز اس بارے میں اب مزید کچھ مت کہیے گا۔ کیونکہ آپ کا بیٹا اتنا برا نہیں ہے کہ کسی کی جھولی میں گرے پھل کو زبردستی اپنا بنا لے۔" غصہ سے کہتے کہف اپنے کپڑے اٹھاتے بیڈ سے اٹھا تھا۔

"تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا کیف یہ کیسی باتیں کر رہے ہو۔ ایک بات کان کھول کر سن لو ہاتھ آئی سونے کی مرغی کو میں تمہاری بیوقوفی کی وجہ سے کہی نہیں جانے دوں گی۔ ویسے بھی ہمارے پاس ہے ہی کیا؟ ایک قرضے میں ڈوبی فیکٹری اور زمین جائیداد کے

نام پر چند کنال جو تقسیم ہونے کے بعد کسی کے حصہ میں دال میں نمک کے برابر ہی حصہ آئے گا۔ لیکن حیات وہ تو مراد صاحب کی اکلوتی بیٹی ہے۔ جس کو دولت میں سے آدھا حصہ تو ضرور ملے گا۔ اس لیے یہ کبھی مت سوچنا کہ میں اسے یونہی ہاتھ سے جانے دوں گی۔ ویسے بھی جب تمہاری پھوپھی اس بات پر راضی ہیں تو تمہیں کیا مسئلہ ہے۔" لالچ تو افشاں بیگم کی باتوں کی ایک ایک حصّہ سے پھوٹ رہا تھا۔

"ماما میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اپ اتنی لالچی ہو سکتی ہے۔" اپنی ماں کی باتوں پر ششدر کھڑے کیف کے منہ سے صدمے سے پھسل تھا۔ دکھ تو دروازہ کے پار کھڑے دوسرے وجود کو بھی لگا تھا۔ جو افسوس سے نفی میں سر ہلاتے نیچے چلا گیا تھا۔

"ہاں ہاں اب تو تمہیں ماں ہی بری لگے گی۔ ویسے کیا غلط سوچا ہے میں نے صرف اپنی اولاد کی خوشیوں کے متعلق ہی سوچا ہے نا اور یہ تو ہر عورت سوچتی ہے۔ میں نے ایسا کیا غلط کہہ دیا جو تم مجھے باتیں سنا رہے ہو۔" وہ ایسے لوگوں میں سے تھیں جو کبھی بھی اپنی غلطی تسلیم نہیں کرتے، تو اب یہ کیسے ممکن تھا کہ کیف کی شرمندہ کرتی نگاہوں سے وہ اسی وقت رہتے سنبھل جاتی۔

"ماما میرے کہنے کا پلیز غلط مطلب مت لیں۔ میں تو بس یہ کہہ رہا تھا کہ جب ہمارے

پاس اپنا سب کچھ ہے تو کیا ضرورت ہے ہمیں کسی کی دولت پر نظر رکھنے کی۔"افشاں بیگم کو گلے لگاتے کیف نے انہیں سمجھانا چاہا تھا۔

"دیکھو کیف اب مجھے اپنی بات سے مت ہٹاؤ بس میں نے کہا دیا تو کہہ دیا کہ تمہاری دلہن حیات بنے گی تو بس وہی بنے گی۔اس کے لیے خود کو تیار کر لو اور ہاں جلدی سے تیار ہو کر نیچے جاؤ، سب تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔" برسوں کے بگڑے جب تک ٹھوکر نا کھا لیں، اتنی دیر تک کب سدھرتے ہیں۔

"ماما چاہے اپ جو مرضی کہہ لیں لیکن میں اب حیات کو اپنی زندگی میں کبھی نہیں لاوں گا۔کیونکہ سیکنڈ ہینڈ چیزیں کیف آفندی نے کبھی اپنے کمرے میں پسند نہیں کی تو زندگی میں تو قطعً برداشت نہیں کرے گا۔"کیف اپنے ماں کے جانے کے بعد سرگوشی کرتے، واش روم میں بند ہو گیا تھا۔اس نے محبت کی تھی لیکن اس کی انا اس کی محبت سے زیادہ بڑی تھی۔یہی وجہ تھی کہ اسے محبت ملنے سے پہلے ہی چھین لی گئی تھی۔جس کا اسے افسوس تھا لیکن صدمہ نہیں تھا۔

****

Saiiyan Ke Ghar Hai Jaana

Jaa Kar Le Aao Paalgi

Kar Lo Gaana Bajaana

Rukne Na Paaye Dholki

Din Kaate Hain Gin Gin Ke

Theen Lambi Ghariyan Saal Ki

Sajna Se Ab Hai Milna

Koi Rah Dekhe Sasuraal Ki

Gaiyaan Gaiyaan Lar Gaiyaan

Gaiyaan Gaiyaan Lar Gaiyaan

Tere Haathon Pe Kesi

Mehndi Khili Hai

Rangon Se Chahaton Ki

Dori Bandhi Hai

Nazon Pali Hai Meethi

Gurr Ki Dali Hai

Chamki Chunri Ke Neeche

Dulhan Chali Hai..

Paag Piya Jab Dore Daale

Mann Bhaage Tor Ke Taale

Piyaa Jab Dore Daale

Mann Tore Sub Taale

Lar Gaiyaan Gaiyaan Lar Gaiyaan

Jab Se Ankhiyaan Lar Gaiyaan

Mil Gaiyaan Gaiyaan Mil Gaiyaan

Dil Ki Kariyaan Mil Gaiyaan (X2)

Kehna Tha Kehna Paaye

Dil Mein Bhi Rehna Paaye

Tum Jo Aaye To Armaan

Saamne Aaye.. (x2)

Rehne Do Sub Majbooriyan

Kaahe Ko Hai Yeh Dooriyaan

Ab Heer Khilaaye Raanjhe Ko

Apne Haathon Se Pooriyan

Paag Piya Jab Dore Daale

Mann Bhaage Tor Ke Taale

Piyaa Jab Dore Daale

Mann Tore Sub Taale

Lar Gaiyaan Gaiyaan Lar Gaiyaan

Jab Se Ankhiyaan Lar Gaiyaan

Mil Gaiyaan Gaiyaan Mil Gaiyaan

Dil Ki Kariyaan Mil Gaiyaan (X3)

Gaiyaan Gaiyaan Lar Gaiyaan

Gaiyaan Gaiyaan Lar Gaiyaan

مہندی کی اس شام کی رونق میں منہااور منیب کے ڈانس نے چار چاند لگادے تھے۔ان کے ڈانس ختم ہوتے ہی سب نے زوردار تالیاں بجاتے انہیں داد دی تھی۔ منہااور منیب نے جھک کرایک ساتھ داد وصول کی تھی۔ویسے ان کو دیکھ کرلگ نہیں رہا تھا کہ عام دنوں میں جنگلی بلیوں کی طرح لڑنے والے شادی پراس طرح امن وسکون سے ڈانس کریں گے۔ان کو دیکھ کر سفید قمیض شلوار پر پیلے رنگ کی واسکٹ پہنے خوبرو سے محراب مراد کے دماغ میں ایک شرارت ابھری تھی۔اسی لیے چہرے پر چمک لیے

ایراج کی جانب بڑھا تھا۔

"اہمم اہمم کیا کوہ قاف کی شہزادی اس ناچیز کو اپنے ساتھ ڈانس کرنے کا شرف بخشش سکتی ہے۔؟" ملٹی کلر لہنگا پہنے بالوں کو میسی جوڑے میں قید لیے، سراخی دار گردن پر لمبے جھمکے پہنے چہرے پر ہلکے سے میک آپ کے ساتھ تو ایراج بھی کوہ قاف کی بٹھکی ہوئی شہزادی ہی لگ رہی تھی۔ جس نے چونک کر محراب کی بات پر اس کی جانب دیکھا تھا۔

پاکستانی لباس میں چہرے پر شرارتی مسکراہٹ لیے، اپنے سر کو تھوڑا سہ جھکائے کھڑے محراب مراد نے ایراج آفندی کے چہرے پر مسکراہٹ بکھیری تھی۔ چاہے جانے کے احساس نے اس شہزادی کے دل کو چھوا تھا۔

"اگر میں نا کہہ دوں تو!" ایراج نے ایک ادا سے گردن اکڑا کر کہا تھا۔ اب اتنا سہ مغرور ہونا تو بنتا تھا۔

"تو میں زبردستی لے جاؤں گا۔" یہ کہتے ہی محراب نے زبردستی ایراج کا ہاتھ پکڑتے اسے اپنے ساتھ سٹیج پر گھسیٹ لیا تھا اور ساتھ اس نے ڈی جے کو گانا لگانے کا کہتے ایراج کے واپسی کے سارے دروازہ بند کر دیے تھے۔

Shakkar Wandaan Re

Mora Piya Mose Milan Aayo

Shakkar Wandaan Re

Mora Piya Mose Milan Aayo

Shakkar Wandaan Re

Mora Piya Mose Milan Aayo

NEW ERA MAGAZINE.com
Books|Poetry|Interviews

Khir Khir Haasi Door Udaasi

Chaanan Peewe Jind Piyaasi

Khir Khir Haasi Door Udaasi

Chaanan Peewe Jind Piyaasi

Loon Loon Thanda Re

Aji Loon Loon Thanda Re

Main Loon Loon Thanda Re

Mora Piya Mose Milan Aayo

Shakkar Wandaan Re

Mora Piya Mose Milan Aayo

Shakkar Wandaan Re

Mora Piya Mose Milan Aayo

NEW ERA MAGAZINE.com
|Books|Poetry|Interviews

Hulhulaare Nainaan Thaare

Hasti Masti Rang Utaare

Hulhulaare Nainaan Thaare

Hasti Masti Rang Utaare

Mel Pareetam Kamli Keetam

Chham Chham Naachoon

Charh Chaubaare

Julfaan Chhandaan Re

Aji Julfaan Chhandaan Re

Main Julfaan Chhandaan Re

Mora Piya Mose Milan Aayo

Shakkar Wandaan Re

Mora Piya Mose Milan Aayo

"محراب کے بچے خود تو اتنا پریکٹیس کر کے آیئے ہو اس لیے مزہ سے کر رہے ہو اور مجھ بچاری کا مذاق بنوا رہے ہو۔ تم نیچے چلو تمہارا قتل نا کر دیا تو میرا نام بھی ایراج آفندی نہیں" ایراج جو بس مجبوراً سٹیج پر کھڑی اس وقت گانے پر ڈانس کم اور خانہ پوری زیادہ کر رہی تھی۔ محراب کو شدت سے قتل کرنا چاہ لیے دانت پیس کر بولی۔

"بچے تو تب ہونگے جب میری ماں کی بہو ایراج آفندی ہاں کہے گی۔ لیکن وہ تو ہاں ہی نہیں کہہ رہی" محراب نے ایسے افسوس کرتے کہا کہ جیسا اس سے برا کوئی مظلوم ہی نا

ہو۔ایراج کا چہرے تواس کے ٹھر کی پن پر غصہ سے سرخ انار ہوا تھا۔

ہائےاوپر سے بے بسی یہ تھی کہ وہ یوں ڈانس چھوڑ کر اسے مار بھی نہیں سکتی تھی۔اسی لیے ضبط سے اس کا ساتھ دے رہی تھی۔لیکن براہوا جو غصہ میں پاؤں لہنگے میں الجھ کر وہ گرنے لگی تھی کہ اگر بروقت محراب تھام نالیتا تو یقیناً زمین کو بوسے دے رہی ہوتی۔یہ سب اتنا اچانک اور غیر ارادی تھا کہ ادھر گانا ختم ہوا اور ادھر ان کا ڈانس ختم ہوا، جس کی وجہ سے کسی کو ایراج کے گرنے کا اندازہ ہی نہیں ہوا تھا۔بلکہ سب اسے ڈانس کا حصہ سمجھتے داد دے رہے تھے۔

ایراج تو تالیوں سے ہوش میں آتے نیچے بھاگی تھی۔اس وقت وہ محراب سے سخت خفہ ہو چکی تھی۔یقیناً اب محراب کو اسے منانے کے لیے پاپڑ بیلنے پڑنے تھے۔حمیرہ بیگم جو دور سے ان دونوں کو دیکھ رہی تھی۔ان کی نوک جھوک پر مسکرا دی تھی۔

"بیگم مجھے خوشی ہے کہ آپ نے بہت جلد حقیقت کو قبول کر لیا ہے۔مجھے آپ سے اسی عقل مندی کی امید تھی۔بس یونہی اب اپنی بیٹی کو دعائیں دے کر آپ کو میرے ساتھ پرسوں کی فلائیٹ سے واپس جانا ہے۔اسی لیے تیاری پکڑ لیں۔" مراد صاحب جن کو حمیرہ بیگم کا اطمینان کچھ کھٹک رہا تھا۔ان کے قریب آتے اطمینان سے چہرے

پر مسکراہٹ سجا کر بولے تھے۔ اخر وہ ان کے شوہر تھے تو کیسے ممکن تھا کہ ان کے چھوٹے سے چھوٹے انداز کو نا سمجھ پاتے۔

"ہم اپنی بیٹی کو برباد ہونے کی دعائیں دیتی ہے۔ میری جوتی! میں آپ کے جیسی بیوقوف نہیں ہوں۔" حمیرہ بیگم دل ہی دل میں بڑبڑائی تھی۔ لیکن پھر مراد صاحب کو خفگی سے دیکھتے بولی تھی۔

"مراد صاحب میں نے اس بات پر خاموش اختیار کر لی ہے تو اس پر شکر منائیں لیکن میں بتا رہی ہوں کہ جب تک میں حیات کو ابراہیم کے ساتھ خوش نا دیکھ تب تک مجھے سکون نہیں ملے گا۔ اسی لیے میں مزید یہاں کچھ ماہ ٹھہروں گی۔ اگر آپ چاہیں تو محراب کے ساتھ واپس جا سکتے ہیں۔ میں چند ماہ بعد اپنی تسلی کرتے واپس آجاوں گی۔" ان کی بات سے صاف ظاہر تھا کہ ابھی واپس جانے کی تجویز انہیں زرا پسند نہیں آئی۔ ایک فیصلہ نے ان دونوں میاں بیوی کے برسوں پرانے رشتے میں دوریاں بھر دی تھی۔

****

محبت پھول ہے جاناں کہو تو پھول بن جاؤں

تمہاری زندگی کا ایک حسین اصول بن جاؤں

سنا ہے ریت پر چل کے، تم اکثر مہک جاتے ہو

کہو تو اب کی بار میں، زمین کی دھول بن جاؤں

بہت نایاب ہوتے ہیں، جنہیں تم اپنا کہتے ہو

اجازت دو کہ میں بھی اس قدر انمول بن جاؤں

"کیا آپ کا دل کبھی مجھے دیکھ کر نہیں دھڑکا؟ کیا آپ کو میں کبھی اچھی نہیں لگی؟ کیا کبھی میری محبت نے آپ کے دل تک رسائی حاصل نہیں کی ابراہیم بتائیں ناچپ کیوں لیٹیں ہیں۔ یہاں شراکت کے احساس سے میرا دل جل اٹھا ہے۔اور آپ ہیں کہ پر سکون سو رہے ہیں۔ایسے کیوں ہے ابراہیم کیا میری محبت کمزور ہے۔ کیا میں واقع میں آپ کے قابل نہیں ہوں۔آپ کوئی جواب کیوں نہیں دے رہے ابراہیم؟ کیا آپ کے نزدیک میری کوئی اوقات نہیں ابراہیم؟" آنسوں سے بھرے دو نین اس وقت تیزی سے برس رہے تھے۔

کالے سوٹ میں اپنا سوگوار حسن لیے حیات ابراہیم، پر سکون لیٹے ابراہیم جاسم آفندی

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

کے پاس جوگن بنی بیٹھی تھی۔جب سے ابراہیم کے منہ سے وہ الفاظ نکلے تھے وہ خود کو انگاروں پر لوٹتا محسوس کررہی تھی۔آہ یہ ظالم محبت کیسے کیسے رولانے والی تھی اس انا زادی کو....

"سنیں ! میں اپنے سرکل میں بہت مغرور سمجھی جاتی تھی۔جس کی نظر ایک بار کسی چیز پر پڑ جائے تو سمجھو وہ صرف اس کی ہوتی تھی۔اور آپ تو پھر میرے میرے شوہر ہیں۔جس کو کسی کے ساتھ بانٹنا تو دور کسی کے پاس دیکھنا بھی میں برداشت نہیں کر سکتی۔اس لیے میں پہلے ہی بتارہی ہوں کہ جیسے میرے دل ودماغ پر صرف وصرف آپ کا نام کندہ ہے۔ویسے ہی آپ کے دل ودماغ پر بھی صرف میرا نام ہی کندہ ہونا چاہیے اور اگر آج نہیں ہے تو کیا ہوا میں خود آپ کو محبت کرنے پر مجبور کردوں گی۔ چاہے اس کے لیے مجھے موت کو گلے کیوں نا لگانا پڑے"ابراہیم کے بالوں میں ہاتھ پھیرتی،چاند کی روشنی میں نہائی وہ مغرور شہزادی شدت پسندی سے کہہ رہی تھی۔

دنیا نے اب تک شدت پسند شوہر تو بہت دیکھے تھے لیکن یہ پہلی لڑکی ہونی تو جو محبت میں پاگل ایک شدت پسند بیوی بننے والی تھی۔نجانے اس کی شدت پسندی اس کے لیے اچھی ثابت ہونی تھی یا بری یہ تو وقت ہی بتانے والا تھا۔

****

رات کا اندھیرا دھیرے دھیرے سرکتے صبح کے اجالے میں قید ہو چکا تھا۔ وقت بدل چکا تھا۔ ایک نیا دور شروع ہونے لگا تھا۔ بہت سے لوگوں کی زندگیاں بدلنے والی تھیں۔ لیکن کیسے؟ یہ تو قسمت جانے!

سورج کی چمک دار روشنی چھن سے پردہ کو چیرتے اندر بیڈ پر موجود شہزادے کے چہرے پر پڑ رہی تھی۔ جو ایک دن بعد مکمل طور پر ہوش میں آیا تھا۔ ہوش میں آتے ہی اس کی نظر اپنی شہزادی پر پڑی تھی۔ جو سارے خوف بھلائے اپنا ہاتھ ابراہیم کے دل پر رکھے، قریب ہی تکیے پر سر رکھے لیٹی تھی۔ شاید نیند میں بھی وہ شہزادی شہزادے کے دل تک کسی کو پہنچنے نہیں دینا چاہتی تھی۔ تبھی پہرہ لگائے بیٹھی تھی۔

"کاش میری ہر صبح کا آغاز اتنا ہی حسین ہو کہ جتنا آج ہوا ہے۔ میری ہر روز اس چہرے کو دیکھتے شروع ہو اور اس دن کا اختتام بھی اسی چہرے کے ساتھ ہو۔" حیات کے چہرے کو دیکھتے ابراہیم حقیقت سے دور بھاگتا شاید محبت کے سنگ کہیں اور ہی پرواز کر رہا تھا۔ اس کی مقناطیسیت سے بھرپور آنکھیں اس کے چہرے کے ہر حصے کو چھوتی معتبر کر رہی تھی اور وہ جو رات کو عہد کر رہی تھی کہ ابراہیم کی آنکھوں میں اپنے لیے محبت

بھرے گی۔ اگر اس وقت اس ساحرہ آنکھوں میں اپنا عکس دیکھ لیتی تو سجدہ شکر اس پر واجب ہوتا۔

نابیان ہوئی ان سے

ناظاہر ہوئی ہم

سلجھی ہوئی آنکھوں میں

الجھی رہی محبت

حیات کے دوسری جانب کروٹ بدلنے پر ابراہیم اچانک ہوش میں آیا تھا اور حقیقت کی دنیا میں قدم رکھتے وہ اتنی تیزی سے اٹھا تھا جیسے کسی بچھو نے کاٹ لیا ہوا۔ حمیرہ بیگم باتیں پوری جزباتیت کے ساتھ اس کے ذہن کے ہر حصہ میں آنے لگی تھی۔

"یہ کیا کر رہا تھا میں؟ اپنا وعدہ توڑنے جا رہا تھا۔ نہیں نہیں میں ایسا نہیں کر سکتا۔ ابراہیم ہوش کرو، تمھیں جلد از جلد حیات سے دور جانے کا کوئی نا کوئی لائحہ عمل تیار کرنا ہوگا۔ ورنہ بہت دیر ہو جائے گی۔" اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرتے ابراہیم بڑبڑاتے تیزی سے اٹھا تھا۔

اپنے کپڑوں پر نظر پڑتے کل کے واقع کے مٹے مٹے نشان اس کے ذہن میں آنے لگے تھے۔ محبت نے پھر سے ہاوی ہونا چاہا تھا لیکن وہ شاید بھول بیٹھی تھی کہ جو شخص اس کہ سامنے ہے وہ کوئی عام شخص نہیں بلکہ ایک ناقابل تسخیر کالی آنکھوں والا ساحرہ ہے جس پر اپنا اثر چلانا کوئی عام بات نہیں۔

ابراہیم سر کو جھٹک کر تیار ہونے کے لیے چل دیا تھا۔کچھ دیر بعد گرے فارمل ڈریس پینٹ اور سفید شرٹ میں سوٹڈ بوٹڈ، کالی پرکشش آنکھوں والا ابراہیم جاسم آفندی ڈریسنگ روم سے باہر نکلا تو اس کے چہرے پر ایک تناؤ سہ نظر آرہا تھا۔یہ سختی عام طور پر اس کی شخصیت کا خاصہ نہیں ہوتی تھی جو آج نظر آرہی تھی۔

"یہ آپ اتنی صبح صبح تیار شیار ہو کر کہاں جارہے ہیں؟ ابھی آج تو آپ بخار سے اٹھے ہیں۔ایسی حالت میں آفس جانا ٹھیک نہیں ہے۔اس لیے میرا آڈر ہے کہ آج آپ چھٹی کریں گیں۔" حیات جو ابراہیم کی غیر موجودگی محسوس کرتے آنکھیں ملتی اٹھی تھی۔ابراہیم کو تیار شیار دیکھ کر ایک دم حکم دیتے بولی تھی۔

"ہاں تو ایک بخار ہی تو تھا جو اب اتر چکا ہے۔اس لیے میں آج ہر حال میں جاوں گا۔ دیکھتا ہوں مجھے کون روکتا ہے اور آئندہ مجھ سے ایسے لہجے میں بات مت کرنا۔ "

ابراہیم کے تیور بھی بدلے تھے۔اس لیے اپنی ایک آئیبر واٹھتے اس نے رو عب ڈالنا چاہا۔

"آں ہاں ہاں کل تک تو بخار میں نواب صاحب سے ایک بازو بھی نہیں ہلایا جارہا تھا۔ اب تھوڑا بہتر ہو گئے ہیں تو ایسے تیس مار خان بن رہے ہیں جیسے کل بخار میں بھی کُشتی کرتے رہیں ہو۔ویسے بھی اپنے لیگل شوہر سے میں جیسے مرضی بات کروں آپ کون ہوتے ہیں روکنے والے! دوسرا میں بتارہی ہوں ابراہیم مجھے چیلنج مت کریں بس میں نے کہادیا تو کہہ دیا آپ آج کہی نہیں جائیں گیں" ابراہیم کے مقابل آتی حیات ہاتھ نچا کر چٹکھ کر بولی۔

کوئی ان کو دیکھ کر کہہ نہیں سکتا تھا کہ یہ وہی دنوں بیسٹ فرینڈ ہے جو شادی سے پہلے ایک دوسرے پر جان چھڑکتے تھے۔ لیکن اب کتے بلیوں کی طرح لڑ مر رہے ہیں۔

"بس بس اگر کل بخار میں تم نے میری تھوڑی سی مدد کر دی تھی۔تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اب تم مجھ سے حساب کتاب کرنے بیٹھ جاوں گی۔ تھوری سی شوہر کی عزت کرنا سیکھ لو تو شاید کام بن جائے اور اب جاؤں اور جا کر فریش ہو جاو۔اس طرح لڑتی پوری بھوتنی لگ رہی ہو۔میں آفس جارہاہوں۔شام میں ملتے ہیں۔" حیات کی بات کو

مذاق میں اڑاتے، ابراہیم دروازہ کھولتے برہمی سے بڑبڑا رہا تھا۔

حیات تو غم اور غصہ سے لال پیلی ہوتی بس قتل کرنے یا ہونے کو تیار بیٹھی تھی۔اس لیے جب کچھ سمجھ نہیں آیا تو سائیڈ ٹیبل سے پانی والا گلاس پکڑتی ابراہیم کے سامنے جا کھڑی ہوئی تھی۔

"فریش تو میں بعد میں جاوں گی۔پہلے آپ کو تو فریش کرنے کا انتظام کر لوں۔ابراہیم جاسم آفندی بہت ہلکا لے لیا آپ نے حیات ابراہیم جاسم آفندی کو" تمسخر اڑاتی ہنسی کے ساتھ حیات نے پانی کا گلاس اس کے سامنے لہرایا تھا۔

"دیکھو حیات یہ غلط ہے پلیز یہ نیچے کرو مجھے آفس سے دیر ہو رہی ہے۔ہم واپس آکر کنٹنیو کریں گیں۔ٹھیک ہے میری پیاری دوست!"اپنے لہجے میں مصنوعی شیرینی بھرتے ابراہیم نے حیات کے رخسار کھینچتے ہوئے کہا تھا۔

جس پر حیات بری طرح چڑی تھی اور اپنے رخسار سہلاتے چیخ کر بولی

"آآاااا۔۔۔کتنے سخت ہاتھ ہیں آپ کے بالکل مردوں کی طرح پلیز تھوڑا دور کریں۔ آہ میرا چہرہ درد کرنے لگ پڑا ہے۔"حیات گلاس سائیڈ ٹیبل پر رکھتے درد سے چیختے

ہوئے بول رہی تھی۔

"ویری گڈ ڈئیر وائفی! جا رہا ہوں میں آفس شام میں ملتے ہیں۔اور خبردار اگر تم نے میرے کمرے کی کسی بھی چیز کو ہاتھ لگایا تو جلدی سے کسی اور اچھے سے کمرے کو دیکھو اور وہاں شفٹ ہو جاؤ۔کیونکہ مجھے کسی کے ساتھ رہنے کی بالکل بھی عادت نہیں!"

دروازے سے باہر نکلتے ابراہیم نے گردن موڑ کر حیات کو آنکھ مارتے سلگایا تھا اور یا جا وہ جا ہوا تھا۔

"مجھے معاف کر دینا حیات! لیکن تمہیں مستقل تکلیف سے بچانے کے لیے، میں تمہیں اتنا زچ کروں گا کہ تم مجھے خود ہی چھوڑ کر چلی جاؤ گی" گاڑی میں بیٹھتے ابراہیم نے نم آنکھوں سے حیات کو تصور میں مخاطب کیا تھا۔پھر گہری سانس بھرتے گاڑی کو سٹارٹ کرنے لگا تھا۔

جب کہ دوسری طرف حیات اپنے بیوقوف بن جانے پر سلگ کر رہ گئی تھی۔یہی تو ایک کام تھا جو وہ کل سے بہت اچھے سے کر رہی تھی۔

"مجھے معاف کر دیجیے گا ابراہیم! کہ میں آپ سے بہت برے لہجے میں بات کی۔لیکن میں کیا کروں جو لوگ میرے دل میں بستے ہیں ان کے متعلق میں بہت شدت پسند ہو

جاتی ہوں۔اس لیے یہاں سے جاتی ہے میری جوتی! مجھے پتہ ہے آپ مجھے یہاں سے نکال کر اپنی اس محبوبہ نہیں ڈائن سے تنہا باتیں کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن میں ایسا نہیں ہونے دوں گی اور یہ جو مجھے پاگل بنایا ہے نا آپ نے اس کا بدلہ تو شام میں لوں گی۔"

معصومیت سے ابراہیم کے عکس سے آنکھیں بند کرتے آخر میں حیات پاگل پن سے بڑبڑائی تھی اور پاؤں پٹختی ڈریسنگ روم میں بند ہو چکی تھی۔ایک سیر تھا تو دوسرا سوا سیر اللہ جانے اب دونوں کا کیا بننے والا تھا۔

****

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Article|Books|Poetry|Interviews

دانش کی بارات کہی دور تو لے کر جانی نہیں تھی۔یہی وجہ تھی کہ بڑوں کی مرضی سے یہ تہہ پایا تھا کہ پہلے بادشاہی مسجد میں ان کا نکاح کیا جائے گا اور پھر اس کے بعد انہوں نے ڈی ایچ اے بینکوٹ میں جانا تھا۔جہاں سے رخصتی کی جانی تھی۔سب لوگ نکاح کے لیے نکل چکے تھے۔سوائے کیف کے جوان سب کے جانے کے بعد اب گھر سے نکلا تھا۔ لیکن اب لاہور کی مشہورِ زمانہ ٹریفک میں پھنسا سر کھپا رہا تھا۔

"اففف یہ کیا مصیبت ہے ادھر نکاح شروع ہو گیا ہے۔ادھر یہ چیونٹی کی سپیڈ سے چل رہے ہیں۔" کیف کے بس سر پیٹنے کے کسر باقی رہ گئی تھی۔ورنہ جو حال تھا یہ بھی

ممکن تھا کہ وہ یہ سب بھی کر لے۔

اللہ اللہ کر کے گاڑی اس ٹریفک سے باہر نکلتے قدرے کم رش والے سڑک پر آئی تھی۔ جس پر کیف نے شکر کا سانس لیا تھا۔ لیکن شاید آج کا دن ہی اس کے لیے برا تھا یہی وجہ تھا کہ اچانک سامنے سے کسی کے آجانے سے اسے بریک لگائی پڑی تھی۔

"اوئے پاگل لڑکی اتنا ہی مرنے کا شوق ہے تو کسی اور کی گاڑی کے آگے آکر کیوں نہیں مرتی؟ میرے گاڑی کے اگے آنا ضروری تھا کیا؟" گاڑی کا دروازہ جھٹکے سے کھولتے، کیف باہر نکلتے سامنے گری لڑکی کے سر پر جا کر گرجا تھا۔

"ماااااما!!!!۔۔۔۔یہ گندے انکل ڈانٹ لے ہیں۔آاا۔۔۔مجھے بچائیں ماما" کیف تو حیرت زدہ اس اٹھارہ انیس سال کی لڑکی کو بچوں کی طرح سڑک کے بیچوں بیچ بیٹھے روتے دیکھا رہا تھا۔ جو اس وقت کندھے تک آتے بالوں کے ساتھ جینز کا jumpsuits پہنے پاؤں میں سفید جوگرز پہنے کسی اور دیس کی معلوم ہو رہی تھی۔

"شش! لڑکی چپ کر جاؤ کیوں مجھے سب سے پٹوانا چاہتی ہو۔" لوگوں کے ہجوم کو جمع ہوتے دیکھ براون پینٹ کوٹ پہنے بارات کے فنکشن کی مناسبت کے حساب سے تیار ہوا خوبروسہ کیف گھٹنوں کے بل اسے کے سامنے بیٹھ کر لجاجت سے بولا تھا۔

"ااااا۔۔۔۔ماما! یہ انکل نابی کو ڈراااارہے ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔" کیف کے غصے کو دیکھ اس لڑکی نے مزید شور کیا تھا۔ جس پر بچارہ وہ گڑبڑا ہی گیا تھا۔

"آؤ میری ماں مجھے معاف کرو دیکھو میں کان پکڑ رہا ہوں۔ پلیز چپ کر جاؤ ورنہ یہ لوگ میرا کچومر بنادیں گے۔" لوگوں کو خود کی طرف نفرت سے سرگوشیاں کرتے دیکھ کیف نے جلدی سے کان پکڑتے معافی مانگی تھی۔

"ہاہاہاہاہا انکل معافی مانگ رہے ہیں۔۔۔۔ جائیں نابی نے معاف کیا آپ کو انکل۔۔۔" وہ لڑکی بالکل چھ سات سال کے بچے کی طرح برتاو کر رہی تھی۔ جس پر غور کرتے کیف کو حیرت کا جھٹکا لگا تھا۔ تو کیا سامنے موجود لڑکی کوئی دماغی مریضہ۔۔۔۔۔۔ اس سوچ کے آتے کیف نے لب بھینچے تھے۔

" تھینکیو اچھی لڑکی! چلو اب یہاں سے کھڑی ہو۔ دیکھو یہاں مٹی ہے نا۔۔۔ اس سے نابی گندی گرل بن جائے گی۔ پھر سب اسے ڈانٹیں گے۔ اس لیے جلدی سے اٹھو اور آپ سب بھی جائیں یہاں سے یہاں کوئی تماشہ نہیں لگا۔" نابی کو نیچے سے اٹھاتے کیف نے سب کو وہاں سے رفع دفعہ کیا تھا

"اچھا سنو تمہارے ساتھ کوئی نہیں ہے کیا جو یہاں اکیلی گھوم رہی ہو۔۔؟؟" کیف نے

اسے پانی کی بوتل دیتے اس سے نرمی سے پوچھا تھا۔یہ نرمی اس کی ذات کا خاصہ نہیں تھی۔

"نہیں انکل میں اکیلی نہیں تھی۔میری ماما بھی ساتھ تھی لیکن وہ پتہ نہیں کہاں چلی گئیں ہیں۔مجھے مل نہیں رہے۔۔۔نابی کو ماما پاس جانا ہے انکل" اپنی موٹی موٹی آنکھوں میں آنسوں لاتے وہ لڑکی بس رونے کو تیار تھی۔

"ٹھیک ہے ٹھیک لڑکی پلیز رونا مت میں تمہاری ماما کو ڈھونڈتا ہوں۔یقیناً وہ یہی کہی ہوں گی۔لیکن اس سے پہلے تم مجھے یہ انکل کہنا بند کرو۔آخر اتنا ہینڈسم کیف آفندی تمہیں انکل کہاں سے لگ رہا ہے لڑکی۔" کیف نے جلدی سے اسے چپ کرواتے اس سے درخواست کی تھی۔جو اس کی گاڑی کی بونٹ پر بیٹھی پل پل چہرے کے تاثرات بدلتی اسے حیران کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"پھر میں آپ کو کیا کہوں انکل؟" نابی کے معصوم چہرے پر پریشانی چھائی تھی۔جیسے یہ کوئی میتھ کا مسئلہ ہو جس کا حل ہونا پہاڑ سر کرنے کے مترادف ہو۔

"اممم تم چاہو تو مجھے کچھ بھی کہہ سکتی ہو۔ہاں بس انکل نہیں چلے گا" کیف نے ادھر ادھر سڑک پر کسی کو اس لڑکی کی تلاش میں دیکھنے کے لیے نظریں گھماتے کہا تھا۔

"اوکے پھر میں آپ کو کہوں گی۔۔۔۔۔ "

"انابیہ میری بچی کہاں تھی تم!! میں کتنی دیر سے ڈھونڈ رہی تھی گڑیا، آپ نے تو میری جان ہی نکال دی بچے!" جلدی سے انابیہ کو اپنے ساتھ لگاتی ادھیڑ عمر وہ عورت بولی تھی۔

"آئم سوری ماما! وہ۔۔۔۔ وہ میں گم ہو گئی تھی نا۔" اپنا نیچے والا ہونٹ باہر نکالتے گڑیا سی وہ لڑکی بولی تھی۔ جس پر اس عورت کے ساتھ کیف کے چہرے پر بھی مسکراہٹ ائی تھی۔

" تھینکیو بیٹا! میری بیٹی کی دیکھ بھال کرنے میں، اس کا بدلہ میں ساری زندگی نہیں چکا پاوں گی۔ بائے داوے آئم مسسز کامران !" وہ عورت کیف کی ممنوع نظر ا رہی تھی۔

"او مسسز کامران شکریہ کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ یہ تو میری گاڑی کے نیچے نیچے آتے بچی ہیں۔ آپ کو اس کی زیادہ حفاظت کرنی چاہیے۔ اس کو ایسے ہی سڑک پر لے کر نہیں نکلا چاہیے" کیف نے سنجیدگی سے جوب دیتے آخر میں انہیں ہدایت دی تھی۔

"اصل میں ہم دونوں یہاں کچھ دن پہلے یہاں شفٹ ہوئے ہیں۔ مجھے گھر کے لیے کچھ سامان لینا تھا لیکن نابی کے گھر رکنے والا کوئی نہیں تھی۔ ملازمہ پر میں ابھی بھروسہ نہیں کر سکتی۔ بس اسی لیے میں اسے بھی ساتھ لے آئی۔ اور اپنے کام میں مجھے دھیان ہی نہیں رہا کہ کب یہ ہاتھ چھڑاتے یہاں چلی آئی۔ آل کو تکلیف ہوئی اس کے لیے معزرت چاہتی ہوں۔ لیکن اپ نے میری بچی کی جو حفاظت کی اس کے لیے شکریہ! انابیہ آپ بھی انہیں تھینکیو بولیں" ادھیڑ عمر کی پڑھی لکھی وہ عورت لہجے سے کسی سلجھے ہوئے اور اعلی خاندان کی خاتون معلوم ہو رہی تھی۔

"تھینکیو سوپر مین!" مسسز کامران کی ہدایت پر کیف کا شکریہ ادا کرتی انابیہ اپنی ماما کا ہاتھ پکڑتے وہاں سے چلی گئی تھی۔ جبکہ کیف اپنے نئے نام پر دلکشی سے مسکرا کر سر جھٹکتا خود بھی مسجد کی طرف چل دیا تھا۔ یقیناً نکاح تو مکمل ہو گیا تھا۔ لیکن پھر بھی اسے وہاں پہنچنا تھا۔

****

گھر کی شادی ہونے کے باوجود بڑے ابا کے کہنے پر جلد ہی رخصتی کر دی گئی تھی۔ سب کچھ بہت عمدگی اختتام پذیر ہو چکا تھا۔ دامن اپنے دولہے کے سنگ رخصت ہو چکی

تھی۔نوجوان پارٹی نے خوب انجوائے کیا تھا۔ایراج اور منہا نے مل کر دانش کی جیب ڈھیلی کروائی تھی۔اور تو اور منیب نے بھی کمرے میں جانے سے پہلے دانش سے پیسے وصول کیے تھے۔

"بچارہ کو ایک بیوی کیا ملی ان سب نے تو اسے کنگال کرنے کا سوچ لیا تھا۔اللہ میرے حال پر رحم کرنا۔پتہ نہیں میرا کیا بنے گا۔جیسے ایراج کے تیور ہے آج بیٹا وہ تیرے سے بات کرلے بڑی بات ہے اور ایک تو ہے جو اس سے شادی کے خیال دیکھ رہا ہے۔" یہ سوچ بھی محراب صاحب کی تھی۔جو بس ان سب کے رسموں کو آج غور غور سے دیکھتے،روٹھی ہوئی ایراج کو منانے کی تگ ودو میں تھا۔لیکن وہ بھی اپنے نام کی ایک تھی زرا جو غریب کو لفٹ کروائی ہو۔

"اب ایراج آفندی کو تنگ کرنے کی سزا تو بھگتنی پڑے گی نا."ایراج بھی محراب کی مسکینیت بھرے چہرے کو دیکھتی لطف اندوز ہوتے،سب کی طرح اپنے کمرے کی جانب چل دی تھی۔کیونکہ تھکاوٹ کے باعث سرِ شام ہی سب کمروں میں بند ہو چکے تھے۔

لاونج میں کچھ ہی دیر میں خاموشی چھا گئی تھی۔جب وہاں پڑی فون نے رنگ کیا تھا۔

"السلام علیکم! کون بول رہا ہے۔" پاس سے گزرتے بڑے ابا نے فون کان سے لگاتے ہوئے کہا تھا۔ جس پر دوسری جانب سے نجانے کون بولا تھا کہ جس کی آواز پر بڑے ابا کے چہرے کا رنگ پہلے تو متغیر ہوا تھا۔ لیکن پھر اس پر ہلکی ہلکی سرخی چھلکی تھی۔

"کیوں کال کی ہے تم نے؟؟ ہماری پر سکون زندگیوں میں کیا پھر سے زہر گھولنا ہے تمہیں؟" بڑے ابا دبے دبے جلال میں بولے تھے۔ جس کے جواب میں کچھ کہا گیا تھا۔

"میں تمہیں آخری بار سمجھا رہا ہوں کہ آئندہ یہاں فون مت کرنا ہماری زندگی میں تمہاری کوئی ضرورت نہیں! ہم سب تمہارے بغیر یہاں بہت خوش ہیں۔ تمہارے جانے کے بعد میرے بچے نے جتنا سہا ہے۔ان سب سے اب جا کر اسے رہائی ملنے لگی ہے۔اس کے زندگی میں خوشیاں دستک دینے لگی ہے۔اب اگر تمہاری وجہ سے دوبارہ اس کے ساتھ کچھ ہوا تو میں برداشت نہیں کروں گا۔یاد رکھو اس بار اگر ہمارا سامنہ ہوا تو اپنے مقابل تمہیں فیض آفندی کے جلال کو پاؤ گی۔ میں تمہیں دوبارہ سے کچھ بھی تباہ نہیں کرنے دوں گا۔" فون پٹکنے کے انداز میں رکھتے بڑے ابا اپنے کمرے کی جانب چل دیے تھے۔ لیکن پہلے کی نسبت اب ان کے چہرے سے سکون آڑ چکا تھا۔

****

فلک نے اندھیرے کی پراسرار چادر اوڑھی تو ہر چیز نے بھی خاموشی اختیار کرلی تھی۔ ایسے جیسے ساری کائنات اپنی سرگوشیاں بند کیے، رات کے اندھیرے میں چھپے رازوں کو سننے کے لیے بےتاب ہوں۔ پر ٹمٹماتے تاروں بھرا وہ فلک اپنے چاند بنا کچھ بے چین اور مضطرب سہ تھا۔ جیسے ابراہیم کے کمرے کی بالکونی میں کھڑی حیات ابراہیم کچھ بے چین سی دیکھائی دے رہی تھی۔ رات کے ساڑھے نو ہو رہے تھے۔ لیکن صبح کا گیا ابراہیم ابھی تک گھر نہیں لوٹا تھا۔ نجانے وہ ابھی تک کیوں نہیں آیا تھا۔

طرح طرح کے برے خیالات حیات کے دماغ میں آرہے تھے۔ ابھی بے چینی سے ماتھا مسلتے وہ اپنی سوچوں میں ہی گم تھی کہ پورچ میں گاڑی آکر رکی تھی۔ جس کو دیکھ کر حیات کے دل میں یک گونہ سکون کا احساس اٹھا تھا۔ ساتھ ہی ساتھ چہرے پر ہلکی ہلکی غصہ کی رمک بھی ابھری تھی، جو نجانے کیوں آیا تھا۔ حیات وہی کھڑے رہنے کے بجائے ابراہیم کی نظر اپنے اوپر پڑنے سے پہلے ہی کمرے میں آگئی تھی۔

"ابراہیم بیٹا! آج اتنی دیر کیوں لگادی تم نے؟ پہلے تو کبھی اتنی دیر نہیں لگاتے تھے؟ ویسے بھی ابھی آج ہی تو بخار سے اٹھے تھے۔ تو بجائے گھر آرام کرنے کے ایسی کونسی

مصیبت آگئی تھی جو تم نئی نویلی دلہن کو چھوڑ آفس روانہ ہو گئے تھے۔" ابراہیم کو اس وقت گھر آتے دیکھ، لاونج میں بیٹھے اسلم بابا خفگی سے ڈانٹ کر پوچھنے لگے تھے۔

"او میرے پیارے بابا! آپ تو جانتے ہیں میں ایک دن آفس نا جاؤ تو کتنا کام پینڈنگ میں چلا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے آج آتے ہوئے دیر ہو گئی تھی۔ پلیز آپ ناراض مت ہوں۔ آئندہ دھیان رکھو گا۔" اسلم بابا کی محبت پر مسکراتے ابراہیم ان کی گردن میں بازو ڈال کر بولا۔

"بس بس اب زیادہ مکھن لگانے کی ضرورت نہیں ہے۔ جانتے ہو حیات بیٹی صبح سے بلا ئی بلائی تمہارا انتظار کر رہی ہے۔ اوپر سے ساتھ والے گھر میں بھی کوئی نہیں تھا جو یہاں اس کے پاس آ سکے۔ سچ بتاؤ تو مجھے بھی تم سے ایسی لاپرواہی کی امید نہیں تھی ابراہیم! کہ تم نئی نویلی دلہن کو یوں گھر میں تنہا چھوڑ کر جاو گے۔ آج تو معاف کر رہا ہوں لیکن آئندہ سے ایسی غلطی کی تو مجھ سے بہت پٹو گے۔ وہ تمہاری بیوی ہے ابراہیم اس کا دھیان رکھا کرو۔ اب جاو! جا کر فریش ہو کر حیات بیٹی کو لے کر آؤ۔ میں تب تک تم دونوں کا کھانا لگاتا ہوں۔ تمہارے انتظار میں اس نے بھی کچھ نہیں کھایا"

ابراہیم کو سمجھا کر اسلم بابا خود کھانا نکالنے لگے تھے۔

جبکہ ابراہیم جس کو حیات کے اکیلا رہنے کے بارے میں سن کر بہت افسوس ہوا تھا۔ تیزی سے اوپر کی جانب بڑھا تھا۔ دل تو اس کا بھی حیات سے دور جا کر بہت بے چین تھا لیکن آفس میں واقع میں بہت کام پینڈنگ پر پڑا ہوا تھا۔ جس کی وجہ سے اسے آتے ہوئے دیر ہو گئی تھی۔

****

"اب بھی گھر آنے کی کیا ضرورت تھی۔ جس کے محبوبہ کے پاس صبح سے بیٹھے تھے۔ اب بھی اسی کے پاس رہنا تھا نا۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ اس نے دھکے مار کر نکالا ہے تو اب ادھر آ دھمکے ہیں۔ میں پہلے ہی وارن کر رہی ہوں ابراہیم اگر ایسا ہے تو میرے کمرے میں قدم بھی مت رکھیے گا۔" غصہ، چڑچڑاپن، نمی اور ہلکے ہلکے جلن کا احساس نجانے کیا کچھ نا تھا حیات کے لہجے میں جس نے کمرے میں آتے ابراہیم جاسم آفندی کے قدم جما دیے تھے۔

"کیا ہو گیا ہے۔ اتنی مرچی کیوں چبا رکھی ہے تم نے! ویسے بھی میں جہاں بھی جاؤں یا جس کے پاس بھی دن گزار کر آؤں یہ تمہارا مسئلہ نہیں ہے اور آخری بات میں تمہیں صبح یہ کمرہ چھوڑنے کا کہہ کر گیا تھا۔ لیکن تم تو الٹا اس پر حق ہی جما کر بیٹھ گئی ہو۔ ڈھیٹ

پن کی حد ہے ویسے !" اپنے جذبات کو دل میں دباتے ابراہیم نے سختی کا خول چڑھایا تھا۔ لیکن اس کے اپنے لفظوں نے حیات سے زیادہ اسے خود کو تکلیف پہنچائی تھی۔

"حیات ابراہیم جاسم آفندی نام ہے میرا یعنی کے ابراہیم جاسم آفندی کی بیوی جو کے اس کمرے کا مالک ہے اور اس کی بیوی ہونے کے ناطے یہاں پر رہنا میرا حق ہے اور اپنا حق لینا تو میں کبھی بھولتی نہیں۔ ایک آخری بات کان کھول کر سن ابراہیم جاسم آفندی یہ جو آپ کی محبوبہ ہے نا کسی دن اگر وہ میرے ہاتھ لگ گئی تو بہت پٹے گی. سمجھا دیجئے گا اسے میرے شوہر پر اپنا حق جمانا چھوڑ دے۔" ابراہیم کی بات پر کھولتے دماغ کے ساتھ حیات اس پر الٹ پڑی تھی۔ اس کے منہ سے نکلے ایک ایک لفظ پر ابراہیم کا دل خوشی سے جھوم اٹھا تھا۔ اس کا خود کو ابراہیم کی بیوی کہنا ابراہیم کے سارے دن کی تھکان اتار گیا تھا۔ کیسا عجیب موڑ آ گیا تھا کہ جہاں پر محبت تو ہر طرف تھی لیکن اظہارِ کی اجازت نا تھی۔

"ویسے یہ تمھیں میری محبوبہ کے بارے میں کہاں سے پتہ چلا؟ کہی تم نے میرے کمرے کی تلاشی تو نہیں لی." حیات کی آخری بات میں موجود جیلسی اور پوزیسیو نیس کو محسوس کرتے، ابراہیم نے جملوں پر غور کیا تو مصنوعی غصے سے پوچھنے لگا۔ اسے اندازہ

ہو چکا تھا کہ ضرور اسے کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔

"نن۔۔۔ نہیں نہیں میں نے کوئی تلاشی نہیں لی۔ وو۔۔۔ وہ تو کل۔۔۔ جب آپ بے ہوش تھے تو بڑبڑا رہے تھے کہ میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں۔ پلیز مجھے چھوڑ کر مت جاوو غیرہ وغیرہ۔۔۔۔۔ اور ویسے بھی میں جھوٹ تھوڑی بول رہی ہوں جو آپ مجھے ایسے ٹارچر کر رہے ہیں۔ میں بتا رہی ہو مجھے دبو سی لڑکی سمجھتے میری حق تلفی کرنے کی بھی کوشش کی تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔" پہلے تو ابراہیم کی نظروں سے خائف ہوتے حیات نے لڑکھڑا کر کہا تھا۔ لیکن پھر ایک دم سے جوش میں آتے انگلی اٹھا کر حق کے لیے آواز اٹھانے لگی .

"چلو شکر ہے تمہیں خود ہی پتہ چل گیا۔ مجھے تم سے چھپانے کے لیے زیادہ محنت نہیں کرنی پڑی۔ ویسے میں نے سوچ لیا ہے بہت جلد تم سے جان چھڑا کر اس سے شادی کروں گا۔ اس لیے تیار رہنا" دل ہی دل میں حیات کی غلط فہمی پر لطف اندوز ہوتے ابراہیم نے حیات پر بمب پھوڑا تھا۔ حالانکہ کہ دل تو چاہ رہا تھا کہ اپنی بیوی کی عقل مندی پر قہقہے لگا کر ہنسے جو اتنا نہیں سمجھ سکی تھی کہ ابراہیم اسی سے محبت کرتا ہے اور اسی سے کہہ رہا تھا کہ وہ کبھی اسے چھوڑ کر مت جائے۔

"خبردار جو آپ نے ایسا کرنے کا سوچا بھی ابراہیم بتا رہی ہو پہلے اس لڑکی کا قتل کرو گی۔ پھر آپ کو گولی ماروں گی اور آخر میں خود بھی پنکھے سے لٹک جاوں گی۔ کیونکہ جہنم میں بھی، میں اسے آپ کے ساتھ نہیں جاوں گی جنت تو پھر بہت دور کی بات ہے۔"

ابراہیم کے کالر سے پکڑتے حیات دھمکی لگاتے بول رہی تھی۔ وہ پہلی تھی جس نے ابراہیم کے کالر تک رسائی حاصلِ کی تھی لیکن ابراہیم بغیر کچھ بولے سر جھکائے محبت پاش نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ ہائے یہ محبت اسے قدم قدم پر بے بس کرتی تھی۔

حیات ابراہیم ابھی نظروں کی رمزیں پڑھنے پر قادر نہیں ہوئی تھی اگر پڑھ لیتی تو اس وقت خود کر رشک کر رہی ہوتی۔

کچھ دیر ابراہیم کی آنکھوں میں دیکھنے کے بعد حیات غصے سے بیڈ پر ایک طرف جا کر کمبل اوڑھ کر لیٹ گئی تھی۔ اس کے اچانک پیچھے ہٹنے سے ابراہیم ہوش میں آیا تھا۔ اور سر جھٹکتے خود پر بے حسی کا خول چڑھاتے فریش ہونے چل دیا تھا۔ اس کے جاتے ہی حیات نے اپنے چہرے سے کنفرٹ ہٹایا تھا۔ ہیزل براون آنکھیں اس وقت آنسوؤں سے بھری تھی۔ چہرے پر غم و حزن کا سایہ چھایا ہوا تھا۔

"اللہ کرے آپ کو مجھ سے محبت ہو جائے ابراہیم پھر میرے پاس تڑپتے ہوئے آئے

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

گا۔تب میں آپکو معاف نہیں کروں گی۔"نم لہجے میں بڑبڑاتے حیات نے چہرے اوپر دوبارہ سے کنفرٹ کرتے اسے محبت کی بدعادی تھی۔جو پہلے ہی عشق کی راہوں کا مسافر ہو چکا تھا۔محبت نے اس کملی کی بات پر کھل کر قہقہ لگایا تھا۔

ابراہیم جب فریش ہو کر باہر نکلا تو ابھی حیات ویسے ہی پڑی تھی نجانے وہ سو چکی تھی یا جاگ رہی تھی یہ تو نہیں پتہ چلا تھا لیکن بیڈ کے درمیان میں موجود پلوز کی حد بندی دیکھ اس کے چہرے پر بیٹھی سی مسکراہٹ نے جھپ دیکھائی تھی۔لیکن پھر حیات کے بھوکے ہونے کا سوچتے ابراہیم نیچے بڑھا تھا اور دونوں کے لیے کھانا ڈال کر لایا تھا۔

"سنو حیات جاگ رہی ہو؟"حیات کے قریب جھکتے ابراہیم نے پوچھا تھا۔لیکن کوئی جواب نا آنے پر اس کے چہرے سے کنفرٹ ہٹایا تھا۔جہاں دنیا جہاں سے بے خبر وہ شہزادی نیند کی وادی میں اتر چکی تھی۔اسے بھوکا سوتے دیکھ بھوک تو ابراہیم کی بھی مر گئی تھی۔اس لیے وہی سائیڈ ٹیبل پر کھانا ایک طرف ڈھک کر وہ اپنی سائیڈ پر آ کر لیٹ چکا تھا۔

"جنگلی بلی سوتے ہوئے کافی کیوٹ لگتی ہو۔"محبت سے حیات کے معصوم چہرے کو دیکھتے ابراہیم نے کہا تھا۔پھر اس کی پلکوں پر چمکتے ہیروں جیسے اس سفید موتی کو دیکھتے وہ

NEW ERA MAGAZINE.com

جم گیا تھا۔

"بہت تکلیف دیتا ہے نا آپ کو ابراہیم؟ لیکن یقین کرو آج تک تمہارے علاؤہ اس ناچیز نے کبھی کسی سے بات کرنا تو دور دیکھا تک بھی نہیں ہے۔ بلکہ کسی نے مجھے اس قدر اہم جانا ہی نہیں ہے۔ یہ تو تم ہو جس نے مجھ ناچیز کو اس قدر اہم بنایا ہے۔ مجھ خاک کو زمین سے اٹھا کر سر پر سجایا ہے۔ میں تمہاری محبت کا قرض نہیں اتار سکتا حیات! پلیز مجھ سے اتنی محبت مت کرو جو بعد میں تمہیں بھی تکلیف دے اور میری ذات کو بھی اذیت کی بھٹی میں تڑپائے" حیات کی پلکوں سے احتیاط سے آنسوں چنتے ابراہیم نے اتنی آہستہ آواز میں سرگوشی کی تھی۔ کہ شاید ہی قریب کھڑی محبت کی اس دیوی کو سنائی دی ہو۔ ہاں لیکن اس دیوانے کی دیوانگی پر سارا عالم ضرور جھوم اٹھا تھا۔

لاکھ پردوں میں رہوں بھید مرے کھولتی ہے

شاعری سچ بولتی ہے

تیرا اسرار کے چاہت کا کبھی اظہار ناں ہو

واقف اس غم سے میرا حلقہ احباب ناں ہو

تو مجھے ضبط کے صحراؤں میں کیوں رولتی ہے

شاعری سچ بولتی ہے

یہ بھی کیا بات ہے کہ چھپ چھپ کے تجھے پیار کروں

اگر کوئی پوچھ ہی بیٹھے تو میں انکار کروں

عشق کی ہر بات کو دنیا کی نظر تولتی ہے

شاعری سچ بولتی ہے

میں نے اس فکر میں کاٹی کئی راتیں کئی دن

میرے شعروں میں تیرا نام ناں آئے لیکن

جب تیری آنکھ میری سانس میں رس گھولتی ہے

شاعری سچ بولتی ہے

****

"ایراج بچے یہ ڈریسسز لے جاؤ اور حیات اور ابراہیم کو دے کر آو۔انہیں کہنا کہ

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

بڑے ابا کا حکم ہے کہ آج شام ولیمہ کی تقریب میں وہ دونوں ایک شادی شدہ جوڑے کی طرح شامل ہوں۔اگران دونوں میں سے کسی نے بھی انکار کیا تو مجھ سے بات کروا دیں کیونکہ انکار کی گنجائش بالکل بھی نہیں ہے۔"اس وقت گھڑی کی سوئیاں نو بجا رہی تھی۔جب بڑے ابا نے کیچن سے نکلتی ایراج کو اپنے پاس بلا کر کہا تھا۔

بڑے ابا کی بات پر ایراج کے چہرے پر مسکراہٹ بکھری تھی۔وہ تو خود بھی شادی کے فنکشنز میں حیات کو بہت مس کر رہی تھی۔یہی وجہ تھی کہ وہ سر ہلا کر جلدی سے کپڑوں والا شاپر لیتے حیات اور ابراہیم کے پورشن کی جانب بڑھی تھی۔

"صبح بخیر اسلم بابا! بابا ابراہیم بھائی اور حیات کیا ابھی تک سو کر نہیں اٹھے؟"اسلم بابا کو دور سے سلام کرتے ایراج نے پوچھا تھا۔

"نہیں بٹیا! ابراہیم تو اس وقت اپنے جم خانے میں ہے۔میں ابھی اسے دیکھ کر آیا ہوں۔لیکن حیات بٹیا ابھی تک شاید سو رہی ہیں۔"مالی بابا کے ساتھ پودوں کی کانٹ چھانٹ کرواتے اسلم بابا نے مصروف انداز میں بتایا تھا۔جس پر ایراج شکریہ کہتی حیات کے کمرے کی جانب بڑھی تھی۔

"حیات! میری جانی کیسی ہوں؟ ویسے تو تم ابراہیم بھائی کے ساتھ ہو تو اس کا مطلب

ہے کہ ٹھیک ہی ہو گی۔" خود ہی پوچھتے ایراج نے اپنے آپ ہی شرارت میں آنکھ مارتے جواب دیا تھا۔ جس پر فریش ہو کر نکلتی حیات کا چہرہ حیا سے گلنار ہوا تھا۔

"اوئے ہوئے جانی! قسم سے جب جب تم ایسے شرماتی ہو نا تو لڑکی ہو کر میرا دل تم پر فدا ہونے لگتا ہے۔ سوچو ابراہیم بھائی کا کیا ہوتا ہو گا۔" حیات کی سرخ ہوتے رخساروں کو محبت سے کھینچتے ایراج شرارت سے بولی تھی۔

"بس لڑکی! بریک لگاؤ شرم نہیں آتی کسی شادی شدہ لڑکی سے ایسی بے ہودہ باتیں کرتیں ہوئے۔" ایراج کی مسلسل خود کو گھورتی شرارتی نظروں سے خائف ہوتے حیات نے مصنوعی روعب سے کہا تھا۔

"ہاں ہاں بھئی لوگ تو اب شادی شدہ ہو چکے ہیں۔ اب کہاں ہم جیسے غریب لوگوں کو گھاس بھی ڈالیں گے۔ میں بھی پاگل ہو جو ایسے ہی تمہارے پاس چلی آئی۔ معاف کرنا بہن لیکن اب میں چلتی ہوں۔" اداکاری کے کمال جوہر دکھاتی ایراج اپنے نا نظر آنے والے آنسوں پونچھتے باہر کی جانب بڑھی تھی۔ جس پر حیات نفی میں سر ہلاتے بولی۔

"بس کرو میری دو نمبر ایکٹریس! رک جاو اور بتاو یہاں کیا کرنے آئی تھی۔" ایراج کو زبردستی اپنے ساتھ بیڈ پر بیٹھاتے حیات نے پوچھا تھا۔

"اوہ اپنی باتوں میں تو میں یہ بتانا بھول ہی گئی تھی کہ یہ کپڑے بڑے ابا نے تمہارے اور ابراہیم بھائی کے لیے بھیجے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ دانش بھائی کے ولیمہ کی تقریب پر تم دونوں ایک شادی شدہ جوڑے کی طرح آؤ اور ہاں انکار کی گنجائش نہیں دی بڑے ابا نے، چاہے تو فون کر کے پوچھ لوں۔" حیات کی بات پر ایراج نے دانت نکالتے تفصیل سے جواب دیا تھا۔

"لیکن ایسے کیسے یار؟ وہاں اتنے سارے لوگ ہونگے؟ مطلب سب باتیں بنائیں گے کہ انہوں نے چھپ کر شادی وغیرہ وغیرہ" حیات کوئی پریشان نے آن گھیرا تھا۔

"ہاں تو چھپ کر شادی کی یا سب کے سامنے لوگوں کو کیا تکلیف ہے۔ دوسری بات تم نے بھاگ کر شادی تھوڑی کی ہے۔ جو ڈر رہی ہو۔ بڑے ابا اور مراد انکل نے خود تمہاری شادی کروائی ہے۔ اس لیے سب برے خیال چھوڑو اور ٹائم پر تیار ہو جانا۔ میں جا رہی ہوں اب اس سے پہلے کہ ماما کو پتہ چلے" حیات کو پیار سے سمجھاتے ایراج وہاں سے نکلتے چلی گئی تھی۔

اس کے جانے کے بعد حیات پریشانی سے اب لب کچلنے لگی تھی۔ وہ پہلے تو اتنی ڈرپوک نہیں تھی لیکن اب اسے پتہ نہیں کیا ہو گیا تھا۔ ابراہیم جو جم سے ابھی واپس آیا تھا۔

حیات کو نم آنکھوں میں سوچوں میں گم دیکھ چونکا تھا۔

"کیا ہوا ہے؟ کس بارے میں سوچ کر پریشان ہو رہی ہو؟" ابراہیم کا نرم لہجہ محسوس کرتے حیات کی آنکھوں میں آنسوں آگئے تھے۔

"ابراہیم بڑے ابا نے کہا ہے کہ آج شام ہم دانش بھائی کے ولیمہ جائے۔ وہاں تو سب لوگ ہونگے اگر افشاں مامی نے آپ کے ساتھ کوئی بد تمیزی کی تو۔۔۔۔ مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔ آپ بڑے ابا سے بات کریں ناہم وہاں نہیں جائیں گے جہاں آپ کی عزت ناہو۔" ابراہیم کے کندھے پر بے خودی میں سر رکھتے، حیات اسی کی تکلیف کو محسوس کرتے رو رہی تھی۔ اس کی بات نے ابراہیم کو منجمد کر دیا تھا۔ وہ جو خود کو تنہا سمجھتا تھا۔ آج حیات کے رویے پر اسے شدت سے احساس ہوا تھا کہ ہاں کوئی تو ہے جو اس کے درد کو اپنا درد سمجھتا ہے۔ جسے وہ اپنا کہہ سکتا ہے۔

"شش ڈول بس چپ کر جاو یار! بڑے ابا مجھے فون کر کے بتا چکے ہیں۔ اب ہمیں لازمی وہاں جانا ہے۔ لیکن تم پریشان مت ہو، عزت اور ذلت رب کے ہاتھ میں ہے۔ میں جانتا ہوں کہ میرا رب بہت رحیم ہے وہ مجھے کبھی بھی کہی پر ذلت کی بھٹی میں نہیں جلنے دے گا۔" نرمی سے حیات کے بال سہلاتے ابراہیم نے اسے چپ کروایا تھا۔

"آپ سچ کہہ رہے ہیں نا؟ کچھ نہیں ہو گا نا؟؟" سوسو کرتی حیات نے سر اٹھا کر اس سے پوچھا تھا۔اپنی فکر میں گھلی ان نم آنکھوں کو دیکھ ابراہیم کے دل میں شدت سے خواہش جاگی تھی کہ کاش وہ کسی وعدہ میں بندھا ہوتا تو ان کو اپنے احساس سے اجاگر کرتا۔

"بالکل! اب پلیز یہ رونا بند کرو۔ جانتی ہو میں جس سے محبت کرتا ہوں ناوہ بہت مضبوط ہے۔ تمہاری طرح ہر وقت روتی دھوتی شکل لے کر نہیں گھومتی۔ خیر اس پر ہم بعد میں بات کریں گے ابھی تم میں فریش ہونے جارہا ہوں۔ پھر ہمیں شادی پر جانے کی تیاری بھی تو کرنی ہے۔" ایک دم اپنے خول میں بند ہوتے ابراہیم نے حیات کو گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ جن کو حیات تو کم از کم بالکل نہیں سمجھی تھی۔ الٹا ابراہیم کے جانے کے بعد اس باتوں کو سوچتے کڑھنے لگی تھی۔ وہ دنیا کی پہلی واحد لڑکی تھی جو انجانے میں اپنے آپ سے جیلس ہو رہی تھی ب

****

بینکوٹ میں سب مہمان آنا شروع ہو چکے تھے۔ جنہیں انٹرنیس پر کیف اور منیب کھڑے ویلکم کر رہے تھے۔ حال میں رنگ و بو کا ایک سیلاب امڈ آیا تھا۔ جہاں لش پش

کرتی تمام عورتیں ایک دوسرے کے ساتھ باتوں میں مصروف تھیں۔کچھ دیر بعد انٹرینس پر دلہا دلہن کی گاڑی آکر رکی تھی۔جس میں سے خوبروسہ گرے ڈریس پینٹ کوٹ میں موجود دانش شرمیلی سی پیچ کلر کی میکسی پہنے دامن کا ہاتھ تھامے باہر نکلا تھا۔دلہا دلہن آ گئے تھے۔لیکن ابھی تک ابراہیم اور حیات نہیں پہنچے تھے۔بڑے ابا وہاں کھڑے بار بار کبھی اپنی گھڑی کی جانب دیکھ رہے تھے تو کبھی دروازے کی جانب دیکھ رہے تھے۔جب اچانک ایک جگہ نظر پڑے ان کی آنکھیں چمک اٹھی تھی۔۔۔۔۔۔۔۔۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

سرخ رنگ کی ساڑھی کے ساتھ، بالوں کا میسی جوڑا بنائے، کانوں میں لمبے لمبے آویزے پہنے، ہونٹوں پر ریڈ لیپ سٹیک لگائے، کالے رنگ کی ہیل والی جوتی میں حیات ابراہیم بے خیالی میں آج تو ابراہیم جاسم آفندی کے دل کے پر لگے مصلحت کے ہر تالے کو توڑنے کے درپر تھی۔

جو خود بھی آج کالے رنگ کی ڈریس پینٹ میں، ہلکی بیرڈ والے چہرے پر بالوں کو جیل سے سیٹ کیے اپنی سحر انگیز پرسنیلٹی کے ساتھ پورے ماحول پر چھایا ہوا لگ رہا تھا۔

"اب کونسے مرکبے میں چلی گئی ہو حیات؟ چلو بڑے ابا انتظار کر رہے ہونگے!" حیات کو سوچوں میں گم دیکھ ابراہیم نے گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے اپنے لہجے کو آخری حد تک اکھڑ بنانے کی کوشش کرتے کہا تھا۔

"ابراہیم مجھے ڈر لگ رہا ہے۔!" سموکی میک اپ سے سجی ہیزل براون آنکھوں میں ڈھیر سارے آنسوں لاتے حیات نے ابراہیم کی کالی سحر زدہ آنکھوں میں جھانکا تھا۔

"مسسز ابراہیم! ابراہیم جاسم آفندی کی شریکِ حیات ہو کر یہ ڈر آپ کی آنکھوں میں آنا، مطلب ابراہیم کو لیے شرم سے ڈوب مرنا چاہیے۔ کیا آپ ایسا چاہتی ابراہیم ڈوب مرے؟" حیات کی آنکھوں میں نجانے کیا بات تھی کہ ابراہیم اس کا ہاتھ پکڑتے، اسے گاڑی سے باہر نکالتے ہوئے بولا تھا۔

"ننن۔۔ نہیں!" ابراہیم کی بات پر تڑپ کر حیات نے نفی میں سر ہلایا تھا۔

"تو پھر اس ڈر کو دور پھینک دیں۔" حیات کے ماتھے کو عقیدت سے گلنار کرتے ابراہیم نے حیات کے تمام ڈر کو دور پھینک دیا تھا۔

پھر اس کا ایک ہاتھ اپنی بازو میں ڈالے بینکوٹ کے انٹرینس کی طرف چل دیا تھا۔

جہاں کھڑے کیف نے دور سے یہ منظر دیکھتے، تکلیف اور جلن کے احساس سے نظریں چرائیں تھی تا کہ اس کی نظر نا لگ جائے۔

"ارے ماشاءاللہ! میرے بچے تو بہت خوبصورت لگ رہے ہیں۔ اللہ خوش و خرم رکھے تم دونوں کو۔ آؤ آؤ میں تم لوگوں کا ہی انتظار کر رہا تھا۔" بڑے ابا ان دونوں کو پیارے سے گلے لگاتے، انہیں لیے اندر کی جانب بڑھے تھے۔

حیات اور ابراہیم کی خوبصورت جوڑی کو دیکھتے حال میں موجود تمام لوگوں کی نظریں ان کی جانب اٹھی تھی۔ ان میں سے کئی نظروں میں رشک، تو کسی میں حسد، تو کسی میں نفرت کی لہر موجود تھی۔ حمیرہ بیگم اور افشاں بیگم کے سینوں پر تو سانپ ہی لوٹ گئے تھے۔

"ارے حیات! ماشاءاللہ تم کتنی پیاری لگ رہی ہو۔" حیات کے قریب آتے کھولے بالوں اور ہلکے سے میک آپ کے ساتھ ہلکے بھورے رنگ کی نگینوں والی فراق پہنے ایراج نے پر جوشی سے کہا تھا۔ جو خود بھی آج بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔

دوسری طرف محراب نے بھی ابراہیم کو خوش اخلاقی سے گلے لگایا تھا۔ مراد صاحب بھی انہیں دیکھتے یہی چلے آئے تھے۔

"کیسی ہے میری بیٹی؟خوش تو ہے نا؟ابراہیم زیادہ تنگ تو نہیں کرتا؟"حیات کو گلے لگاتے مراد صاحب نے محبت سے پوچھا۔

آخر ان کی اکلوتی بیٹی تھی جس کی خوشیوں کی خاطر ہی انہوں نے یہ سب کچھ کیا تھا۔ اسے تکلیف میں دیکھنا وہ برداشت نہیں کر سکتے تھے۔

"ٹھیک ہوں بابا!اور بہت خوش بھی ہوں۔ابراہیم بہت اچھے ہیں۔"مراد صاحب کی بات پر حیات نے کچھ دیر پہلے والے ابراہیم کے رویے کو سوچتے جواب دیا تھا۔

بیٹیاں کبھی باپ کو تکلیف میں نہیں دیکھ سکتی۔اسی لیے حیات بھی بہت کچھ چھپا گئی تھی۔

"یہ تو بہت اچھی بات ہے بیٹی اللہ تمہیں ایسے ہی خوش رکھے اور ڈھیروں خوشیاں دے آمین"حیات کے ماتھے پر بوسہ دیتے مراد صاحب نے اسے اپنے سے لگایا تھا۔

جس پر حیات آسودگی سے مسکرادی تھی۔ابراہیم جس کا دل حیات کے جھوٹ پر اندر ہی اندر شرمندگی کا شکار تھا۔اس نے بھی چپکے سے مراد صاحب کی بات پر آمین کہا تھا۔ اس وقت حیات کے لیے اس کے دل میں موجود عزت اور محبت دونوں بڑھ گئی تھی۔

"سٹیج پر اس وقت رش کم ہے۔ میرے خیال سے اب تم لوگوں کو دانش اور دامن کو مبارکباد دینے جانا چاہیے۔" بڑے ابا نے ابراہیم اور حیات کا دھیان سٹیج کی طرف کرتے ہوئے کہا تھا۔ جس پر وہ دونوں سر ہلا کر دامن اور دانش کے پاس گئے تھے۔ جنہوں نے خوشی دلی سے ان کی مبارکباد قبول کی تھی۔

****

مبارک باد دینے کے بعد حیات ایراج کے ساتھ چلی گئی تھی۔ جو اسے اپنی دوستوں سے متعارف کروانا چاہتی تھی۔ جبکہ ابراہیم ایک طرف اپنے موبائل پر آتی فون کال سننے آیا تھا۔ جب نک سک سی تیار حمیرہ بیگم ماتھے پر تیوری چڑھائے اس کے پاس آئی تھی۔

"ابراہیم مجھے تم سے بات کرنی ہے۔" حمیرہ بیگم نے غصہ سے بھرپور لہجے میں مخاطب کیا۔

"جی کہیے پھوپو میں سن رہا ہوں۔" ان کو دیکھ ابراہیم کے چہرے پر بھی سنجیدگی چھائی تھی۔ اس وقت وہ جہاں موجود تھے وہاں کوئی آسانی سے، نا ان کو دیکھ سکتا تھا اور نا ہی ان کی آواز سن سکتا تھا۔

"یہ کیا تماشہ ہے ابراہیم ہے؟ مجھے لگتا ہے کہ تم اپنے وعدہ سے مکر رہے ہو اسی لیے اسے یہاں لا کر سب کے درمیان اپنی بیوی کے حیثیت سے متعارف کروا رہے ہو۔ میں بتا رہی ہوں ابراہیم اگر تم اپنے وعدہ سے مکرے تو میں بھی بھول جاؤں گی کہ میں تمہاری پھوپھو ہوں سمجھے؟" حمیرہ بیگم با مشکل اپنی آواز کو بلند ہونے سے روکے غرائی تھی۔

"بالکل حمیرہ آپا! ٹھیک کہہ رہی ہے لڑکے حیات صرف میرے کیف کی بیوی بنے گی۔اس لیے اسے سب کے سامنے اپنا بیوی کہہ کر پیش کرنا بند کرو۔ورنہ سارے خاندان کے سامنے ایسا ذلیل کروں گی کہ کہی منہ دیکھانے کے قابل نہیں رہو گے نامر۔۔"اس سے پہلے کے افشاں بیگم جو حمیرہ بیگم کے پیچھے نجانے کب آ کر کھڑی ہوئی تھی،ابراہیم کی ذات کی مزید تزلیل کرتیں ابراہیم غصے سے دھاڑا تھا۔

"بس بہت بنایا آپ نے میری ذات کا تماشہ! میں آپ کا کوئی زر خرید غلام نہیں ہو۔ جسے آپ جب چاہیں کچھ بھی بول سکتی ہیں۔اب اگر آپ نے اپنی زبان سے ایک اور بھی لفظ بھی میرے ذات کے خلاف نکالا نا مسز نعمان آفندی تو آپ کے کسی بیٹے کے لیے یہ اچھا نہیں ہو گا۔ویسے بھی دوسروں کی پاور زاور دولت کی بہت نولج ہوتی ہے

آپ کو تو پھر میری پاؤر کا بھی پتہ ہی ہو گا نا؟ ٹھیک کہہ رہا ہو نا مسسز نعمان آفندی؟"

ابراہیم کی سرخ آنکھیں افشاں بیگم کی بولتی بند کر گئی تھیں۔

"اور پھوپھو آپ کیا کہہ رہی تھیں کہ بھول جائیں گی کہ آپ میری پھوپھو ہیں۔ارے بھول تو آپ بہت پہلے کا گئی ہیں کہ میں بھی آپ کے بڑے بھائی کا بیٹا ہوں خیر وہ حساب کتاب بعد کے لیے سنبھال کر رکھتے ہیں۔موقع ملا تو ضرور کروں گا۔ابھی بس اتنا یاد رکھیں کہ اگر میں نے آپ کو حیات کو چھوڑنے کا وعدہ کیا ہے تو وہ بھی اس لیے میں خود اس کی آنکھوں میں آنسوں برداشت نہیں کر سکتا۔ورنہ میرے رب کے علاوہ کوئی طاقت نہیں جو مجھے میری حیات سے الگ کر سکے۔

اس لیے اب میرے معاملے میں دخل اندازی دینا بند کر دیجیے گا۔میں جیسا کر رہا ہوں اس سے آپ کو کوئی سروکار نہیں ہونا چاہیے۔آپ بس اتنا جان لیں کہ اپنے وعدہ کی مدعت پوری ہوتے ساتھ آپ کی بیٹی آپ کو مل جائے گا۔وہ بھی صرف اس لیے کہ ابراہیم جاسم آفندی کے لیے حیات ابراہیم کی ذات کو ذرہ سہ بھی تکلیف میں دیکھنا قابل قبول ہے۔چلتا ہوں اب! امید ہے میری بات بہت اچھے سے سمجھ گئی ہو نگی۔

"ابراہیم نے حمیرہ بیگم پر بھی واضع کیا تھا کہ وہ ان کا زر خرید غلام نہیں کہ جس پر وہ

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

جب چاہیں حکم چلا سکتی ہیں۔

"مسسز نعمان آفندی! حیات اور کیف کی شادی کے پیچھے چھپے آپ کے تمام مقاصد سے میں بہت اچھے سے واقف ہوں۔ یہ مت پوچھیے گا کہ کیسے؟ بس اتنا جان لیں کہ ابراہیم اپنے ساتھ تو آپ کی ہر زیادتی ہنس کر سہہ گیا اور اسے دنیا سے بھی چھپا گیا۔ لیکن اپنی حیات کے ساتھ آپ کا کوئی ایسا رویہ برداشت نہیں کروں گا۔" افشاں بیگم کے پاس سے گذرتے ہوئے ابراہیم نے سرگوشی کی تھی۔ اس کے لہجے میں نفرت کی ایسی تپش موجود تھی کہ اس نے افشاں بیگم میں خوف بھر دیا تھا۔

ایسا کیا کیا تھا افشاں بیگم نے جو ابراہیم ان سے اتنی نفرت کرتا تھا؟

****

"ہیلو ابراہیم سر! کیسے ہیں آپ؟" ابرہیم جو اندر کی جانب بڑھ رہا تھا، اپنے قریب سے آتی مسکراتی آواز پر مڑا تھا۔

"ہائے مس رمشا! میں ٹھیک ٹھاک آپ سنائے کیسی ہیں؟ اور یہاں کیسے؟" رمشاء کو دیکھتے ابراہیم نے بھی خیر مقدمی مسکراہٹ سے جواب دیا تھا۔ شاید وہ پہلے سے ایک

دوسرے کو جانتے تھے۔

"وہ مجھے دانش سر نے بلایا تھا۔آخر آپ کے نکالنے کے بعد اب ان کی کمپنی کی مینجر ہوں تو یہاں تو آ ہی سکتی ہوں۔آپ بتائیں وہاں سب کیسا چل رہا ہے۔" رمشاء کے لہجے میں شکوہ موجود تھا۔

"رمشاء تم میری سب سے قابل بھروسہ مینیجر تھی۔اسی وجہ سے دانش کی کمپنی کو سنبھالنے کے لیے میں نے تمہیں وہاں بھیجا تھا۔ورنہ تم جانتی ہو میں اپنے امپلائز کی بہت قدر کرتا ہوں۔لیکن اگر تمہیں وہاں کام کرنا اچھا نہیں لگ رہا تو واپس آسکتی ہو۔کیونکہ اب تمہارا کام وہاں سے مکمل تو ہو ہی چکا ہے۔"رمشاء کے شکوہ پر ابراہیم نے سنجیدگی سے رمشاء کو دوبارہ واپس آنے کی آفر کی تھی۔کیونکہ وہ واقع میں ایک قابل امپلائی تھی۔

ابراہیم کی آفر پر رمشاء کا چہرہ کھل اٹھا تھا۔اسی لیے سر ہلاتی اس کی آفر قبول کر گئی تھی۔

حیات جو دور سے یہ سب دیکھ رہی تھی۔اس منظر پر اس کی آنکھوں میں مرچی بھر گئی تھی۔اسی لیے ان سب سے معزرت کرتے تیزے سے ابراہیم کے ساتھ آکر اس کی بازو میں بازو ڈال کر کھڑی ہو گی تھی۔حیات کے یوں اچانک آجانے پر رمشاء کے

چہرے پر جہاں ناگواریت چھائی تھی۔وہی ابراہیم نے حیرت سے دیکھا تھا۔

"سر یہ کون ہے۔؟"سب سے پہلے رمشاء ہی ہوش میں آتی بولی تھی۔اس کے لہجے میں موجود حسد کو حیات اچھے سے پہچان گئی تھی۔

"ہمم چڑیل میرے ابراہیم پر نظریں گھاڑے بیٹھی ہے۔ابھی بتاتی ہوں تجھے!"رمشاء کو غصہ سے گھورتے حیات نے دل ہی دل میں بڑبڑائی تھی۔

"یہ میری کزن۔۔۔"ابراہیم کی بات پوری ہونے سے پہلے حیات اسے اچک کر بولی

"مائی سیلف مسسز ابراہیم جاسم آفندی! ابھی کچھ دن پہلے ہی ہماری شادی ہوئی ہے۔اسی لیے شاید تمہیں پتہ نہیں! لیکن خیر کوئی بات نہیں ویسے تم کون ہو؟"حیات نے شیری لہجے میں جواب دیتے رمشاء کے سر پر بمب پھوڑا تھا۔جس سے اٹھتے دھوئیں نے حیات کو پر سکون کیا تھا۔

"سر آپ نے شادی پر انوائیٹ ہی نہیں کیا۔"رمشاء نے اپنے چہرے پر ابھرتے دل ٹوٹنے کے تاثرات کو بامشکل چھپائے خفگی سے گلا تھا۔

"کیوں آپ اس کے ماموں کی بیٹی تھی۔جو ابراہیم نے آپ کو انوائیٹ نا کر کے کچھ غلط کر

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

دیا۔ ویسے آپ نے بتایا نہیں کہ آپ کون ہیں۔؟" حیات نے دل کھول کر رمشاء کے زخموں پر نمک چھڑکتے معصومیت سے پوچھا تھا۔ ابراہیم تو بچارہ بس صدمے سے اپنی بیوی کی حرکتیں ملاحظہ کر رہا تھا۔

"مائی سیلف رمشاء ملک! وہ میں مینیجر تھی ابراہیم کی" رمشاء نے ضبط کرتے نفرت سے حیات کو دیکھتے کہا تھا۔

"اوا چھا مینجر تھی نا ابراہیم کی تو سر کہو نا دوسری بات ہم نے اپنی شادی پر ہر ایرے غیرے کو بلانے کی بجائے بس چند خاص لوگوں کو انوائیٹ کیا تھا۔ کیونکہ زیادہ شور شرابا نہیں پسند ابراہیم کو۔۔۔ اسی لیے شاید آپ کو بلانا بھول گئے۔ پر پریشان مت ہوں ابراہیم آج کل بزنیس میں کچھ مصروف ہیں۔ جیسے ہی فارغ ہونگے، ہم ہمارا ریسیپشن اس سے بھی گرینڈ کریں گے۔ پھر اس میں تمہیں بھی ضرور نوائیٹ کریں گے۔ ٹھیک کہہ رہی ہوں ہوں نا ابراہیم!" رمشاء پر تاک تاک کر نشانے لگاتے حیات نے ابراہیم کی آنکھوں میں دیکھتے تصدیق چاہی تھی۔

"ہاں۔۔۔ ہاں ضرور!" ہوش میں آتے ابراہیم نے زبردستی مسکرا کر کہا تھا۔ پھر اپنا بازو حیات کے ہاتھ سے چھڑاتے بولا۔

"مسسز مجھے لگتا ہے بڑے ابا مجھے بلا رہے ہیں۔میں ابھی ایا۔آپ لوگ جاری رکھیں۔

"حیات کی حرکتوں پر صدمے میں کھوئے ابراہیم نے بھی انجانے میں اسے پہلی بار مسسز کہہ کر مخاطب کیا تھا۔

اور پھر وہاں سے رفو چکر ہو گیا تھا۔ورنہ اس کی بیوی نے تو آج اسے کے حواس سلب کرنے میں کوئی کسر نا چھوڑی تھی۔

"آپ بھی انجوائے کریں رمشاء اب میں بھی چلتی ہوں میری کزن بلا رہی ہیں۔"

رمشاء کی آنکھوں میں مچلتے آنسوئں کو دیکھتے حیات نے پر سکون لہجے میں کہا تھا۔پھر آگے بڑھنے سے پہلے جھک کر جنونیت سے بولی

"اگر تمہارے یہ آنسوں میرے شوہر کو کھونے کے دکھ میں ہے تو انہیں اندر ہی اتار دو۔کیونکہ اپنے شوہر کے کھونے کے غم میں رونے والی آنکھوں کو میں نوچ ڈالتی ہوں۔سوجسٹ سٹے اوے فروم مائی ہسبنڈ!"رمشاء کو کپکپانے پر مجبور کرتی حیات مزے سے وہاں سے آگے بڑھ گئی تھی۔

حیات کے جانے کے بعد رمشاء نے زہر خندہ لہجے میں اس کی پیٹھ کو دیکھ کر سوچا تھا۔

"ہمم آئی بڑی میری آنکھیں نوچنے والی تمہارا شوہر نا چھین لیا تو میرا نام بھی بدل دینا۔
"

****

ولیمہ کا فنکشن بہت اچھے سے اختتام پذیر ہو چکا تھا۔ سب لوگ گھر واپس آ چکے تھے۔ کچھ افراد گھر آتے سرے شام ہی سونے کے لیے اپنے اپنے کمروں میں جا چکے تھے۔ اب صرف لاونج میں دامن اور دانش کے فوزیہ بیگم، حمیرہ بیگم، افشاں بیگم، منہا اور منیب بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ ایراج ان سب کے چائے بنا رہی تھی۔ لیکن خلاف معمول آج محراب یہاں موجود نہیں تھا۔ ایراج جس کو پیچھلے کچھ دنوں سے اسے ہر جگہ دیکھنے کی عادت ہو چکی تھی، اسے رہ رہ کر اس کی کمی محسوس ہو رہی تھی۔ اسی لیے سب کو چائے سرو کرنے کے بعد وہ ایک چائے کا کپ لیے محراب کے کمرے کی طرف چلی آئی تھی۔

"کیا میں اندر آ جاؤ محراب بھائی" ایراج کی شرارتی آواز پر محراب جو پیکنگ کر رہا تھا، اس کی جانب دیکھ کر مسکرایا تھا۔

"آؤ جاؤ ایراج !" بیڈ پر بکھرے کپڑوں کو ایک طرف کرتے محراب نے اسے اندر

آنے کی اجازت دی تھی۔

"یہ آپ پیکنگ کیوں رہے ہیں۔" محراب کو چائے پکڑاتے ایراج خود اس کے کپڑے تہہ کر کے رکھنے لگی تھی۔ایراج کا یوں اس کے کام کرنا محراب کو بہت بھایا تھا۔

"کیونکہ میں کل واپس جا رہا ہوں۔" محراب نے اطلاع دی تھی۔ جس پر ایراج کے کام کرتے ہاتھ چند پل کے لیے رکے تھے۔ان گزرے دنوں میں حیات کے بعد وہ اس سے اتنا اٹیچ ہو چکی تھی۔ کہ یہ خبر سن کر اسے تکلیف ہوئی تھی۔آنکھیں آنسوں سے بھر چکی تھی۔ لیکن اسے باہر آنے کی اجازتِ نادی تھی اس نے۔۔۔۔

"کل ہی جانا ضروری ہے کیا؟ ایک دو دن ٹھہر کر چلے جایئے گا۔ پھر نجانے کب ملاقات ہو۔" کپڑوں کو تہہ کرنا جاری رکھتے، ایراج نے اپنے لہجے کو سرسری بناتے ہوئے کہا تھا۔

"ہاں کل جانا بہت ضروری ہے۔" ایراج کے لہجے کی اداسی کو محسوس کرتے محراب نے اس کے مقابل کھڑے ہوتے کہا تھا

"کیوں؟" ایراج کے منہ سے بے ساختہ پھسلا تھا۔آنکھوں میں پانی پھر سے جمع ہونا

شروع ہو چکا تھا۔

"کیونکہ اگر کل جاؤں گا تو ہی اپنے پیروں پر مضبوطی سے کھڑا ہو کر اپنی ماما کی بہو کو لینے واپس آسکوں گا نا۔ تم میرا انتظار کرو گی نا ایراج؟" آخری بات پر محراب کا لہجہ بہت گھمبیر تھا۔ شاید وہ جانے سے پہلے اس کی رائے پوچھنا چاہتا تھا۔

"مممم۔۔۔۔ مجھے لگتا ہے مجھے ماما بلا رہی ہے۔" محراب کی بات پر ایراج کا دل زور سے دھڑکا تھا۔ رخساروں پر سرخی ابھری تھی۔ ہتھیلیاں نم ہوئی تھے، ماتھے پر پسینہ چمکا تھا۔ اپنی بگڑتی حالت سے انجان ایراج نے وہاں سے جانے کے لیے پر تولے لگی تھی۔

"سنو ایک منٹ تمہاری ایک چیز ہے وہ تو لیتی جاؤ۔" شاید محراب کو اس کا جواب مل گیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ چہرے پر دلکش مسکراہٹ لے وہ سائیڈ ٹیبل کے اوپر پڑی ڈائری اٹھاتے ہوئے بولا تھا۔

"کونسی چیز!" محراب کی بات پر دروازہ میں کھڑی ایراج نے وہی کھڑے کھڑے پوچھا تھا۔

"یہ لو خود ہی دیکھ لو۔" ایراج کی طرف ڈائری بڑھاتے محراب نے آنے والی

صورتحال کا اندازہ لگاتے مسکراہٹ روکی تھی۔

"یی۔۔۔یہ آپ کو کہاں سے ملی؟ہائے اللہ جی اس کا مطلب میری پیاری ڈائری جسِ میں ڈھونڈ ڈھونڈ کر پاگل ہو گئی تھی۔وہ آپ یہاں چھپائے بیٹھے تھے۔اللہ پوچھے آپ کو محراب بھائی!کوئی ایسے بھی کرتا ہے کیا۔سچ سچ بتائیں آپ نے اسے پڑھا تو نہیں؟" غصے اور چڑچڑے پن کی ملی جلی کیفیت میں ایراج نے آخر میں انگلی اٹھا کر پوچھا تھا۔

"یہ مجھے اس دن، تمہارے جانے کے بعد کوریڈور میں پڑی ملی تھی۔جس دن میں اور تم حیات کے کمرے کے باہر ٹکراتے ہوئے بچے تھے اور یقین کرو میں نے اس میں سے صرف اپنی مطلب کی بات کے سوا کچھ نہیں پڑھا۔"شرارت سے محراب کی نیلی آنکھیں چمک رہی تھی۔ایراج کا دل کر رہا تھا کہ اس کی ان آنکھوں کو نوچ لے،ہائے پتہ نہیں کیا کیا پڑھا تھا اس نے۔۔۔

"ویسے اس نے مجھے کافی مدد کی۔۔۔اگر یہ نا ہوتی تو مجھے کیسے پتہ چلتا کہ ایراج آفندی کو پیور پنجابی لڑکا پسند ہے۔۔۔۔اور پھر شاید مجھے تمہارے لیے بہت سے پاپڑ بیلنے کے بعد بھی خالی ہاتھ رہنا پڑتا،کیونکہ نا تو مجھے پنجابی ٹریڈیشنل سونگز آتے تھے اور نا ہی مجھے ڈانس آتا تھا اور نا ہی میں کبھی تمہیں شاپنگ مال میں اتنا خوار ہو سکتا تھا۔" محراب کی

بات پر ایراج کا شرمندگی سے دل ڈوب مرنے کا چاہا تھا۔

"اس کا مطلب ہے کہ اس نے میری ساری ڈائری پڑھ لی ہے۔افففف ایراج تجھے کیا ضرورت تھی کہ وہ چیزیں اس میں لکھو جو تم اپنے ہونے والے شوہر میں چاہتی ہو ڈفر اب بھگتو بیٹھ کر۔" دل ہی دل میں روہانسے لہجے میں بڑبڑاتے ایراج کا شرم سے برا حال تھا۔آخر ایسی اوٹ پٹانگ خواہشات اسے ڈائری میں لکھنے کی کیا ضرورت تھی۔

"بس بس زیادہ پھیلنے کی ضرورت نہیں ہے۔ابھی بھی میں نے ہاں نہیں کی۔ویسے بھی میں وہی شادی کروں گی جہاں میرے ماں باپ چاہیں گے۔اس لیے ٹاٹا بائے بائے۔" محراب کو انگوٹھا دیکھاتے ایراج وہاں سے فرار ہوئی تھی۔اس کی حرکت پر محراب نے دل کھول کر قہقہ لگایا تھا۔

ایراج کے انگوٹھہ دیکھانے سے ایک فائدہ یہ ہوا تھا کہ محراب نے اسی رات سونے سے پہلے حمیرہ بیگم سے اپنے اور ایراج کی متعلق بات کرلی۔جس پر حمیرہ بیگم کو کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ان کی تو پہلے ہی یہی خواہش تھی کہ یہ چلبلی سی لڑکی ان کے بیٹے کی بہو بنے، یہاں تک کے بہت پہلے موقع دیکھتے یہ بات انہوں نے فوزیہ بیگم کے کان میں پہلے ہی ڈال دی تھی۔اسی لیے محراب بھی اپنے فائنل آئر کے پیپر دے کر، پانچ ماہ بعد ایراج

کو شادی کر کے لیجانے کی خواہش لیے اگلے روز اپنے والد کے ساتھ روانہ ہو گیا۔

****

وقت آزاد پنچھی کی مانند ہوتا ہے جو اڑتا ہی جاتا ہے۔ شادی کے ہنگامے ختم ہوئے تو آفندی ویلا میں خاموشی چھا گئی تھی۔ محراب صاحب اور مراد تو ولیمہ سے اگلے دن، صبح کی فلائیٹ پکڑتے جا چکے تھے۔ دانش اور دامن اپنے ہنی مون کے لیے پاکستان کی سیاحی علاقوں یعنی مری، سوات، ناران اور کاغان کا رخ کر گئے تھے۔ ایراج، منہا اور منیب بھی واپس کالج اور یونی جانے لگے تھے۔ دوسری طرف دانش کی غیر موجودگی میں کیف باقاعدگی سے آفس آنے لگا تھا۔

رشتے والی بات کے بعد وہ بہت بدل گیا تھا۔ مطلب وہ حیات کی جدائی میں جوگی تو نہیں بنا تھا۔ لیکن اپنی ذات کی نفی نے اس میں موجود سنجیدہ پن کو مزید بڑھا دیا تھا۔ اب تو وہ آفس کے کاموں میں ایسا الجھا تھا کہ گھر کی بھی اسے ہوش نہیں رہی تھی۔ وہ رات کو لیٹ گھر آنے لگا تھا۔ جس پر افشاں بیگم اس سے بہت خفہ ہو گئی تھی۔ اسی وجہ سے کیف آج جلدی آفس سے گھر کے لیے روانہ ہوا تھا۔

شام کے سات ہو رہے تھے۔ جب کیف نے اپنے بلاک میں داخل ہوتے گاڑی کا ٹرن

لیا تھا کہ دائیں جانب پارک میں نظر پڑتے ٹھٹھک گیا تھا۔ جہاں ایک بینچ پر نجانے کیوں اسے اس دن والی ابنارمل لڑکی کا گمان ہو رہا تھا۔ لیکن پھر وہ یہاں کیسے ہو سکتی ہے؟ سوچتے کیف نے گاڑی آگے بڑھانی چاہی تھی۔ پر نجانے ایسی کیا بات تھی کہ وہ چاہ کر بھی گاڑی کو آگے نا بڑھا سکا تھا۔ بلکہ گاڑی سے اترتے پارک میں داخل ہوا تھا۔ جہاں اس وقت اکا دکا لوگ موجود تھے۔

"انابیہ! اس وقت یہاں کیا کر رہی ہو؟ رات ہونے والی ہے، اب تو تمہیں گھر جانا چاہیے" اپنے شک پر یقین لگتے پہلے تو کیف چندپل حیرت میں ڈوبا تھا۔ لیکن پھر شام کے بڑھتے سائے کو دیکھتے اسے نجانے کیوں غصہ آیا تھا۔

"سپر مین آپ! سپر مین اچھا ہوا آپ آگے ورنہ نابی کی ڈر ڈر کر یہی ڈیتھ ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ نابی گھر کا راستہ بھول گئی ہے۔" اپنی کالی آنکھوں میں موٹے موٹے آنسوں لاتے کیف کو دیکھ کر آنابیہ نے شکر کرتے کہا تھا۔ آج بھی وہ اسی دن کی طرح کے کپڑوں میں ملبوس ہے۔

"تو نابی کیوں ماما کو بغیر بتائے یہاں آئی ہے۔ اگر کسی بیڈ مین نے آپ کو پکڑ لیا ہوتا تو پھر کیا کرتی۔" چندپل اپنی مٹھیوں کو بھینچ کر اس نے اپنے غصے کو کنڑول کیا تھا۔

اسے مسسز کامران پر بھی غصہ آرہا تھا۔جو اس لڑکی کی حفاظت نہیں کر سکتی تھی۔

"ایسی بات نے نہیں ہے سپر مین! نابی بیڈ گرل نہیں ہے۔وہ ماما کو بغیر بتائے نہیں آئی بلکہ وہ تو اپنی جو آنٹی کے ساتھ آئی تھی۔ جس کو ماما نے نابی کے دیکھ بھال کے لیے رکھا ہے۔ لیکن وہ نابی کو یہاں بیٹھا کر نجانے کہاں کھو گئی ہیں سپر مین! سپر مین نابی کو بیڈ مین سے بہت ڈر لگتا ہے۔آپ پلیز مجھے گھر چھوڑ آئیں۔" آنسوں انابیہ کے رخصاروں پر بہنے شروع ہو گئے تھے۔شاید وہ یہ کہنا چاہ رہی تھی کہ اس کی کیئر ٹیکر جو اسے یہاں لے کر آئی تھی۔اسے یہاں بیٹھا کر خود کہی چلی گئی ہے۔

اپنے نوخیز حسن سے بے پرواہ چھوٹی سی پری اس وقت کیف کو دنیا کی مکاری سے بہت دور لگی تھی۔ کیف کو اس کی کیئر ٹیکر کا یوں چھوڑ کر جانا کھٹک رہا تھا۔اسی وجہ سے وہ آگے بڑھتے انابیہ کے سر پر ہاتھ رکھتے بولا

"شش سوئیٹ گرل! سپر مین کے ہوتے ہوئے آپ کیوں پریشان ہو رہی ہیں۔ میں آپ کو آپ کے گھر ضرور چھوڑ کر آؤں گا۔آیئے چلیے میرے ساتھ!" اسے حوصلہ دیتے کیف مسکرایا تھا۔ جس پر انابیہ کو تھوڑا حوصلہ ملا تھا۔

"سچ میں سپر مین! آپ سچ میں نابی کو اس کی ماما کے پاس لے جائیں گے نا" کیف کے

ساتھ چلتی انابیہ نے تصدیق کرنی چاہی تھی۔

"ہاں بالکل! لیکن کیونکہ مجھے ابھی آپ کے گھر کا اڈریس نہیں معلوم تو پہلے ہم میرے گھر جائیں گے۔ پھر بعد میں، میں آپ کی ماما کو ڈھونڈوں گے۔تاکہ میں آپ کو ان کے پاس چھوڑ آؤ۔ ٹھیک ہے؟ آپ میرے گھر چلیں گی نا؟" کیف انابیہ کے پیچھے یوں چل رہا تھا کہ وہ اس کا باڈی گارڈ لگ رہا تھا۔ جس کی حفاظت میں انابیہ چل رہی تھی۔

"واؤ سپر مین نابی آپ کا گھر دیکھے گی کتنا مزہ آئے گا نا۔!" پرجوش سی وہ بے زرسی لڑکی شاید کسی ماروائی دنیا سے آئی معلوم ہوتی تھی۔ کیف کو اس کی بے خبری پر رشک کے ساتھ ساتھ ترس بھی آیا تھا۔

****

"بلقیس! ایسے کیسے تم پارک میں میری معصوم انابیہ کو ناپا کر لوٹ آئی ہو۔ سچ سچ بتاو کہاں ہے میری انابیہ؟ کیا کیا ہے تم نے اس کے ساتھ؟" ترح دار فیشن ایبل سی ساڑھی پہنے لاونج کے صوفہ پر پریشان سی بیٹھی مسسز کامران چٹکھ کر بولی تھی۔

اپنی معصوم بچی کا سوچتے ان کے چہرے پر وحشت پھیل رہی تھی۔ اگر وہ کسی غلط آدمی

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

کے ہاتھ لگ گئی تو؟اس سوال نے ان کے حواس صلب کر دیے تھے۔

"بب۔۔۔ بیگم صاحبہ میں سچ کہہ رہی ہوں۔ میں اسے بینچ پر بیٹھا کر پانی لینے گئی تھی۔ لیکن میں جب تک واپس آئی وہ وہاں نہیں تھی۔ میرا یقین کریں بیگم صاحبہ۔۔۔" مسسز کامران کے قدموں میں گرتے وہ کیئر ٹیکر گڑ گڑا کر بولی تھی۔ جس پر مسسز کامران کا غصہ تو کم نہیں ہوا تھا۔ لیکن وہ خود سنبھالتے صوفے سے اٹھتے ہوئے بولی۔

"میں ایسے ہاتھ نہیں رکھ سکتی بلقیس! جلدی سے ڈرائیور کو کہو گاڑی نکلے، ہمیں ابھی کے ابھی پولیس سٹیشن جانا ہوگا۔" یہ کہتے مسسز کامران اپنا پلو سنبھالتے چند ضروری سامان لینے اندر کی جانب بڑھی تھی۔

"میڈم میرے خیال سے آپ کو پولیس اسٹیشن جانا چاہیے۔ میں گھر ہی رہتی ہوں ہو سکتا ہے انابیہ بی بی خود ہی گھر آ جائیں" بلیقیس نے ماتھے پر موجود پسینہ کو نا معلوم طریقے سے صاف کرتے، مسسز کامران سے کہا تھا۔ جو گاڑی میں بیٹھ رہی تھی۔

"ایسا ممکن تو نہیں ہے بلقیس لیکن تم پھر بھی یہی رہو ہو سکتا ہے۔ کہ وہ آ جائے" مسسز کامران نے بلقیس کی بات پر سوچتے ہوئے سر ہلایا تھا۔ پھر اپنی بیٹی کی حفاظت کی دعا کرتے، وہاں سے پولیس سٹیشن کی جانب نکلی تھی۔

"بیو قوف آدمی تمہاری غلطی کی وجہ سے ایک تو پہلے ہی وہ چھوکری میرے ہاتھ سے نکل چکی ہے۔دوسرا اب اس کی ماں پولیس سٹیشن جارہی ہے۔میں مزید اس گھر میں نہیں رہ سکتی اگر پولیس کو مجھ پر شک ہو گیا تو میں ماری جاؤں گی۔اس لیے میں واپس آرہی ہوں۔اس کو کیسے کینڈنیپ کرنا ہے وہ بعد کی بعد میں دیکھی جائے گی پر اب میں یہاں نہیں رہوں گی۔"مسسز کامران کے جانے کے بعد بلیقس جو کہ ایک بچہ اغوا گروپ کی سرغنہ تھی،اپنے ساتھ کو ہدایت دیتے بولی تھی۔پھر پھرتی سے موبائل چھپاتے وہاں سے چپکے سے فرار ہو گی تھی۔ان لوگوں کی نظر پہلے دن ہی انابیہ پر پڑ چکی تھی۔اس کا حسن اور دماغی بیماری ان کے بہت کام آسکتی تھی۔اسی لیے انہوں نے اسے اغوا کرنے کا سوچا تھا۔

****

پیچھلے کچھ دنوں سے ابراہیم نے مسلسل حیات سے کنارہ کشی اختیار کرلی تھا۔جس پر حیات بہت چڑچڑی سی ہو رہی تھی۔اسے لگ رہا تھا کہ ابراہیم اس سے دور جارہا ہے اور ہو نا ہو اس میں ہاتھ اس رمشاء چڑیل کا ہی ہے جو کل آج دو منٹ بعد ابراہیم کے فون پر کالز کر رہی ہوتی تھی۔

آج تو رمشاء کی وآپس مینجر کی پوسٹ پر آنے کا سنتے اس کے سینے پر سانپ لوٹ رہے تھے۔اسے شک ہونے لگا تھا کہ رمشاء وہی لڑکی ہے جو ابراہیم کے دل میں رہتی ہے۔ اسے ہر حال میں اپنے رشتے کو اس رمشاء چڑیل سے بچانا تھا اسی لیے بہت سوچ بچار کے بعد وہ ایک فیصلہ کرتے ابراہیم کی پاس گئی تھی۔جو اس وقت بیڈروم سے ملحقہ سٹڈی روم میں بیٹھا آفس کا کچھ کام کر رہا تھا۔

"ابراہیم! کیا میں اندر آجاؤ."سٹڈی روم کے دروازہ میں کھڑے ہوتے حیات نے معصومیت سے پوچھا۔

"ہمم!"انہماک سے فائل سٹڈی کرتے ابراہیم نے اس کی طرف کوئی خاص دھیان نہیں دیا تھا۔حیات کو اگ ور ہونا بہت چبھا تھا۔لیکن پھر اپنے یہاں آنے کا مقصد سوچتے وہ اس کے پاس جا کھڑی ہوئی تھی۔

"ابراہیم میں نا بہت اہم بات آپ سے ڈسکس کرنے آئی ہوں۔"چند منٹ ابراہیم کو فائل میں ڈوبے دیکھنے کے بعد حیات پر جوشی سے کہتے،اس کے ساتھ چیئر گھسیٹ کر بیٹھی تھی۔

"ہمم!"ایک بار پھر ابراہیم نے ویسے ہی جواب دیا تھا۔حیات کو تپ تو بہت چڑھی

لیکن ضبط کر کے رہ گئی۔

"ابراہیم میں ناآپ کے جانے کے بعد گھر میں بہت بور ہو جاتی ہوں۔اس لیے میں نے سوچا ہے کیوں نا میں کوئی جوب کر لوں۔ جس سے میرا وقت بھی گزر جائے گا اور مجھے کچھ فائدہ بھی ہو جائے گا۔" حیات نے اس کی برتاؤ کو اگنور کرتے،ایک بار پھر سے پر جوشی کے ساتھ کہا تھا۔

"ہمم "لیکن یہ ابراہیم کے تیسرے بار کے ہمم نے حیات کے ضبط کی طنابیں ہلا دی تھی۔

"ابراہیم آپ کو معلوم بھی ہے میں کب سے کیا کہہ رہی ہوں یا بس ہمم ہمم ہی کیے جا رہے ہیں۔" حیات نے دانت پیسے تھے۔

"ہمم "ایک بار پھر سے ہمم نے حیات کا منہ چڑایا تھا۔

"بس بہت ہوا آپ میری انسلٹ کر رہے ہیں ابراہیم میں جا رہی ہوں بڑے ابا کو شکایت لگانے "موٹے موٹے آنسوں آنکھوں میں لیے حیات نے اس کی فائل زبردستی بند کرتے ٹیبل پر پٹک کر کہا تھا اور اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"لیکن میں نے کیا کیا ہے حیات؟" حیات کے اتنے شدید رد عمل پر ابراہیم گڑبڑا کر اس کا بازو تھامتے بولا تھا۔

"اتنے دیر سے میری بات کو اگنور کرنے کے بعد بھی آپ مجھے پوچھ رہے ہیں کہ کیا کیا ہے۔ مطلب حد ہے۔۔۔" غصہ سے حیات نے نتھنے پھلائی تھی۔

"اچھا اچھا سوری یار سچ میں دھیان نہیں گیا۔ چلو یہاں بیٹھو بتاو کیا بات ہے۔" حیات کو واپس چیئر پر بیٹھاتے ابراہیم نے نرمی سے کہا تھا۔ کیونکہ کہی نا کہی اسے بھی اپنی غلطی کا احساس تھا کہ وہ فائل میں ڈوبے اس پر دھیان ہی نہیں دے پایا تھا

"ابراہیم مجھے جوب کرنی ہے۔" چندپل ٹھہر کر، اپنے آنسوں صاف کرنے کے بعد حیات نے ابراہیم کے سر پر بمب پھوڑا تھا۔ جو ہونکوں کی طرح اس کا منہ تکنے لگا تھا۔

"ہاہاہاہاہاتم اور جوب کیا مذاق ہے حیات یار مجھے نہیں لگتا تم سے ہو پائے گی۔ ویسے تم نے کبھی بتایا نہیں تمہاری کوالیفیکیشن کیا ہے۔؟" حیات کے بمب دھماکے سے اثر سے باہر آتے ابراہیم نے قہقہ لگایا تھا۔ پھر آخر میں شرارت سی اس کی تعلیم پوچھی تھی۔

"ہاں تو اس میں مذاق والی بات کیا ہے۔؟ کیا میں نوکری نہیں کر سکتی۔ اور آپ نے کیا مجھے ان پڑھ سمجھ رکھا ہے۔ ماشاءاللہ سے بی بی اے کر رہی تھی۔ ارادہ بھائی کی طرح ایم بی اے کر کے آفس جوائن کرنے کا تھا۔ لیکن آپ سے شادی کی وجہ سے میری پڑھائی چھوٹ گئی۔ پر الحمدللہ ایک بزنس مین کی بیٹی اور ایک بزنیس مین کی بیوی ہوں۔ تھوڑا بہت تو بزنس کرنا جانتی ہی ہوں۔ اور مجھے کہاں اور نوکری کرنے جانے کی ضرورت کیا ہے۔ جب میرے شوہر خود ایک بزنیس مین ہے۔" حیات نے صدمے سے کہتے، آخری بات پر انتہائی معصومیت سے آنکھیں پٹپٹائی تھی۔ جیسے اس سے زیادہ معصوم تو دنیا نے دیکھا ہی نہیں تھا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"او مجھے سچ میں تمہاری پڑھائی چھوٹ جانے کا بہت افسوس ہے حیات! میرے خیال سے تمہیں اپنی پڑھائی پھر سے شروع کرنی چاہیے۔ بلکہ تمہیں کوئی ضرورت نہیں ہے پھر سے جوب کرنے کی، سب کچھ تو تمہیں مل رہا ہے۔ اگر پھر بھی کچھ چاہیے تو مجھ سے کہوں نا" حیات کی بات پر ابراہیم کو سچ میں افسوس ہوا تھا۔ اسی لیے اپنے مخلصانہ مشورہ سے نوازتے ہوا بولا۔

"نہیں اب شادی شدہ ہو کر میں پڑھائی کرتی اچھی لگو گی بھلا نہیں بالکل نہیں! میں

کوئی نہیں جارہی پڑھنے بس میں کل سے آپ کے ساتھ آفس جایا کروں گی۔ڈ یٹس فائنل "پڑھائی کے نام پر بدکتے حیات آخر میں ضدی لہجے میں بولی۔

"نہیں بالکل نہیں تم صرف پڑھو گی کوئی نوکری نہیں کروں گی۔"ابراہیم نے بھی ضد دیکھائی تھی۔جس پر حیات نے چینلج کرتی نظروں سے ابراہیم کی آنکھوں میں دیکھا تھا۔وہ دونوں ہی اس وقت اپنی ضد سے ہٹنے کو تیار نہیں تھے۔

"پلیز زابراہیم میرے پیارے شوہر نہیں؟مجھے لے جائیں ناآفس پکاپھرا گر آپ مجھے یونی کاساراکام گھر لا کردیں گے تو میں وہ بھی کرلوں گی لیکن یونی نہیں جاوں گی۔پلیز پلیز پلیزززززز"ابراہیم کے ہاتھوں کو نرمی سے تھامتے حیات نے اپنی ضد چھوڑتے پیار سے التجا کی تھی۔

"اچھاٹھیک ہے لیکن میری بھی ایک شرط ہے۔"ابراہیم کادل حیات کے اتنے پیارے طریقے پر فداہواتھا۔اس لیے چہرے پر مصنوعی سنجیدگی تاری کرتے بولا۔

ء"کیا؟"حیات نے آنکھیں چھوٹی کرکے پوچھا۔

"یہی کہ آفس میں تم میری بیوی بن کر نہیں بلکہ ایک امپلائی بن کر کام کروگی اور

بلاوُجہ کسی پر رو عب نہیں ڈالو گی۔ جو کام دیا جائے گا بس وہی کروں گی۔" ابراہیم بھی شاہد اپنی اس معصوم نظر آنے والی شیطان بیوی کے ارادوں سے آشنائی رکھتا تھا۔ اسی لیے سوچ سمجھ کر بولا۔

"مجھے منظور ابراہیم! اوووو تھینکیو سوچ میں ابھی جا کر کل کے لیے تیاری کرتی ہوں" ابراہیم سے گرمجوشی سے لپٹتے حیات، ابراہیم کو بت بنا چھوڑتے اپنے کمرے میں صبح کی تیاری کرنے کے لیے بھاگی چلی ائی تھی۔ اس کے تو خوشی سے پاؤں ہی زمین پر نہیں ٹک رہے تھے۔ جبکہ ابراہیم کافی دیر بعد اس کی حرکت کے اثرات سے باہر آتے فائل پکڑتے بڑبڑایا تھا۔

"اُفف کسی دن یہ لڑکی اپنی انہی قاتلانہ حرکتوں سے میرا ہارٹ فیل ضرور کروائے گی۔ پلیز زاللہ جی مجھے معصوم کو بچا لیجئے گا۔ "

****

"السلام علیکم! ایوری ون" گھر آنے کے بعد سیدھا، لاونج میں داخل ہوتے کیف نے بلند آواز سلام کیا تھا۔ جس پر سب سے پہلے مہنانے گردموڑ کر دیکھا تھا۔ لیکن کیف کے ساتھ کھڑی لڑکی کو دیکھ کر ایک دم چیخ کر بولی۔

"کیف بھائی یہ لڑکی کون ہے آپ کے ساتھ؟"منہا کی چیخ پر جہاں سب کی گردنیں گھومیں تھی۔وہیں بچارہ انابیہ ڈر کر کیف کے بازو کے پیچھے ہوئی تھی۔اور چور نظروں سے سب کو دیکھنے لگی تھی۔

"کیف بھائی کہیں آپ چوری نکاح کر کے میری بھابھی کو گھر تو نہیں لے آئے؟ویسے دیکھنے میں تو بھابھی کافی کیوٹ ہیں۔"ایراج کی زبان کے آگے کھائی تھی۔اس لیے جو کچھ بھی دل کرتا وہ بول جاتی تھی۔کیف کا دل کر رہا تھا کہ اس فتنی کا خون کر دے جس کی وجہ سے اس کی سوالیہ نظریں غصیلی نظروں میں بدل گئی تھیں۔

"کیف بیٹا!سچ سچ بتاؤ کون ہے یہ لڑکی؟اور اسے گھر میں کیوں اٹھا کے لے آئے ہو؟" کچھ بولنے کے لیے منہ کھولتے کیف کو موقع دیے بغیر افشاں بیگم بھی بچارہ پر حملہ آوور ہوئی تھی۔

"ایک منٹ صبر کر جائیں آپ لوگ!میں کہیں بھاگا تھوڑی جا رہا ہوں اور پلیز اپنے خیالات کو کنٹرول کریں۔جیسا آپ سوچ رہے ہیں ویسا کچھ نہیں ہے۔یہ انابیہ ہیں جو کچھ دن پہلے یہاں قریب ہی شفٹ ہوئیں ہیں۔لیکن اب اپنے گھر کا راستہ بھوگ گئی تھیں۔اس لیے میں انہیں یہاں آیا۔آپ پریشان مت ہوں کچھ دیر تک میرا دوست

انسپیکٹر اسد آتا ہو گا پھر ہم اس کے گھر کا پتہ لگا لیں گے" کیف نے دونوں ہاتھ کھڑے کرتے وضاحت دی تھی اور ساتھ ہی اپنے انسپکٹر دوست اسد کے آنے کا حوالہ دیا تھا۔ جسے وہ راستے میں ہی انفوم کر چکا تھا۔

"بہت فضول بہانا ہے کیف! یہ لڑکی کوئی چھوٹی بچی نہیں ہے اٹھارہ انیس سال کر لڑکی ہے۔ایسے کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ گھر بھول جائے" افشاں بیگم نے چٹکھ کر جواب دیا تھا۔

"چھوٹی بچی نہیں ہے لیکن اس کی دماغی حالت چھوٹے بچوں کی طرح ہے ماما! کچھ دن پہلے بھی یہ میری گاڑی کے سامنے آتے آتے بچی تھی۔تب تو ان کی ماما وہاں آگئی تھی۔ لیکن آج یہ اکیلی بیٹھی رو رہی تھی۔اسی لیے میں اسے گھر لے آیا۔" کیف کی بات پر وہاں صرف کچھ لوگوں کے چہروں پر افسوس اور ہمدردی جیسے تاثرات ابھرے تھے۔ لیکن افشاں بیگم کے چہرے پر صاف ناگواری کی جھلک ابھری تھی۔

"انابیہ ڈرو نہیں یہ میری فیملی ہے۔آؤ ادھر بیٹھو میں فریش ہو کر آتا ہوں تب تک آپ یہی رہو۔ٹھیک ہے۔" انابیہ کا ہاتھ پکڑتے کیف نے اسے نرمی سے صوفہ پر بیٹھایا تھا۔

"ننن۔۔۔۔ نہیں سپر مین نابی آپ کے ساتھ ہی جائے گی۔ورنہ یہ وچ آنٹی مجھے اپنی بڑی بڑی آنکھوں سے کھا جائے گی۔نابی یہاں نہیں بیٹھے گی سپر مین" آنابیہ نے فوراً سے کھڑے ہوتے افشاں بیگم کی گھورتی آنکھوں کو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

جس پر منہا، منیب اور ایراج کے چہروں پر دبی دبی مسکراہٹ بکھری تھی۔افشاں بیگم کا چہرہ توہین سے سرخ ہوا تھا۔

"بری بات انابیہ وہ آپ کے سپر مین کی مما ہے۔کیا آپ ان کے متعلق ایسا کہو گے" کیف نے اسے تنبیہہ کی تھی۔

"نہیں نہیں سوری سپر مین, سوری آنٹی! میں آئیندہ ایسا نہیں کروں گی۔" انابیہ نے حمیرہ بیگم کے سامنے معصومیت سے کان پکڑتے سوری کی تھی۔ جس پر افشاں بیگم بغیر کچھ کہے تنفر سے سر ہلاتی وہاں سے واک آؤٹ کر گئی تھی۔

ان کے برتاؤ پر کیف نے افسوس سے سر ہلایا تھا۔جبکہ باقی سب اس معصوم سی پری کو دیکھتے اس کے پاس آئے تھے۔ کیف اسے گھر والوں کے پاس چھوڑتے فریش ہونے چل دیا تھا۔ارادہ اس کے بعد پولیس سٹیشن جانے کا تھا۔

****

"ہیلو لیٹل پرینسسز! مائی سیلف ایراج آفندی اور آپ کون ہیں۔؟" انابیہ کے قریب بیٹھتے ایراج نے تجسس سے اس کی طرف ہاتھ بیٹھایا تھا۔

اس وقت انابیہ کے دوسری طرف منہا، سامنے والی صوفہ پر منیب اور بڑے ابا اسی طرح باقی صوفوں پر نعمان صاحب، مصطفیٰ صاحب اور حمیرہ بیگم بیٹھے ہوئے تھے۔ ان سب کی پرشوق اور ہمدردی سے بھرپور نظریں اس وقت انابیہ پر تھی۔ انابیہ اتنے سارے لوگوں کی اٹینشن پاتے گھبرا گئی تھی۔

"مائی سیلف نابی! ماما مجھے انابیہ کہتی ہیں۔ لیکن وہ مجھے اچھا نہیں لگتا۔" اپنی چھوٹی سی کیوٹ سی ناک کو چڑھاتے انابیہ نے ڈرتے ڈرتے جواب دیا تھا۔ جس پر ایراج کی مسکراہٹ گہری ہوئی تھی۔

"تو پھر ٹھیک ہے میں بھی اپنی پیاری دوست کو نابی ہی کہوں گی۔ ویسے نابی کے گھر میں ماما کے علاؤہ کون کون ہے۔" جھٹ سے انابیہ کو اپنی دوست بناتے ایراج نے مزے سے پوچھا تھا۔

"بس میں اور ماما ہی ہیں۔ ماما سارا دن آفس میں ہوتی ہیں اور نابی اس سٹر و آنٹی کے پاس جو مجھے آج پارک میں چھوڑ کر کہی چلیں گئی ہیں۔" انابیہ نے کیئر ٹیکر کا ذکر کرتے برے برے منہ بنائے تھے۔

"اور نابی کے پاپا کہاں ہیں؟ کیا کوئی اور بہن بھائی نہیں ہے نابی کا؟" ایراج نے جوس کا گلاس انابیہ کو دیتے ایک اور سوال کیا تھا۔ اسے انابیہ سے بات کرنا بہت اچھا لگ رہا تھا۔

"نابی کے بابا اللہ پاس ہیں ماما کہتی ہیں وہ وہاں سے میرے لیے کھلونے لینے گئے ہیں۔ اور نابی کا کوئی بہن بھائی نہیں ہے۔ نابی نے ماما سے بہت انسسٹ کیا تھا کہ اسے بہن بھائی لا کر دیں لیکن انہوں نے بہت ڈانٹہ تھا نابی اور بھی سیڈ ہوگئی تھی۔ پھر نابی نے کبھی ان سے بہن بھائی نہیں مانگا۔ کیونکہ نابی ماما کو سیڈ نہیں دیکھ سکتی۔" انابیہ کا لہجہ افسردگی بھرا تھا۔ جس نے آفندی ویلا کے نرم دل لوگوں کو بھی غمگیں کر دیا تھا۔

"کوئی بات نہیں نابی! میں ہوں نا تم مجھے مانی بھائی بلا سکتی ہو اور جب چاہے یہاں کھیلنے آ سکتی ہو۔ پتہ ہے میرے اور منہا کے پاس بہت سارے ٹوائز ہیں ہم وہ سب تمہیں دیں گے۔ کیوں منہا ٹھیک کہہ رہا ہوں نا؟" منیب نے صوفہ سے اٹھتے انابیہ کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تھا۔

"ہاں ہاں بالکل ضرور دوں گی اور نابی تم مجھے منہا آپی کہہ سکتی ہو۔" منہا بھی آٹھ کر اس کے قریب ائی تھی۔ جس پر انابیہ خوشی سے کھل اٹھی تھی۔

"سچی منہا آپی!" اشتیاق سے منہا کے ہاتھ پکڑتے انابیہ نے پوچھا تھا۔ جس پر منہا نے سر ہلایا تھا اور پھر آہستہ آہستہ نابی کی بڑے ابا سمیت وہاں سب سے دوستی ہو گئی تھی۔ اسی لیے ان کے ساتھ باتیں کرنے لگی تھی۔

اس منظر پر بڑے ابا کو آج اپنے پوتے پوتیوں پر فخر ہوا تھا۔ جن میں ابھی رشتوں کی قدر اور باقی تھی۔

NEW ERA MAGAZINE .COM
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

****

"السلام علیکم یار کیف! پولیس سٹیشن میں ایک عورت آئی ہے۔ مس انابیہ کی مسسنگ رپورٹ لکھوانے مجھے لگتا ہے کہ یہ وہی انابیہ ہے جس کے بارے میں تم بات کر رہے تھے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم انابیہ کو لے آجاؤ، ہم کنفرم کر لیتے ہیں۔" انسپیکٹر اسد کی سپیکر سے ابھرتی آواز پر فرش ہو کر نکلتے کیف نے سکون کا سانس بھرا تھا۔

"ٹھیک ہے اسد تم ان کو روک کر رکھو میں تب تک انابیہ کو لے کر آتا ہوں۔" جلدی

سے بال بنا کر نیچے کی جانب بڑھتے کیف نے اسد کو ہدایت دیتے موبائل جیب میں رکھا تھا۔

"انابیہ چلو آپ کی ماما کا پتہ معلوم ہو گیا ہے۔رات ہو گئی وہ پریشان ہو رہی ہو نگی۔میں آپ کو ان کے پاس چھوڑ آتا ہوں۔"ایراج لوگوں کے گھیرے میں بیٹھی انابیہ کا چہرہ یہ خبر سن کر کھل اٹھا تھا۔

"ر تیج آپی، منہا آپی اور مانی بھائی بائی بائی !!۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔آپ لوگ کل نابی کے گھر آنا نابی اپنے ٹوائے آپ کے ساتھ ضرور بانٹیں گے۔" کیف کی بات پر تیزی سے اٹھتے انابیہ نے کہا تھا۔

جس پر ان تینوں نے مسکرا کر سر ہلا یا تھا۔انابیہ ان کے اقرار پر بچوں سی خوشی چہرے پر لیے کیف کا بازو پکڑتی باہر کی جانب چل دی تھی۔اس کی حرکتوں کو دیکھ دیکھ افشاں بیگم جو چڑ رہی تھی۔کیف کے بازو پکڑنے پر انہوں نے نفرت سے اسے دیکھا تھا۔اس عجوبہ لڑکی سے انہیں پہلی نظر میں ہی نجانے کیوں نفرت سی ہو گی تھی۔

****

"ماما!" مسسز کامران کو دیکھتے انابیہ خوشی سے چیختے ان کے جانب لپکی تھی۔ تھانے میں موجود تمام مرد اس آواز پر سر گھمائیں انابیہ کو گھور گھور کر دیکھنے لگے تھے۔ اس کی خوشی سے چمکتے چہرے کو دیکھ وہاں کئی لوگوں کی نظریں چمک اٹھی تھی۔

کیف کو نجانے کیوں ان لوگوں کی نظریں انابیہ پر دیکھ کر غصہ آیا تھا۔ اس لیے سرخ چہرے کے ساتھ آگے بڑھتے، انابیہ کا ہاتھ پکڑتے اسے اپنی جانب کھینچتے ہوئے بولا

"آرام سے انابیہ ہم آپ کے ماما کے پاس جا رہے ہیں۔ اس لیے آرام سے چلو۔" انابیہ کو غیر ارادی طور پر بازو کے گھیرے میں لیتے کیف نے ان لوگوں کی نظروں سے اسے بچانا چاہا تھا۔ اس کا لہجہ بات کرتے وقت انتہائی نرم تھا۔

"اوکے سپر مین!" کیف کی بات پر اپنی پلکیں جھپکتے انابیہ نے معصومیت نے جواب دیا تھا۔

کیف جیسے خوبرو اور مضبوط لڑکے کے رحصار میں اس لڑکی کو دیکھتے سب نے اپنی نظریں ہٹائی لی تھی۔ جس پر کیف نے سکھ کا سانس لیا تھا۔ یہ سارا واقع دیکھتے اسد کے چہرے پر پر اسرار مسکراہٹ نے احاطہ کیا تھا۔ اس کا اکڑو دوست تو بس کام سے جاتا ہوا دیکھائی دے رہا تھا۔

"انابیہ میری بچی! تم بلقیس کو چھوڑ کر کہاں چلی گئی تھی۔ کتنی بار میں نے تمہیں سمجھایا تھا کہ اس آنٹی کو چھوڑ کر کہی نہیں جانا تو پھر کیوں گئی تم؟ "انابیہ کو گلے لگانے کی بجائے مسسز کامران نے اپنی تڑپ چھپاتے سختی سے استفسار کیا تھا۔

انابیہ ان کی اکلوتی بیٹی تھی۔ جس کے کھونے کے ڈر نے انہیں پریشان کر دیا تھا۔اسی لیا اپنا سارا چڑ چڑا پن اب وہ اپنی بیٹی پر اتار رہی تھی۔

"م۔۔ماما میں س۔۔۔سچ کہہ۔۔۔۔رر۔۔۔۔رہی ہوں۔۔۔ مممم۔۔۔نہیں۔۔گئی تھی۔" ہچکیوں کے درمیان روتے انابیہ نے اپنی بات کہنی چاہی تھی۔وہ عام انسانوں سے زیادہ حساس تھی جو لہجوں میں موجود چھوٹی چھوٹی تبدیلیوں کو بھی جلد محسوس کر جاتی تھی۔اسی اپنی ماں کی ڈانٹ پر وہ رونے لگی تھی۔

"آرام سے آنٹی آپ اسے نہیں ڈانٹ سکتی۔کیونکہ اس معاملے میں ساری غلطی اس کی کئیر ٹیکر کی ہے۔جو اسے وہاں بیٹھ کر کہی غائب ہو گئی تھی۔میں خود اس بات کا گواہ ہوں کہ جب میں وہاں سے گزر رہا تھا تو یہ وہی بیٹھی دیکھائی دی تھی مجھے۔"اس کی حالت پر بے چین ہوتے کیف نے جلدی سے اسے سنبھالا تھا جو بس گرنے والی تھی۔

"ایک منٹ کیف تم کہہ رہے ہو کہ یہ وہی بیٹھی ملی ہیں تمہیں جب کہ مسسز کامران

کی ملازمہ کہہ رہی تھی کہ وہ واپس گئی تھی لیکن انابیہ وہاں نہیں تھی۔۔۔۔ کہیں تو کچھ گڑبڑ ہے۔۔۔۔ سنو کیف کیا تم بتا سکتے ہو کہ تم نے کتنے بجے انابیہ کو پک کیا ہے۔"

اسد نے بیچ میں مداخلت کرتے پر سوچ انداز میں پوچھا تھا۔

"میں نے تقریباً سات بجے کے قریب انابیہ کو وہاں سے پیک کیا ہے۔"اسد کی بات کو غور سے سمجھتے کیف نے جواب دیا تھا۔

"ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔ساڑھے چھ بجے تو میری ملازمہ گھر واپس آچکی تھی۔"مسسز کامران کے تیزی سے بولنے پر اسد اور کیف کے ماتھے پر شکون کا جال بکھرا تھا۔

مطلب ان سب کے پیچھے اس ملازمہ کا ہاتھ لیکن کیوں؟ یہ سوال بیک وقت ان دونوں کے ذہن نے میں آیا تھا۔ جس پر اسد تیزی سے اپنے کیبن سے ایک فوٹو اٹھا کر لایا تھا۔

"مسسز کامران کیا آپ کی ملازمہ یہی تو نہیں؟"ایک تصویر مسسز کامران کی طرف کرتے، اسد نے پوچھا۔

"اگر اس لڑکی کا رنگ کالا کر دیا جائے اور بولوں کی کس جر تیل والی چوٹی بن دی جائے تو یہ ملازمہ جیسی ہی لگتی ہے۔"مسسز کامران ایک کامیاب بزنیس ومین تھی۔اسی

لیے اسد کی بات کے مفہوم کو سمجھ کر دھیان سے جواب دے رہی تھی۔

"اومائی گاڈ! میم اگر ایسا ہے تو ہو نا ہو وہ آپ کی بیٹی کو کڈنیپ کرنے والی تھی۔ کیونکہ وہ ایک بہت بڑے گینگ کی سرغنہ ہے۔ جس کو ہم بہت دنوں سے ٹریس کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ جلدی چلیں ہمیں آپ کے گھر جانا ہو گا۔" اسد نے اپنی پسٹل اور گن لیتے تیزی سے باہر کی طرف بڑھتے کہا تھا۔

مسسز کامران، کیف اس کے حصار میں موجود انابیہ اور تین چار حولدار یہ سب بھی کیف کے باہر لپکے تھے۔ مسسز کامران کے گھر پہنچتے ہی اسد نے پورا گھر چھان مارا تھا۔ لیکن بلقیس نامی اس عورت کا کہی کوئی پتہ نہیں لگا تھا۔

"مم آپ ایک کام کریں جلدی سے اس عورت کو فون کریں۔ اس سے ہم اس کی لوکیشن کا پتہ لگائیں گے۔۔ اگر اس نے فون اٹھالیا تو۔۔۔" اسد نے پریشان کھڑی مسسز کامران کو بلیقس کو فون کرنے کا کہا تھا۔ لیکن جب بہت بار ٹرائی کرنے کے بعد بھی فون بند آیا تو ان لوگوں کی تشویش بڑھی تھی۔

"اسد ان سب سے صاف ظاہر ہے کہ وہ چلاک عورت بھاگ چکی ہے۔ یہ نا ہو کہ وہ لوگ دوبارہ مسسز کامران کی غیر موجودگی میں حملہ کریں۔ اس سب سے بچنے کے

لیے میرے خیال سے یہاں پر سکیورٹی سخت کردینی چاہیے۔اور آنٹی آپ بھی اب کسی نئی ملازمہ کومت رکھیے گا۔میں خود اپنی بھروسہ مند ملازمہ آپ کے گھر بھیجواوں گاتا کہ وہ انابیہ کی دیکھ بھال کرے۔پریشان مت ہو،مجھے آپ اپنے بیٹوں کی طرح سمجھیے جب بھی ضرورت ہو بلا جھجھک مجھے بلالیجئے کریے گا۔"اپنا کارڈ مسسز کامران کی طرف بڑھاتے،کیف نے انہیں حوصلہ دیا تھا۔

"شکریہ بیٹا!"تشکر کے احساس سے نم آنکھیں لیے مسسز کامران نے ان اکا شکریہ ادا کیا تھا۔اور پھر اپنی بیٹی کی جانب متوجہ ہوئی تھی۔جو ابھی تک کیف سے لپٹی کھڑی تھی۔

"انابیہ ماما کی پرینسسز!ماما نے آپ کو ڈانٹہ اس کے لیے ماما سوری کرتی ہیں۔۔۔۔چلو جلدی سے ادھر آؤ ماما کے پاس!۔۔۔ماما اپنی نابی کو اب کبھی بھی نہیں ڈانٹیں گیں پکا۔ "مسسز کامران نے گلوگیر لہجے میں کہتے انابیہ کی جانب ہاتھ بڑھائے تھے۔

"نہیں نابی ماما سے ناراض ہے۔وہ نابی کو ہر بار ایسے ہی ڈانٹتیں ہیں۔اس لیے اب سے نابی صرف اپنے سپر مین کے گھر رہے گی۔"کیف کے حصار میں کھڑی انابیہ نے اس کے سینے میں منہ چھپاتے خفگی سے کہا تھا۔

انابیہ کی حرکت پر مسسز کامران خفت کا شکار ہوئی تھی۔اسد کے چہرے پر شرارتی مسکراہٹ ابھری تھی۔جبکہ کیف بچارہ اس کی حرکت پر اپنے دل کی دھڑکنوں کے شور سے پریشان ہو گیا تھا۔جو کبھی حیات کو دیکھ کر بھی اتنی تیز نہیں ہوئی تھی۔جتنی تیزاب ہو رہی تھیں۔

"ماما پکا پرامیس کرتی ہیں نابی اب وہ نہیں ڈانٹیں گی۔ادھر او میرے پاس بچہ!"مسسز کامران نے نرم گرفت کے ساتھ زبردستی انابیہ کو اپنے پاس کیا تھا۔وہ نا سمجھ تھی محرم اور نامحرم کے فرق کو نہیں پہچانتی تھی لیکن مسسز کامران تو پہچانتی تھی۔یہی وجہ تھی کہ وہ اس کی حرکت پر شرمندہ ہو گئی تھی۔

****

"ابراہیم مجھے بتائیں نا کہ کل میں کونسا سے والا ڈریس پہن کر جاؤ؟یہ بلیک والا یا یہ ریڈ والا؟"حیات نے فون استعمال کرتے ابراہیم کو اپنی طرف متوجہ کیا تھا۔

"مجھے کیا پتہ تم پر کونسا اچھا لگے گا۔جو دل کرتا ہے وہ پہن لو۔"فون سے سر اٹھائے کر چند منٹ حیات کو دیکھنے کے بعد ابراہیم نے سنجیدگی سے کہا تھا۔

"آپ کتنے بور ہیں ابراہیم! لوگ تو اپنی بیویوں کے لیے اتنے نخرے اٹھاتے ہیں۔ ان پر جان قربان کرنے کو جاتے ہیں۔ انہیں مختلف ناموں سے پکارتے ہیں جیسے جانو، بے بی، میری جان وغیرہ۔ آیون کے ان کے پہننے کی ہر چیز خود سیلکٹ کرتے ہیں۔ ہائے کتنے اچھے ہوتے ہیں ایسے مرد" حیات نے افسوس سے آہ بھرتے کہا تھا۔

"میری نظر میں ایسے لوگ جورو کے غلام ہوتے ہیں۔ نہیں بلکہ انتہا درجے کے کوئی نیچے لگی سرکار جیسے لوگ ہوتے ہیں اور اللہ کا شکر ہے میں ایسی خرافات سے بہت دور ہوں۔ ڈرامے، موویز اور یہ ناولز زرا کم دیکھا، پڑھا کرو سارا خناس بھر دیا ہے انہوں نے تم لڑکیوں کے ذہنوں میں۔۔" تمسخر سے کہتے ابراہیم آخر میں اسے ہدایت دی تھی۔

"اللہ معاف کرے اگر ان کو جورو کا غلام کہتے ہیں تو پھر آپ جیسے لوگوں کو کوئی انتہائی سڑے ہوئے کریلے کی کیٹگری میں شامل کرتے ہیں۔" حیات نے بھی منہ بسور کر جواب دیا تھا۔

جس پر ابراہیم نے اس کی بات کو سرے سے ہی اگنور کیا تھا۔ ابراہیم کا اٹیٹیوڈ نے تو حیات کے سر پر آگ لگائی تھی جو پیروں پر جا کر بجھی تھی۔ اس لیے چٹخ کر بولی

"آپ جیسے سڑو کو دیکھ کر مجھے لگتا ہے۔ نجانے کہاں کرم پھوٹے ہیں میرے۔۔۔۔"

"تو کس نے کہا تھا کہ اس سڑو سے شادی کرو۔" ابراہیم کو بھی حیات کی بات تیز کی طرح چبھی تھی۔

"بس کیا کرو آپ سے شادی کے وقت تھوڑی پتہ تھا کہ میرا نرم دل دوست شادی کے بعد ایسا سڑو بن جائے گا۔" حیات کا تو دکھ ہی ختم نہیں ہو رہا تھا۔

"چلو اب تو پتہ چل گیا ہے نا تو چھوڑ دو مجھے!" ناراضگی سے کہتے ابراہیم اپنی طرف کا لیمپ بند کرتے لیٹ گیا تھا۔

ابراہیم کی ناراضگی حیات کو بے چین کر گئی تھی۔اس لیے کچھ دیر بعد اس کے سونے کا یقین کرتے،اس کے پاس ہوتے، نرمی سے اس کا ہاتھ پکڑتے اپنی نم آنکھوں سے لگاتے وہ بڑبڑائی تھی۔

"کیسے چھوڑ دوں؟ جانتے ہیں جن سے محبت کی جاتی ہے ان کو چھوڑا نہیں جاتا بلکہ دل میں اعلیٰ مسند پر بیٹھایا جاتا ہے اور حیات ابراہیم نے آپ کو اپنے دل کے اسی اعلیٰ مسند پر

ہی بیٹھا یا ہے۔" یہ کہنے کے بعد حیات کافی دیر تک اس کو سوتا دیکھتے رہی تھی۔ جو معصوم بچوں کی طرح چہرے پر ناراضگی لیے لیٹا تھا۔ حیات کو اس کے ایکسپریشن پر ہنسی کے ساتھ پیار بھی آرہا تھا۔ ایسے ہی دیکھتے دیکھتے اسے معلوم ہی نہیں ہوا تھا کہ نجانے کب اس کی آنکھ لگ گئی۔

****

مسسز کامران کے گھر سے نکلتے کیف اپنی گاڑی میں بیٹھتے اپنے گھر کے لیے نکلنے لگا تھا۔ جو اس گھر سے ایک گلی چھوڑ کر اگلی میں تھا۔ جب اسد اسے نے اسے شرارت سے مخاطب کیا تھا۔

"ہاں بھئی لالے کیا چکر ہے۔؟ پھر کب کھلا رہے ہو مجھے شادی کا لڈو؟" کیف اور اسد کی دوستی کالج کے زمانے سے تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اسد اتنے دوستانہ رویہ میں اس سے بات کر رہا تھا۔

"کیا مطلب کیا چکر ہے۔؟ اور یہ شادی کا ذکر اس وقت کہاں سے آگیا۔ " کیف نے ناسمجھی سے گاڑی کے دروازہ کے پاس جھکے ہوئے دیکھ کر پوچھا۔

"یار اب اتنا بھولا بننے کی بھی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ تیرے جیسے سڑو کو کالج کے زمانے سے میں جانتا ہوں۔ جو کسی کے ساتھ ہنس کر بات بہت مشکل سے کرتا تھا۔ آج وہ ایک لڑکی کو لے کر بے چین ہو گیا تھا۔ تو اب اس حالت کو میں کیا سمجھوں" کیف کی نا سمجھی پر چوٹ کرتے اسد نے کہا تھا۔ جس پر کیف خود سوچ میں پڑ گیا تھا۔ کہ کیا واقع ایسا ہے ؟؟ لیکن اپنے اندر سے کوئی جواب نا آنے پر وہ سر جھٹک گیا تھا۔

"ایسا نہیں ہے اسد وہ صرف ایک معصوم اور بے زر لڑکی ہے جس سے مجھے ہمدردی ہے۔ تم فضول باتیں مت سوچو اب میں جا رہا ہوں گھر ماما انتظار کر رہی ہو نگی۔ پہلے ہی بہت دیر ہو چکی ہے۔" کیف کے سنجیدگی کے جواب دینے پر اسد بھی سر جھٹکتے اسے جانے کا راستہ دیتے تھوڑا پیچھا ہوتے اپنی گاڑی کی طرف گیا تھا۔ لیکن جاتے جاتے شرارتی جملی ضرور اچھال کر گیا تھا۔

"لالے ! جس دن بارات لے کر جانی ہو مجھے ضرور یاد کر لینا۔ یاد رکھنا سب سے آگے بھنگڑا میں ہی ڈالوں گا۔" اپنے دوست کی بات پر مسکرا کر کیف نے سر جھٹکتے گھر کی طرف گاڑی بڑھا دی تھی۔ لیکن اسد کی باتیں نجانے کیوں اس کے دماغ میں چپک کر رہ گئی تھی۔

****

"حیات یار جلدی کرو اور کتنی دیر لگاؤ گی تیار ہونے میں؟"ڈریسنگ روم کے دروازہ پر آف وائیٹ ڈریس پینٹ کے ساتھ ہلکے گلابی کلر کی شرٹ پہنے بالوں کو جیل سے بنائے ،اپنی وجاہت سے بھرپور شخصیت لیے ابراہیم کب سے حیات کو آوازیں دے رہا تھا۔ جو آفس جانے کے لیے تیار ہو رہی تھی۔

"کیسی لگ رہی ہوں میں ابراہیم؟"اچانک سے دروازہ کھولتے حیات نے پر جوشی سے پوچھا تھا۔

سرخ رنگ کی خوبصورت سی رمبرائیڈی والی شرٹ کے ساتھ سرخ کیپری، پہنے گھنے بالوں کو پشت پر کھلا چھوڑے کانوں میں چھوٹے چھوٹے آویزے پہنے لبوں پر گلوز لگائے اپنی ہیزل براون آنکھوں کے ساتھ حیات ابراہیم اس وقت ابراہیم کے دل پر بجلیاں گرا رہی تھی۔

"کیا تمہارے شوہر کی دوسری شادی ہے جو اتنا سج دھج کر جا رہی ہو؟"حیات کو ڈوپٹہ کے بغیر اتنا تیار ہوئے دیکھ ابراہیم کا پارہ ہائی ہوا تھا۔

وہ جس سوسائٹی میں مووکرتا تھا وہاں ڈوپٹہ کا نا ہونا عام بات تھی اور یہی وجہ تھی کہ اس نے پہلے کبھی حیات کو ٹوکا بھی نہیں تھا۔ لیکن آج اس کو سب کے سامنے یوں جانے کے خیال نے ہی اس کو آگ لگا دی تھی۔ عزت دار مرد اپنی عورت پر کسی غیر کی نظر برداشت نہیں کرتا۔

"ابراہیم تعریف نہیں کر سکتے تو کم از کم صبح صبح منحوس بتاتیں تو نا کہیں میں اپنا موڈ خراب نہیں کرنا چاہتی۔" حیات نے خفگی سے کہتے اس کے پاس سے گزرنا چاہا تھا۔

"ایک منٹ تم ایسے باہر بالکل بھی نہیں جاسکتی۔" ابراہیم نے اس کا ہاتھ پکڑا۔

"لیکن کیوں ابراہیم؟" حیات نے صدمہ سے پوچھا۔

"بالکل چڑیل لگ رہی ہو۔ لوگ ڈر جائیں گے۔" ابراہیم نے اسے واپس آئینے کے سامنے لاتے کہا تھا۔

"کیا سچ میں؟" حیات کی آنکھوں میں آنسوں آئے تھے۔

"ہاں! لیکن ٹینشن نہیں لو میں ابھی ٹھیک کرتا ہوں" ابراہیم نے یہ کہتے ساتھ ہی حیات کے بالوں کو اکٹھا کرتے اوپر بن کی شکل میں فولڈ کرتے، ان پر کیچر لگایا تھا۔

"تمہارے پاس اسکارف ہے۔؟" ابراہیم نے بال قید کرنے کے بعد الماری کی تلاشی لیتے پوچھا۔

"ہاں الماری کے اوپر والے حصے میں ایک کالے رنگ کا سٹالر پڑا ہوا ہے۔" حیات نے سرسری لہجے میں اسے دیکھتے جواب دیا تھا۔

جس پر ابراہیم سر ہلاتے اسے لے کر آیا تھا اور اسے خوبصورتی سے حیات کے سر پر باندھنے لگا تھا۔

"ابراہیم! یہ میرے کپڑوں سے میچ نہیں ہوتا" حیات نے منہ بسورہ تھا۔ شاید اسے پسند نہیں آیا تھا۔

"حیات دنیا میں ایسا کونسا گھر ہے جس کو ڈھانپ کر رکھا جاتا ہے؟" حیات کے تاثرات کو اگنور کرتے ابراہیم نے اس کے اسکارف کو پن لگائی تھی۔

"ظاہر سی بات ہے۔ خانہ کعبہ! یہ اتنا عام سہ سوال مجھ سے کیوں پوچھ رہے ہیں۔" حیات نے ناسمجھی سے اپنے سامنے کھڑے ابراہیم کو دیکھا۔

"اچھا تو پھر یہ بتاؤ کہ اسے ڈھانپ کر کیوں رکھتے ہیں؟ دنیا میں بہت سی اور خوبصورت

جگہیں بھی تو ہیں۔ پھر غلاف خانہ کعبہ کو ہی کیوں چڑھایا جاتا ہے۔؟" ابراہیم نے ایک پل کو حیات کے الجھے چہرہ کو دیکھتے دوبارہ سے اس کا حجاب بنانا شروع کیا۔

"امم کیونکہ وہ مقدس جگہ ہے۔ اس لیے اسے گرد مٹی کے بچانے کے لیے ڈھانپا جاتا ہے۔" حیات نے منہ پر انگلی رکھتے سوچتے ہوئے کہا۔

"اگزیکٹلی! میں بھی یہی کہنا چاہتا ہوں کہ سب عمارتوں میں وہ مقدس ہے۔ اسی لیے ڈھانپہ جاتا ہے۔ جس طرح قرآن مجید سب کتابوں میں مقدس ہے۔ اسی لیے وہ بھی ڈھانپی جاتی ہے۔ اسی طرح تمام عورتوں میں سے صرف مسلمان عورتیں ہی ہیں۔ ایسی خاص عورتیں ہیں۔ جنہیں اللہ نے چھپنے کا حکم دیا ہے۔ تاکہ وہ لوگوں کی ناپاک نظروں سے محفوظ رہیں۔" ابراہیم اپنی باتوں کو غور سے سنتی حیات کو دیکھ مسکرایا تھا۔ پھر آگے بڑھتے اس کے ماتھے پر بوسہ دیتے بولا۔

"اور میں چاہتی ہوں میری عورت ہمیشہ غیر مردوں کی نظر سے بچی رہے۔ ہمیشہ پاکیزہ اور مقدس گردانی جائے۔ اس لیے اب سے تم ہر جگہ سٹالر لے کر جایا کرو گی اور ہاں پریشان مت ہو تمہارے لیے بہت جلد تمہارے کپڑوں سے میچنگ سٹالر بھی آ جائیں گے۔" آخری بات شرارت سے کہتے ابراہیم نے نرمی سے اس کا گلوز ٹشو سے صاف

کیا تھا۔

حیات جو ایک سحر میں ڈوبی ابراہیم کی باتیں سن رہی تھی۔اس کی حرکت پر نظریں جھکاتی جھنپ سی گئی تھی۔ابراہیم کی قربت نے اس کے دل کی دھڑکن تیز کردی تھی۔ ہتھیلیاں نم ہوئی تھی۔رخساروں پر ہلکی ہلکی سرخی ابھری تھی۔

"چلو بس اب مراقبہ سے نکل آؤ۔ہمیں دیر ہورہی ہے میں گاڑی میں تمہارا انتظار کررہا ہوں۔"ابراہیم نے اس کی حالت پر اپنی مسکراہٹ روکتے ارد گرد بسے فسوں کو ختم کرنے کے لیے تنزئیہ لہجہ اپنایا تھا اور نیچے کی جانب بڑھا تھا۔

"سڑیل!اللہ پوچھے آپ کو۔۔۔کبھی مجھے دومنٹ خوش نہیں دیکھ سکتے۔ہمیشہ موڈ بدمزہ کردیتے ہیں۔"

حیات بھی تیزی سے ہوش میں آتے خود سے بڑبڑاتے تیزی سے اس کے پیچھے لپکی تھی۔

****

اے جے اپیرل اینڈ ٹیکسٹائل لیمیٹڈ کے سنہرے حرف اس شاندار عمارت کے باہر لگی

تختی پر کندہ اس عمارت کے شیانِ شان لگ رہے تھے۔ جس کے دروازہ پر باوردی باڈی گارڈ تندی سے کھڑا اپنی زمہ داری انجام دے رہا تھا۔ جب اس عمارت کے سامنے کالے بی ایم ڈبلیو کے آکر رکنے پر، اس گارڈ نے تیزی سے دروازہ کھولا تھا۔ گاڑی کے اس شکوہ عمارت کے احاطہ میں رکتے ہی، آگے بیٹھے، ڈرائیور نے تیزی سے باہر نکلتے ابراہیم کے لیے دروازہ کھولا تھا۔

آنکھوں پر کالا چشمہ لگائے ابراہیم نے ایک شان سے باہر نکالتے، دوسری طرف جاکر خود حیات کے لیے دروازہ کھولا تھا۔ ابراہیم کی سربراہی میں چلتے حیات اس عمارت کے اندر داخل ہوئی تھی۔ ابراہیم کو دیکھتے وہاں موجود لوگوں میں ایک ہڑبڑاہٹ مچ گئی تھی۔ سب لوگ تیزی سے سیدھے ہوتے اپنے کام میں مگن ہوئے تھے۔ ابراہیم کی ہمراہی میں چلتی حیات کو دیکھ لڑکوں کے کیا لڑکیوں کے منہ بھی ستائش سے واہ ہوئے تھے۔ حیات ان سب کو اگنور کرتی ابراہیم کے ساتھ اس کے کیبن میں داخل ہوئی تھی۔

"مس رمشاء ڈومنٹ کے اندر اندر راحیل کو لے کر میرے کیبن میں پہنچو!" ابراہیم نے کرسی پر بیٹھتے انٹرکام پر رمشاء کو ہدایت دی تھی۔

دوسری طرف حیات اس کے کیبن کو غور سے دیکھتے اس کے سامنے موجود کرسی پر براجمان ہو گئی تھی۔ابراہیم کا آفس اسے بہت پسند آیا تھا جس کے انٹیریئر سے لے کر فرنیچر تک ہر چیز میں ایک کلاس جھلک رہی تھی۔

"می ائی کم ان سر!"رمشاء نے چہرے پر بڑی سی مسکراہٹ لیے دروازہ پر کھڑے ہو کر پوچھا تھا۔

"یس کم ان مس رمشاء "ابراہیم نے اپنے سامنے موجود فائل کو دیکھتے مصروف انداز میں اسے اندر آنے کی اجازت دی تھی۔جس کے پیچھے پیچھے راحیل بھی اندر داخل ہوا تھا۔

"مس رمشاء یہ حیات ہیں۔یہ آج سے میری پرسنل اسسٹنٹ کے طور پر کام کریں گی۔تو اس کے لیے جلدی سے میرے کیبن میں ایک اور ڈیسک کا انتظام کروائیں"ابراہیم نے حیات کو متعارف کرواتے رمشاء کو حکم دیا گیا تھا۔جس پر حیات نے مسکرا کر رمشاء کے حیرت اور صدمے سے نیم وا چہرے کو دیکھا تھا۔بچاری پہلے حیات کی پیٹھ اپنی طرف ہونے کی وجہ سے اسے پہچان نہیں پائی تھی۔

"اوکے سر!لیکن میرے خیال سے ابھی مس حیات اسٹوڈنٹ۔۔۔۔۔۔۔۔میرا

مطلب ہے کہ ان کے چہرے کو دیکھ لگتا ہے کہ یہ اینٹر کی سٹوڈنٹ ہے تو ایسے میں انہیں بزنیس میں آنے کی کیا ضرورت ہے" رمشاء نے اپنے لہجے کی ناگواریت پر قابو پاتے شیریں لہجے میں اپنی رائے کا اظہار کیا تھا۔

"مس رمشاء آپ سے جتنا کہا گیا ہے وہ کریں، باقی آپ کو کسی چیز کے لیے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے" ابراہیم نے رمشاء کے بلاوجہ کے مشورہ پر اسے سخت نظروں سے دیکھا تھا۔ جس پر وہ بچاری گڑبڑا گئی تھی۔

"سوری سر! میں ابھی سب ارینج کرتی ہوں " معذرت خواہ لہجے میں کہتے رمشاء نے سرخ چہرے کے ساتھ باہر کی جانب رخ کیا تھا۔

کمال کر دیا میرے ہیرو قسم سے اس وقت تم پر بہت پیار آرہا ہے۔ حیات نے رمشاء کی حالت سے لطف لیتے ابراہیم کی جانب محبت پاش نظروں سے دیکھا تھا۔

"راحیل آج سے تمہارے بجائے حیات میری پرسنل اسسٹنٹ کے طور پر کام کریں گے۔ تو اس لیے میرا سارا شیڈول حیات کو سمجھا دو اور تم جاو ہمارے نیکسٹ ڈیل کی فائل لے کر آؤ" رمشاء کے بعد ابراہیم نے راحیل کو مخاطب کیا تھا۔ ابراہیم کی بات پر راحیل کا منہ بھی لٹک گیا تھا۔ لیکن پھر یس سر کہتے وہاں سے باہر چل دیا

"اور حیات تم کیوں ابھی تک بیٹھی ہوئی ہو جاو۔ جا کر میرے لیے بلیک کافی لے کر آؤ۔" ابراہیم نے اب کے اپنا رخ حیات کی جانب کیا تھا۔ جو اس کے سامنے کرسی پر پر سکون سی بیٹھتے مسکرا رہی تھی۔ ابراہیم کی بات پر صدمے سے حیات منہ کھولے اسے دیکھنے لگی تھی۔

"لیکن میں کیوں جاو۔ آفس بوئے یا پیون سے کہو نا۔ میں تمہاری پیون تھوڑی ہوں۔ "حیات نے منہ بسور کر احتجاج کیا۔

"مس حیات پہلی بات آپ میری پرسنل اسسٹنٹ ہیں۔ جس کا مطلب سمجھتی ہیں نا؟ کہ اب سے میں جو کہوں گا آپ کو وہ کرنا ہوگا۔ دوسرا اگر آپ یہ جوب نہیں کر سکتی تو یو مے لیو ناؤ" ابراہیم کے لہجے کی بیگانگی پر حیات کا چہرہ لٹکا تھا۔ وہ اس وقت ایک باس کی طرح سے پیش آ رہا تھا۔

کچھ دیر تک ابراہیم کی جانب سے نرمی کی امید سی دیکھتی، حیات آخر کار پاؤں پٹک کر برے برے منہ بناتی وہاں سے اٹھ گئی تھی۔

"سنو لڑکی! ابراہیم کافی مانگ رہا ہے۔ جلدی بتاؤ کافی میکر کہاں ہے۔" حیات رمشاء کے پاس جاتے کھردرے لہجے میں بولی

"مس حیات! آپ کو اس کے لیے آفس کے فرسٹ فلور پر جانا ہو گا۔ جہاں پر ایک طرف بنے کمرے میں کافی میکر آپ کو مل جائے گی۔" رمشاء نے مٹھیاں بھینچے خود کو کچھ اور کہنے سے بعض رکھتے ہوئے کہا تھا۔ جس پر حیات سر ہلاتی نیچے کی جانب بڑھ گئی تھی۔

"ابراہیم یہ لیں آپ کی کافی" ابراہیم کے سامنے رکھتے حیات گرنے کے انداز میں چیئر پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"یخ۔۔۔یہ کیسی بدمزہ کافی بنا کر لائی ہو حیات! کیا تمہیں کافی بھی نہیں بنانی آتی" کافی کے پہلے گھونٹ پر ابراہیم کے منہ کے زاویے بگڑے تھے۔

"ایسا کیسے بدمزہ ہو سکتی ہے۔ لائیں ادھر دیکھائیں میں خود دیکھتی ہوں" حیات نے پریشانی سے ابراہیم کے ہاتھ سے کافی لیتے کہا تھا۔ جس کے چہرے پر اس وقت سنجیدگی چھائی ہوئی تھی۔

"ٹھیک تو ہے۔" کافی کو چکھتے حیات نے کہا

"اچھا لاؤ مجھے غلط فہمی ہو گئی ہو گی۔ تم جاؤ اور جا کر راحیل سے میرا شیڈول لے کر آؤ اور

بتاؤ مجھے کہ آج کے دن میں میں نے کیا کیا کرنا ہے۔" حیات کے ہاتھ سے کافی واپس لیتے ابراہیم نے اسے باہر بھیجا تھا۔ جس پر حیات پریشان سہ چہرہ لیے اٹھ گئی تھی۔

پہلے نہیں تھی یہ کافی مزہ دار لیکن اب ہو گئی ہے۔ حیات کے جانے کے بعد ہونٹوں سے کپ کو لگاتے ابراہیم نے دل میں سوچا تھا۔ نجانے کیوں آج دل میں اس کا جھوٹھا کھانے خواہش ابھری تھی جس پر وہ بیک وقت عمل کر گیا تھا۔

@@@@@@@@@

"رمشاء یہ مس حیات کون ہے۔ جس کی وجہ سے سر نے مجھ سے میرا کام لے کر انہیں دے دیا ہے۔" رمشاء کے پاس آتے راحیل نے افسردگی سے پوچھا۔ جس کا صبح سے اس بات پر افسوس ہی ختم نہیں ہو رہا تھا کہ اس کی جگہ حیات کو دے دی گئی ہے۔

"وہ شوخی ابراہیم سر کی وائف ہے۔ نجانے اپنے اپ کو کیا سمجھتی ہے۔ مجھے دانش سر کی شادی میں ملی تھی۔" رمشاء نے زہر خندہ لہجے میں جواب دیا تھا۔

"ہیں۔۔۔یہ کب ہوا؟ کب کی سر نے شادی؟" راحیل نے حیرت سے اچھلتے ہوئے پوچھا۔

"مجھے کیا پتہ میرے مجھے تھوڑی نے سر نے انوائیٹ کیا تھا۔" رمشاء نے اس کے سوالوں پر اب کے چڑ کر کہا تھا۔

"ہاں یہ بات بھی صحیح ہے وہ بڑے لوگ ہیں۔اب ہم جیسے امپلائز کو ہر جگہ تو نہیں بلائیں گے نا۔ خیر چھوڑو یہ بتاو تم کیوں سیخ پا ہو رہی ہو صبح سے" راحیل نے سادگی سے جواب دیتے آخر میں پوچھا تھا۔

"میں کیوں سیخ پا ہونے لگی اور وہ بھی حیات سے، جلتی ہے میری جوتی۔۔۔" منہ بنا کر کہتے آخر بات رمشاء نے اپنے دل میں کہی تھی۔

ہمم دل میں تو مرچیں لگی ہونگی مجھے ابراہیم کے آفس میں دیکھ کر۔۔۔۔ لیکن اوپر سے دیکھو کیسے میسنی بن رہی ہے۔چڑیل میں بھی مسسز ابراہیم نہیں، اگر تمہیں اس کمپنی سے اور ابراہیم کے دل سے دھکے مار کر باہر نا نکالا تو۔دروازہ کے پاس کھڑی ان کی باتیں سنتی حیات نے دل میں سوچتے نخوست سے سر جھٹکا تھا۔

"راحیل مجھے ابراہیم کا سارا شیڈول لا کر دو۔" حیات نے ان کے پاس جاتے دو ٹوک انداز میں بات کی تھی۔جو راحیل کو تو نہیں لیکن رمشاء کو بہت چبھا تھا۔

"مس حیات ہم سب یہاں آپس میں کولیگز ہیں اور میرا نہیں خیال کہ ہمیں ایک دوسرے کو حکمیہ لہجے میں مخاطب کرنا چاہیے تو اگر آپ آرام سے یہ بات کہیں گی تو زیادہ بہتر ہوگا۔" کب سے خود کو کنٹرول کرتی رمشاء نے بھی ساری تمیز بھلائے بدتمیزی سے کہا تھا۔اس کے الزام پر حیات تڑپ اٹھی تھی۔

"تم کون ہوتی ہو مجھے یعنی کہ مسسز حیات ابراہیم کو بتانے والی کہ میں کون ہو اور مجھے کیسے بات کرنی چاہیے۔امپلائے ہو تو امپلائے رہ کر بات کرو سمجھی زیادہ اوور ہونے کی ضرورت نہیں" حیات نے رمشاء کے لہجے پر غصے سے بے قابو ہوتے بلند آواز میں کہا تھا۔

"تم اپنی لیمیٹ کراس کر رہی ہو مس حیات!" آخری لفظ چباتے چباتے رمشاء نے آگ اگلتے کہا تھا۔پورا آفس ان کی جانب متوجہ ہو گیا تھا۔

"یہ کیا ہو رہا ہے یہاں؟؟" ابراہیم جو حیات کی آواز سنتے یہاں آیا تھا، معاملے کی گھمبیرتا دیکھتے غصے سے بولا تھا۔اسے زندگی میں پہلی بار اتنا سخت غصہ آیا تھا۔

"سر مس حیات آپ کی وائف ہونے کا بلاوٴجہ روعب ڈال رہی ہیں۔" رمشاء نے مکاری سے سارا الزام حیات پر لگا یا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"جھوٹ مت بولو چچ۔۔۔۔"حیات رمشاء کی طرف جھپکی تھی۔

"انف حیات چلو یہاں سے !اور آپ سب اپنا اپنا کام کریں کوئی تماشہ نہیں لگا ہوا یہاں "ابراہیم نے حیات کی جانب جھکتے غرا کر کہا تھا۔پھر سب کو جھڑک کر ایک دم سے حیات کا بازو پکڑتے اسے اپنے ساتھ کھینچتے اپنے آفس میں لے گیا تھا۔اس منظر پر رمشاء کے دل میں ٹھنڈک اتری تھی۔

@@@@@@@@@@

دوپہر کے بارہ بج رہے تھے۔ایراج اس وقت یونی کے گراونڈ میں اپنی دوستوں کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔لیکن یہ کوئی معجزہ ہی تھا کہ آج وہ اپنی عادت کے بر خلاف نا کچھ بول رہی تھی اور ناہی چہک رہی تھی۔اس کا دل تو کسی ہر جائی کی یاد میں تڑپ رہا تھا جو واپس جا کر بھول ہی گیا تھا۔یہ نہیں کہ انسان حوال احوال ہی پوچھ لیتا ہے۔یہی سب سوچتی ایراج دل ہی دل میں کڑ رہی تھی جب فون پر آتی کال نے اس کا دھیان بٹایا تھا۔

"ہیلو السلام علیکم !جی کون ؟"سوچوں میں گم ہونے کی وجہ سے ایراج فون پر چمکتے نام پر دھیان دیے بغیر بولی تھی۔

"وعلیکم السلام! جی میں محراب مراد بات کررہاہوں مجھ ناچیز نے مس ایراج آفندی سے بات کرنی ہے۔کیا آپ پلیز فون انہیں دے سکتی ہیں" فون سے آتی چہکتی ہوئی آواز نے ایراج کو چندپل کے لیے گڑبڑادیا تھا۔

فون اس کے ہاتھ سے چھوٹتے چھوٹتے بچا تھا۔دل کی ڈھرکن سیکنڈ میں بے ترتیب ہوئی تھی۔

"جج۔۔۔جی محراب بھائی میں ایراج ہی بات کررہی ہوں سوری وہ میں نے کال اٹھاتے وقت نام نہیں دیکھا تھا" ایراج نے خود کو سنبھالتے معذرت کی تھی۔

"چلو شکر ہے نہیں تو مجھے تو لگا تھا کہ ایراج آفندی میں میرے جاتے ہی، مجھے بھولا دیا ہے۔" کرسی پر ریلیکس ہوتے بیٹھ کر محراب نے شکوہ کیا تھا۔

"نہیں نہیں محراب بھائی۔۔۔۔" ایراج نے اس کی بات کی تردید کرنی چاہی تھی۔ جب محراب اس کی بات اُچک کر بولا۔

"سنولڑکی اب تو گھر میں ہمارے رشتے کی بات بھی پکی ہوگئی ہے۔اب تو یہ بھائی والا سیغہ کم کردو۔ قسم سے ایک پل میں میرے دل کی جذبات پر تم اوس گرادیتی ہو۔"

محراب کے لہجے میں بچار گی ہی بچار گی تھی۔

"ہاہاہاہاہا کیوں بھئی ابھی شادی تھوڑی نا ہوئی ہے جو میں بے شرموں کی طرح منہ پھاڑ کر آپ کو محراب جی کہوں۔ اتنی عزت تو میں شاید آپ کو شادی کے بعد بھی نا دوں جتنی آپ اب مانگ رہے ہیں۔" اپنی ٹون میں لوٹتے ایراج نے محراب کو چڑایا تھا۔ نجانے کیوں اپنے بھائی کہنے پر محراب کے چہرے پر آنے والے اثرات اسے اس قدر پسند تھے کہ وہ جان بوجھ کر ایسا کرتی تھی۔

"قسم سے لڑکی اب لگ رہی ہو نا میری شیرنی! یہ جب تم بھیگی بلی بنتی ہو تو ذرا اچھی نہیں لگتی" محراب ایراج کے لہجے میں موجود اسی کھنک کو تو مس کر رہا تھا۔

"دھیان سے رہیے گا یہ شیرنی خطرناک بھی بہت ہے۔ کبھی بھی حملہ کر سکتی ہے۔" محراب کی بات پر ایراج کے دل میں گدگدی ہوئی تھی۔ اس لیے جانب بوجھ کر گردن اکڑا کر بولی۔

"ہائے رے ہمارا دل تو اس شیرنی کے حملوں سے پہلے ہی گھائل ہے اور کتنا کریں گی" محراب کی گھمبیر لہجے میں کی گئی سرگوشی نے ایراج کی مشکل سے ترتیب پر آئی دھڑکن پھر سے بے ترتیب کی تھی۔

"ببب۔۔۔۔بس اتر آئے نا اپنے ٹھرک پونے پر، مجھے تو لگتا ہے کہ آپ وہاں جا کر بھی یہی کام کرتے رہتے ہیں۔سچ سچ بتائیں کتنی لڑکیوں کو ڈیٹ پر لے کر گئے ہیں۔" ایراج نے جلدی سے موضوع بدلتے تھانیداری کی طرح تفتیش کی تھی۔اس کے لہجے میں موجود ہلکی ہلکی جلن نے محراب کے دل میں ٹھنڈک پہنچائی تھی۔

"ہائے میری ایسی قسمت کہاں؟ کہ کوئی ڈیٹ کے لیے پوچھے۔" محراب مصنوعی آہ بھرتے کہا تھا۔پھر ایک دم سیدھا ہوتے بولا

"ویسے بھی میں سیدھا سادہ بندہ ہونا جو پسند کی شادی پر یقین رکھتا ہے۔مطلب جو پسند آئے اس سے شادی کر لو سیمپل اور جانتی ہو جسے پسند کیا ہے اس سے اس وقت بات بھی کر رہا ہوں اور بہت جلد اس سے شادی بھی کروں گا۔ہاں میری شادی پر سب سے خاص انویٹیشن تمہیں ہی جائے گا۔غصہ مت ہونا کہ میں نے تو بلایا ہی نہیں" محراب کی آخر میں کی گئی شرارت پر ایراج نے بامشکل قہقہ ضبط کیا تھا۔

"اس نوازش کے لیے بہت شکریہ آپ کا،اب میری کلاس کا ٹائم ہو گیا ہے جا رہی ہوں میں اللہ حافظ!" مسکراتے لہجے میں جلدی سے گھڑی پر ٹائم دیکھتے ایراج بیگ پکڑتے، دوستوں کے ساتھ اپنی کلاس لینے چل دی تھی۔اس کا موڈ کافی حد تک فریش ہو گیا

تھا۔

"اللہ حافظ!"دوسری طرف محراب بھی گہری مسکراہٹ کے ساتھ موبائل بند کرتے، دوبارہ سے اپنے کام میں مصروف ہو گیا تھا۔

@@@@@@@@@

"یہ کیا بدتمیزی تھی حیات!"اپنی آواز پر کافی حد تک قابو پاتے ابراہیم نے سرخ آنکھوں سے حیات کو دیوار سے لگاتے استفسار کیا تھا۔

"میں نے کچھ نہیں کیا ابراہیم! اس چڑیل نے پہلے خود ہی لڑائی شروع کی تھی۔ میں نے تو راحیل سے ہی بات کی تھی۔"حیات نے نم آنکھوں سے منمناتے اپنے لیے آواز اٹھائی تھی۔

"اپنی غلطی پر اب اپنے آنسوں سے پردہ مت ڈالو حیات! جب میں نے تم سے کہا تھا کہ تم کسی کو ہمارے ریلیشن کے بارے میں نہیں بتاوگی تو کیوں تم نے سب کو اس بارے میں بتایا؟ کیا یہ تمہاری غلطی نہیں؟ بتاو مجھے"ابراہیم نے اپنے ہاتھ میں موجود حیات کی کلائی پر دباؤ بڑھاتے پوچھا تھا۔

"ہاں مانتی ہوں کہ میری غلطی تھی لیکن اس نے مجھے غصہ دلایا تھا۔اس لیے میرے منہ سے نکلا تھا۔ویسے بھی میں نے چوری شادی نہیں کی جو آپ میں اسے سب سے چھپاتی پھروں۔(غصہ سے کہتے آخر میں حیات کا لہجہ دھیما ہوا تھا۔اور آنسوں بہنا شروع ہو گئے تھے۔)آپ میرے ساتھ بہت غلط کر رہے ہیں ابراہیم! بات بات پر ڈانٹتے ہیں۔مجھے برا بھلا کہنے کا کوئی موقع نہیں چھوڑتے۔آپ بہت برے ہیں ابراہیم بہت برے۔۔۔۔۔آئی ہیٹ یو ریلی ہیٹ یو۔۔۔یہ سب آپ اس چڑیل کی وجہ سے ہی کر رہے ہیں نا۔۔۔۔چھوڑوں گی نہیں میں اسے۔۔۔۔۔"حیات بات کرتے کرتے پھوٹ پھوٹ کر رودی تھی۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

ابراہیم کا غصہ ایک منٹ میں جھاگ کی طرح بیٹھا تھا۔ان آنکھوں میں آنسوں وہ کب برداشت کر سکتا تھا۔

"حیات!"گھمبیر لہجے میں کہتے ابراہیم نے نرمی سے اس کا چہرہ اوپر کیا تھا اور اس کے چہرے پر موجود موتوں کو چننے لگا تھا۔ابراہیم کے لمس پر حیات گھبرا گئی تھی۔جس میں معذرت،عقیدت اور احترام کے ساتھ نجانے کیا کچھ نہیں تھا۔اس نے کسما کر وہاں سے ہٹنا چاہا تھا۔لیکن پھر ابراہیم کی دیوانگی کے آگے ہار گئی اور تھک ہار کر اس کے سینے

پر سر ٹکا کر رونے لگی تھی۔آنسو اس کی آنکھوں سے قطروں کی مانند گرنے لگے تھے۔پچھلے کئی ہفتوں سے اپنے دل میں بھرا غبار وہ ابراہیم کے سینے میں ڈالتے خود پر سکون ہو رہی تھی۔

یہ جتنا تمہارے لیے تکلیف دہ وقت ہے حیات! اس سے زیادہ مشکل میرے لیے، شاید میں تمہیں کچھ زیادہ تکلیف دے رہا ہوں ہو سکے تو مجھے معاف کرنا۔اپنے ساتھ لگی حیات کا سر تھپک کر ابراہیم اپنے دل میں اٹھی تکلیف کی لہر کو دباتے,اس سے مخاطب ہوا تھا۔اس کی آنکھیں شدت جذبات سے سرخ ہو رہی تھی۔جب کہ روح جسم کی قید میں قیدی پرندے کی مانند پھڑپھڑا رہی تھی۔

"سر!"راحیل کی دروازہ پر دستک نے ان دونوں کو ہوش کی دنیا میں پٹکا تھا۔جس پر حیات تیزی سے پیچھے ہوئی تھی اور سرخ چہرے کو صاف کرتی چہرہ موڑ گئی تھی۔

"آجاؤ راحیل!"راحیل کو اندر آنے کی اجازت دیتے ابراہیم بھی اپنا چہرہ سپاٹ کرتے،اکرسی پر بیٹھ چکا تھا۔

"سر یہ سب شیڈول جو حیات میم نے منگوایا تھا۔"سر جھکاتے راحیل نے ایک فائل اور آئی پیڈ حیات کی طرف بڑھایا تھا۔

"اور سر مجھے بتانا تھا کہ مسٹر ہارون کراچی کی مشہور ٹیکسٹائل انڈسٹری کے اونر جن سے ہماری بہت اہم ڈیل ہونی ہے۔ وہ اس ویک کے آخر میں یہاں آ رہے ہیں۔" راحیل نے ابراہیم کو آگاہ کیا تھا۔

"راحیل دھیان رہے ان کے یہاں رہنے سے لے کر ڈیل فائنل ہونے تک ہر چیز اچھے سے ہونی چاہیے۔ مجھے اس متعلق کچھ گڑبڑ نہیں چاہیے۔ جانتے ہو نا کہ یہ ڈیل ہمارے لیے کتنی اہم ہے اور ہاں آپ مس حیات اس سارے کام میں راحیل کو آسیسٹ کریں گی تاکہ آپ کو کچھ تجربہ ہو جائے۔ پھر بعد میں یہ سارے کام آپ خود ہی کریں گی۔ از گیٹ کلئیر" ابراہیم اس وقت اپنے جذبات کو بہت حد تک کنٹرول کر چکا تھا۔ اس لیے اس نے راحیل کے ساتھ ساتھ حیات کو مخاطب کیا تھا۔

"جج۔۔۔جی سر!" ہوش میں آتے حیات نے تیزی سے سر ہلایا تھا۔ پھر راحیل کے پیچھے پیچھے وہاں سے نکل چکی تھی۔ کیونکہ فلحال وہ یہاں بیٹھنا افورڈ نہیں کر سکتی تھی۔

اس واقع کے بعد حیات نے نا تو رمشاء کو منہ لگایا تھا اور نا ہی واپس ابراہیم کے آفس میں گئی تھی جہاں اس کی ٹیبل بھی لگ چکی تھی۔ بلکہ راحیل کے سمجھائے کام کو اچھے سے سمجھتے وہ آنے والی میٹنگ کے لیے خود کو تیار کرنے لگی تھی۔

@@@@@@@@@@@@@

پنجاب کے ایک نواحی گاؤں میں واقع روشنیوں اور پھولوں سے سجی اس خوبصورت حویلی کی شان وشوکت، وہاں کے رہنے والے کے اعلیٰ معیارِ کا منہ بولتا ثبوت تھا۔ حویلی کے باغیچے سے لے کر اوپر چھت تک حویلی کی ہر در و دیوار کو دولہن کی طرح سجایا گیا تھا۔مانو جیسی کسی شہزادے کی شادی ہو لیکن حیرت کی بات یہ تھی کہ اتنی تیاریوں کے باوجود وہاں نا تو شادیوں جیسا شور شرابا تھا۔نا حسین دوشیزاؤں کی کھکھلاہٹ کی گونج تھی۔

NEW ERA MAGAZINE .COM
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

جبکہ لاونج کے درمیان میں پڑے صوفہ پر سرخ گھونگھٹ سر پر لیے بیٹھی وہ لڑکی جو شاید دولہن تھی،لبوں پر قفل لگائے،لوگوں سے شادی کی مبارک باد وصول کررہی تھی۔پر اس ویران آنکھیں، جن میں نئ زندگی کے آغاز پر کچھ چھوٹے چھوٹے پیارے پیارے خواب ہونے چاہیے تھے،آنے والے پر فسوں لمحوں کو سوچ کر چہرے پر لالی ہونی چاہیے تھی۔ان آنکھوں میں صرف ٹوٹے کانچ سی چبھن تھی۔چہرہ ہر قسم کے جذبات سے عاری تھا۔

دولہن کی طرح وہاں موجود چند اور لوگوں چہرہ سپاٹ تھا۔لیکن نجانے کیوں دولہے

کے چہرے پر تو نہیں لیکن آنکھوں میں ضرور کسی چیز کی واضع چمک نظر آ رہی تھی۔

یک لحظ دروازہ کھلا تھا اور شہزادوں سی آن بان رکھتا ایک شخص اندر داخل ہوا تھا۔ جس کے ہاتھ میں اس وقت پریوں جیسا حسن رکھنے والی دوشیزہ کا ہاتھ تھا۔ ان کو دیکھ کر اس دلہن کے چہرے پر پہلے تو تکلیف سے سرخی ابھری تھی لیکن پھر آہستہ آہستہ آنکھوں سے نفرت کی چنگاریاں ابھری تھی۔

"رک جاؤ جاسم آفندی! میں نے کہا جہاں ہو وہی سے واپس ہو جاؤ کیونکہ اس حویلی سے اب تمہارا کوئی رشتہ نہیں۔ اس لڑکی کو چن کر تم نے اس حویلی کے دروازہ خود پر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بند کر دیے ہیں۔ اس لیے دفعہ ہو جاؤ یہاں سے! میں فیض آفندی اپنے پورے ہوش و حواس میں تمہیں اپنی جائیداد سے عاق کرتا ہوں۔" فیض آفندی کی غیض و غضب میں ڈوبی آواز نے حویلی کی بنیادوں کو ہلا ڈالا تھا۔

ان کی بات پر جہاں اس مضطرب شہزادے کے لب اپنی صفائی میں کچھ کہنے کے لیے پھڑ پھڑا کر رہ گئے تھے۔ وہی فیض آفندی کے ساتھ کھڑی زہرہ آفندی اپنے جگر کے گوشے اپنے بڑے بیٹے کے حق میں تڑپ کر بولی تھی۔

"فیض صاحب ایسے مت کہیے۔ بیٹا ہے وہ ہمارا، اس کی چھوٹی سی غلطی کی اتنی بڑی سزا

مت دیجئے۔ پلیز اسے گھر سے مت نکالیں چاہیے تو اسے عاق کر دیجئے" وہ ماں تھی اور ماؤں تو اپنے بچے کے لیے ایسی ہی نرم دل ہوتی ہیں۔ کہ بڑی سے بڑی غلطی بھی آرام سے معاف کر دیتی ہیں۔

"زہرہ بیگم آپ کا بیٹا میرے مرحوم اکلوتے بھائی اور بھابھی کی عزت، اس کے مان کو سرے راہ روند کر کسی غیر لڑکی کے لیے چلا گیا تھا اور آپ اسے چھوٹی سی غلطی کہہ رہی ہیں۔

جانتی ہیں نا اگر آج ہمارا چھوٹا بیٹا نعمان افشاں کا ہاتھ نہیں تھامتا، تو معاشرے کے لوگ تو یہی سمجھتے نا کہ ضرور لڑکی میں ہی کوئی نقص ہو گا جو بچپن کا منگیتر اسے چھوڑ کر کسی غیر لڑکی کو بیالایا۔ میری گڑیا کے ماتھے پر داغ لگ جاتا، پھر میں آخرت میں اپنے بھائی بھابھی کو کیا جواب دیتا کہ میں نے ان کی بچیوں کے ساتھ ایسا کیوں ہونے دیا۔ ؟ بتاو کوئی جواب ہے تمہارے پاس ہے میری باتوں کا؟ نہیں نا تو پھر چپ کر جاؤ. اور یہ بات حفظ کر لو کہ آج سے ہمارے تین نہیں صرف دو بیٹے ہیں۔" سرخ گھنگھٹ میں بیٹھی افشاں کا دل ایک بار پھر اپنے ساتھ ہوئی نازیادتی پر خون کے آنسوں رو دیا تھا۔ جبکہ زہرہ بیگم جن کے لبوں پر چپ تالا لگا تھا، ان کے دل میں دل کی لہر ابھری تھی۔

"باباجان میں جانتا ہوں کہ میں نے اپنی بچپن کی منگنی توڑ کر افشاں کے ساتھ غلط کیا ہے لیکن یہ اس سے غلط سے کی گنا بہتر ہے جو میں اس سے بغیر محبت کے شادی کر کے تا عمر اسے اپنے ساتھ بغیر خوشیوں والی زندگی دے کرتا۔

میں نے آپ کو یہ بات سمجھانے کی بہت کی کوشش کی تھی۔ لیکن آپ نے جب میری بات نہیں سنی، تو باباجان مجھے مجبوراً یہ قدم اٹھانا پڑا۔ کیونکہ میں اپنی وجہ سے کسی کو تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا بابا!!۔۔۔اب آپ ہی بتائیں بابا کیا افشاں کو تھوڑی سی تکلیف دے کر میں نے بڑی تکلیف سے بچا کر غلط۔۔۔۔۔ "

"چٹاہ۔۔۔ "!! جاسم کے باقی الفاظ منہ پر لگنے والے تھپڑ سے خلق میں ہی اٹک کر رہ گئی تھی۔اس نے بے یقینی سے اپنے باپ کو دیکھا تھا۔ جنہوں نے کبھی اسے چھڑی سے تو دور ڈانٹ تک نہیں تھا۔

فیض صاحب کے عمل پر جاسم کے ساتھ کھڑی اس کی بیوی عسرہ کانپ کر رہ گئی تھی۔ نعمان آفندی کی آنکھوں میں بھی آنسوں آئے تھے۔پر صرف افشاں واحد تھی جس کے دل میں ایک ٹھنڈک سی اتری تھی۔

"نا ہنجار کتنے آرام سے باپ کے سامنے کھڑے ہو کر اپنی محبت کا اعلان کر رہا ہے تو!!

دفا ہو جاؤ میرے گھر سے۔۔۔اب مرتے دم تک مجھے اپنی شکل مت دکھانا" جاسم کو دکھا دیتے، فیض آفندی دھاڑے تھے۔

"جاسم!!" اس پر جہاں لڑکھڑاتے جاسم کو پکڑنے کے عسرہ تڑپ کر آگے بڑھی تھی۔ وہی دوسری طرف زہرہ بیگم دل کی تکلیف کی تاب نالاتے پیچھے کی جانب گری تھی۔ جن کو حمیرہ نے چیخ کر پکڑتے گرنے سے بچایا تھا۔

کچھ ہی گھنٹوں میں وہ شادی والا گھر ماتم کدے میں بدل چکا تھا۔ ہر کوئی چیخ و پکار رہا تھا۔ فیض آفندی بھی آنکھوں میں آنسوں لیے اپنے محبوب بیوی کا چہرہ دیکھ رہے تھے۔ جاسم آفندی پر تو کسی دلکش بت کا گمان ہونے لگا تھا جو سرخ آنکھوں، جھکے ہوئے کندھوں کے ساتھ کفن میں لپٹے اپنی ماں کے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔

کیا پسند کی شادی اس کے لیے سزا بنے والی تھی؟ کیا ایک لڑکی کو انے والی تکلیف سے بچانے کے لیے اس کا اٹھایا ایک قدم اس کے لیے وبال جان بننے والا تھا۔؟؟

جنازہ کو لے جانے کا جیسے ہی شور اٹھا، ویسے ہی جاسم کے چہرے کے بھی تاثرات بدلے تھے۔ وہ بے قرار ہوتا آگے بڑھا تھا اور پاگلوں کی طرح روتے ہوئے معافی مانگتے اپنی ماں کے چہرے پر بوسہ دینے لگا تھا۔ پھر وہاں ہر آنکھ نے دیکھا تھا کہ کس طرح ایک

شہزادہ پر ماں کے کفن سے لپٹا تڑپ تڑپ گیا تھا۔

اس منظر پر بہت سی آنکھیں نم ہوئی تھیں جبکہ آفندی صاحب نے پتھر کی طرح اس منظر سے آنکھیں پھیری تھی اور پتھر بنتے اسے وہاں سے نکل جانے کا کہا تھا۔

بیک وقت اس دن اس گھر سے ایک شہزادہ اور دوسرا اس کی ماں کا جنازہ رخصت ہوا تھا۔ جس پر فیض آفندی بس یہی سوچتے رہ گئے تھے کہ جانے ان کے ہنستے کھیلتے گھر کو کس کی نظر کھا گئی۔

حالانکہ سچ تو یہ تھا۔ کہ وہ چاہتے تو پہلے ہی اپنے بیٹے کو زبردستی اس شادی پر مجبور کرنے کی بجائے اس کی پسند کو ترجیح دیتے، جس چیز کی اجازت اسلام بھی دیتا ہے، وہ اس تباہی کو روک سکتے تھے۔ پر شاید ان پر ابھی آگاہی کے دروا نہیں ہوئے تھے۔ اس لیے کچھ خود کو حق پر سمجھتے جاسم کو قصور وار ٹھہرا رہے تھے۔

@@@@@@@@

شام نے اپنے پر پھیلائے تو پرندے آسمان پر غالب آتی تاریکی کو دیکھتے اپنے اپنے آشیانوں میں لوٹنے لگے تھے۔ ایسے میں ابراہیم کی بی ایم ڈبلیو بھی آفندی ویلا کے بائیں

جانب موجود پورشن کے پورچ میں آ کر رکی تھی۔گاڑی رکتے ہی حیات بغیر ابراہیم پر توجہ دیے اندر کی جانب بڑھی تھی۔ایسا مسلسل پچھلے دو دن سے جاری تھی۔حیات اس کے ساتھ آفس تو جاتی تھی لیکن نا آفس میں کوئی بات کرتی تھی اور نا ہی گھر آ کر اسے مخاطب کرتی تھی۔اس نے جیسے چپ کا روزہ رکھ لیا تھا۔ابراہیم اس کی حرکت پر گہری سانس بھرتے خود بھی اندر کی جانب بڑھا تھا اور فریش ہونے کے بعد وہ سیدھا اپنی کیلیگرافی والے روم میں آ گیا تھا۔

سکن کلر کی شرٹ اور براون ٹراؤزر میں ماتھے پر پر بال بکھیرے سرخ کالی آنکھوں کو لیے وہ کنویکس کے سامنے جا بیٹھا تھا۔اور پینسل پکڑتے آہستہ آہستہ اس پر ہاتھ چلانے لگا تھا۔

"میرے سوہنے رب! پہلے تو معافی چاہتا ہوں کہ بہت دنوں بعد آپ کے پاس حاضری دے رہا ہوں۔ لیکن کیا کروں زندگی بہت الجھن سی گئی ہے۔یوں لگتا ہے میں ایک تاریک لمبی گلی میں قید ہوں جہان نا آگے جانے کا کوئی راستہ دیکھائی دے رہا ہے نا ہی پیچھے کی طرف کچھ راہ دیکھائی دے راہ ہے۔بس ہر طرح اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔"

یہ کہتے ہی ابراہیم کے سرگوشی کے مانند ملتے لبوں کے ساتھ ساتھ ہاتھ بھی رکے

تھے۔اسے اپنا آپ اسی تنگ گلی میں محسوس ہو رہا تھا، جہاں صرف تاریکی ہی تاریکی تھی۔

"الوَلِیُّ(مددگار)!الوَلِیُّ!الوَلِیُّ!اے میرے مددگار رب مجھے اس اندھیرے سے بچائیں۔اگر میں یہاں رہا تو میرا دم گھٹ جائے گا۔میں اس میں ڈوب جاوں گا اور کسی کو خبر نا ہو گی۔مجھے کوئی راستہ دیکھائیں کہ جس پر چل کر میں بیوی کے معاملے میں سرخرو ہو جاوں۔میں اسے تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا میرے اللہ!!میں اسے بڑی تکلیفوں سے بچانے کے لیے چھوٹی تکلیفیں دیتا ہوں لیکن آنے والا ہر دن میرے دل پر بھوج بڑھا رہا ہے۔جس کی تکلیف ہر لمحے کے ساتھ بڑھتی جا رہی ہے۔یوں لگتا ہے میں اسی تکلیف کے ساتھ قبر میں اتر جاؤں گا۔" وہ بے ساختہ اس اندھیرے میں اپنے رب کو پکارتے گڑگڑانے لگا تھا۔جانتا تھا کہ یہ ذات یہ نہیں کہے گی کہ تم مرد ہو اور مرد روتے نہیں ہے۔بلکہ وہ تو اسے اپنا بندہ جانتے اپنی آغوش میں لے گا اور ہر تکلیف سے رہائی دے دے گا۔

"یااللہ اگر میں اپنی پھوپھو کو دیا وعدہ پورا کرتا ہوں تو میری بیوی تکلیف میں ہوتی ہے لیکن اگر میں وعدہ خلافی کرتا ہوں تو خود تکلیف میں پہنچ جاتا ہوں۔مجھے سمجھ نہیں آتا

کہ میں کیسے ان سب سے نجات حاصل کروں۔یااللہ پلیز کوئی راستہ دیکھائیں"اس کی حالت اتنی بری ہورہی تھی کہ پینسل بھی اس کے لرزتے ہاتھ سے گر گئی تھی۔پورا جسم پسینے میں نہا گیا تھا۔دل میں ہوتی درد کی لہریں شدت اختیار کر گئی تھی۔ ممکن تھا کہ وہ بے ہوشی ہو جاتا۔کہ یک لحت اس کے کانوں میں ایک آواز آئی تھی۔جس نے اس کے اس کو منجمد کر دیا تھا۔

”حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا شخص جنت میں اِس طرح ہوں گے۔اور (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے) اپنی شہادت کی انگلی اور درمیانی انگلی سے اشارہ فرمایا اور انہیں کشادہ کیا۔‘(صحیح بخاری)

کمرے کی کھڑکی کے باہر کھڑے گارڈ کے موبائل سے آتی یہ آواز ابراہیم پر ہتھوڑے برسا رہی تھی۔

"یتیم کی کفالت۔۔۔۔۔۔مطلب۔۔۔۔اور فنیج۔۔۔بچہ۔۔۔۔اڈوپ۔۔۔۔"

ابراہیم کا ذہن اس وقت اسے راہ دیکھا رہا تھا۔تو کیا اسے اشارہ مل رہا تھا کیا ہوا اگر ان کا بچہ نہیں ہو سکتا وہ دنیا میں موجود ان لاکھوں یتیموں میں سے کسی ایک کی کفالت بھی تو

کر ہی سکتے ہیں۔ جن کو ماں باپ کی ضرورت ہوتی ہے۔اس مسئلے کا حل صرف طلاق ہی تو نہیں تھا۔

"لیکن اگر میں بچہ اڈوپ بھی کرلوں تو پھر میرے وعدہ کا کیا ہو گیا؟؟"ایک سوال ختم ہوا تھا تو دوسرا اس کے سامنے آکر کھڑا ہوا تھا۔ لیکن اس سے پہلے کے وہ کوئی جواب دیتا باہر کسی نے کمرے کا دروازہ نوک کیا تھا۔

"ابراہیم بچہ کھانا لگ گیا ہے۔ جلدی سے آجاؤ حیات بیٹی انتظار کر رہی ہے۔"اسلم بابا کی آواز پر ابراہیم چہرہ صاف کیا تھا۔ پھر اس مسئلہ کا حل ڈھونڈنے کا عظم کرتے وہ اٹھا تھا۔ کیونکہ کچھ چیزیں انسان کو خود تلاش کرنی پڑی پڑتی ہیں۔ شاید اب خوشیاں اس کے زندگی میں دستک دینے کو تھی۔

@@@@@@@@@@

"السلام علیکم! آنٹی کیسی ہیں آپ؟"مسسز کامران کے ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہی کیف نے کھڑے ہو کہا تھا۔

"وعلیکم السلام! کیف بیٹے میں اللہ کا شکر ٹھیک ہوں۔ آپ کیسے ہیں؟ خیریت آج

یہاں کیسے ؟"مسسز کامران، جو آفس سے آنے کے بعد سیدھا یہاں آئی تھی، نے صوفہ پر بیٹھتے خیرت کا اظہار کیا تھا۔

"میں بھی ٹھیک ہو آنٹی اور جی جی بالکل خیریت ہے اصل میں یہاں سے گزر رہا تھا تو سوچا انابیہ کے متعلق پوچھتا جاوں کہ کیسی ہے وہ؟۔ میرا یوں بغیر پوچھے آنا برا تو نہیں لگا نا آنٹی" جھجھک کر جواب دیتے کیف نے اپنا خدشہ ظاہر کیا تھا۔ نجانے اس کے دل کو کیا ہو گیا تھا کہ وہ آج انابیہ کو دیکھنے کی ضد کرنے لگا تھا۔ جس پر تنگ آکر کیف آخر کار یہاں آ ہی گیا تھا۔

"نہیں نہیں بیٹے مجھے بالکل برا نہیں لگا۔انفیکٹ میں تو خود کل سے آپ کو فون کرنے کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ کیونکہ انابیہ نے ضد لگائی ہوئی ہے کہ اسے اپنے سپر مین کے گھر جانا ہے۔ جہاں اس کی دوست اور بہن بھائی ہیں۔ لیکن میرے پاس آپ کا ایڈریس نہیں تھا۔"مسسز کامران نے کیف کی جھجھک پرا نہیں انابیہ کے متعلق بتایا تھا۔

"او صحیح ویسے اب کہاں ہے وہ؟"کیف نے ان کی بات پر سر ہلاتے ارد گرد نظریں گھماتے اسے ڈھونڈا چاہا تھا۔ جس کو دیکھنے کے لیے دل بے چین تھا

"وہ اپنے ٹوائے روم میں ہے کیف بیٹا! میں کچھ دیر تک آپ کو اس کے پاس لے جاتی ہوں۔ لیکن مجھے آپ سے اس سے پہلے کچھ بات کرنی ہے۔ اصل میں میں یہ بات چند دن پہلے کرنا چاہتی تھی۔ لیکن مجھے موقع نہیں ملا۔"مسسز کامران نے سنجیدگی سے اپنے چائے کا کپ ٹیبل پر رکھتے ہوئے کہا تھا۔

"جی آنٹی کہیں"کیف بھی متوجہ ہوا تھا۔

"کیف بیٹے انابیہ کی ذہنی حالت عام انسانوں کی طرح نہیں ہے۔اس لیے وہ بعض اوقات بہت ہی ایسی حرکتیں کر جاتی ہے۔جو آگے والے کے لیے بھی اور میرے لیے بھی شرمندگی کا باعث ہوتی ہے۔جیسے اس دن وہ آپ کے گلے لگ گئی تھی۔اس لیے اسے تو میں کچھ کہہ نہیں سکتی بیٹا لیکن تم سمجھدار ہو اس لیے اسے غلط مت سمجھنا۔" چاہے وہ ایک بزنیس وومین تھیں۔ لیکن وہ ایک ماں کا دل بھی رکھتی تھی۔ جن کے لیے اپنی بیٹی کی عزت سب سے آگے تھی۔

"آنٹی بے شک میری کوئی بہن نہیں ہے۔ لیکن میری ماما نے ہمیں ہمیشہ ہر روپ میں عورت کی عزت کرنا سیکھایا ہے۔اس لیے ٹینشن مت لے۔آپ کیف آفندی نا تو کبھی غاصب بنا پائیں گی (ان شاءاللہ)

اور نا ہی میں انابیہ کو کو غلط سمجھتا ہوں۔اگر میں نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا ہے تو وہ بھی اس کی معصومیت کو دیکھ کر ہی بڑھایا ہے۔اگر آپ کو میرا انابیہ کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھانا برا لگا تو کوئی بات نہیں میں آپ کے فیصلہ کی عزت کروں گا آنٹی "کیف کی باتوں پر مسسز کامران کی آنکھوں میں خوشی سے آنسوں آ گئے تھے۔

"میری بات کو سمجھنے کے لیے بہت شکریہ بیٹا! مجھے تمہارا انابیہ کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھانا برا نہیں لگا بچے! بلکہ خوشی ہوئی ہے کہ میری انابیہ کو اتنا سمجھدار دوست ملی ہے۔جس کے ہوتے مجھے پریشانی کی ضرورت نہیں ہے۔

آؤ میں تمہیں انابیہ کے پاس لے جاتی ہوں اس وقت وہ ملازمہ کے ساتھ اپنے ٹوائے روم میں کھیل رہی ہے۔"مسسز کامران یہ کہہ کر اٹھی تھی۔جس پر کیف بھی مطمئین ہوتے ان کے پیچھے چل دیا تھا۔

"انابیہ دیکھو آپ سے کون ملنے آیا ہے۔"مسسز کامران نے کمرے کے دروازہ پر کھڑے ہوتے پکار انابیہ کو مخاطب کیا تھا۔

جو آج عام دنوں سے ہٹ آج سفید کیپری اور گلابی شرٹ میں ملبوس تھی۔گلابی سوٹ میں وہ کوئی تروتازہ کھلا گلاب کا پھول ہی لگ رہی تھی۔جس کی تازگی نے ہر چیز کو اپنی

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

لپیٹ میں لیا ہوا تھا۔

"ماما کون نابی سے ملنے آیا ہے۔" انابیہ نے حیرت سے کہتے رخ موڑا تھا۔ لیکن سامنے کھڑے کیف کو دیکھتے کھل اٹھی تھی۔

"سپر مین!!! نابی کے سپر مین آئیں ہیں ہرے ے ے" پر جوشی سے کہتے انابیہ بھاگتی ہوئی آئی تھی اور کیف کے سینے سے جالگی تھی۔ اس کی حرکت پر کیف اور مسسز کامران دونوں کے چہروں پر مسکراہٹ آئی تھی۔

"کیسی ہے میری دوست؟" نامحسوس طریقے سے کیف نے انابیہ کو پیچھے کرتے پوچھا تھا۔

"نابی ٹھیک نہیں ہے سپر مین۔۔۔ نابی آپ کو بہت یاد کر رہی تھی۔۔۔ نابی نے ماما سے بھی کہا تھا کہ نابی کو سپر مین کے گھر لے جائیں لیکن انہوں نے نابی کی بات نہیں مانی سپر مین" اپنی آنکھوں میں موٹے موٹے آنسوں لاتے انابیہ نے شکایت کی تھی۔

مسسز کامران انابیہ کے شکایت لگانے پر ہنستے ہوئے، ملازمہ کو ڈنر کا انتظام کرنے کا کہتے، خود فریش ہونے چل دی تھی۔

"وہ اس لیے کہ انابیہ کی ماما کے پاس میرے گھر کا ایڈریس نہیں تھا۔اسی لیے وہ انابیہ کو میرے پاس نہیں لے کر آئی۔ لیکن ٹینشن مت لو اب آپ کا سپر مین آپ کے ساتھ روز کھیلنے آئے گا۔ پھر جب آپ نے ہمارے گھر جانا ہوا تو میں آپ کو اپنے گھر بھی لے کر جاؤں گا۔" کیف نے انابیہ کی ناک دباتے،اس سے کہا تھا۔

"اووووو تھینکیو سوچ سپر مین۔۔۔۔۔ نن،آپ بہت اچھے ہیں۔آئیں میں آپ کو نابی کی باربی ڈول دیکھاتی ہوں۔وہ بہت پیاری ہے سپر مین بالکل نابی کی طرح ہاہاہاہاہا "

سپر بمین کو لمبا کھینچتے انابیہ ایک بار پھر اس کے ساتھ آ لگی تھی۔ پھر اپنی پسندیدہ گڑیا کا بتاتے معصومیت سے وہ خود ہنسی تھی۔اس کی ہنسی پر کیف کے دل نے بیٹ مس کرتے سرگوشی کی تھی۔

'نہیں میری باربی ڈول نابی کی ڈو لسے زیادہ پیاری ہے۔'

اس کے بعد کیف ایک بھرپور شام انابیہ کے ساتھ ہنس کھیل کر گزارنے کر بعد مسسز کامران کو اپنے گھر کا اڈریس دیتے واپس آ گیا تھا۔

@@@@@@@@@

ہر طرف چھائی گہری سیاہ رات میں ہر زی روح خواب خرگوش کے مزے لوٹ رہا تھا۔سوائے اس دلکش شہزادے کے جو اس وقت اپنے کمرے کی بالکونی میں کھڑا آسمان کی طرف دیکھ رہا تھا۔جبکہ ذہن میں مسلسل وہ ایک حدیث ہی گونج رہی تھی۔ساری سوچیں دماغ میں گڈمڈ ہو رہی تھیں۔اس کے اندر آگ سی لگی ہوئی تھی۔جو بجھنے پر نہیں آ رہی تھی۔بلاآخر وہ گہری سانس لیتے ابراہیم اندر کی چل آیا۔

جہاں حیات سارے دن کی تھکی ہاری نیند کی وادی میں ڈوبی تھی۔ابراہیم کو اس پر بہت پیار آیا تھا۔جانتا تھا کہ وہ رمشاء سے انسکیورٹی محسوس کرتی ہے۔اسی لیے آفس میں ابراہیم کو اس سے دور رکھنے کے لیے وہ آفس آ رہی ہے۔ابراہیم اپنی معصوم اور شدت پسند بیوی کو محبت بھری نظروں سے دیکھتے،دوسری طرف سے اس کے برابر آ کر لیٹا تھا۔پر اپنے اور حیات کے درمیان بنی ان کشنز کی دیوار کو دیکھتے اسے غصہ آیا تھا۔ابراہیم کو آج وہ اپنے رقیب لگے تھے۔اس لیے ان کو پنچ مارتے زمین پر پٹکتے بڑبڑایا تھا۔

"تمہاری اتنی اوقات کے میری اور میری بیوی کے درمیان آؤ" ابراہیم کے چہرے پر کشنز سے حسد کے تاثرات اگر حیات دیکھ لیتی تو ہنس ہنس کر دوہری ہو جاتی۔

ابراہیم چند پل لیٹا،اس کو اپنی آنکھوں کے لیے زریعے دل میں اتارتا رہا پھر نا محسوس انداز میں حیات کو نرمی سے اپنے جانب کھینچتے اپنے حصار میں لیتے،اس کے بالوں کی خوشبو کو سینے میں اتارتے،اپنے اندر لگی آگ بجھانے لگا تھا۔رب نے حیات کو اس کی زندگی میں ایک ٹھنڈی ہوا کے جھونکے کے طور پر بھیجا تھا۔لیکن اس نے خود غرضی سے صرف حالات کو ایک پہلو سے دیکھتے حیات کے ساتھ بہت برا کیا تھا۔وہ بھول گیا تھا کہ رب کے ہر کام کے پیچھے مصلحت ہوتی ہے۔

اور یہی تو اس کی آزمائش تھی۔جو اس کو رب کی جانب سے دی گئی تھی تا کہ ابراہیم مضبوط بن سکے اور رب کے قریب جا سکے۔ابراہیم پہلے تو اس میں بہت بری طرح لڑکھڑایا تھا۔لیکن اب وہ سنبھل گیا تھا۔اب اسے اپنی آزمائش میں کامیاب ہونا تھا۔اس نے جو اپنے ہاتھوں سے اپنی راہ میں رکاوٹیں ڈالیں تھیں۔اب انہیں خود نکالنا تھا۔وہ پر عزم تھا کہ اب وہ اپنی آزمائش میں پورا اترے گا۔

حیات کے ماتھے اور آنکھوں پر بوسہ دیتے،اسے اپنے سینے میں بھینچے ابراہیم نے آنکھیں بند کی تھی اور نئی صبح کی امید لیے نیند کی وادیوں میں اتر گیا تھا۔

@@@@@@@@@@

ایک حسین صبح نئی امیدوں اور خوشیوں کے سنگ آفندی ویلا کے لان میں اتر آئی تھی۔ دانش اور دامن بھی ایک لمبا عرصہ ہنی مون میں گزار کر واپس آ چکے تھے۔ ان کے آتے ہی گھر میں رونق لگ گئی تھی۔

کھانے کی میز پر اس وقت ہر شخص چہک رہا تھا۔ افشاں بیگم اور فوزیہ بیگم تو اپنے بچوں کے دمکتے چہروں کو دیکھتے خوشی سے پھولے نہیں سما رہی تھیں۔

ایراج وقفے وقفے سے شرارتی جملہ کس کر دامن کو سرخ کندھاری انار بننے پر مجبور کر رہی تھی۔

"دانش بھائی بھئی آپ کے ششکے دیکھ کر میرے دل میں شدید خواہش ابھر رہی ہے کہ میں بھی شادی کروا ہی لوں تاکہ میری بیوی بھی آپ کی بیوی کی طرح مجھے اپنے ہاتھوں سے کھانا پروسہ، افف کتنا مزہ آئے گا نا" منیب دامن کو دانش کے لیے کھانا نکالتے دیکھ حسرت زدہ لہجے میں کہا تھا۔ اس کی بات پر دامن جھنپ سی گئی تھی اور سالن کا باول اس کے ہاتھ میں لرز سہ گیا تھا۔

"ہاہاہاہاہا چھوٹے پہلے زمین سے اُگ تو لو پھر تمہیں بھی دلہن مل جائے گی۔ ابھی تو ہمیں کیف کی دلہن ڈھونڈنی ہے۔" دانش نے ہنستے ہوئے منیب کے سر پر چت لگاتے

کہا تھا۔

دانش کی بات پر کیف کی آنکھوں سے سامنے ایک پری پیکر کا سایہ لہرایا تھا۔جب کہ ہونٹوں پر مسکراہٹ ابھری تھی۔

لیکن اس کا چہرہ جھکا ہونے کی وجہ سے کوئی دیکھ نہیں پایا تھا۔

دوسری طرف منہا جس کی زبان پر کھجلی ہو رہی تھی۔آخر کار بول ہی پڑی تھی۔

"دانش بھائی اس بیوقوف کو تو کوئی لڑکی گھاس بھی نا ڈالے شادی تو دور کی بات ہے۔ ویسے کوئی بہت ہی بدنصیب ہو گئی جس لے کرم منیب کے ساتھ پھوٹیں گیں۔"منہا کے تمسخر بھری آواز نے منیب کو آگ لگائی تھی۔جس پر سب کے چہروں پر دبی دبی مسکراہٹ ابھری تھی۔

"جل ککڑی تم زیادہ شوخی مت ہو۔دیکھنا میری شادی جس لڑکی ہو گا دنیا اس پر رشک کرے گی۔اور تم تو بس جل جل کر مرنا۔۔۔"غصہ سے ناک کے نتھنے پھلائے بیٹھے، منیب نے ایک ادا سے بال پیچھے کیے تھے۔

"ہمم یہ منہ اور مسور کی دل! جلے میری جوتی۔۔۔"منہا زبان چڑا کر بڑبڑائی تھی۔ان

کی نوک جھوک کو ینگ پارٹی خوب انجوائے کر رہی تھی۔

دوسری طرف بڑے سب جو آج بھی ہمیشہ کی طرح اپنی باتوں میں لگے کھانا کھانے میں مصروف تھے۔ جب بڑے ابا ایک دم کرسی سے کھڑے ہونے پر چونکے تھے۔

"بڑی بہو، چھوٹی بہو آج کافی دنوں بعد ہمارے گھر کی رونق گھر لوٹی ہے۔ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ شام کو ایک چھوٹی سی گیٹ ٹو گیدرر رکھی جائے۔ جس میں زیادہ نہیں صرف گھر کے افراد ہی ہونگے گے۔ تو کیا خیال ہے اپ سب کا اس بارے میں؟؟"

بڑے ابا کا مشورہ سب کو پسند آیا تھا۔

جس کا اندازہ ان کے چہروں سے پھوٹتی روشنی کو دیکھ کر لگایا جا سکتا تھا۔

"بہت اچھا خیال ہے بابا! ویسے بھی عام طور پر ہم سب اپنے کاموں میں الجھے رہتے ہیں۔ تو ایسے میں یہ تقریب سب کی صحت پر اچھا اثر ڈالے گی" مصطفیٰ صاحب نے سب کے خیالات کو زبان دی تھی۔

"تو پھر ٹھیک ہے تہہ ہو گیا کہ آج شام میں چھوٹا سہ گیٹ ٹو گیدر ہو گا۔ جس میں صرف اور صرف گھر کے افراد ہونگے۔ گھر سے مراد گھر کے فرد جن میں ابراہیم اور

حیات بھی شامل ہیں۔امید ہے کہ آپ سب لو اس سے کوئی مسئلہ نہیں ہو گا۔اگر ہے بھی تو مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں۔" بڑے ابا آخری بات سنجیدگی سے کہتے وہاں سے چلے گئے تھے۔

حسب معمول وہاں صرف ایک افشاں بیگم ہی تھی جو غصہ سے آگ بابولہ ہوتے، بھڑک اٹھی تھی۔

" مجھے لگتا ہے کہ بڑے ابا کو میری خوشی برداشت نہیں ہوتی،اسی لیے تو ہر وقت میرا دل جلانے کی بات کرتے ہیں۔نعمان صاحب سمجھا دیجیئے اپنے ابا کو کہ میں ابراہیم کو یہاں برداشت نہیں کروں گی۔"افشاں بیگم کی بدتمیزی پر نعمان صاحب کے ماتھے پر بل پڑے تھے۔اور یہ پہلی بر ہوا تھا کہ جب وہ اپنی محبوب بیوی کی بات پر بھڑک اٹھے تھے۔

"بس بہت ہوا افشاں بیگم !مت بھولیں کہ میرے ابا کے ساتھ ساتھ وہ آپ کے تایا بھی ہیں جنھوں نے ساری زندگی ہمیشہ اپنی اولاد پر آپ کی خوشیوں کو مقدم رکھا ہے۔ لیکن آج اگر وہ کچھ کر رہے ہیں تو آپ کو بھی اپنا ظرف بڑھا کرتے ان کا ساتھ دینا چاہیے نا کہ ایسے اپنی ڈھیڑ انچ کی مسجد بنا کر بیٹھ جانا چاہیے۔میری بات کان کھول کر سن

لیں آپ یہ جتنا ہمارے بچوں کا گھر ہے اتنا ہی ابراہیم کا بھی گھر ہے۔ وہ میرے بڑے بھائی کا اور اس گھر کا سب سے بڑا بیٹا ہے۔ آپ اسے یہاں آنے سے کبھی نہیں روک سکتی۔ یہ بات جتنی جلدی ہو اپنے ذہن میں بیٹھا لیں۔" ڈائننگ حال کے خاموش ماحول میں اس وقت صرف نعمان صاحب کی آواز گونج رہی تھی۔ جنہوں نے آج افشاں بیگم پر بہت کچھ جتا دیا تھا۔

افشاں بیگم کا تو رنگ ہی فق ہو گیا تھا۔ انہوں نے کب سوچا تھا کہ ان کا شوہر جوان کی محبت کی آہیں بھرتا ہے، کبھی یوں بھی ان کے سامنے کھڑا ہو سکتا ہے۔

"بھائی صاحب پلیز اپنے غصے پر قابو رکھیں بچے سامنے بیٹھے ہیں۔ چلیں آئیں میرے ساتھ! اور آپ سب بھی اپنے اپنے کاموں کے لیے چلیں نکلیں۔ کیف تم بھی آفس جاؤ میں دانش کے ساتھ، ہم کچھ دیر تک آتے ہیں۔" مصطفیٰ صاحب نے تیزی سے بات کو بگڑنے سے بچایا تھا اور خود نعمان صاحب کو لے کر ایک طرف چلے گئے تھے۔ ان سب کے جاتے ہی افشاں بیگم پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔ جس پر حمیرہ بیگم اور فوزیہ بیگم نے بڑی مشکل سے انہیں چپ کرایا تھا۔

@@@@@@@@@

ریشمی پردوں سے چھن کر آتی آفتاب کی تیزی روشنی جیسے ہی حیات کی آنکھوں پر پڑی تو اس نے کروٹ بدلتے اپنے چہرے کو دوسری جانب کیا تھا۔ لیکن اچانک سے صبح صبح ناک کے نتھنوں سے گلاب کی مسحور کن خوشبو ٹکرانے سے، اس نے پٹ سے آنکھیں کھولیں تھیں۔ خوشبو نے اس کی اعصاب پر اچھا اثر ڈالا تھا۔ نیند کے خمار سے بھری آنکھیں لیے، وہ پھول کی خوشبو کو اپنے اندر اتارتے سکون محسوس کرتے مسکرانے لگی تھی۔

"پر یہ پھول یہاں کس نے رکھا یہاں؟" دماغ کے بیدار ہوتے ہی سب سے پہلا اس کے ذہن میں یہی سوال آیا تھا۔ جس کا جواب سوچتے حیات دم بخود رہ گئی تھی۔ تو کیا ابراہیم نے یہ پھول رکھا تھا؟ اگر ایسا تھا تو یہ سوچ ہی اتنی خوبصورت تھی کہ حیات کے دل کی دھڑکن بڑھی تھی اور چہرے پر گہری مسکراہٹ نے احاطہ کیا تھا۔

"آٹھ گئی حیات؟" ابراہیم جو ابھی تیار ہو کر نکلا تھا۔ اس کی مسکراتے چہرے پر سرسری سی نظر ڈالتے بولا۔

"ہمم۔۔۔ہاں۔۔۔جی!" حیات جو اس کے خیالوں میں ڈوبی تھی۔ ایک دم گڑبڑا گئی تھی۔ اس لیے اوٹ پٹانگ الفاظ اس کے منہ سے نکلے تھے۔ جس پر کف لنکس بند

کرتے، ابراہیم نے حیرت سے استفسار کیا تھا۔

"تم ٹھیک تو ہو ناحیات؟"ابراہیم کے لہجے سے تو حیات کو بالکل بھی اندازہ نہیں ہو رہا تھا کہ اس کے ہاتھ میں قید پھول ابراہیم نے رکھا ہو گا۔الٹا اسے شرمندگی ہو رہی تھی کہ نجانے وہ خوش فہمی کی دنیا میں کہاں تک نکل گئی تھی۔

"جی وہ بس۔۔۔۔ابراہیم کیا۔۔۔۔۔یہی۔۔۔یہ۔۔۔۔۔پھول آپ نے ٹیبل پر رکھا تھا۔؟"اپنے ہونٹ چباتے نروس سی حیات نے ابراہیم سے پوچھا تھا۔

"ہاں وہ بس صبح واک سے واپس آتے لان میں لگے اس پھول کو دیکھتے دل کیا توڑنے کا تو توڑ لیا۔ویسے تم کیوں پوچھ رہی ہو۔"ابراہیم نے ناسمجھی کا اظہار کیا تھا۔

"نہیں کچھ نہیں وہ میں سمجھی۔۔۔۔۔۔"حیات جو سوچ رہی تھی کہ شاید یہ پھول اس کے لیے لایا گیا ہو۔اپنی سوچ پر شرمندہ ہوتی گڑبڑا کر بولی۔

"خیر تم یہ سب چھوڑو پہلے تیار ہو جاؤ اور پھر سٹڈی ٹیبل پر جو یونیورسٹی کا فارم رکھا ہے اسے فل کر دوں۔میں نے یونی میں جمع کروانے ہیں اور ہاں میں محراب سے بات کی تھی تو وہ کہہ رہا تھا کہ تمہارے یونی کے ٹرانسفر میں وہاں سے جو بھی کرنا ہو گا وہ اس میں

مدد کر دے گا۔اس لیے پرسوں تک تمہارا آڈمیشن ہو جائے گا۔ تم بس اپنا پڑھائی اپنا ذہن بناؤ۔" ابراہیم نے نرمی اور مستعدی سے بات کا رخ پھیر دیا تھا۔ جبکہ آنکھوں میں موجود مسحور کن چمک اس بات کی گواہی تھے کہ وہ اس پھول کو دیکھ کر حیات کے چہرے پر جو تاثرات دیکھنا چاہتا تھا۔ وہ دیکھ چکا ہے۔

یہ پھول وہی لایا تھا۔ لیکن ان کا رشتہ کبھی اتنا خوشگوار نہیں رہا تھا کہ وہ ڈائریکٹ اسے یہ دے سکتا۔ اسی لیے جھجھک کر وہ ٹیبل پر رکھ گیا تھا اور پھر حیات کے پوچھنے پر بات بدل گیا تھا۔

"میں بھی کتنی پاگل ہوں۔ جو یہ سوچ بیٹھی کہ یہ پھول ابراہیم لے کر آئیں ہونگے۔ یہ سڑو کبھی اتنے اچھے کیسے ہو سکتے ہیں انہیں تو بس روعب ڈالنا جانتے ہیں بس انہیں موقع ملنا چاہیے۔ اور کچھ نہیں کر سکتے یہ" حیات منہ بسور کر بڑبڑائی تھی اور تیار ہونے چل دی۔

حیات آج پھر اس کی محبت کو نا جان سکی تھی۔ اس لیے دل میں اس کو صلواتیں سناتی، پھول ٹیبل پر پٹک کر اٹھی تھی۔

اپنے پھول کے ساتھ ہونے والے ناروے سلوک پر گہرا سانس بھرتے ابراہیم نے،

حیات کے جانے کے بعد محبت سے اسے اٹھایا تھا اور لبوں سے لگانے کے بعد ایک کتاب میں محفوظ کر دیا تھا۔ کیونکہ جو بھی تھا یہ پہلا تحفہ تھا جو شوہر کی حیثیت سے اس نے حیات کو دیا تھا۔ لیکن شاید اس کا دینے کا طریقہ غلط تھا یا شاید وقت غلط تھا۔ اسی لیے سب کچھ گڑبڑ ہو گیا تھا۔ اسی لیے اس نے سوچ لیا تھا۔ اگر زندگی میں موقع ملا تو وہ یہی پھول حیات کو دوبارہ دے گا۔

@@@@@@@@@@

کراچی بحریہ ٹاؤن میں موجود اس عالی شان بنگلے کے ایک کمرے میں رات کے اس پہر نیند جاسم آفندی کی نم آنکھوں سے بہت دور تھی۔ جس دن سے اس کی والدہ کے انتقال کے بعد اسے گھر سے نکالا گیا تھا۔ تب سے اس کی یہی حالت تھی۔ عسرہ یعنی جاسم کی بیوی جو کراچی کے مشہور انڈسٹر لسٹ کی بیٹی تھی وہ جاسم کو اپنے ساتھ کراچی لے ائی تھی۔ شادی تو اس نے بھی اپنے ماں باپ، جو عسرہ کی شادی اپنے بھانجے سے کروانا چاہتے تھے، کی مرضی کے بغیر کی تھی۔ لیکن اس کے والد عثمان صاحب زیادہ دیر اپنی اکلوتی بیٹی سے ناراض نہیں رہ سکتے تھے نا اسے در در سڑکوں پر بھٹکتے دیکھ سکتے تھے۔ اسی لیے اسے لیے گھر آ گئے تھے۔

یہاں آنے کے بعد اپنوں کی مستقل جدائی اور سسرال میں پناہ لینے سے جاسم کی خوداری پر بہت کاری ضرب لگی تھی۔وہ خاموش سہ ہو کر رہ گیا تھا۔عسرہ جب بھی اپنے محبوب شوہر کی حالت دیکھتی تو تڑپ اٹھتی تھی۔یہی وجہ تھی کہ آج پھر رات کے اس پہر جاسم کو جاگتے دیکھ وہ ضبط کھو بیٹھی تھی۔

"جاسم آخر کب تک آپ ایسے ہی زندگی گزارتے رہے گیں۔مجھے معلوم ہے کہ جو بھی ہوا غلط تھا لیکن آپ پلیز ان سب باتوں کو دل پر لینا چھوڑدیں زندگی آگے بڑھنے کا نام ایک جگہ پر رکنے کا نام نہیں ہے۔کیا ہوا ابھی آپکی لاکھ معافیوں پر بھی وہ آپ کو معاف نہیں کر رہے۔لیکن دیکھنا مجھے یقین ہے کہ ایک نا ایک دن آپ کے بابا آپ کو ضرور معاف کردیں گے۔"عسرہ بس جاسم کو خوش دیکھنا چاہتی تھی۔اس لیے روتے ہوئے اسے سمجھا رہی تھی۔جو حس و حرکت کیے بغیر ایک مجسمہ کی مانند چت لیٹے تھے۔

"جاسم مجھے لگتا ہے کہ آپ کو میری کوئی پرواہ نہیں بلکہ صرف اپنے گھر والوں کی پرواہ ہے اور شادی سے پہلے آپ جو محبت کا دم بھرتے تھے۔وہ صرف عارضی تھی جو حالات کے ایک جھٹکے پر ختم ہو گئی ہے۔جاسم اگر آپ کو اپنے بابا اتنے ہی عزیز ہیں تو

آپ مجھے چھوڑ کر ان کے پاس رہ سکتے ہیں۔ میں آپ کی یادوں اور بچے کی ساتھ باقی زندگی گزار دوں گی۔ لیکن آپ کو تڑپتے نہیں دیکھ سکتے میں۔۔۔اس لیے چلیں جائیں اپنے گھر والوں کے پاس.."عسرہ گریہ زاری سے سرخ آنکھیں لے وہاں سے اٹھ کر جانے لگی تھی۔جب جاسم نے یک دم اس کا ہاتھ پکڑتے اسے روکا تھا اور بے یقینی کے عالم میں پوچھا تھا۔

"ہمارا بچہ ؟؟؟...."جاسم کے سوال پر عسرہ چندپل خاموش ہو گئی تھی۔وہ چند دنوں سے جاسم کی حالت دیکھتے،اسے ان کی زندگی میں آنے والے مہمان کی خبر تو دے ہی نہیں سکی تھی۔پر اب جب ان کے منہ سے پھسلا تھا تو جاسم کی بات پر سرخ چہرے کے ساتھ سر ہلا گئی تھی۔

"مطلب ہمارا بچہ۔۔۔جو ہمیں ماما بابا کہے گا۔۔۔۔جو۔۔ہماری محبت مکمل کرے گا۔۔۔"بے یقینی اور خوشی کی ایک عجیب سی لہر تھی جو جاسم کے لہجے میں در آئی تھی۔اسے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ اتنے عرصے بعد سنی اس خوشی کی خبر پر کیسا ردعمل دے۔

"جی جاسم ہمارا بچہ۔۔۔جو ہماری محبت کی نشانی ہو گا۔۔۔"عسرہ نے خوشی سے گلوگیر

لہجے میں کہتے جاسم کے سینے پر سر رکھا تھا۔

"عسرہ میں تمہیں بتا نہیں سکتا کہ یہ خبر سنا کر تم نے مجھے کتنی خوشی دی ہے میری جان آئی لو یو سو مچ عسرہ۔۔میری زندگی اب تم دونوں کے علاوہ کوئی نہیں ہے۔میں اب تمہیں چھوڑ کر کہیں نہیں جانا چاہتا میری جان پلیز آگے سے دور جانے کے باتیں مت کرنا۔۔"عسرہ کے ماتھے پر بوسہ دیتے جاسم نے اسے اپنے سینے میں بھینچا تھا۔یہ نہیں تھا کہ یہ خبر سنتے وہ اپنے باپ سے معافی مانگنے کو بھلا بیٹھا تھا۔لیکن اس نے یہ ضرور سوچا تھا کہ کیا پتہ جب وہ اپنا بچہ لے کر اپنے باپ کے پاس جائے تو وہ اسے دیکھ کر انہیں معاف کر دیں۔ایک امید سی جاگی تھی،ان کے من میں۔۔۔

جہاں ایک طرف اس کی زندگی میں خوشی آئیں تھی۔

تو دوسری طرف نعمان کی زندگی کی گاڑی وہی کی وہی کھڑی تھی۔زہرہ بیگم کے چالیسویں کے بعد فیض آفندی نے نعمان اور افشاں کی رخصتی کروا دی تھی۔لیکن افشاں دل ہی دل میں نفرت کی آگ لیے نعمان کو کبھی اپنے پاس نہیں آنے دیتی تھی۔بلکہ بات بات پر ان پر بھائی کے بھاگنے کے تنز کے تیز چلا کر یہ ظاہر کرتی تھی کہ جیسے ان کا دغاباز بھائی انہیں چھوڑ کر گیا تھا ویسے وہ بھی چھوڑ کر چلیں جائیں گے۔لیکن

نعمان اپنے محبت کی وجہ سے بہت پر عزم تھا کہ ایک نا ایک افشاں اس کے جذبات کی قدر ضرور کرے گی اور وہ اپنی زندگی کھل کر جئیں گے۔

@@@@@@

آنے والی پروجیکٹ کی وجہ سے آفس میں کام بہت بڑھ گیا تھا۔اسی لیے آفس میں ہر کوئی کام کرتا نظر آ رہا تھا۔یہاں تک کہ حیات جو راحیل سے بھی بہت کچھ سیکھ چکی تھی۔وہ بھی بہت مصروف ہوگئی تھی۔

راحیل کو حیات کے ساتھ کام کرنے کے بعد معلوم ہوا تھا کہ جیسا وہ پہلی ملاقات میں نظر آئی تھی، مغرور سی ویسی نہیں تھی۔بلکہ بہت نرم دل اور معصوم سی تھی۔راحیل کو تو چند ہی دنوں میں وہ اپنی بہنوں کی طرح عزیز ہوگئی تھی۔یہاں تک کہ حیات کے یہاں آنے کے مقصد کا بھی اسے کچھ حد تک اندازہ ہو گیا تھا۔بلکہ اس کا ووٹ تو حیات کے حق میں ہی تھا۔

اسی لیے اس کی پوری کوشش ہوتی تھی کہ حیات کبھی ابراہیم سے دور نا جائے اور رمشاء کو ابراہیم کے پاس جانے کا موقع نا ملے۔اس لیے اب بھی رمشاء کو ابراہیم کے پاس جاتے دیکھتے جلدی سے اپنے کیبن میں کام کرتی حیات کو اٹھاتے ہوئے بولا۔

"حیات سس! جب تمہارا اپنا آفس ہے تو تم ہر وقت یہاں کیوں ڈیرے لگائے بیٹھی رہتی ہو۔ بھئی اب میری بھی کوئی پرائویسی ہے۔اس لیے جاؤ جا کر اپنے آفس میں کام کیا کرو، مجھے خود یہاں کام کرنا ہوتا ہے۔" راحیل کی بات پر حیات نے الجھی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

"پہلے تو تمہیں کبھی ایسا نہیں کیا کہ تم مجھے اٹھا کر خود یہاں کام کرو بلکہ خود باہر چلے جاتے ہو اپنا کام لے کر تو آج ایسا کیوں کہہ رہے ہو۔؟؟" حیات نے ابرو آچکا کر تفتیشی لہجہ میں پوچھا۔

"اوہو! ایک تو تم ضد بہت کرتی ہو۔ آج مجھے کام ہے تو کام ہے مطلب تم جاؤ اپنے افس میں۔۔۔اور جب باس نے تمہیں اپنا ٹیبل دیا ہے تو تم وہی کام کیا کرونا۔۔۔یہاں مت آیا کرو۔" راحیل نے حیات کی بات پر گڑ بڑا کر اسے کہا تھا۔ جس پر حیات چند لمحے اسے گھورنے کے بعد اپنی چیزیں سمیٹتے اٹھی تھی۔

"جا رہی ہوں۔ خوش ہو جاؤ بہن کو یہاں سے اٹھا کر۔۔۔" خفگی سے کہتے حیات وہاں سے نکلی تھی راحیل نے اس پر بس مسکرا کر سر جھٹکا تھا۔

۔"ابراہیم سر یہ دیکھیں مجھ سے کچھ پوائنٹس کھٹک رہے ہیں۔ آپ کا نہیں خیال کے

انہیں بدلنا چاہیے۔" آفس میں انٹر ہوتی حیات کے کانوں میں رمشاء کے یہ الفاظ گونجے تو اس نے حیرت سے سر اٹھایا تھا۔ جہاں اپنے کام میں مصروف ابراہیم کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کرتی رمشاء اس کے پاس جھکی ہوئی تھی۔ اس کے کپڑوں کو دیکھ کر حیات کے ماتھے پر بل نمایاں ہوئے تھے۔ جس کا گہرہ گلا دعوت نظارہ دیتے معلوم ہو رہے تھے۔

"مس رمشاء یہ بات آپ ٹیبل کے دوسری جانب بھی بیٹھ کر پوچھ سکتی ہیں۔" حیات کی کڑک آواز پر رمشاء گڑبڑا کر سیدھی ہوئی تھی۔ ابراہیم نے بھی نا سمجھ نظروں سے ان دونوں کی جانب نظروں سے دیکھا تھا۔

۔"وو۔۔۔وہ سر مجھے بس کچھ یہ پوائنٹس کے بارے میں ڈسکس کرنا تھا تو اسی لیے آگئی اگر آپ فری ہیں تو۔۔۔" ابراہیم کی استفہامیہ نظروں کو دیکھ رمشاء نے وضاحت کی تھی۔ جب کہ حیات انہیں ضبط سے اگنور کرتے اپنے ٹیبل کی جانب بڑھ گئی تھی۔

"رمشاء ابھی میرے پاس وقت نہیں ہے۔ اس لیے تم یہ راحیل یہ ڈسکس کر لوں۔ اگر پھر بھی سمجھ نا آیا تو میں بعد میں جواب دے دوں گا۔ اور ہاں زرا باہر جاتے ہوئے شکور کو اندر بھیج دینا۔" ابراہیم نے حیات کے چہرے کے تاثرات کو دیکھ لیا تھا۔ اس لیے

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

رمشاء کو وہاں سے چلتے کرتے، شکور جو وہاں کا پیون تھا۔اسے اندر بھیجنے کا کہا تھا۔

"جی سر!"حسد سے بھرپور نظریں حیات پر گھاڑِ رمشاء وہاں سے واک آؤٹ کر گئی تھی۔

اس وقت ساڑھے بارہ ہو رہے تھے۔ابراہیم کو یاد تھا کہ حیات نے صبح ناشتہ میں صرف سلائس اور چائے کا ایک کپ لیا تھا۔وہ خود تو مسلسل کام کرنے کا عادی تھا۔ لیکن حیات جیسی نازک لڑکی کے لیے اتنا بر ڈن،اس کے لیے صحت خرابی کا سبب بن سکتا تھا۔ابراہیم کو اس کی فکر ہوئی تھی۔اس لیے اس نے شکور کو لنچ ارینج کرنے کا کہا تھا۔

جبکہ حیات دوبارہ سے اپنے کام میں مصروف ہو گئی تھی۔

کچھ دیر بعد ان کا کھانا آیا تو ابراہیم نے اپنے آفس سے ملحقہ چھوٹے سے کمرے میں انہیں لگانے کے لیے کہا تھا۔جسِ وہ کبھی کبھار کام کی زیادت کے باعث رات میں اپنے سٹے کے لیے استعمال کرتا تھا۔

"حیات چلو آؤ میرے ساتھ.."کھانا لگنے کے بعد،ابراہیم نے فائل رکھتے حیات کو

مخاطب کیا تھا۔اگر بات صرف اس کے کھانے کی ہوتی تو شاید اسے اتنی پرواہ نا ہوتی لیکن یہاں بات صرف حیات کی تھی تو مطلب نو کمپرومائز۔۔۔

"کہاں؟" حیات نے نا سمجھی سے پوچھا۔

"میرے ساتھ ڈیٹ پر۔۔" ابراہیم نے شرارت سے اس کا ہاتھ پکڑتے کہا تھا اور اسے اپنے ساتھ گھسیٹتے آفس سے ملحقہ کمرہ میں لے گیا تھا۔حیات تو بس منہ کھولے ہونقوں کی طرح اس کے ساتھ چلی آئی تھی۔نجانے کیوں اس کی یہ بات اسے ابراہیم کے پرانے روپ کی یاد دلا گئی تھی۔حیات کی آنکھ شدت جذبات سے نم سی ہوئی تھی۔

"پی۔۔۔یہ کیا کر رہے ہیں ابراہیم۔۔۔پلیز میرا ہاتھ چھوڑیں..." اس کمرہ میں داخل ہونے پر تیزی سے ہوش میں آتے،اپنا ہاتھ چھڑاتے اٹک اٹک کر حیات نے کہا تھا۔

"اچھا ٹھیک ہے ریلیکس رہو اور جا کر ہاتھ دھو کر آؤ میں تب تک ہمارے لیے کھانا لگاتا ہوں۔" حیات کا ہاتھ چھوڑتے ابراہیم عام لہجے میں کہتے وہاں موجود صوفہ پر بیٹھا تھا۔

حیات چند دیر پل پل بدلتے ابراہیم کے تاثرات کو دیکھ رہی تھی۔اسے نجانے کیوں اس پر غصہ آ رہا تھا۔جو ہر پل صرف اپنی مرضی کرتا تھا۔وہ اس کے ساتھ کھانا نہیں

کھانا چاہتی تھی۔ لیکن کھانے کو دیکھ کر اس کی بھوک چمکی تھی۔ اس لیے اپنی انا کو سائیڈ میں رکھتے وہ ہاتھ دھو آئی تھی۔

ابراہیم بھی ہاتھ دھوتے اس کے ساتھ بیٹھ کر کھانے لگا تھا۔ وہ کھانے کے دوران اپنے سے زیادہ حیات کا دھیان رکھ رہا تھا اور بار بار حیات کی پلیٹ میں کچھ نا کچھ ڈال رہا تھا۔ حیات کو ابراہیم کا کئیر نگ انداز اچھا لگ رہا تھا۔ اسے آج بہت عرصے بعد اس میں اپنے دوست کی جھلک نظر آئی تھی۔ لیکن سمجھ نہیں آرہا تھا کہ آخر یہ نظروں کا دھوکا ہے یا کیا ہے؟؟

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books

@@@@@@@

خوبصورت تاروں بھری شام نے آفندی ویلا کے لان کی دلکشی اور وہاں سجی محفل کی رونق کو بڑھا دیا تھا۔ اس محفل کے مہمان خصوصی دانش اور دامن تھے۔ جبکہ سب کی مشترکہ رائے سے گھر کی عورتوں کو چھٹی دینے کا سوچتے باربی کیو کا انتظام کیا گیا تھا۔ جس کی ساری زمہ داری شیف کیف کے سپرد تھی۔ جو ایک دن کا شیف تھا۔ اس کے پاس کھڑے ایراج، منہا اور منیب کام کروانے کے نام مزید ارسی گرما گرم بنی ہوئی بیف سٹک پر چونچ مار رہے تھے۔

کیف کوان پر تپ چڑھ رہی تھی۔یہی وجہ تھی کہ اس نے منہااور منیب کے دو دو چھپاکی لگاتے واپس بٹھا دیا تھا۔لیکن ایراج ڈھیٹوں کی سردار ابھی بھی آنکھ بچا کر اپنی حرکتوں سے باز نہیں آرہی تھی۔

دانش اور دامن تو ان سب کو پاس بیٹھے بہت انجوائے کر رہے تھے۔ان سے کچھ فاصلے پر گھر کے بڑے بیٹھے خوش گپیوں میں مصروف تھے۔

نعمان صاحب کا موڈ بھی صبح کی نسبت قدرے بہتر دیکھائی دے رہا تھا۔

انہی سب کے دوران ابراہیم اور حیات وہاں آئے تھے۔جن کو دیکھ کر حمیرہ بیگم اور افشاں بیگم کے سوا باقی سب نے ہاتھوں ہاتھ لیا تھا۔ان کے چہروں پر موجود جو خوشی کے رنگ تھے وہ اب غصے اور نفرت میں بدل چکے تھے۔

"ماما! ایک ماہ سے اوپر ہو گیا ہے۔پلیز اب تو مجھے معاف کر دیں۔پلیززز ماما آپ کی ناراضگی مجھ سے اب مزید برداشت نہیں ہوتی۔" ہلکے انگوری رنگ کی شرٹ اور سفید ٹراؤزر میں ہلکے سے میک آپ میں اپنا سوگوار حسن لیے کھڑی حیات نے حمیرہ بیگم کے پاس آتے آہستہ آواز میں التجا کی تھا۔

حیات کی بات پر حمیرہ بیگم کی آنکھوں میں آنسوں جمع ہوئے تھے۔

"اگر اتنی ہی تمہیں میری ناراضگی کی پرواہ ہوتی تو تم کبھی بھی میری مرضی کے خلاف ناجاتی۔لیکن تمہارے لیے تو مجھ سے زیادہ ابراہیم اہم تھا۔اسی وجہ سے تم نے اسے چنا تواب کیوں رو رہی ہو۔"حمیرہ بیگم نے اپنی ممتا کو تھپک کر سلاتے تلخ لہجہ اپنایا تھا۔

حیات ان کی بات پر تڑپ اٹھی تھی۔

"پلیز ماما ایسامت کہیں۔"حیات نے انہیں زبردستی گلے لگایا تھا۔جس پر سب کی موجودگی کو محسوس کرتے حمیرہ بیگم نے کچھ نہیں کہا تھا۔جوانہی کی طرف متوجہ تھے۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

ابراہیم کو حیات کی آنکھوں میں آتے آنسوں کی وجہ اپنا آپ لگ رہا تھا۔اسے خود سے نفرت سی ہو رہی تھی۔

"اسلام علیکم پھوپھو! کیسی ہیں آپ؟"ابراہیم نے حمیرہ بیگم کے سامنے سر جھکایا تھا۔ مقصد صرف انہیں مزید حیات کو کچھ تلخ کہنے سے باز رکھنا تھا۔

"وعلیکم السلام!"حیات کے بازوں کے گھیرے کو نا محسوس انداز سے ہٹاتے حمیرہ بیگم

نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا تھا۔

ماحول کچھ سنجیدہ ہو گیا تھا۔

"بھئی میرے خیال سے ہم دانش بھائی اور دامن آپی کو ویلکم کرنے کے لیے اکٹھا ہوئے ہیں تو پلیز یہ ملنے ملانے کا سین بعد میں کر لیں۔" بہت سلیقے سے ایراج نے سب کا دھیان بٹایا تھا۔ جس پر سب واقع میں ہی دامن لوگوں کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ بچارہ دامن تو نظروں کا مرکز بنتے جھنپ سی گئی تھی۔

حیات کا نرم مخملی ہاتھ کو غیر محسوس انداز میں اپنے مضبوط اور توانا ہاتھوں میں لیتے ابراہیم نے اسے اپنے ساتھ کا یقین بخشا تھا۔ جس پر اپنے آنسوؤں پر بامشکل سے بند ھ باندھے کھڑی حیات کو واقع میں ڈھارس ملی تھی۔اس لیے اپنے آنسوں پی گئی تھی۔

ابراہیم کے دل میں شدت سے خواہش اٹھی تھی کہ کاش اس وقت اس پر کوئی قید نا ہوتی تو وہ حیات کے آنسوں کو اپنی محبت سے سمیٹ لیتا۔

اس کے بعد وہ لوگ وہاں جتنی دیر بھی رہے تھے۔ابراہیم پر چھائی کی طرح حیات کے ساتھ رہا تھا۔ یہاں تک کہ کھانے کے دوران نے بھی اس نے زبردستی اسے اپنے

ساتھ کھلایا تھا۔کیونکہ حیات کی بھوک تو حمیرہ بیگم کے رویے سے ہی مر چکی تھی۔

افشاں بیگم کو جہاں ابراہیم کی ایسی محبت دیکھ کر ڈھیروں وسوسوں نے آن گھیرا تھا۔ وہی حمیرہ بیگم نجانے کیوں سوچ میں پڑ گئی تھی۔ابراہیم جس طرح حیات کا خیال رکھ رہا تھا وہ بار باران کے پر اثر انداز ہو رہا تھا۔لیکن پھر وہ ابراہیم کی حقیقت خود کو باور کرواتے خود کو سخت دل کر لیتی تھی۔

ایک بھرپور شام کے بعد جس وقت وہ لوگ واپس آئے تھے۔حیات جو بس جلدی سے کہی چھپ کر اپنے آنسوں کو راستہ دینا چاہتی تھی۔جلدی سے چینج کیے بغیر بلینکٹ اوڑھ کر لیٹ گئی تھی۔ابراہیم جس پل کپڑے بدل کر واپس آیا تو بلینکٹ میں لرزتے وجود کو دیکھ کر دکھ میں گر گیا تھا۔اس لیے بغیر کچھ سوچے اس کے پاس جا بیٹھا تھا۔

(hayat are you ok ? "حیات کیا تم ٹھیک ہو؟")

حیات کے پاس بیٹھتے ابراہیم نے نرمی سے بلینکٹ اس کے چہرے سے نیچے کرتے پوچھا تھا۔لیکن اس کے سرخ آنسوئں سے تر چہرے کو دیکھ کر دھک سے رہ گیا تھا اور حیات کو کھینچتے اپنے گلے لگا گیا تھا۔جو اس کے مضبوط سینے پر سر رکھتے رو دی تھی۔

"وہ ایسا کیوں کر رہی ہیں ابر؟ ماں تو بچوں کی بڑی سے بڑی غلطی بھی معاف کر دیتی ہیں تو پھر وہ کیوں نہیں کر رہی ابر؟ آخر کیوں؟" سب کچھ سمجھتے بھی حیات انجان بن رہی تھی یا شاید وہ کبھی اس رخ سے ابراہیم کو دیکھنا نہیں چاہتی تھی۔

حیات کے منہ سے نکلا 'ابر' ابراہیم کی روح جو حیات کی تکلیفوں کی وجہ خود کو گردانتے لہولہان ہو رہی تھی، پر مرحم کی طرح کا کام کر گیا تھا۔ اس لیے بغیر کچھ بولے اس بالوں پر بوسہ دیتے اسے اپنے سینے میں بھینچ گیا تھا۔

کیونکہ بعض اوقات کچھ موقع ایسے آتے ہیں جہاں انسان کو اپنے الفاظ کم پڑتے دیکھائی دیتے ہیں۔ تب وہاں صرف آپ کے عمل ہی اپ کے جزبات کا اظہار کرتے ہیں۔

@@@@@@@@@@@

آخر کار وہ دن آ ہی گیا تھا۔ جس کا ابراہیم کو بے صبری سے انتظار تھا۔ مسٹر ہارون آج ان کی کمپنی کے ساتھ ڈیل فائنل کرنے آ رہے تھے۔ ابراہیم اس ڈیل کو لے کر بہت پر جوش تھا۔ کیونکہ یہ ڈیل اس کی کمپنی کو ترقی کی نئی منازل تک پہنچانے والی تھی۔ جس

کا خواب ہمیشہ سے ابراہیم نے دیکھا تھا۔

اس کمپنی کا آغاز آٹھ سال پہلے اس نے اپنی محنت اور لگن سے کیا تھا۔ شروع شروع میں تو اس کا کام بہت محدود پیمانے پر ہوتا تھا۔ لیکن ابراہیم کی دن رات کی جان فشانی نے اس کی کمپنی کو ترقی کی راہ پر گامزن کر دیا تھا۔ جو ہر گزرتے دن کے ساتھ مزید کامیابیاں حاصل کر رہی تھی۔ اور آج کی ڈیل بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی تھی جو اس کو بزنس کی دنیا میں بہت آگے تک لے کر جانے والی تھی۔

کچھ دیر پہلے راحیل خود مسٹر ہارون کو ائیر پورٹ سے ریسیو کرنے کے لیے گیا تھا۔ حیات راحیل کی غیر موجودگی میں اس کے سارے کام باخوبی نبھا رہی تھی۔ سکن رنگ کی شلوار قمیض میں بالوں کو جوڑے میں قید کیے حیات کے خوبصورت چہرے پر بھی، آج بہت دباد باجوش دیکھائی دے رہا تھا۔ ابراہیم کا خواب اس کی آنکھوں کا خواب بن گیا تھا۔ یہ وجہ تھی کہ وہ ہر کام کو احسن طریقے سے کر رہی تھی۔

رہ گئی رمشاء جس نے آج کی میٹنگ کو پریزنٹ کرنا تھا وہ اپنے کام پر دھیان دینے کی بجائے بس ابراہیم کے سامنے جان بوجھ کر حیات کے کام میں نقصان نکالتے اپنے نمبر بنانے کی کوششوں میں لگی تھی۔

دن کے گیارہ بج رہے تھے۔جب راحیل مسٹر ہارون اور اس کی سیکٹری کو لے کر آفس میں داخل ہوا تھا۔ابراہیم نے خود دروازہ پر ان کا ویلکم کیا تھا۔اور پھر ان کے ساتھ میٹنگ روم میں آگیا تھا۔ان کے آتے ہی فوراًمیٹنگ شروع ہوگئی تھی۔

کمرے میں صرف پروجیکٹر کی روشنی کی علاوہ دوسری کوئی روشنی نہیں تھی۔بورڈ کے پاس کھڑی رمشاء میٹنگ پر پریزنٹیشن دے رہی تھی۔بورڈ کے سامنے لگی ٹیبل کے ہیڈ چیئر پر ابراہیم بیٹھا تھا۔جس کی سنجیدہ نظریں سامنے نظر آتی سکرین پر تھی۔اس کے ایک طرف مسٹر ہارون جو ادھیڑ عمر کے شخص تھے،وہ موجود تھے۔ان کے ساتھ ان کا سیکرٹری موجود تھا۔ابراہیم کے دوسری طرف حیات بیٹھی تھی۔جس کے ساتھ راحیل موجود تھا۔حیات اور مسٹر ہارون کے سیکٹری کے ہاتھ تیزی سے میٹنگ کے اہم نکات لکھ رہے تھے۔

رمشاء کے پریزنٹیشن ختم کرتے ہی مسٹر ہارون نے سوال اٹھایا تھا۔

"مس رمشاء کیا آپ اس پوائنٹ کو واضع کریں گی کہ آپ کی کمپنی yarn کو fabric production کے دوران خراب ہونے سے بچانے کے لیے کیا کریں گی؟(کپڑا بننے کے دوران یہ عمل سب سے اہم عمل ہوتا ہے۔)کیونکہ اس بات

کاذکر مجھے کہیں پر بھی نظر نہیں آیا۔"مسٹر ہارون کی بات پر جہاں ابراہیم کے چہرے پر رمشاء کی لاپرواہی سے غصہ آیا تھا۔وہی رمشاء بھی کنفیوژ ہوئی تھی۔

"ججج۔۔۔ج۔۔جی سر وہ ہم اس کو ٹوٹنے سے بچانے کے لیے اس کی فرکشن کم کریں گے۔"رمشاء نے بامشکل ابراہیم کی غصہ سے بھری نظروں پر اپنے اعصاب کو قابو کرتے بودہ سہ جواب دیا تھا۔

"کیسے؟"مسٹر ہارون نے پھر سے سوال اٹھایا۔

"سر ہم sizing chemical اور بہترین lubricants کو اس میں ڈال کر yarn کی فرکشن کو کم کرتے،اسے مضبوط کریں گے۔تاکہ وہ ٹوٹنے سے بچ سکے "حیات جو حالات کو بگڑتے اور ابراہیم کی پریشانی بڑھتے دیکھ رہی تھی۔جلدی سے کھڑے ہوتے بولی۔

"آپکی تعریف؟"حیات کا اٹھنا مسٹر ہارون کو شاید پسند نہیں آیا تھا۔

"میں ابراہیم سر کی پی اے ہوں۔"حیات نے خود ہی ابراہیم کے کچھ کہنے سے جواب دیا تھا۔

"اوکے سو مس! دوسرا سوال آپ نے اپنے فیبر کس کی ڈیزائننگ میں پنجاب کے کلچر کو کیوں شو کیا ہے۔ حالانکہ کے یہ فیبر کس سندھ اور پنجاب کی دونوں کمپنیز مل کر لاؤنچ کر رہی ہے۔" اب کہ مسٹر ہارون کے سوال پر حیات چند لمحے چپ سی ہو گئی تھی۔

"سر سندھ ہو یا پنجاب سارے صوبہ ہیں تو صرف پاکستان کا حصہ ہی نا، یہ تو ہمارا نظریہ ہے کہ ہم اسے کیسے دیکھتے ہیں۔ خیر اگر آپ غور کریں تو ان فیبر کس کے پرینٹ میں پنجابی کلچر کو ضرور شو کر رہا ہے۔ لیکن اگر کڑھائی پر غور کریں تو وہ سندھی کلچر کی ہے۔ تو اس کا مطلب ہے اس میں دونوں ثقافتیں ہیں۔ اور آپ کا اعتراز درست نہیں۔"

حیات کی بات پر مسٹر ہارون کے چہرے پر سختی چھا گئی تھی۔

"مس کیا آپ کہنا چاہ رہی ہیں کہ میرا سوال غلط ہے۔؟" مسٹر ہارون کی غصہ بھری آواز پر جہاں، حسد میں اندھی رمشاء کو دل میں ٹھنڈک پہنچی تھی کہ چلو شکر ہے کہ اگر میں ٹھیک سے نہیں کر پائیں تو حیات نے کونسا تیز مار لیا ہے۔ وہی ابراہیم خاموشی سے حیات پر نظریں جمائے بیٹھا تھا۔ ایسے جیسے اسے خود سے بڑھ کر حیات پر یقین ہو۔

"جی سر" حیات نے بغیر ڈرے مسٹر ہارون کی بات کا جواب دیا تھا۔ جس پر مسٹر ہارون کے تاثرات دیکھ کر لگ رہا تھا کہ بس آج وہ یہ ڈیل کینسل کر دیں گے۔

"مسٹر ابراہیم! آپ کی امپلائی کا۔۔۔۔۔" مسٹر ہارون کے بولتے بولتے رک جانے پر رمشاء کے علاوہ سب کے سانس سوکھے تھے۔

"ذہانت اور بے خوف انداز میں غلط کو غلط کہنے کے انداز پر میں واقع میں قائل ہوا ہوں۔یقیناً تمہارے ساتھ کام کر کے بہت فائدہ ہو گا۔تو لاؤ پھر کنٹریکٹ کی فائل دو۔" تھوڑے سے سسپینس کے بعد وہ انتہائی خوشگوار موڈ میں بولے تھے۔جس پر سب کے چہروں پر رونق آئی تھی۔

کچھ ہی دیر بعد وہاں ڈیل سائن کی گئی تھی اور مسٹر ہارون اپنے سیکرٹری کے ساتھ وہاں سے نکلنے لگے تھے۔لیکن پھر جاتے جاتے پیچھے مڑ کر حیات کے پاس رک کر بولے

"مس حیات آپ جیسی قابل امپلائی کی میری کمپنی میں بہت قدر ہے۔تو کیا آپ ابراہیم کو چھوڑ کر میرا پاس آئیں گی۔یقیناً سیلری پیکج بہت اچھا دوں گا۔" مسٹر ہارون نے ابراہیم کو دیکھتے جانب بوجھ کر حیات کو شرارت میں آفر کی تھی۔وہ بہت ہنس مکھ انسان تھے۔جو جلد ہی ابراہیم سے فرینک ہو گئے تھے۔

"نو تھینکیو سر میرے لیے میرے شوہر کی کمپنی ہی کافی ہے۔" مسٹر ہارون کی بات پر حیات نے سنجیدگی سے جواب دیا تھا۔جس پر ابراہیم کی کالی مسکراتی راز جیسی آنکھیں

کی چمک بڑھی تھی۔اسے حیات پر اسے ٹوٹ کر پیار آیا تھا۔

"واہ ابراہیم بچے تم نے بتایا نہیں کہ یہ ٹیلینٹڈ بچی تمہاری وائف ہے۔یو آر سو بلیسڈ اللہ تم دونوں کو ہمیشہ ایسے ہی رکھے۔ابھی تو مجھے جلدی ہے اسی لیے نکل رہا ہوں۔ لیکن امید ہے اب تم دونوں جلد ہی تفصیلی ملاقات کروں گا۔اللہ حافظ۔!" مسٹر ہارون اپنے موبائل پر آتی مس کال دیکھتے، پھر سے ملاقات کا کہتے مسکرا کر انہیں دعائیں دیتے وہاں سے نکلے تھے۔

@@@@@@@@

"بابا! بابا! بابا!" جاسم صاحب کے گھر آتے ہی چھ سالہ بچہ بھاگتے ہوئے آیا تھا۔اور آکر ان کی ٹانگوں سے چپک گیا تھا۔

"بابا کی جان میرے ابی! کیسے ہے بچہ؟" جاسم صاحب نے اس چھ سالہ بچہ کو اٹھاتے دھڑا دھڑ اس کے پھولے ہوئے گالوں پر بوسہ دیتے، اسے سینے میں بھینچا تھا۔

"گڈ بابا! بابا ابی مس یو الوٹ دیڑ ڈے (بابا ابی نے آپ کو ان دنوں بہت یاد کیا)" اس بچہ نے جاسم صاحب کی گردن میں منہ چھپائے اپنی محبت کا اظہار کیا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"بابا کے گڈے! میرے حساس ابراہیم بابا نے بھی آپ کو بہت مس کیا۔اگر اہم میٹنگ نا ہوتی تو بابا یہ پانچ دن بھی آپ سے دور نہیں جاتے۔" جاسم صاحب نے ابراہیم کے ماتھے پر بوسہ دیتے محبت سے کہا تھا۔وہ ان کی پہلی اولاد تھا جو اپنے بابا کے لیے بہت حساس تھا۔یہی وجہ تھی کہ وہ ان کے صرف پانچ دن دور رہنے کی وجہ سے ہی مرجھا جاتا تھا۔

ابراہیم نے جاسم اور عسرہ کی محبت بھری زندگی کو مکمل کر دیا تھا۔وہ لوگ اسے پا کر بہت خوش تھے۔ابراہیم کی پیدائش پر جاسم ایک بار پھر اسے لے کر اپنے باپ سے معافی مانگنے گیا تھا۔لیکن فیض صاحب جن کے دل میں اپنے پہلے پوتے کو دیکھ کر ساری بدگمانی ڈھل گئی تھی۔چاہ کر بھی جاسم کو واپس نا بلا پائے تھے۔کیونکہ وہ اپنی افشاں کی آنکھوں میں آنسوں نہیں دیکھ سکتے تھے۔اسی لیے انہوں نے جاسم کو سخت سست سنا کر واپس بھیج دیا تھا۔

پر جاسم مایوس نہیں ہوا تھا۔وہ ہر سال ابراہیم کی سالگرہ والے دن اسے فیض صاحب کے پاس ضرور بھیجتا تھا۔جو ان کے ساتھ ایک بھرپور دن گزار کر واپس آتا تھا۔

"کیسی رہی میٹنگ؟" عسرہ نے اپنی زندگی کی رونق ابراہیم اور جاسم کے نزدیک آتے

پیار سے پوچھا تھا۔جو بچھڑے پریمیوں کی طرح مل رہے تھے۔

"بہت اچھی"عسرہ بیگم کو ساتھ لگاتے جاسم نے ان کے ماتھے پر بھی بوسہ دیا تھا۔جس پر ابراہیم نے بھی ان کی نقل کرتے، عسرہ بیگم کے ماتھے پر بوسہ دیا تھا۔

ابراہیم کی حرکت پر وہ دونوں کھل کر مسکرا دیے تھے۔زندگی ان کے ارد گرد رقص کرتی محسوس ہو رہی تھی۔

"بیگم اتنے دونوں بعد میں واپس آیا ہوں تو اسی خوشی میں ہم آج ڈنر باہر کریں گے۔ چلو جلدی سے تیار ہو جاؤ اور میرے شیر کو بھی تیار کر دو۔تب تک میں فریش ہو کر آتا ہوں۔"جاسم صاحب نے جلدی سے پلین ترتیب کرتے انہیں کہا تھا۔جس پر ابراہیم تو کھل ہی اٹھا تھا۔

پھر کچھ دیر بعد وہ عسرہ بیگم اور جاسم صاحب کے ہمراہ ایک شاندار سے ہوٹل میں آیا تھا۔جہاں انہوں نے ہنستے کھلکھلاتے زندگی سے بھری ایک بھرپور شام گزاری تھی۔

"بیگم تم ابراہیم کے ساتھ جاو گاڑی میں بیٹھو میرا وائلٹ شاید ادھر ہی رہ گیا ہے۔میں وہ لے کر آتا ہوں۔"جاسم انہیں گاڑی میں بیٹھنے کا کہتے خود واپس اندر آئے تھے۔

جب کہ عسرہ بیگم پارکنگ میں کھڑی گاڑی میں بیٹھنے کی بجائے ابراہیم کے غباروں کو دیکھ کر ضد کرنے پر سڑک کے دوسری جانب آگئی تھی۔ابھی انہوں نے غبارہ ابراہیم کو لے کر دیا ہی تھا کہ پیچھے ریسٹورانٹ میں زوردار دھماکے کی آواز سنائی دی تھی۔جس پر وہاں افرا تفری مچ گئی تھی۔جبکہ عسرہ بیگم کے چہرہ کا رنگ تو جاسم کی اندر موجود پر تھم سہ گیا تھا۔

کچھ پل لگے تھے اور وہاں ایک حشر برپا ہو گیا تھا۔ایمبولینس کی آوازیں، پولیس کے لوگوں کی آوازیں،لوگوں کی چیخ وپکار نے وہاں پر قیامت خیزی کا منظر بنا دیا تھا۔ابراہیم کا رو رو کر حلق سوکھ گیا تھا۔جبکہ عسرہ بیگم کو کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا۔آنسوں ان کی آنکھوں سے تواتر بہہ رہے تھے۔وہ پاگلوں کی طرح کبھی ادھر تو کبھی ادھر دیکھ رہے تھے۔بڑی مشکل سے خود کو قابو کرتے انہوں نے اپنے والد کو فون لگایا تھا اور ٹوٹے پھوٹے لفظوں میں سارا ماجرہ سنایا تھا۔لیکن اس سے پہلے کہ وہ فون بند کرتی سامنے سٹیچر پر لاتے ایک زخمیوں سے چور شخص پر انہیں جاسم صاحب کا گمان گزرا تھا۔جس کی سانسیں بہت مدھم چل رہی تھی۔عسرہ بیگم نے خوف سے ابراہیم کو سینے میں بھینچا تھا۔

@@@@@@@@@@@

مسٹر ہارون کے جانے کے بعد ابراہیم بس حیات کو نرم گرم نظروں میں رکھے ہوئے تھے۔اس نے رمشاء کو اس کی غلطی پر ڈانٹہ تو تھا۔ لیکن حیات سے ابھی تک کچھ نہیں کہا تھا۔جو بچاری ابراہیم کی لودیتی نظروں سے گھبرائی گھبرائی سی تھی۔اس لیے اس سے نظریں چرائے پھر رہی تھی۔شام کے پانچ بج رہے تھے۔جب ابراہیم حیات کو لیے آفس سے گھر کے لیے نکلا تھا۔

"ہہ۔۔۔ہم کہاں جارہے ہیں؟"گھر کی راستوں کی بجائے گاڑی کو انجان راستوں پر دیکھ حیات ایک دم بول بیٹھی تھی۔اس کے لہجے میں واضع گھبراہٹ چھپی تھی۔جس سے ابراہیم محفوظ ہوا تھا۔

"آج جو بھی تم نے کیا جانتی ہو۔وہ کس قدر رسکی کام تھا۔اگر مسٹر ہارون برامان جاتے تو کتنا غلط ہو سکتا تھا۔تم اتنی لاپرواہ کیسے ہو سکتی ہو؟تمہاری اسی لاپرواہی کی تمھیں سزا دینے جارہا ہوں"ابراہیم نے سنجیدہ چہرے اور چمکتی آنکھوں سے مزاق کیا تھا۔

جسے سمجھے بنا حیات کا چہرہ رونے والا ہو گیا تھا۔

"آپ ااا۔۔۔ایسا کیسے کر سکتے ہیں؟آپ کو تو میرا شکریہ ادا کرنا چاہیے تھا۔کیونکہ میری وجہ سے ہی آپ کو یہ ڈیل ملی ہے۔لیکن آپ الٹا مجھے ہی ڈانٹ رہے ہیں۔بلکہ سزا دینے کی بات کر رہے ہیں۔"انتہائی صدمے کی حالت میں حیات نے کہتے ابراہیم کی جانب نم آنکھوں سے دیکھا تھا۔

حیات کی بات پر بغیر کچھ ابراہیم گاڑی ڈرائیو کرتے لاہور سے کچھ فاصلہ پر موجود اپنے فارم ہاؤس میں لے آیا تھا۔کئی کنال پر مشتمل وہ فارم ہاؤس اپنے منہ سے اپنی قیمت بتا رہا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

ابراہیم کی بات پر کرنے کے ساتھ ساتھ،حیات سارے راستہ گھبراہٹ میں انگلیاں مڑوڑتے ہو آئی تھی۔سنسان سی جگہ پر بنے اس فارم ہاوس کو دیکھ کر ایک خوف اس کے ذہن میں آیا تھا۔

"کہیں ابراہیم مجھے یہاں قتل کرنے کے لیے تو نہیں لائے۔۔۔۔نہیں یا وہ مجھے شاید یہاں چھوڑ کر خود بھاگ جائیں گے تاکہ میں خوف سے مر ہی جاؤں۔"اس خیال کے آتے ہی حیات نے نفی میں سر ہلاتے بے ساختہ کہا تھا۔

"لاحول ولا قوۃ۔۔ابراہیم میرے ایسا نہیں کر سکتے"حیات کی بات پر ابراہیم جو گاڑی

پارک کرتے باہر نکلنے لگا تھا۔ایک آئبر واُچکاتے بولا۔

"کیسا نہیں کر سکتا؟اور یہ کیا بڑبڑا رہی ہو" ابراہیم کی آواز پر حیات نے گڑبڑا کر نفی میں سر ہلایا تھا اور تیزی سے باہر نکل کر اس کے بازو کو پکڑتے کھڑی ہو گئی تھی۔

"وو۔۔۔وہ یہاں اندھیرا ہے ناتو مجھے ڈر لگے گا۔پلیز میں اپکی بازو پکڑ لوں؟" ابراہیم کی سوالیہ نظروں پر حیات نے آسمان پر چھائے اندھیرے کو دیکھتے، معصومیت سے کہا تھا۔

جس پر ابراہیم اس کا ہاتھ اپنے توانا ہاتھوں میں جکڑے اسے لیے اپنے کمرے آیا تھا۔

اس گھر کا انٹیریئر دیکھ کر حیات کے منہ سے بے ساختہ واؤ نکلا تھا۔

ابراہیم کی موجودگی کے احساس نے اس کا خوف بھلا دیا تھا۔بلکہ یہ پر سکون جگہ اسے بہت اچھی لگ رہی تھی۔اس لیے کمرے کی بالکونی میں کھڑی ہوتے، ٹھنڈی ہوا کو اپنے اندر اتارنے لگی تھی۔

اس کے چہرے پر رونق دیکھ کر ابراہیم کو بہت سکون ملا تھا۔

"حیات پہلے فریش ہو جاؤ، پھر ہم ڈنر کرنے چلیں گے۔ابھی تو ہم اگلے تین دن تک یہیں ہیں۔تو تم دل کھول کر سب انجوائے کر لینا" ابراہیم کے اپنے قریب سے ابھرتی

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

آواز پر حیات نے پٹ سے آنکھیں کھولیں تھیں۔

"تو کیا آپ مجھے قتل کرنے۔۔۔میرا مطلب ہے سزا دینے کے لیے یہاں نہیں لائے؟ میرا مطلب ہے پھر ہم یہاں کیوں آئیں ہیں۔" حیات نے بے ساختہ پوچھا تھا۔

"ہاہاہاہاہاہا او مائی گاڈ حیات تمہیں لگا میں تمہیں قتل کرنے کے لیے لایا ہوں پاگل لڑکی۔۔۔افففف تم نے سوچ بھی کیسے لیا۔" ابراہیم نے قہقہ لگاتے اس کے سر پر چت لگائی تھی۔ پھر ایک دم سنجیدہ ہوتے بولا "دیکھو حیات مانتا ہوں کہ میں اس رشتے پر راضی نہیں تھا اور کسی اور سے محبت بھی کرتا تھا۔ لیکن اس کا مطلب یہ ہر گز نہیں کہ میں اپنی بیوی جو کہ میرے پیاری سی لیٹل ڈول ہے۔ اسے قتل کرنے کے بارے میں سوچوں گا۔" ابراہیم نے اس کی غلط فہمی دور کرنی چاہی تھی۔

حیات جو اس کے گال میں نظر آتے گڑھے میں خود کو ڈوبتا محسوس کر رہی تھی۔ ابراہیم کے منہ سے اتنے عرصہ بعد ڈول کا لفظ سن کر سن ہو گئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں آہستہ آہستہ نمی جمع ہونا شروع ہو گئی تھی۔

"حیات! آئم سوری جانتا ہوں کہ میں نے پچھلے کچھ عرصے، اپنی انا کے زعم میں آکر تمہیں بہت تکلیف دی ہے۔ محظ ایک سوری تمہاری تکلیفوں کو مداوا نہیں کر سکتا۔

لیکن پھر بھی ہو سکے تو مجھے معاف کر دینا۔" نمی تو ابراہیم کی آنکھوں میں بھی چمکی تھی۔ جو حیات کی آنکھوں کی نمی صاف کرتے معافی کا طلب گار تھا۔

"جو تم نے آج میرے اور میری کمپنی لیے کیا ہے۔ اس کے بعد تم نے مجھے اپنا قرض دار بنا لیا ہے۔ تم نے سالوں سے بنے میرے خواب کو ٹوٹنے سے بچایا ہے۔ اس کے لیے شکریہ کا لفظ بہت کم ہے۔ تھینکیو سو مچ لیٹل ڈول۔۔۔ تھینکیو سو مچ۔۔۔" اسے خاموش دیکھتے ابراہیم نے گھمبیر لہجے میں کہتے، حیات کے ماتھے پر بوسہ دیا تھا۔ اور اسے گلے سے لگایا تھا۔

ابراہیم کے سینے پر سر رکھے حیات غم اور تشکر کے ملے جلے احساسات سے پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

ابراہیم نے کچھ دیر تک اسے چپ نا ہوتے دیکھا، تو آہستہ سے اس کی آنسوں کو لبوں سے چننا شروع کر دیا تھا۔ کیونکہ ان آنکھوں میں اب وہ مزید یہ آنسوں برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ ابراہیم کی حرکت پر حیات جھنپ کر پیچھے ہوئی تھی اور اپنے سرخ نم چہرہ کا رخ پھیر گئی تھی۔

"ویسے تم پوچھ رہی تھی نا کہ میں تمہیں یہاں کیوں لایا ہوں تو اس کا جواب یہ ہے کہ

میں چاہتا ہوں کہ آنے والے تین دن ہم یہاں گزاریں اور جو تکلیف میں نے تمہیں دے ہے۔اب اتنی ہی خوشیاں میں تمہیں یہاں دوں۔ان دنوں تمہاری جو بھی خواہش ہوگی وہ بغیر کچھ کہے اسے پوری کرنے کی کوشش کروں گا۔ "ابراہیم نے اپنے درمیان موجود معنی خیزی خاموشی کو ختم کرتے ہوئے کہا تھا۔

"سچ میں ابر؟"حیات نے فرحت جذبات سے تیزی سے مڑتے ابراہیم سے پوچھا تھا۔جس پر ابراہیم اس کی حرکت پر مسکراتے،اثبات میں سر ہلا گیا تھا۔

"اچھا سنیے میں ایک شرط پر یہاں رکوں گی۔اگر آپ یہ دن صرف اور صرف میرے بن کر گذاریں گی اور اپنی اس چڑیل محبت کو فون کرنا تو دور یاد بھی نہیں کریں گے۔ بولے منظورِ ہے تو میں بات مانوں گی۔"حیات نے جلدی سے یاد آتے اپنی شرط رکھی تھی۔اس کے لہجے کی جلن اور چاہے جانے کے احساس نے ابراہیم کے دل میں لطیف سہ سرور بکھیر دیا تھا۔

"اوکے جو حکم شریکِ حیات "ابراہیم فرش ہونے کے لیے ڈریسنگ روم کا رخ کرتے کہا تھا۔جب کہ حیات اس کے جانے کے بعد کئی دنوں بعد آج کھل کر مسکرائی تھی۔

@@@@@@@@@@

شام کے سات بج رہے تھے۔تیار شیار سہ کیف ہونٹوں پر مسحور کن مسکراہٹ لیے اپنی گاڑی کی طرف بڑھ رہا تھا۔ارادہ اس کا انابیہ کے پاس جانے کا تھا۔جس نے آج ہی اسے فون کر کے اطلاع دی تھی۔کہ دو دن کی کیف کی غیر حاضری پر وہ اسے بہت یاد کر رہی ہے۔انابیہ کے بات نے کیف کے دل میں خوشی کے رنگ بھر دے تھے۔سرشاری اس کے انگ انگ سے جھلک رہی تھی۔وہ انجانے میں ایک ایسی لڑکی کی محبت میں گرفتار ہو گیا تھا۔جس کو حاصل کرنا ناممکنات میں سے تھا۔

"اوئے ہوئے کہاں کی تیاری ہے سرکار؟ویسے یہ آج کل کچھ زیادہ ہی نہیں مسکرایا جا رہا۔؟؟"کیف جو گاڑی میں بیٹھنے لگا تھا۔وہ ایراج کی بات پر ٹھٹھک کر رکا تھا۔جو پاس کھڑی اپنی آنکھیں چھوٹی کیے مشکوک سی گھوری لیے اسے دیکھ رہی تھی۔اس کے انداز پر کیف ایک دم سے گڑبڑا گیا تھا۔

"بس ایک دوست سے ملنے جا رہا ہوں چھپکلی تم کیوں اتنی تفتیشی آفسر بنی ہوئی ہو۔جاو جا کر اپنا کام کرو یہ نا ہو کل پروفیسر سے جوتیاں کھانی پڑے۔"کیف نے جلدی سے خود پر قابو پاتے اسے گھرکا تھا اور دروازہ بند کرنا چاہا تھا۔

"ایک منٹ ایک منٹ کیف بھائی آپ ساری دنیا کو بے وقوف بنا سکتے ہیں۔لیکن

ایراج آفندی کو نہیں اب جلدی سے بتائیں کے یہ آنکھوں کی چمک اور ہونٹوں کی مسکراہٹ کسی دوست سے ملنے جانے کی خوشی میں بڑھ گئی ہے۔یا میری بھابھی سے؟"ایراج نے جلدی سے دروازہ پر ہاتھ رکھتے اسے بند ہونے سے روکا تھا۔

"ظاہر ہے میرا دوست لڑکا ہی ہے۔ویسے کیا تم نے مجھے دو نمبر لڑکا سمجھ رکھا ہے۔جو لڑکیوں سے ڈیٹ شیٹ مارے گا۔"ایراج کی وجہ سے اسے دیر ہو رہی تھی۔اسی لیے چڑ کر بولا تھا۔

"ہاں بالکل۔۔۔"ایراج اپنے دانت دیکھائے تھے۔جس پر کیف نے غصہ سے اسے گھورا تھا۔

"کیف بھائی۔۔۔میرے پیارے کیف بھائی دیکھیں میں آپ کی معصوم سی پیاری سی بہن کیا آپ اپنی بہن کو اس کی بھابھی کا نام نہیں بتا سکتے۔۔دیکھیں ہو سکتا ہے کہ یہ معصوم آپ کی مدد کر دے۔"ایراج نے فوراً سے لومڑی کی طرح پینترا بدلہ تھا اور معصومیت کا چوغا اوڑھا تھا۔کیونکہ اگر وہ آج اسے اگر کچھ پتہ نا چلتا تو ساری رات اس کے پیٹ میں سوچ سوچ کر گڑبڑ ہوتی رہنی تھی۔

"ہمم تم معصوم۔۔۔واہ کیا مزاق ہے۔جاو بی بی کسی اور کو بے وقوف بناو"کیف کونسا

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

اس سے پہلی بار مل رہا تھا۔اس کی رگ رگ سے واقف تھا۔

"تو پھر ٹھیک ہے میں ابھی بڑی ماما کو بتاتی ہوں کہ ان کا سپوت ان کی ناک کے نیچے چکر چلا رہا ہے۔"ایراج بھی اپنی اصلیت میں آتی دھمکا کر بولی تھی۔

جس کا سچ میں کیف پر بڑی جلدی اثر ہوا تھا۔

"اچھا رو کو بتاتا ہوں۔ لیکن تم پرومیس کرو کہ یہ بات ہم دونوں کا ٹوپ سیکرٹ رہے گی۔اگر کسی کو پتہ چلی تو میں تمہاری جان لے لوں گا اور ہاں تمہیں میرے کہنے پر میری مدد بھی کرنی ہو گی شادی میں۔"کیف نے احسان کرنے والے انداز میں اسے روکا تھا۔

اور پھر ساری بات اسے بتاتا چلا گیا تھا۔ جس پر چند لمحے تو ایراج منہ کھولے اسے دیکھتی رہی تھی۔پھر بڑے بزرگوں کی طرح اس کی پیٹھ تھپتھپا کر بولی۔

"گڈ جوب بچہ! محبت کی اس کٹھن راہ میں اپنی ماں کے ہاتھوں سے شہید ہونے کے بعد یہ ایراج آفندی تمھاری میت پر پھول ضرور چڑھائے گی۔ہاہاہا "اپنی بات سے خود ہی ایراج نے لطف لیتے قہقہ لگایا تھا۔ جس پر کیف نے اسے خفگی سے دیکھا تھا۔

"اچھا چھا ٹھیک ہے۔اب منہ سیدھا کرو اور جاؤ میری معصوم سی بھابھی تمہارا انتظار کر رہی ہونگی۔ فکر مت کرو تمہاری مدد میں ضرور کروں گی۔" کیف کے خفا ہونے پر ایراج اسے گاڑی کی طرف دھکیلتے ہامی بھری تھی۔

جس پر کیف سر جھٹکا کر مسکرا دیا تھا۔جانتا تھا کہ بچپن سے ہی ایراج اور وہ گھر میں سب سے زیادہ لڑنے والے بچے تھے۔ لیکن دوستی بھی ان دونوں میں باقیوں کی نسبت سب سے زیادہ تھی۔بہت دفعہ ایراج نے اس کی مدد بھی کی تھی اور اب بھی اسے یقین تھا کہ وہ اس کی مدد ضرور کرے گی۔

@@@@@@@@@@@@

"کیا ہوا؟فریش ہونے کیوں نہیں جا رہی؟" سکن کلر کی شرٹ اور براون پینٹ میں ملبوس فریش سہ ابراہیم کب بورڈ کے پاس کنفیوژ سی کھڑی حیات کے پاس آ کر پوچھنے لگا۔

"کیسے فریش ہوں۔؟میرا مطلب ہے کہ فریش ہونے کے لیے میرا یہاں کوئی ڈریس تو ہے نہیں" حیات کا لہجہ تشویش زدہ تھا۔

"اوہ! جلدی جلدی میں، میں اتنی اہم بات تو بھول ہی گیا تھا۔ایسا کرو تم یہ میرا یہ ڈریس پہن لو۔میں تب تک تمہارے لیے ڈریسز کا انتظام کرتا ہوں۔" ابراہیم حیات کو اپنی سفید ٹی شرٹ پینٹ پکڑاتے خود بالکونی میں کھڑے ہو کر کسی کو حیات کے کپڑوں کا بندوبست کرنے لگا تھا۔

"اُفف اتنے بڑے کپڑوں میں میں پوری کیسے آؤں گی؟" دوسری طرف حیات ابراہیم کے کپڑے کو پریشان کن نظروں سے گھورتے بڑبڑائی تھی۔جیسے یہ کپڑوں کا قصور تھا کہ وہ حیات کے سائز کے نہیں تھے۔

"چلو کچھ جگاڑ لگاتے ہیں۔کیونکہ کارٹون تو میں بالکل بھی نہیں بننے والی" حیات نے ڈریسنگ ٹیبل اور سائیڈ ٹیبل کے درازوں میں قینچی کی تلاش میں نظریں دوڑاتے خود کو تسلی دی تھی۔

پھر قینچی ملتے ہی ان کپڑوں کا آپریشن شروع کیا تھا۔پہلے شرٹ کے لمبے بازوں کو آگے سے کاٹ کر اسے معذور کیا تھا اور پھر پینٹ کے پہنچوں کو بھی نیچے سے کاٹ دیا تھا۔وہ اس کے سائز کے تو کانٹ چھانٹ کے بعد ہو گئے تھے۔لیکن موٹائی کے حساب سے کھلے بہت تھے۔ظاہر ہے ابراہیم جیسے بھرپور جسامت والے مرد کے کپڑے حیات

www.neweramagazine.com

Email: Neramag@gmail.com

جیسی نازک لڑکی کے لیے کھلے ہی ہونے تھے۔ شرٹ تو پھر بھی چل ہی سکتی تھی۔
لیکن پینٹ کا کیا کرتی جس کی ویسٹ اس کی ننھی سی کمر کے لحاظ سے بہت بڑی تھی۔۔۔

کچھ سوچنے کے بعد حیات نے اپنے بیگ میں کچھ تلاش کیا تھا۔ جہاں سے اسے دو تین سیفٹی پن مل گئے تھے۔ جو وہ اپنے حجاب کو سیٹ کرنے کے لیے رکھتی تھی۔ لیکن اب وہ اس سے کپڑوں کو سیٹ کرنے والی تھی۔ ان کے ملتے ہی حیات نے سکھ کا سانس بھرتے، کپڑوں کو اٹھاتے کو واش روم کا رروخ کیا تھا۔

"حیات تم نے میرے کپڑے شہید کر دیئے۔" ابراہیم نے صدمہ سے چور لہجے میں افسوس سے شہدا کے ٹکڑے اٹھاتے ہوئے، حیات سے پوچھا تھا۔ جو ابھی فریش ہو کر نکلی تھی۔

"جی! وہ نا مجھے بہت زیادہ بڑے اور کھلے تھے۔ اسی لیے انہیں چھوٹا کر دی۔" حیات نے انتہائی معصومیت سے لاپرواہی سے جواب دیا تھا۔ جیسے یہ کوئی اہم بات نا ہو۔

اس میں موجود کنفیڈنس ابراہیم کا ہی عطا کر دا تھا۔ کہ وہ حیات جو شادی کے بعد اپنے لب سی چکی تھی۔ تھوڑی سی محبت پر کھل اٹھی۔

حیات کی بات پر ابراہیم نے گہری سانس بھر کر نفی میں سر ہلایا تھا۔اس کی طرف دیکھا تھا جو اس کے کپڑوں میں اپنے لابنی بالوں سے الجھتے بہت کیوٹ لگ رہی تھی۔ابراہیم جاسم آفندی اس لمحے اس جادوگرنی کے کے جادو سے مسمرائز ہوا تھا اور اس کے پیچھے کھڑے ہوتے خود اس کے بال سلجھانے لگا تھا۔

"آاا۔۔۔آپ رہنے دیں۔میں خود کرلوں گی" حیات نے شرم و حیاء سے جھجھک کر گھبراہٹ سے بھرپور لہجے میں ابراہیم کو روکنا چاہا۔

"ڈرو نہیں خراب بالکل نہیں کروں گا۔ویسے تمہارے بال بہت خوبصورت ہیں۔" حیات کو کنفرٹ کرنے کے لیے ابراہیم پہلی بات شرارت میں کہتے آخر پر اس کے بالوں کی خوشبوں کو سانسوں میں اتارے گھمبیر سرگوشی کی مانندِ بولا تھا۔

ابراہیم کی قربت کے ان فسوں خیز لمحوں نے حیات کے دل کی دھڑکن بڑھادی تھی۔ ماتھے پر پسینہ چمکا تھا۔محبت کے یہ جادوئی لمحے ان کے درمیان آن ٹھہرے تھے۔

"جانتی ہو میں نے اپنی زندگی میں کبھی کسی عورت کو اتنے نزدیک نہیں دیکھا بچپن سے مجھے صرف بڑے ابا اور اسلم بابا نے مل کر پالا ہے۔پھر میرے دوست بھی بہت محدود رہے ہیں۔اور ایسے میں تم وہ پہلی عورت ہو جو میرے اتنے قریب آئی ہے۔)اور شاید

آخری بھی " (ابراہیم نے اس کے کان میں سرگوشی کرتے اسے اس کی اہمیت بتائی تھی۔

دوسری طرف حیات کا دل یہ بات سنتے ایک سرورسہ اترا تھا کہ اس کا شوہر اس سے پہلے کبھی کسی دوسری عورت تو کیا اپنی محبت کے قریب بھی نہیں گیا۔

"سر! ڈنر تیار ہے۔"ان کے درمیان بنے اس تلسماتی لمحوں کو دروازے کے دوسری طرف سے آتی ملازمہ کی آواز نے توڑا تھا۔ جس پر ابراہیم حیات کے بال جوڑے میں قید کرنے کے بعد اس کا ہاتھ پکڑتے باہر کی جانب چل دیا تھا۔

@@@@@@@

"فیض صاحب جب آپ کا بیٹا زندہ تھا۔تب تو آپ نے پلٹ کر نہیں پوچھا کہ اس کا اور اس کے بیوی بچوں کا کیا حال ہے۔اور اب جب وہ دنیا سے رخصت ہو گیا ہے تو اب آپ کو اس کے بیوی بچوں کا خیال آرہا ہے اور انہیں اپنے ساتھ اپنے گھر لے کر جانا چاہتے ہیں۔

لیکن کان کھول کر سن لے آپ کہ ابھی فاروق لغاری کی بازوں میں اتنا دم خم ہے کہ وہ

اپنی بچی کی حفاظت کر سکے اور ویسے بھی وہ ابھی صرف تیس سال کی ہے۔ساری زندگی پڑی ہے اس کے سامنے میں اسے کبھی بھی آپ کے بیٹے کی بیوہ کے طور پر زندگی گزارنے کی غلطی نہیں کرنے دوں گا۔اس لیے اب آپ جا سکتے ہیں۔"عسرہ کے والد اپنے سامنے بیٹھے فیض صاحب کی بات پر بھڑک کر بولے تھے۔

جو جاسم کے سوئم پر عسرہ اور ابراہیم کو گھر لیجانے کے لیے ائے تھے۔

آج سے تین دن پہلے جب جاسم کے زخموں سے چور وجود کو جب ہاسپٹل لایا گیا تھا۔ تب اپنی آخری سانسوں میں اس نے فیض صاحب سے معافی مانگی تھی اور ان سے التجاء تھا کہ ان کے جانے کے بعد اس کے بیوی بچے کو کبھی تنہا نا چھوڑیے گا۔ابراہیم کو ہمیشہ اس کے اصل سے جوڑے رکھے گیں۔

وعدہ لیتے ہی جسم کا سانسوں سے ناتا ٹوٹا تھا اور جاسم آفندی اس مکر و فریب سے بھری زندگی سے آزاد ہو گئے تھے۔عسرہ پر تو صدمہ سے ایسی خاموشی طاری ہو چکی تھی۔کہ اسے اپنے ارد گرد کا ہوش بھی بھول چکا تھا۔یوں لگتا تھا کہ شاید جاسم کے بعد اب وہ خود بھی دنیا سے جانا چاہتی ہوں۔یہاں تک کہ انہیں ابراہیم کا بھی ہوش بھول گیا تھا۔

جو باپ کی جدائی میں بخار میں پھنک رہا تھا۔پچھلے تین دنوں سے اسے عسرہ کی والدہ

سنبھال رہی تھی۔ لیکن وہ بچہ تھا جس کا محبوب باپ اس سے چھن گیا تھا اور ماں بھی اسے بھول بیٹھی تھی۔ اس لیے وہ کسی سے سنبھلنے میں بھی نہیں آ رہا تھا۔

ان سب حالات میں اب فیض صاحب ایک نیا مطالبہ لے کر وہاں آ گئے تھے۔ جب پر عسرہ کے والد آپے سے باہر ہو گئے تھے۔

"مانتا ہوں کہ ان سب میں میری بھی غلطی ہے۔ لیکن میں اب اپنی کا ازالہ کرنا چاہتا ہوں۔ اس لیے اپنی بہو اور بیٹے کو میں واپس لے کر ہی جاوں گا۔ اگر آپ اسے بیوہ بنا کر نہیں بھیجنا چاہتے تو آپ اسے میرے بیٹے نعمان کی بیوی بنا کر بھیج دیجئے۔ یقیناً آپ کو کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

اور یہ مت سوچیے گا کہ نعمان کی پہلی بیوی میری بھتیجی ہے تو وہ عسرہ کے ساتھ برا سلوک کرے گا۔ میں اس بات کا یقین دلاتا ہوں کہ وہ وہاں خوش رہے گی۔ ویسے بھی آپ نے بھی تو اب اس کا رشتہ کسی نا کسی سے کرنا ہے تو عدت پوری ہوتے نعمان سے کر دیجئے گا۔" اپنے مرحوم بیٹے کی آخری خواہش کو پورا کرنے کے لیے فیض صاحب جو کسی بھی حد کو جانے کے لیے تیار تھے، انہوں نے نعمان کی پیش کش کی تھی۔

ان کی بات پر جہاں نعمان کے چہرے کا رنگ حیرت اور صدمہ سے فق ہوا تھا۔ وہی

فاروق صاحب کے چہرے کا رنگ سرخ ہوا تھا۔ماحول میں تناؤ بڑھ گیا تھا۔

لیکن اندر اپنے حواسوں سے بیگانہ عسرہ کو یہ معلوم ہی نا سکا تھا کہ وہ جس کی جدائی میں جوگن بنی بیٹھی ہے، باہر موجود لوگ آج اس کی وفات کے تین دن بعد ہی اس کی زندگی کا فیصلہ کرنے میں لگے ہیں۔

"بس بہت ہوا فیض صاحب میں نے آپ کو یہاں آنے دیا تو اس کا یہ مطلب نہیں کے کچھ بھی بولے جائیں۔ایک بات کان کھول کر سن لیں۔میں دو بچوں کے باپ سے کبھی بھی اپنی بیٹی کی شادی نہیں کرواؤں گا۔اس لیے اب عزت سے یہاں سے خود ہی نکل جائیں۔" فاروق صاحب نے دبے دبے الفاظ میں انہیں یہاں سے نکل جانے کے لیے کہا تھا۔جس پر فیض صاحب نے لب بھینچے تھے۔

"ٹھیک ابھی تو میں جا رہا ہوں لیکن یاد رکھنا عدت ہوتے ہی میں اپنی بہو اور اپنے پوتے کو لینے ضرور آؤں گا۔تب تک اپ کے پاس سوچنے کا وقت ہے اور ہاں آپ کہہ رہے تھے نا کہ آپ اپنی بیٹی کی شادی کسی دو بچوں کے باپ سے نہیں کروائیں گے تو پھر ٹھیک ہے اپ بھی کسی اپنے کی تلاش میں نظر دوڑا لیں جو آپ کی ایک بیٹی جو ایک بیٹے کی ماں اور میرے بیٹے کی بیوہ ہے اس سے شادی کرنے کو تیار ہو۔لیکن اس سے

پہلے یاد کر لیجئے گا کہ بیوہ سے ہمارے معاشرے میں کوئی چالیس پچاس سالہ مرد جس کو اپنے بچوں کے لیے ماں کی ضرورت ہو یا طلاق یافتہ کسی برائی میں مبتلا شخص جس کی بیوی چھوڑ کر چلی گئی ہو وہ تو کر سکتا ہے۔ لیکن کنوارا نہیں کر سکتا۔

پر ان سب میں یہ یاد رکھیے گا کہ عدت کے ختم ہوتے ہی اگلے دن میں ان کو یہاں سے لے جا کر رہوں گا۔" فیض صاحب نے فاروق صاحب کو تلخ حقیقت کا چہرہ دیکھا تھا اور نعمان کے ساتھ وہاں سے رخصت ہوتے چلے گئے تھے۔

اور فاروق صاحب کو جو پہلے ہی اپنی اکلوتی لاڈلی بیٹی کی اجڑی حالت پر ڈھے سے گئے تھے۔اس بات پر ان کے کندھے مانو بوجھ کے احساس سے زمین سے جا لگے تھے۔ انہیں آج سمجھ آیا تھا کہ لوگ بیٹیوں کے پیدا ہونے پر اس لیے نہیں روتے کہ ان کی نسل نہیں بڑھی بلکہ وہ تو اس بات سے ڈر جاتے ہیں کہ نجانے ان کی پری کیسی قسمت لے کر آئی ہے

پھر آخر کار عدت کے یہ ماہ بھی پر لگا کر اڑ گئے تھے۔ جس میں فاروق صاحب اور ان کی اہلیہ نے مل کر اپنی بیٹی کو دنیا کے سرد اور گرم برداشت کرنے کے لیے حوصلہ دیا تھا۔

عسرہ جو جاسم کی جدائی میں سوکھ کر کانٹا ہو گئی تھی، نے ان گزرے مہینوں میں ہوش

میں آتے ہی خود کو اپنے بیٹے کے نام کر دیا تھا۔جو جاسم کے بعد سب سے زیادہ متاثر ہوا تھا۔

عدت کے ان آخری دنوں میں فاروق صاحب پریشان رہنے لگے تھے۔کیونکہ واقعی میں انہیں لاکھ کوششوں کے بعد بھی کوئی ایسا بھروسہ مند لڑکا نہیں ملا تھا۔جو ان کی بیٹی کا ہاتھ تھام سکے۔

@@@@@@@

"السلام علیکم انابیہ!"کیف جو ابھی کچھ دیر پہلے انابیہ کے گھر آیا تھا۔ایک طرف روٹھی بیٹھی انابیہ کے پاس جاتے،اپنی متوقع بننے والی درگت کے متعلق سوچتے مسکراہٹ دبا کر بولا تھا۔

"وعلیکم السلام!"انابیہ نے منہ بسور کر جواب دیتے،اپنا چہرہ پھر سے دوسری جانب کیا تھا۔

"ٹیڈی لگتا ہے کوئی اپنے سپر مین سے ناراض ہے۔پلیز یار اس سے سفارش کر دو کہ اس کا سپر مین ایک چڑیل کی وجہ سے لیٹ ہو گیا۔ورنہ تم تو جانتے ہو وہ ہمیشہ ٹائم پر ہی

ہوتا ہے۔اسے لیے اسے کہو آخری بار معاف کر دے۔" کیف نے انابیہ کے کلین پر پڑے بڑے سے ٹیڈی بیئر سے مخاطب ہوتے،انابیہ کے خفا خفا چہرے پر محبت بھری نظر ڈالی تھی۔اس سب کا مقصد صرف انابیہ کو بولنے پر اکسانا تھا۔

"ادھر دیں نابی کے ٹیڈی کو، یہ آپ جیسے سپر مین سے بات نہیں کرتا جو نابی سے پہلے تو ملنے نہیں آتے اور جب وہ منتیں کروا کروا کر بلاتی ہے تب بھی بہت لیٹ آتے ہیں۔۔۔۔"انابیہ نے ٹیڈی کو اس سے چھینتے اپنے سینے سے لگاتے ہوئے کہا تھا۔ آنسوؤں کی آمیزش سے بھری آواز میں کہا تھا،وہ سخت ناراض دیکھائی دے رہی تھی۔

"انابیہ دیکھو سپر مین نے بتایا نا کہ انہیں ایک کام تھا اسی وجہ سے وہ نہیں آسکا۔پر اگر تم کہتی ہو تو میں معافی مانگ لیتا ہوں۔لیکن پلیز ناراضگی ختم کر دو۔" کیف نے اس کی مسلسل ناراضگی سے بے چین ہوتے کہا تھا۔سامنے موجود وہ معصوم اور دنیا سے غافل لڑکی اس کی سانسوں کی ضرورت بنتی جا رہی تھی۔جس کا ایسا رویہ اسے تکلیف دے رہا تھا۔

"نہیں نابی آپ کو معاف نہیں کریں گی کیونکہ آپ کو اس کی کوئی پرواہ نہیں۔جانتے ہیں نابی نے آپ کا بہت انتظار کیا تھا۔نابی کا دل کر رہا تھا کہ وہ اڑ کر آپ کے پاس

آجائے۔ کیونکہ وہ اپنے بیسٹ فرینڈ کو بہت مس کر رہی تھی۔

پر آپ بھی کبھی سب کی طرح نابی کو چھوڑ کر چلے گئے تو نابی اکیلی ہو گی تھی۔ اس لیے بہت روئی بھی تھی۔ لیکن آپ نہیں آئے اس لیے اب نابی سے کبھی بات نہیں کرے گی۔" وہ نادان بھولی بھالی لڑکی انجانے میں اپنی محبت کو کیف پر کھول رہی تھی۔

جو اس کی آنسوں سے تر رخسار دیکھتے تڑپ ہی تو اٹھا تھا۔ اس نے کب چاہا کہ وہ لڑکی کبھی اس کی وجہ سے تکلیف میں ہو۔

"انابیہ! اپنے سپر مین کی نابی یار یہ لوں کان پکڑ رہا ہوں لیکن پلیز رونا نہیں پکا آئیندہ ایسا نہیں کروں گا۔ اور ٹائم پر ہی آؤں گا۔" اس انا زادے نے اپنی دیوانی کے سامنے کان پکڑے تھے۔ جس نے کبھی کسی لڑکی کو سیدھے منہ مخاطب نہیں کیا تھا۔ وہ یہاں آکر ہار گیا تھا۔

عشق نے نکما کر دیا غائب

ورنہ آدمی ہم بھی کام کے تھے۔

"ہاہاہا سپر مین آپ ایسے بہت کیوٹ لگ رہے ہیں۔ نابی نے آپ کو معاف کیا سپر مین

لیکن آپ پلیز اب کبھی ایسے مت کیجئے گا۔"انابیہ نے اپنے آنسوں صاف کرتے، ٹیڈی کو پھینک کر اس کے سینے پر سر رکھا تھا۔ جس پر کیف نے شکر کرتے گہری سانسیں تھی۔اور اسے دوسری باتوں میں لگاتے احتیاط سے خود سے دور ہٹایا تھا۔وہ اس لڑکی کو اپنی عزت بنانا چاہتا تھا۔اس لیے اس کی ذات پر کوئی حرف نہیں آنے دے سکتا تھا۔

یہ منظر دیکھتی دروازے کے باہر کھڑی مسز کامران نم آنکھوں سے مسکرائی تھی۔ان کے دل سے خواہش نکلی تھی کہ کاش کہ یہ خوبصورت شخص ان کی بھولی بیٹی کی زندگی میں لکھ دیا جائے جو اس کو سمیٹ لے گا۔جو اسے دنیا کی سرد کو گرم سے بچا لے گا۔اور پھر ماں کے دل سے نکلی دعا تو عرش تک رسائی رکھتی ہے۔تو یہ کیسے ممکن تھا کہ مسسز کامران کی دعا لوٹا دی جاتی۔

@@@@@@@@@

چاندنی رات، تاروں بھرا آسمان، ٹھنڈی ہوا اور ہر طرف چھایا سکون ہی سکون روح کو اندر تک پر سکون کر رہا تھا۔اس رومانوی ماحول میں ٹیرس کے بیچو بیچ لگے خوبصورت سے ٹیبل پر کھانے کا انتظام کیا گیا تھا۔جب کہ ٹیبل پر موبتیوں اور کیک کے علاوہ ایک دلفریب گلاب کے پھولوں کا گلدستہ پڑا تھا۔ جس کے بیچ ایک سوری کا کارڈ رکھا گیا تھا۔

وہ سب اتنا دلفریب تھا کہ ابراہیم کے پیچھے وہاں داخل ہوتی حیات چند لمحے کے لیے مبہوت سی ہوگئی تھی۔

اسے نجانے کیوں یہ سب ایک خوبصورت خواب کا حصہ لگ رہا تھا۔جو آنکھ کھولتے ٹوٹ جانے والا تھا۔ظاہر سی بات ہے کہ اچانک سے ایسا کچھ ہو جائے گا،اس نے ایسا کب سوچا تھا۔

"کیسا لگا؟"اس کی طرف مڑتے ابراہیم نے دبے دبے اشتیاق سے جاننا چاہا تھا۔

"ابراہیم پلیز مجھے چٹکی کاٹیے نا!!"ابراہیم کے سوال کے جواب میں حیات نے اپنی بازو آگے کرتے بودہ سی فرمائش کی تھی۔جس پر ابراہیم حیران ہوا تھا۔لیکن پھر اس کی بے یقینی کو دیکھتے ہکا سہ قہقہ لگاتے جھکا تھا اور حیات کی بے یقینی سے کھلی آنکھوں کو اپنا لمس بخشتے پیچھے ہو کر بولا

"اب آیا یقین؟"ابراہیم نے مسکراہٹ دباتے حیات کے کندھاری انار بنتے چہرے کو دیکھتے آئیبرو آچکا کر پوچھا تھا۔زندگی اسے لمحے حیات کے سنگ اسے حسین ترین لگی تھی۔

"ہم بہت۔۔۔ لیکن ڈر ہے کہ کہی آنکھ کھولتے ختم نا ہو جائے" حیات نے کھوئے کھوئے لہجے میں خدشہ بیان کیا تھا۔ جس پر ابراہیم گہرے سانس بھرتے اسے اپنے ساتھ لگاتے ٹیبل تک لایا تھا۔ جہاں پر ایک کیک رکھا گیا تھا۔ جس پر سوری مسسز ابراہیم لکھا تھا

"انا شاءاللہ ! یہ خواب کبھی ختم نہیں ہو گا۔ اس لیے اب جلدی سے اس کیک کو کٹ کرو۔ لیکن اس سے پہلے وہ ساری ساری خواہشات جو تم چاہتی ہو پوری ہوں۔ اس پیج پر لکھ دو۔" ابراہیم نے اسے پینسل اور نوٹ پیڈ پکڑاتے ہوئے کہا تھا۔

جس پر حیات نے کچھ سوچنے کے بعد اپنی تمام خواہشات پیج پر لکھ دی تھی۔ اور پھر مسکرا کر ابراہیم کو دیکھتے کیک کٹ کیا تھا۔ اس کے بعد پھولوں کا گلدستہ پکڑتے ابراہیم نے ایک گھٹنے کے بل جھکتے حیات کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا تھا۔

"مسسز ابراہیم جاسم افندی کی معافی کو قابو کرتے، اسے اپنے ساتھ ڈانس کرنے کا شرف بخشیں گی؟" ابراہیم کی خواہش پر حیات نے مسکرا کر سر اثبات میں ہلایا تھا۔

If tomorrow is judgment day

And I'm standing on the front line

And the Lord asks me what I did with my life

I will say I spent it with you

If I wake up in World War III

I see destruction and poverty

And I feel like I want to go home

It's okay if you're coming with me

'Cause your love is my love

And my love is your love

It would take an eternity to break us

And the chains of Amistad couldn't hold us

'Cause your love is my love

And my love is your love

It would take an eternity to break us

And the chains of Amistad couldn't hold us

If I lose my fame and fortune (really don't matter)

And I'm homeless on the street (on the street Lord)

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

And I'm sleeping in Grand Central Station (okay)

It's okay if you're sleeping with me

As the years they pass us by (the years, the years, the years, the years, the years)

We stay young through each other's eyes (each

other's eyes)

And no matter how old we get

It's okay as long as I got you baby

'Cause your love is my love

And my love is your love

It would take an eternity to break us

And the chains of Amistad couldn't hold us

'Cause your love is my love

And my love is your love

It would take an eternity to break us

And the chains of Amistad couldn't hold us

If I should die this very day (very very very

day)

Don't cry (don't cry), 'cause on Earth we weren't meant to stay

And no matter what the people say (really don't matter)

I'll be waiting for you after the judgment day

چاندی رات میں ایک خوبصورت ہم سفر کے ہاتھوں میں ہاتھ لیے،حیات کا دل ابراہیم کے اس دلکش روپ میں ڈوبتے سر گوشی میں گنگنا رہا تھا۔ہر چیز اس جادوئی ماحول میں چار چاند لگا رہی تھی۔ گویا لگ رہا تھا کہ ہر چیز بس ان کے ان لمحات کو امر کرنے میں اپنا کردار ادا کر رہی ہو۔

دوسری طرف ابراہیم نے ایک ہاتھ سے حیات کو خود سے تھوڑا دور کرتے، گھما کر یک دم اپنے حصار میں کھینچا تھا اور اس کے الٹے ہاتھ کی تیسری انگلی میں ڈائمنڈ کی رنگ پہنائی تھی۔ جس پر حیات نے چونک کر حیرت سے پوچھا تھا۔

"یہ؟ "

"یہ میری پیاری سی دوست+بیوی کے لیے ایک چھوٹا سہ تحفہ "ابراہیم نے اپنے حصار میں کھڑی حیات کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے، گھمبیر لہجے میں کہتے جھک کر ان ہیزل براون آنکھوں پر بوسہ دیا تھا۔

"لیکن اس کی کیا ضرورت تھی۔۔۔"حیات نے جھنپ کر سرخ چہرے جھکاتے منمناتے ہوئے کہا تھا کیونکہ اس لمحے اسے ابراہیم سے آنکھیں ملانا دنیا کا مشکل ترین کام لگ رہا تھا۔وہ عجیب سی کیفیت کا شکار تھا مطلب اسے یہ گفٹ اچھا بھی لگ رہا تھا اور ایک جھجھک بھی آڑے آرہی تھی، شاید اس نے کبھی ایسا سوچا نہیں تھا۔

"ضرورت تھی یا نہیں یہ تو نہیں پتہ بس اتنا پتہ ہے کہ اس ہیرے کو دیکھتے میرے دل نے سرگوشی کی تھی کہ اگر یہ حیات مراد کی مخروطی انگلیوں میں سج جائے تو اس کی قیمت بڑھ جائے گی۔اس لیے یہ آج یہاں موجود ہے۔ "گھمبیر لہجے اسے مان اور عزت بخشتے ابراہیم نے اس کے دل کی دھڑکنوں کو بے ترتیب کیا تھا۔

ابراہیم کو حیات کی دھڑکنوں یہ رقص بہت بھایا تھا۔تو دوسری طرف حیات نے خود کو سنبھالتے پی ھے ہو کر مسکرا کر شکریہ ادا کیا تھا۔

حیات کے پیچھے ہوتے ہی ابراہیم نے بھی اپنے سر میں ہاتھ پھیرتے جیسے خود کو اس سحر سے ازاد کیا تھا۔اور حیات کے ساتھ خوشگوار ماحول میں کھانا کھایا تھا۔ کھانے کے دوران حیات کی خواہشات والی وہ چٹ ابراہیم نے چپکے سے اپنی پاکٹ میں ڈال لی تھی۔ کیونکہ اب وہ اسے پورا ضرور کرنا چاہتا تھا۔

@@@@@@@@@@@@

حیات کی زندگی ابراہیم کے سنگ مہکنے لگی تھی۔ابراہیم نے حیات کی زندگی کے گزرتے ہر پل کو خوبصورت بنادیا تھا۔ابراہیم کی کئیر اور محبت بھرے انداز سے وہ خود کو کسی ونڈرلینڈ کی شہزادی سمجھنے لگی تھی۔ جس کا شہزادہ اس کی صبح سے لے کر شام تک کے ہر لمحے کو یادگار بنادیتا تھا۔ صبح جب وہ آنکھ کھولتی تو گلابوں کا بکے اس کے پاس رکھا ہوتا، جس پر لگے کارڈ پر لکھا ہوتا۔

"صبح بخیر ابر کی ڈول" یہ الفاظ پڑھ کر حیات کا دل الگ ہی لے پر دھڑکنے لگتا تھا۔

ابراہیم خود اپنی سے مرضی اس کے لیے ڈریس پسند کرتا تھا۔

ہر ایک گھنٹے بعد ابراہیم حیات کو کوئی ناکوئی گفٹ دیتا تھا۔ٹیڈی بیئر، گھڑی، پرفیوم، آئیر رنگ اور نجانے کیا کچھ ایسا تھا جو وہ حیات کو وقتاً فوقتاً دے رہا تھا۔حیات کو لگ رہا

تھا کہ اس کی تمام خواہشات بن کہے پوری ہو رہی تھی۔

ابراہیم نے فارم ہاؤس کے تمام ملازمین کو شاید چھٹی دے رکھی تھی یا انہیں حیات کے ہوتے رہائشی حصہ میں آنے کی اجازت نہیں دی تھی۔یہی وجہ تھی کہ ابھی تک حیات نے صرف ایک ملازمہ کے علاوہ کسی کو نہیں دیکھا، لیکن وہ بھی اس وقت شاید اپنے کوارٹر میں تھی۔

حیات کو شدید بھوک لگ رہی تھی۔اوپر سے کیچن سے کک بھی غائب تھا۔جس سے کہہ کر وہ کچھ بنوالیتی۔ابراہیم بھی اس وقت راحیل سے فون پر بات کر رہا تھا۔ایسے میں بوریت اور بھوک نے حیات کو جھنجھلا دیا تھا۔چند پل ادھر اُدھر کیچن کے کیبنٹ میں جھانکنے کے بعد، یک دم سے اس کے دل میں خواہش ابھری کہ کیوں ناں آج وہ ابراہیم کے لیے کچھ اچھا سہ بنائے۔

"لیکن میں ان کے لیے بناؤں گی کیا؟؟ مجھے تو کوکیز کے علاوہ کچھ آتا ہی نہیں ہے۔ نہیں نہیں آج تو میں ضرور کچھ ناں کچھ بنا کر ہی رہوں گی۔ سوچ حیات سوچ کچھ تو ہو گا جو تمہیں بنانا آتا ہو۔" خود سے بڑبڑاتے حیات نے اپنی انگلی اپنی گال پر بجاتے سنجیدگی سے سوچا تھا۔ایسے جیسے نیا پاکستان بنانے کے بارے میں سوچ رہی ہو۔

"کیا ہوا کیا سوچ رہی ہو؟ بھوک لگی ہے تو رکو میں باہر سے کسی ملازمہ کو بلا دیتا ہوں۔ وہ تمہارے لیے لنچ تیار کر دیں گی۔" ابراہیم جو اسے ڈھونڈتا ہوا یہاں آیا تھا۔ اسے کیچن کے درمیان سوچ میں گم دیکھ کر بولا۔

"نہیں میں نے آج ملازمہ کے ہاتھ کا کھانا نہیں کھانا۔۔۔۔ بلکہ میں آج ہم دونوں کے لیے خود لنچ تیار کرنا چاہتی ہوں۔ پر وہ مجھے۔۔۔۔" ابراہیم کی جانب رخ کرتے، حیات جواب دیتی دیتی جھجھکی تھی۔

"پر کیا تمہیں؟" براون رنگے کی شرٹ اور بلیک ٹراؤزر میں ماتھے پر اپنے بال بکھیرے وہ خوبرو شخص فکر سے حیات کی طرف متوجہ ہوتا، اپنی توجہ سے اس کا دل دھڑکا گیا تھا۔

حیات نے بے اختیار سوچا تھا کہ آخر وہ شخص اتنا پیار کیوں تھا؟ یا شاید وہ صرف حیات کے لیے ہی سراپا محبت تھا۔

"لیکن مجھے۔۔۔ کچھ بنانا نہیں اتا۔" حیات نے مجرموں کی طرح کہتے آخر میں شرمندگی سے سر جھکا یا تھا۔

ابراہیم کو اس کے انداز پر ٹوٹ کر پیار آیا تھا۔

"تو کوئی بات نہیں،، مجھے تو آتا ہے نا آج میں اپنی ڈول کے لیے خود سے کھانا بناؤں گا۔ تم بس ادھر بیٹھ کر مجھے بتاو کہ تمہیں کیا کھانا ہے۔" ابراہیم کے کندھوں تک آتی حیات، جو اس کے سامنے چھوٹی سی بچی لگتی تھی،اس کو کمر سے پکڑتے ابراہیم نے اچانک سے کاؤنٹر پر بیٹھایا تھا۔ یہ سب اتنا اچانک تھا کہ حیات ڈر کر چیخ کر بولی۔

"آ۔۔۔۔ابراہیم یہ کککک۔۔۔۔ کیا کر رہے ہیں۔" حیات کی گھبرائی آواز پر ابراہیم نے حیات کے پاس جھکتے اس کی آنکھوں پر پھونک مارتے ہوئے دلکشی سے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اپنی چھوٹی سی پھوہڑ۔۔۔۔ میرا مطلب ہے معصوم بیوی کے لیے کھانا بنا رہا ہوں۔ تمہیں کوئی مسئلہ ہے۔" ابراہیم کے لہجے میں موجود شرارت کو محسوس کیے بغیر حیات، جو ابراہیم کی حرکت پر سرخ ہو رہی تھی، پھوہڑ لفظ پر تڑپ ہی تو گئی تھی۔

"آپ مجھے پھوہڑ نہیں کہہ سکتے ابراہیم! وہ تو میں نے کبھی کوکنگ ٹرائے نہیں کی اس لیے آتی نہیں۔ لیکن آج تو میں کھانا بنا کر ہی دم لوں گی۔اور آپ مجھے گائیڈ کریں گے۔" حیات نے جمپ لگا کر نیچے اترتے ہوئے،چیلنجنگ انداز میں کہا تھا۔

"واقع ایسا ہے؟؟ چلو ٹھیک ہے۔ لیکن یہ نا ہو کہ تم کھانا بنانے کی بجائے مزید کام بڑھا دو۔" ابراہیم میں تو آج ایراج کی روح آئی معلوم ہو رہی تھی۔ اسی لیے اسے مسلسل تنگ کر رہا تھا۔

"بس بس اوور کنفیڈنس نا ہو۔ میری مدد کریں اور یہ بتائیں کہ اسپیگیٹی کو بنانے میں کیا کیا استعمال ہوتا ہے" حیات نے ایپرن پہنتے ہوئے ابراہیم سے پوچھا تھا۔ جس نے اپنی بیوی کی بات پر ہنسی دبائی تھی۔

"ہم ٹھیک ہے شیف حیات! جی تو اسپیگٹیی کے اجزاء ہیں

NEW ERA MAGAZINE .COM
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

پاستہ، چکن، بند گوبھی، شملہ مرچ، گاجر، ہری مرچ، نمک، کالی مرچ چائنیز نمک، سویا سوس، چلی ساس، سرکہ، انڈے، کیچپ اور تیل۔۔۔۔ بس یہی ہیں۔" ابراہیم نے ایک ہی سانس میں حیات کو پڑھ کر بتائے تھے۔ جس پر بچاری کا منہ کھل گیا تھا۔

"کیا اتنی ساری چیزیں استعمال ہوتی ہیں اسپیگٹیی میں؟؟" حیات نے معصومیت سے حیرت کا اظہار کرتے پوچھا تھا۔ جس پر ابراہیم کا دل پیٹ پکڑ کر ہنسنے کو کر رہا تھا۔

"تم رہنے دو حیات میں پہلے ہی کہہ رہا ہوں کہ تم سے نہیں ہو گا۔ ادھر ہٹو میں بنا دیتا

ہوں۔"ابراہیم نے اب کے نرمی اپناتے اسے ہٹانا چاہا تھا۔ کیونکہ جانتا تھا کہ اس سے نہیں ہوگا۔

"نہیں میں نے کہہ دیا ہے کہ میں بناوگی تو بس میں ہی بناوگی۔ آپ ایک کام کریں مجھے یہ سب کچھ نکال کر دیں۔" حیات نے ضد کرتے ہوئے کہا تھا۔

جس پر ابراہیم بھی گہری سانس بھرتے، سامان کو کاؤنٹر پر پڑی ٹوکری میں جمع کرنا شروع کیا تھا۔

"اچھا اب اور کیا کرنا ہے۔" حیات تو بس پوچھے ہی جارہی تھی۔ ابھی کر کروا کچھ نہیں رہی تھی۔

"پہلے تو ایک پتیلی میں پانی، نمک اور ایک کھانے کا چمچ ڈال کر گرم کرنا ہے۔ جب وہ گرم ہو جائے تو اس میں پاستہ ڈالنا ہے اور ساتھ میں دوسری پتیلی میں چکن کو ابالنا ہے۔" ابراہیم نے کیبنٹ سے برتن نکالتے ہوئے کہا تھا۔ جس پر حیات نے سمجھتے ہوئے زور شور سے سر ہلایا تھا۔

"اچھا سنو! اب تم یہ چکن دھو کر اس پتیلی میں ڈال کر چولہے پر رکھو تب تک میں پاستہ

دوسرے چولہے پر رکھتا ہوں۔" ابراہیم کی بات پر حیات نے سر ہلاتے فوراً تکمیل کی تھی۔

اس کام کے بعد اب گاجر، بند گوبھی، شملہ مرچ اور ہری مرچ کو کاٹنے کی تھی۔

ابراہیم کو ڈر تھا کہ کہیں حیات کو چوٹ نا لگ جائے اس لیے اسے پاس پڑی چیئر پر زبردستی بیٹھاتے بولا۔

"اب تم یہاں بیٹھو میں تب تک یہ کاٹ لیتا ہوں۔" ابراہیم کے لہجے میں اس کے لیے فکر ہی فکر تھی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"نہیں میں بھی آپ کے ساتھ یہ سب کٹنگ کراؤں گی۔ نہیں تو بعد آپ کہیں گے کہ سارا کام تو میں نے کیا ہے۔ تم نے کیا کیا ہے حیات؟" حیات نے واپس سے چیئر سے کھڑے ہوتے بچکانہ انداز میں کہا تھا۔ جس پر ابراہیم ہنس دیا تھا۔

"نہیں حیات بالکل نہیں تم یہ نہیں کرو گی۔ کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ کہیں تمہیں چوٹ نا لگ جائے اس لیے چپ کر کے بیٹھ جاو۔" ابراہیم نے تھوڑا سہ سخت لہجہ اپنایا تھا تاکہ حیات پیچھے ہٹ جائے۔ وہ حیات کو تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا تھا۔

"آپ مجھے پھر سے ڈانٹ رہے ہیں۔" حیات نے فوراً سے آنکھیں نم کی تھیں۔ جس پر ابراہیم تڑپ ہی تو گیا تھا۔

"اچھا اچھا ٹھیک ہے نہیں ڈانٹ رہا ڈول پلیز یار۔۔۔اچھا تمہیں کاٹنا ہی ہے تو تم ادھر آؤ" ابراہیم نے اسے چپ کرواتے اپنے آگے اس طرح کھڑا کیا تھا۔ کہ وہ بالکل ابراہیم کے حصار میں آگئی تھی۔

"اچھا اب یہ نائف پکڑو۔۔" حیات کے ہاتھ میں چھری پکڑاتے ابراہیم نے اپنا ہاتھ اس پر رکھا تھا۔ پھر۔بہت احتیاط سے اس نے گاجر کے ٹکرے کرنے شروع کیے تھے۔اس کا سارا دھیان گاجر کاٹنے پر تھا۔

جبکہ حیات تو اس وقت ابراہیم کی گرم سانسیں اپنے کان کی لو پر محسوس کرتی سانس روکے کھڑی تھی۔ چہرہ اس کی قربت میں تپ چکا تھا۔ماتھے پر شبنم کے قطرے نمودار ہو رہے تھے۔ جب جب ابراہیم انجانے میں ہی اس کے پاس آتا تھا بچاری کا حال اسی طرح برا ہونے لگتا تھا۔اب بھی اسے لگ رہا تھا کہ اگر ابھی وہ ابراہیم کے سہارے نا کھڑی ہوتی تو اتنی قربت پر شرم سے ڈھے ہی جاتی۔

"گڈ! بہت اچھا کیا تم۔۔۔اب تم بیٹھو میں باقی کام خود کر لوں گا۔" ابراہیم نے گاجر

کاٹنے کے بعد حیات کو بیٹھنے کے لیے کہا تھا۔اور خود پاستہ چیک کرنے لگا تھا۔جو تقریباً نرم ہو چکی تھی۔

اس کے ہٹتے ہی حیات نے گہری سانس بھری تھی۔ایسے جیسے ارد گرد موجود ساری آکسیجن کو ایک ہی بار اندر لے جائے گی۔پھر جوش سے بندھ گو بھی پکڑے اس پر اپنا ہنر آزمانے لگی تھی۔لیکن پہلے ہی وار پر وہ اپنی انگلی کٹوا بیٹھی تھی۔

"آاااا۔۔۔۔"ابراہیم جس کا دھیان دوسری طرف تھا۔تیزی سے اس کیطرف مڑا تھا اور حیات کی انگلی سے بھل بھل بہتے خون کو دیکھ کر اس کا رنگ فق ہوا تھا۔

@@@@@@@@@@@

"دیکھو عسرہ میں تمہارے سامنے ہاتھ جوڑتی ہوں پلیز یہ شادی مت کرو۔میں نے پہلے ہی تمہاری وجہ سے اپنے بچپن کے منگ کو کھو دیا تھا۔لیکن اب میں تمہاری وجہ سے اپنے شوہر کو نہیں بانٹ سکتی۔دیکھو تمہیں جاسم کا واسطہ ہے کہ میرے بچوں سے ان کا باپ مت چھینو پلیززز"افشاں اس وقت عسرہ کے سامنے ہاتھ جوڑے نعمان سے شادی کرنے سے منع کر رہی تھی۔

جس وقت اسے عسرہ اور نعمان کی شادی کا پتہ چلا تھا۔تب سے اس نے بہت واویلا مچایا ہوا تھا۔نعمان صاحب نے بھی دبا دبا احتجاج کیا تھا۔لیکن فیض صاحب کی ضد کے سامنے ایک نا چلی تھی۔افشاں بیگم کو تو عسرہ پہلے سے ہی بری لگتی تھی۔اس بات کے بعد تو ان کو عسرہ سے شدید نفرت ہونے لگی تھی۔کیونکہ جب بھی وہ اپنی زندگی میں خوشیاں کی جانب بڑھتی تھی۔تب تب عسرہ ان کی زندگی میں آجاتی تھی۔لیکن اس بار وہ کسی بھی قیمت پر یہ ہونے نہیں دے سکتی تھی۔اس لیے حمیرہ کو ساتھ یہاں چلی آئی تھی۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

اور اب اپنے آنسوں دیکھاتے عسرہ کو اموشنل بلیک میل کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔جو بچاری کسی بات سے واقف تک نہیں تھی۔

"کیسی باتیں کر رہی ہو افشاں ؟ تم سے کس نے کہہ دیا کہ میں نعمان بھائی سے شادی کر رہی ہوں۔میں نے صرف جاسم سے محبت کی تھی اور انہی سے شادی کی تھی۔بس اب اس کے بعد میں کسی سے شادی نہیں کر سکتی۔اس لیے پلیز پریشان ہونا چھوڑ دو کہ میں تمہارے حق پر کسی قسم کا ڈاکا ڈالوں گی۔"عسرہ نے بے چینی سے افشاں کے ہاتھ پکڑ کر کہا تھا۔

اسے یہ بات سن کر انتہائی صدمہ پہنچا تھا کہ ابھی تو ان کے شوہر کا کفن بھی میلا نہیں ہوا تھا اور یہ لوگ اس کی دوسری شادی کی بات کر رہے تھے۔ کیا وہ سب کے لیے بھوج بن گئی تھی۔

"تھینکیو عسرہ میں تمہارا یہ احسان کبھی نہیں بھولوں گی" افشاں نے سپاٹ چہرے سے کہا تھا اور وہاں سے نکلتی چلی آئی تھی۔ کیونکہ جب تک یہ سارا مسئلہ نپٹ نہیں جانا تھا۔ تب تک اسے سکون نہیں آنا تھا۔

دوسری طرف عسرہ جس یہ جان کر انتہائی دکھ پہنچا تھا۔ شام میں اپنے والد فاروق لغاری کے آتے ہی ان کے پاس ان کے کمرے میں چلی آئی تھی۔

"بابا کیا میں آپ کے لیے کوئی بھوج ہوں جو مجھے اتار کر پھینکنا چاہتے ہیں۔؟" عسرہ نے فاروق صاحب کے پاس بیڈ پر بیٹھتے سرخ آنسوں سے بھری آنکھوں سے شکوہ کیا تھا۔

"یہ کیوں سوچ رہی ہو میری بچی! بابا کی جان میں کیوں تمہیں بھوج سمجھوں گا۔ بیٹیاں تو رحمت ہوتی ہیں اور تم تو میری اکلوتی رحمت ہوں۔ جس کے متعلق میں ایسا کیوں سوچوں گا۔" فاروق صاحب نے تڑپ کر عسرہ بیگم کے بال ماتھے سے ہٹاتے وہاں بوسہ دیتے کہا تھا۔

"تو پھر آپ میری نعمان بھائی کے ساتھ شادی کیوں کروا رہے ہیں؟"عسرہ نے ان سے سوال کیا تھا۔

"عسرہ جاسم جانے سے پہلے اپنے باپ سے اپنی خواہش کا اظہار کرتے لے کہا تھا کہ وہ ابراہیم کو اس کے اصل سے ہمیشہ جوڑ کر رکھے گے اور اس کی پرورش کریں گے۔اس لیے فیص صاحب ضد پر اڑ چکے ہیں کہ وہ ابراہیم اور تمہیں لے کر ہی جائیں گے۔"

فاروق صاحب جو خود اس بات کا بوجھ سہتے سہتے نڈھال ہو چکے تھے۔انہوں نے وہ عسرہ کے سامنے بیان کی تھی۔ھو جاسم کی وفات پر اتنی نڈھال تھی کہ ان سب باتوں سے ابھی تک لاعلم تھی۔

ویسے بھی اب آخری فیصلہ عسرہ کا ہی ہونا تھا۔کیونکہ وہ خود تو عدت کے ان مہینوں میں اپنی اکلوتی بیٹی کے لیے کوئی اچھا سہ ہمسفر ڈھونڈنے میں ناکام رہے تھے۔

عسرہ صدمے کی حالت میں اٹھتے وہاں سے اپنے کمرے میں آ گئی تھی اور سوئے ہوئے ابراہیم کو،جو ان مہینوں میں باپ کی جدائی میں نچڑ کر رہ گیا تھا،گلے لگاتے پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔اسے خود پر زندگی تنگ ہوتی محسوس ہو رہی تھی۔

@@@@@@@@@

"حمیرہ! مجھے سمجھ نہیں آتی ہے کہ یہاں رہ کر تم حیات اور ابراہیم پر کونسی نگرانی کر رہی ہو۔ جو تمہیں یہ تک نہیں معلوم کو وہ لوگ پچھلے دو دن سے غائب ہیں۔ میں پہلے ہی بتا رہی ہو حمیرہ کہ تم نے جو مجھے لارا لگایا ہوا ہے۔ اگر وہ پورا نہیں ہوا تو آپ اپنی بڑی بھابھی کو بھول جانا۔" افشاں بیگم نے حمیرہ بیگم کے پاس آتے ہوئے غصہ سے کہا تھا۔

"کیسی باتیں کر رہی ہیں آپا! میں کیوں اپ کو لارا لگاؤ گی میرا اور آپ کا تو بچپن کا ساتھ ہے۔ آپ جانتی ہیں کہ پہلے بھی آپ کی خوشی کے لیے میں نے کئی ایسے کام کیے ہیں جو مجھے نہیں کرنے چاہیے تھے۔ یہاں تک کہ اپنی رخصتی بھی تین سال تک رکوا کر رکھی کیونکہ آپ اکیلی دانش اور کیف کو سنبھال نہیں پا رہی تھی۔ اور تو اور بابا کے خلاف جا کر، سب سے چھپ کر میں آپ کے ساتھ عسرہ بھابھی کے ہاں بھی گئی تھی۔ کیونکہ میں نہیں چاہتی تھی کہ میری بھابھی اور بھائی کا گھر خراب ہو اور نا ہی میں ایسا کبھی سوچ سکتی ہوں۔ کیونکہ آپ ہی تو تھی جنہوں نے مجھے میری محبت سے ملوایا تھا۔ اس لیے اب بھی یقین رکھیے کہ میں نے آپ سے جھوٹ نہیں کہا اور مجھے تو خود معلوم نہیں کہ وہ کب گئے ہیں۔ پر آپ یقین رکھیں کہ ابراہیم کبھی اپنا وعدہ نہیں توڑے گا۔" حمیرہ

بیگم نے جلدی سے افشاں بیگم کے ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا تھا۔

وہ بچپن کی سہیلیاں تھی۔ لیکن افشاں بیگم چونکہ حمیرہ بیگم سے زیادہ چالاک اور مکار تھی۔اسی وجہ سے انہوں نے کئی بار حمیرہ بیگم کو اپنے فائدے کے لیے استعمال کیا ہوا تھا۔

"حمیرہ آپا! مجھے پتہ ہے آپ کو میری باتیں کڑوی لگے گئیں لیکن حقیقت یہی ہے کہ حیات اور ابراہیم میاں بیوی ہیں۔اور ابراہیم حیات پر ہر طرح کا حق رکھتا ہے۔دیکھئے گا کہ کہی وہ اپنی بات سے پھر نا جائے کیونکہ اگر وہ آپ کی محبت۔میں وعدہ کرتا تو اور بات تھی پر اب تو اس نے اپنی محبت میں وعدہ کیا تھا جو کبھی بھی ختم ہو سکتا ہے۔" افشاں بیگم نے فوراً سے پینترا بدلہ تھا اور اپنے ذہن کے زہر ان پر اگلتے وہ اندر کی جانب بڑھ گئی تھی۔

جبکہ ان کے جانے کے بعد حمیرہ بیگم سوچوں میں گھری رہ گئی تھی۔ان ذہن بہت تیزی سے تانے بانے بن رہا تھا۔

@@@@@@@@@@@@

"افففف یہ کیا کر لیا نکمی لڑکی جب میں نے کہا تھا کہ تم یہ نہیں کرو گی تو میری بات مان کیوں نہیں لیتی حیات! اس میں تمہاری ہی بھلائی چھپی ہوتی ہے۔" ابراہیم چہرے پر پریشانی، اضطراب اور تکلیف کے آثار لیے حیات کے ہاتھ کو جلدی سے سینک کا نل کھول کر اس کے نیچے کر چکا تھا۔

زخم صاف کر کے، اس نے وہاں موجود ایک کیبنٹ میں پڑی فرسٹ ایڈ نکال کر اس پر پٹی کی تھی۔ یہ سب کام وہ بہت احتیاط سے کر رہا تھا۔ اس دوران اس کے چہرے پر ایسے تاثرات تھے، جیسے تکلیف حیات کو نہیں بلکہ اسے خود کو ہو رہی ہو۔

حیات جسِ اتنا درد اس کٹ کا نہیں ہوا تھا، جتنا ابراہیم کی ڈانٹ کا ہوا تھا۔ اب آنسوں بہانے لگی تھی۔ جو خود با خود نکلتے چلے آرہے تھے۔

"یہ غلط بات ہے حیات غلطی بھی خود کرتی ہو اور پھر روٹھ بھی خود جاتی ہو۔" ابراہیم نے چہرے پر خفگی کے تاثرات سجائے شکوہ کیا تھا۔

"تو آپ کونسا ٹھیک کر رہے ہیں ایک تو مجھے چوٹ لگی ہے، نہیں مجھے پیار کریں الٹا مجھے ڈانٹ رہے ہیں۔" حیات کے روہانسے لہجے میں کہی گئی بات پر ابراہیم کے چہرے پر مسکراہٹ آئی تھی۔ اس لیے اس کے نزدیک جھکتے گھمبیر لہجے میں بولا۔

"میری ڈول کو پیار چاہیے!!"ابراہیم نے اپنی چمکتی آنکھیں حیات کی ہیزل براؤن آنکھوں میں ڈالی تھیں۔جس پر حیات نے ناسمجھی سے دیکھا تھا۔

"ہاں تو اور کیا آپ میرا پیار کسی اور کو دینے کا سوچ رہے ہیں۔؟؟"انجان میں حیات اس کی بات کو کہاں سے کہاں لگتی ابراہیم کے جزبات بھڑکا رہی تھی۔

"میں تو تمہیں ہی دینے کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔یہ الگ بات ہے کہ تم سمجھتی نہیں ہو۔"ابراہیم نے حیات کی کمرے میں بازو ڈالتے اسے خود کے قریب کرتے گھمبیر لہجے میں سرگوشی کی تھی۔

جس کو سمجھتے حیات کے حواس گم ہوئے تھے،ماتھا پل میں غرق آلود ہوا،دھڑکنوں کا شور بڑھا تھا،ایسے جیسے دل ابھی پسلیوں کی قید سے باہر نکل آئے گا۔ابراہیم کے سینے پر رکھی اس کی ہتھیلیاں بھی نم ہوئی تھی۔اس منظر کو ابراہیم نے فدا ہوتے دیکھا تھا۔دل سے دعا نکلی تھی کہ کاش یہ لمحات امر ہو جائیں اور وہ کبھی اس کی قید سے باہر نا نکل سکے۔

"ااا۔۔۔ابرو و۔۔۔وہ کھانا ججج۔۔۔۔جل جائے گا پلیز چھوڑیں"حیات نے ابراہیم کو پیچھے دھکیلتے کہا تھا۔جس پر چہرے پر گہری مسکراہٹ کے ساتھ اس کے

ماتھے اور آنکھوں کو اپنا لمس بخشا تھا۔ پھر اپنے جذبات کو کنڑول کرتے، اس کے سرخ چہرے سے نظر ہٹا کر اسے چھوڑ گیا تھا۔

"جاؤ باہر ڈائینگ ٹیبل پر جا کر انتظار کرو میں تب تک یہ بنا کر لاتا ہوں۔" حیات کی حالت پر ترس کھاتے، ابراہیم نے اسے باہر بھیج تھا۔ اور خود اسپیگیٹی کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

حیات تو اجازت ملتے آیسے غائب ہوئی تھی جیسے گدھے کے سر سے سینگ، ابراہیم نے اس کی حالت کا خوب لطف لیا تھا۔ لیکن حیات نے شرم وحیا سے چور ہوتے، اس کے بعد بھول کر کیچن میں جھانکا تک نہیں تھا۔

@@@@@@@@@

بڑے ابا موسم خوشگوار ہونے کی وجہ سے آج اپنے گھر کے قریبی پارک میں آئے تھے اور اپنے دوست کے ساتھ درخت کے سائے میں بیٹھے آج کی خبروں پر بحث کرنے کے ساتھ ساتھ وہ چائے کی چسکیاں بھی لے آرہے تھے۔ وہ آج کل ابراہیم کو خوش دیکھ کر خود بھی خوش رہنے لگے تھے۔ اب بھی وہ زور و شور کے ساتھ اپنے دوست کے ساتھ بحث کر رہے تھے۔ جب پیچھے سے آنے والی ایک آواز پر ٹھٹھک گئے تھے۔ جو

یقیناً کسی عورت کی تھی۔

"فیض صاحب کہاں کھو گئے؟"فیض صاحب جو اپنے سے تھوڑے سے فاصلے پر کھڑی عورت کا چہرہ دیکھنا چاہ رہے تھے۔اپنے دوست کے مخاطب کرنے پر چونکے تھے

"کچھ نہیں۔۔۔خیر کافی وقت ہو گیا ہے مجھے لگتا ہے کہ اب ہمیں چلنا چاہیے"فیض صاحب نے سر جھٹک کر کہا تھا اور وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔انہوں نے اس عورت کی تلاش میں نظریں گھمائی تھی جو چند پل میں وہاں سے غائب ہو گئی تھی۔

لیکن پھر اپنا وہم سمجھتے وہ سر جھٹک کر گیٹ سے باہر نکل کر گھر کی طرف بڑھے تھے، جب کوئی اچانک سے ان کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔فیض صاحب کو تو اپنے گمان کو حقیقت کے روپ میں سامنے کھڑا دیکھ کر زبردست قسم کا دھچکا لگا تھا۔

@@@@@@@@@@@

"معاف کیجیئے گا بڑے ابا اور بابا جانی میں نعمان بھائی سے شادی تو کیا، کسی اور سے بھی شادی نہیں کر سکتی۔میں ہمیشہ جاسم کی بیوہ بن کر رہنا چاہتی ہوں۔اور آخری بات میں

اپنے ابراہیم کو کسی کو نہیں دوں گی وہ میرا بیٹا ہے اور میرے پاس ہی رہے گا۔" فاروق لغاری کے ہاں آج آخر کار فیض صاحب نعمان اور عسرہ کے نکاح کی تاریخ رکھنے آئے تھے۔ جب اندر بیٹھی آنسوں بہاتی عسرہ، اپنی آنسوں صاف کرتی باہر آئی تھی اور فیصلہ کن انداز میں بولی تھی۔

اس کی بات پر حال میں چند منٹوں کے لیے خاموشی چھاگئی تھی۔

"عسرہ یہ تمہارے کرنے کی باتیں نہیں ہے تم اندر جاؤ میں خود یہ معاملہ سنبھال لوں گا۔" فاروق صاحب نے اس کی مداخلت پر اسے ٹوکا تھا۔ انہیں عسرہ کی بات پسند نہیں آئی تھی۔ آخر کوئی بھی باپ اپنی بیٹی کو یوں ویران زندگی گزارتے کیسے دیکھ سکتا ہے۔

"نہیں عسرہ بیٹی کہی نہیں جائے گی جو بھی بات ہوگی اسی کے سامنے ہوگی۔" فیض صاحب تحمل سے کام لیتے عسرہ کو روک کر بولے تھے۔ فاروق صاحب نے ضبط سے اپنی مٹھیاں بھینچی تھی۔

"اور عسرہ بیٹی تم بھی تھوڑا ٹھنڈے دماغ سے سوچو بچے، تمہاری ابھی عمر ہی کیا ہے۔ ایک پہاڑی جیسی زندگی ہے جو تمہیں جاسم کے بغیر گزارنی ہے اور ایسے میں ابھی تو تمہارے ماں باپ اور ہم لوگ ہیں تمہاری اور ابراہیم کی پرواہ کرنے کے لیے لیکن

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

جب ہم نا ہوئے تو تم نہیں جانتی کہ دنیا کے لوگ تمہارے ساتھ کیا کیا کر سکتے ہیں۔ اگر تم کچھ ہوا تو میں جاسم کو قیامت کے دن منہ دکھانے کے قابل نہیں رہوں گا بیٹا۔۔۔

اور پھر ابراہیم کو دیکھو اسے اس وقت اسے باپ کی توجہ کی سخت ضرورت ہے جو ایک چچا سے زیادہ کون دے سکتا ہے۔" فیض صاحب نے اب کے عسرہ کو اپنے دلائل سے قائل کرنا چاہا تھا۔

"لیکن بابا جان میں نعمان بھائی سے شادی نہیں کر سکتی۔" عسرہ نے بچارگی سے کہتے سختی سے آنسوؤں سے تر آنکھیں بند کی تھیں۔

"پر کیوں بیٹی یقین کرو۔ اس میں کوئی مضاحکہ خیز بات تو نہیں ہے اور پھر نعمان تمہیں کبھی بھی جاسم کو بھولنے کا نہیں کہے گا بلکہ ہمیشہ تم دونوں کی حفاظت کرنے کے ساتھ ساتھ تم لوگوں کو عزت بھی دے گا۔" فیض صاحب نے عسرہ کے سر پر ہاتھ رکھتے اس کا مان بڑھایا تھا۔

عسرہ جانتی تھی کہ اگر وہ اس رشتے سے انکار بھی کر دے تو پھر بھی فاروق صاحب اس کی شادی کسی نا کسی سے ضرور کروائیں گے۔ اس کے ہاتھ میں اس وقت کچھ بھی تہہ

نہیں تھا۔ سوائے اس کے کہ وہ نعمان صاحب سے شادی نا کرنے کے لیے ہر طرح سے انکار کرے، اس لیے وہ مسلسل انکار کر رہی تھی۔ کل سے لگاتار اس کی آنکھوں میں افشاں بیگم کا آنسوں کا تر چہرہ آرہا تھا۔ جو اس کا چین اڑا کر لے گیا تھا۔ وہ ان کی خوشیاں برباد نہیں کر سکتی تھیں۔

"گستاخی معاف باباجان میں نے کہہ دیا تو کہہ دیا کہ میں نعمان بھائی سے شادی ہر گز نہیں کروں گی تو مطلب نہیں کروں گی۔ اس کے لیے آپ مجھے مجبور نہیں کر سکتے" اپنے دل کو مضبوط کرتے عسرہ نے اپنے آنسوں پر بندھ ڈالتے سخت لہجہ اپنایا تھا۔

توہین کے احساس سے فیض صاحب کی آنکھیں خون رنگ اور چہرہ سرخ ہوا تھا۔

"تو پھر تم بھی سن لو لڑکی کہ تم شادی کرو یا نا کرو میں اپنے پوتے کو یہاں سے لے جا کر ہی دیکھاؤ گا۔" جلال سے کہتے فیض صاحب وہاں سے نکلتے چلے گئے تھے۔

ان کے جانے کے بعد عسرہ اپنے بیٹے کے چھن جانے کے خوف سے اپنے باپ کے سینے پر سر رکھ کر رو دی تھی کیونکہ وہ جاسم کی آخری نشانی کو کبھی کھو نہیں سکتی تھی۔

یہ بات یہی پر ختم نہیں ہوئی تھی، اس کے بعد بھی فیض صاحب نے کئی بار فون پر اور

کبھی مل کر عسرہ کو سمجھانے کی کوششیں کی تھی پر اس کی ہاں کبھی نا میں نہیں بدلی، جبکہ فاروق لغاری نے حالات کو اپنے قابو میں کرنے کے لیے اپنے منیجر، جو کہ ایک غریب نوجوان اور عسرہ سے عمر میں چار سال چھوٹا تھا، اسے اپنی کمپنی کا ففٹی پرسنٹ شئیر ہولڈر بنا کر اور 60 پرسنٹ شئیر عسرہ کے نام کر کے، اس کا زبردستی نکاح عسرہ سے کروا دیا تھا۔

فیض صاحب کو جب عسرہ کے نکاح کی بات معلوم ہوئی تھی تو وہ بھڑک اٹھے تھے۔ اُنہوں نے شدید تیش کے عالم میں عسرہ کے رونے، تڑپنے اور کرلانے کی پرواہ کیے بغیر ابراہیم کو عسرہ سے دھوکہ سے چھین لیا تھا اور پھر ابراہیم کو لینے کے بعد وہ سب کو لے کر اپنا آبائی گاؤں چھوڑ کر ایسی جگہ شفٹ ہو گئے تھے جہاں سے کسی کو ان کا سراغ ملنا مشکل تھا۔

@@@@@@@@@@

حیات کی زندگی میں بہار کا موسم اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ جاری و ساری تھی۔ وہ یہاں آئے تو صرف تین دن کے لیے تھے لیکن آج انہیں یہاں پورا ہفتہ ہو چکا تھا۔ حیات کو کبھی کبھی یہ سب ایک خواب کی طرح لگتا تھا جس میں اس کا ابراہیم اس کی ہر

خواہش کو پورا کر رہا تھا، اسے ڈھیروں تحفہ دیتا، اس کی انگلی پر ہلکا سہ کٹ لگ جانے پر وہ جھلا شہزادہ خود تڑپ جاتا تھا۔ پھر دو دن تک اسے اپنے ہاتھ سے کھانا کھلاتا، ڈانٹنا، حیات پر غصہ کرنا یہ سب تو لگتا تھا کہ ابراہیم بھول ہی گیا تھا۔ یا شاید یہی وہ اصل ابراہیم تھا جو اب سے پہلے اپنے پر ایک نقاب چڑھائے پھر رہا تھا۔

آج صبح سے نجانے وہ کہاں غائب تھا، حیات کی جب صبح آنکھ کھلی تو اسے صرف ایک چٹ ملی تھی، جس پر لکھا تھا کہ وہ ایک کام سے جا رہا ہے، دوپہر تک آجائے گا۔

دن کے گیارہ بجتے ہی حیات کو بے چینی شروع ہوگئی تھی۔ وہ سارے گھر میں بلائی بلائی پھر رہی تھی۔ دل عجیب سے وسوسوں کی آماجگاہ بن گیا تھا۔ ابراہیم کو اتنے دنوں سے اپنے پاس دیکھنے کی اسے اتنی عادت ہوگئی تھی کہ اب اس کے زرا سہ دور جانے پر اس کی آنکھیں نم ہوگئی تھی۔ اس لیے وہ مسلسل لاونج کے دروازے پر مارچ پاس کرتے ابراہیم کا انتظار کر رہی تھی۔

"بی بی جی آپ بیٹھ جائیں، نہیں تو تھک جائیں گی اور گھبرائے نہیں صاحب آتے ہی ہونگے" حیات کے پاس کھڑی ملازمہ نے اسے ہمدردی سے دلاسہ دیا تھا۔ جس پر ابراہیم کی دوری پر چڑچڑی ہوئی حیات بیٹھنے کی بجائے اسی پر چڑھ دوڑی تھی۔

"میں نے تم سے کوئی مشورہ نہیں مانگا تم جاو اور اپنا کام کرو" حیات کی برہم آواز پر ملازمہ ڈر سے جلدی سے معافی وہاں سے نو دو گیارہ ہوئی تھی۔

جبکہ ابراہیم جو ابھی ابھی وہاں آیا تھا، حیات کو ملازمہ پر برستے دیکھ حیرانی سے بولا۔

"حیات کیا ہوا اس بچاری کو کیوں ڈانٹ رہی تھی۔" ابراہیم نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا۔

"آپ۔۔۔آگئی آپکو میری یاد۔۔۔ صبح سے مجھے یہاں سڑنے کے لیے چھوڑ کر خود تو باہر آرام کر کے آئے ہیں اور مجھ سے پوچھ رہے ہیں کہ کیا ہوا؟...آپکو میری زرہ بھی پرواہ نہیں ہے۔" ایک سانس میں غصہ سے بھری آواز میں شکوہ کرتے، آخر حیات کی آنکھیں بھرائی گئی تھی۔

"میری پیاری ڈول آئم سوری یار ایک بہت ضروری کام تھا۔اسی لیے گیا تھا، اگر وہ کام نا ہوتا تو شاید میں نہیں جاتا اس لیے تم غصہ تو مت ہو، اچھا ادھر دیکھو یہ میں نے کان بھی پکڑ لیے ہیں۔" حیات کی حالتِ پر ابراہیم کو ٹوٹ کر پیار آیا تھا، جو اس کو مس کر رہی تھی۔اسی وجہ سے چڑچڑی ہو کر ہر کسی کو کھانے کو دوڑ رہی تھی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"یہ میرے کان ہیں آپ اپنے کان پکڑئے!" خفگی سے آنکھیں گھماتے حیات نے ابراہیم سے کہا تھا۔ جو اس کے کان پکڑے کھڑا تھا۔

"میری بیوی کے اور میرے کان اب الگ الگ تھوڑی ہیں۔۔اس لیے اب اگر میں جس کے بھی پکڑلوں ہونگے تو وہ میرے ہی" ابراہیم نے شرارت سے اس کی آنکھوں پر بوسہ دیتے کہا تھا۔

"یہ چیٹنگ ہے..." ابراہیم کی حرکت پر اپنی جھنپ مٹاتے حیات نے دباد بااحتجاج کرتے کہا تھا۔ جس پر ابراہیم کا فلک شگاف قہقہ لگا تھا۔ ابراہیم کی مسکراہٹ پر فدا ہوتے دل کو سنبھالتے حیات نے مصنوعی انداز میں منہ بسورہ تھا۔

"اچھا چلو چھوڑو ان سب کو تم میرے ساتھ آؤ کہی لے کر جانا ہے تمہیں..." ابراہیم کچھ یاد آنے پر جلدی سے بات کو سمیٹتے باہر حیات کو لے کر باہر کی جانب بڑھا تھا۔ جس پر حیات اس کے ساتھ چلتی چلی آئی تھی۔

ابراہیم اسے لے کر فارم ہاوس کے بائیں طرف بنے ایک بڑے سے گراؤنڈ میں لے کر آیا تھا۔ جس کے ارد گرد دور دور تک ہریالی ہی ہریالی تھی، سوائے ایک طرف کے جہاں اعلیٰ نسل کے خوبصورت سے گھوڑے بندھے تھے۔

"واؤ ابراہیم یہ کتنے کیوٹ ہیں۔ آپ مجھے ان پر سواری کروائیں گے نا ابراہیم پلیز پلیز پلیز ززززز" حیات توان گھوڑوں کو دیکھ کر فدا ہی ہوا ٹھی تھی جن میں کچھ کالی فر والے، کچھ سفید فر والے اور کچھ بھورے رنگ کی فر والے نسلی گھوڑے تھے۔

ابراہیم جو حیات کو گھڑ سواری کے مقصد کے تحت ہی اسے یہاں لے کر آیا تھا، نے بغیر کچھ بولے، اصطبل میں کام کرتے ایک ادمی کو بھورے رنگ اور سفید رنگ کی فر والا گھوڑا لانے کا اشارہ کیا تھا۔ جس کے آتے ہی ابراہیم پہلے خود اُچک کر اوپر بیٹھا تھا پھر ہاتھ دے کر اس نے حیات کو اپنے آگے بیٹھایا تھا۔ ان کے بیٹھتے ہی وہاں کام کرتے سارے ملازم چلے گئے تھے شاید ابراہیم انہیں پہلے ہی سارے آڈر دے چکا تھا۔

گرے رنگ کی شرٹ اور بلیک ٹراؤزر میں ملبوس ابراہیم جاسم آفندی گہری مسحور کن مسکراہٹ کے ساتھ اپنی گہری کالی راز سی آنکھیں لیے اپنے سامنے نیلے رنگ کی ٹخنوں تک آتی فراق اور وائیٹ ٹائیٹس میں ملبوس اس سحر انگیز شہزادی کی جانب دیکھ رہا تھا۔ اس وقت اس کی گال میں پڑتا ڈمپل اپنی پوری آب و تاب سے چمک رہا تھا۔

حیات گھوڑے پر بیٹھی بہت زیادہ پر جوش دیکھا دے رہی تھی۔ ابراہیم نے آہستہ سے گھوڑے کی لگام کھینچ کر اسے کک لگائی تھی، جس پر گھوڑا اپنی پوری رفتار سے دوڑنے

لگا تھا۔

"آآاا۔۔۔ابر پپ۔۔۔۔پلیزز گھوڑے کو آہستہ کرے نا میں گر جاؤں گی۔۔۔ پلیززززنا "گھوڑے کے دوڑنے پر ایک دفعہ تو حیات نے ڈر سے چیخ لگائی تھی اور ابراہیم کو تھامتے منمناتے ہوئے بولی۔

حیات کا ڈر ابراہیم کو کچھ پسند نہیں آیا تھا،اس لیے اس کے کان کے پاس جھکا تھا۔

"مسسز ابراہیم جاسم آفندی!ابر کی ڈول ایک بات ذہن نشین کر لیں کہ جب تک ابراہیم کے بازوں کی قید تمہارے ارد گرد ہو گی تب تک کوئی مائی کا لال تو کیا گرم ہوا بھی تمہیں چھو کر نہیں گزر سکتی کیونکہ تمہیں چھونے کا حق صرف ابراہیم کو ہے

اس لیے ڈرنا چھوڑ دو اور میرے حصار میں رہ کر ہواؤں میں موجود سر گوشیوں کو محسوس کرو جو تم سے کچھ راز بانٹنا چاہتی ہیں۔"گھمبیر لہجے میں کی گئی اس سرگوشی نے حیات کے سانسوں کو بے ترتیب کیا تھا اور وہ کسی سحر میں گرفتار اپنی لانبی پلکے اٹھائے ابراہیم کو یک ٹک دیکھے گئے تھے جو اس حسین منظر میں کسی دیومالائی داستانوں کا بے پناہ خوبصورت راج کمار لگ رہا تھا۔

آسمانوں پر چھائے بادلوں کے نیچے ٹھنڈی ہوا میں اپنے شہزادے کے سنگ گھوڑے پر ہواؤں کو چیرتے آگے بڑھتے ہوئے حیات خوب لطف اندوز رہی تھی۔اس کے چہرے پر مسکان نے احاطہ کیا ہوا تھا۔جس پر ابراہیم نے ایک بار پھر اس کی جانب جھکا تھا۔

"کیسا لگ رہا ہے؟؟"ابراہیم نے سوال کیا تھا۔

"بہت اچھا یہ دن میری زندگی کا حسین ترین دن ہے میں اسے کبھی نہیں بھولا سکتی تھینکیو سوچ ابراہیم میری ساری خواہشات کو پورا کرنے کے لیے۔۔۔"حیات نے شدت جذبات سے ابراہیم کے سینے پر سر رکھ کر کہا تھا۔جس پر ابراہیم کے لبوں کو مسکراہٹ نے چھوا تھا۔

ابراہیم نے حیات کی بات پر کچھ بولے بنا گھوڑے کی رفتار آہستہ کی تھی اور اپنی جیب سے ایک خوبصورت پینڈنٹ نکالتے حیات کی گردن میں پہنایا تھا۔جس میں ابر کی ڈول کے جیسے خوبصورت الفاظ کندھ تھے۔

"یہ۔۔۔یہ کب لائے آپ؟؟"ابراہیم کے سرپرائز پر وہ حیران نہیں ہوئی تھی کیونکہ اب تو اسے ان سب چیزوں کی عادت ہو چکی تھی۔لیکن ہاں اس پینڈنٹ میں

کندھ الفاظ نے اس کے دل کو الگ انداز میں چھوا تھا۔اس لیے کھوئے کھوئے انداز میں اس پر ہاتھ پھیرنے لگی تھی۔

"کیوں تمہیں اچھا نہیں لگا۔؟؟"ابراہیم نے کسی خدشہ کے تحت حیات کے سوال کے بدلہ سوال داغا تھا، جس پر حیات نے بامشکل اپنی حیا سے چور پلکوں کو اٹھایا تھا۔اور اس کے گال میں بنے اس گھڑے پر اپنا ہاتھ رکھتے ابراہیم کے سحر میں گرفتار وہ دیوانے سے انداز میں بولی تھی۔

"بہت بہت زیادہ خوبصورت ہے۔۔۔آپ کے ساتھ گزرے پل میری زندگی کے ایسے خوبصورت پل ہیں جنہیں میں کبھی چاہ کر بھی بھول نہیں پاؤں گی۔مجھے یہاں لانے کا بہت شکریہ ابراہیم آپ بہت اچھے ہیں۔"ابراہیم کے گال میں پڑتے اس گھڑے پر حیات نے اپنا ماتھا ٹکاتے،اپنے مچلتے دل کو سنبھالتے ہوئے کہا تھا۔جو آج اپنی اس آخری خواہش،ابراہیم کے گھڑے کو چھونے والی، کے پورا ہونے پر دھڑک اٹھا تھا۔

اس کی ادا پر فدا ہوتے ابراہیم نے اس کے ماتھے پر شدت سے بوسہ دیا تھا، جس میں مان ،محبت،عقیدت اور دیوانگی نجانے کیا کچھ تھا۔

اس سے پہلے وہ مزید کچھ کہتا کہ ایک ملازمہ بھاگتی ہوئی ہاتھ میں موبائل تھامے اس طرف آئی تھی۔

"صاحب معاف کیجئے گا کہ ہم نے آپ کو تنگ کیا لیکن آپ کے گھر سے فون ہے کہ بڑے صاحب کی طبیعت بہت خراب ہو گئی ہے وہ آپ کو یاد کر رہے ہیں اس لیے جلدی واپس آجائیں۔" سر جھکائے کھڑی اس ملازمہ نے ان فسوں خیز لمحوں کو توڑتے ان کے دل ڈگمگائے دیا تھا۔

وہ دنوں پریشانی سے گھوڑے سے اترے تھے۔ پھر گھر فون کرنے پر جب انہیں معلوم ہوا کہ فیض صاحب کی طبیعت بہت خراب ہے۔اور بے ہوشی کی حالت میں وہ ابراہیم کو یاد کر رہے ہیں تو وہ اسی وقت وہاں سے گھر کے لیے روانہ ہوئے تھے۔ایک خوبصورت وقت کا اختتام ہوا تھا وہاں، اب نجانے زندگی کیا موڑ لینے والی تھی۔

@@@@@@@@@@@

"باباجانی! ماما کا فون آیا ہے وہ کہہ رہی ہیں کہ بڑے ابا کی طبیعت ناساز ہے وہ اس وقت ہاسپیٹل میں ہیں۔" مراد صاحب کے کیبن میں داخل ہوتے محراب نے عجلت میں انہیں اطلاع دی تھی۔

"اللہ خیر کرے۔۔ لیکن بچہ کل تک تو وہ ٹھیک تھے یوں اچانک۔۔" مراد صاحب نے فائل بند کرتے، پریشان کن لہجے میں دریافت کیا تھا۔

"پتہ نہیں بابا کیا ہوا ہے بس ماما بتا رہی تھی کہ آج صبح نانا واک کے لیے پارک میں گئے تھے وہی انہیں انجائنا کا اٹیک ہوا تھا۔ پھر ان کے دوستوں نے ہی نانا کو اسپتال پہنچایا اور ساتھ میں ہمیں بھی اطلاع دی تھی۔ اور ابھی تک وہ اسپتال کے انتہائی نگہداشت (ICU) والے کمرے ہیں۔" محراب نے من و من حمیرہ بیگم کی کہی بات دہرائی تھی۔

"یہ تو کافی پریشان کن بات ہے اللہ ہمارے بزرگوں کو سایہ ہم پر قائم رکھے۔ تم ایسا کرو، یہاں سے پاکستان جانے والی جو پہلی فلائیٹ ہے وہ میرے لیے بک کرواؤ۔ مجھے اس وقت تمہاری ماں کے پاس ہونا چاہیے اور جب تک میں آ نہیں جاتا تب تک آفس کام تمہارے ذمہ ہے محراب! اس لیے دھیان رکھنا۔" مراد صاحب نے محراب کا کندھا تھپتھپا کر کہا تھا اور باہر نکلتے چلے گئے تھے۔ محراب جس کا دل خود بھی وہاں جانے کو تھا، مراد صاحب کی بات پر بس گہری سانس بھر کر رہ گیا تھا۔

@@@@@@@@@

اسپتال کے سرد کوریڈور میں اس وقت نعمان صاحب، مصطفیٰ صاحب، دانش اور کیف کے علاوہ حمیرہ بیگم بیٹھی تھی۔ جو ضد کر کے یہاں آئی تھیں۔ اب مسلسل وہاں بیٹھی رب سے فیض صاحب کے لیے دعائیں مانگتی آنسوں بہا رہی تھی۔ باقی سب لوگ اس وقت گھر میں بڑے ابا کی صحت یابی کے لیے قرآن خوانی کر رہے تھے۔

ایسے میں حیات اور ابراہیم جو گھر جانے کی بجائے سیدھا اسپتال کی جانب آئے تھے۔ انہوں نے دوائیوں کی بو سے بھرے، غم و یاسیت ٹپکاتے دیاروں والے اسپتال کے اس سرد کاریڈور میں قدم رکھا تھا۔ حیات تو آتے ساتھ حمیرہ بیگم کے پاس بیٹھی تھی جو اس سے لپٹ کر رو دی تھی۔ حیات نے بہت مشکل سے انہیں سنبھالا تھا۔

جبکہ ابراہیم نعمان صاحب کے پاس جا کھڑا ہوا تھا۔

"السلام علیکم بڑے بابا! اب بڑے ابا کی طبیعت کیسی ہے؟" ابراہیم کا لہجہ بے چینی اور تکلیف سے اٹا ہوا تھا۔

"وعلیکم السلام ابراہیم! بچے بڑے ابا کو انجائنا کا اٹیک ہوا ہے۔ لاکھ کوششوں کے بعد بھی ان کی حالت سنبھلنے میں نہیں آ رہی تھی۔ ڈاکٹرز کافی دیر سے اندر ان کے پاس ہیں۔ میں اندر جانے کی کوشش کی تھی لیکن نے منع کر دیا۔

بڑے ابا تمہیں بے ہوشی میں پکار رہے ہیں۔اس لیے ڈاکٹرز کا کہنا ہے کہ اگر تم ان کے پاس رہو تو ہو سکتا ہے کہ وہ جلد ریکور ہو جائیں۔" نعمان صاحب نے تھکے ہارے انداز میں سانس خارج کرتے ابراہیم کو بتایا تھا۔

ابراہیم کی آنکھیں نعمان صاحب کی بات پر سرخ ہوئی تھی۔ایک یہی تو رشتہ تھا اس کے پاس کیا اب وہ بھی اس سے چھن جانے والا تھا؟؟؟ یہ سوچ ایسی تھی جسے ابراہیم چاہ کر بھی کبھی سوچنا نہیں چاہتا تھا۔اس لیے تیزی سے روم سے نکلتے ڈاکٹر کی طرف بڑھا تھا۔

"ڈاکٹر بڑے ابا کی طبیعت اب کیسی ہے؟ کیا میں اب ان سے مل سکتا ہوں؟" ابراہیم نے بے قراری سے اجازت مانگی تھی۔

"آپ کون؟" ڈاکٹر نے ماسک اتارتے پروفیشنل انداز میں پوچھا۔

"ڈاکٹر یہی ابراہیم ہے جس کو آپ بلانے کا کہہ رہے تھے" ڈاکٹر کے سوال پر نعمان صاحب معترف کرواتے بولے تھے۔

" صحیح! یہ تو اچھا ہوا کہ آپ جلدی اگئے ابراہیم بچے "....ڈاکٹر ابراہیم کو تھوڑا سائیڈ

پر لیجاتے ہوئے کہا تھا

"ابراہیم بچہ! آپ کو اندر بھیجنے سے پہلے میں کچھ کہنا چاہو گا۔ بچے بڑے ابا اب عمر کے اس حصے میں ہے جہاں پر بیماریاں انسان کو لگنا بڑھتی عمر کا تقاضا ہے۔ لیکن آج ان کی جو حالت ہوئی ہے وہ کسی عام وجہ سے نہیں ہوئی بلکہ کسی بہت بڑے ذہنی دباؤ کا شکار ہونے کی وجہ سے ہوئی ہے۔ حیرت ہے کہ اس عمر میں ایسی کونسی ذہنی پریشانی ہے جو فیض صاحب کو چین سے نہیں رہنے دے رہی۔۔۔۔

خیر آپ کو بتانے کا مقصد یہ ہے کہ انہیں دیکھ کر لگتا ہے کہ وہ آپ سے بہت اٹیچ ہیں اس لیے اپ کو ان کا بہت خیال رکھنا ہو گا۔ تاکہ وہ جلد ٹھیک ہو سکیں۔ ورنہ نتائج کے زمہ دار آپ سب خود ہوں گے۔" ڈاکٹر ابراہیم کو تنبیہ کرتے وہاں سے چل دیے تھے۔

@@@@@@@@@@

اپنی ضبط سے سرخ آنکھیں لیے ابراہیم نے جس وقت کمرے میں قدم رکھا تھا۔ اس کی نظر سامنے بیڈ پر اسپتال کے لباس میں بیڈ پر لیٹے فیض صاحب کے نحیف وجود پر نظر پڑی تھی۔ جن کے چہرے پر آکسیجن ماسک لگا ہوا تھا۔ وہ اس وقت بے ہوشی اور ہوش

کے درمیانی حالت میں جھول رہے تھے۔ان کو دیکھ کر ابراہیم کو تکلیف ہوئی تھی۔ آنکھوں میں نمی نے جگہ بنائی تھی۔وہ خاموشی سے چلتا ان کے بیڈ کے پاس موجود سٹول پر جا کر بیٹھتے کافی دیر بغیر پلکیں جھکائے انہیں دیکھتا رہا۔

سامنے پڑا وجود اس کے لیے ہمیشہ ایک ٹھنڈی اور محبت چھاؤں کی طرح رہا تھا جسنے ابراہیم کے لیے ہمیشہ اچھا ہی سوچا تھا۔انہوں نے سب کے مخالفت کے باوجود ابراہیم کو اپنایا تھا۔

ابراہیم کبھی اپنا بچپن نہیں بھولا تھا،اسے آج بھی یاد تھا کہ اس کے نانا نے اسے بتایا کہ ممی اس کے بابا کے ساتھ رہیں گی اب تو وہ کتنا رویا تھا تب فیض صاحب ہی تھے جن کی ٹھنڈی چھاؤں نے اسے اپنی آغوش میں لیا تھا۔تب سے اب تک یہ بڑے ابا ہی تھے جن کے سہارے وہ جیتا آیا تھا۔ورنہ اس کی ماں نے اسے دنیا میں تنہا مرنے کے چھوڑ ہی تو دیا تھا۔

ابراہیم جو بڑے ابا کو دیکھتے نجانے اپنی سوچوں میں کہاں کہاں پرواز کر رہا تھا ہوش میں آیا تھا۔

"اب۔۔۔ابراہیم!"فیض صاحب شاید میں بھی ابراہیم کے اندر چلتی بے چینی کو

محسوس کر کے گئے تھے، اس لیے اضطراب سے اپنی آنکھیں کھولتے کانپتے لہجے میں بولے تھے۔

"میں آپ سے ناراض ہوں بڑے ابا! کیونکہ آپ نے مجھ سے میرے ماں اور باپ دونوں کو چھیننے کی کوشش کی ہے۔" ابراہیم نے روٹھے بچے کی طرح سر جھکاتے نم آنکھوں سے کہا۔

جس پر فیض صاحب کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی تھی۔ وہ تو ابراہیم کی دیوانے تھے اسی کی محبت میں تو انہوں نے بہت کچھ کیا تھا۔ جس کا اگر علم ابراہیم کو ہو جاتا تو شاید وہ ان سے شدید نفرت کرتا۔

اور آج صبح جس سے انہوں نے ملاقات کی تھی اس کے بعد تو کوئی شک و شبہات نا تھے کہ ابراہیم جلد یا بدیر اس سب سے واقف ہو جائے گا۔

)فلیش بیک(

سالوں بعد آج عسرہ کو اپنے سامنے دیکھ کر فیض صاحب کو دھچکا لگا تھا۔ انہیں تو لگا تھا کہ شاید وہ اس کے فون نمبر تک ہی رسائی حاصل کر پائی ہے لیکن وہ تو ان تک پہنچ چکی

تھی۔

"کیا ہوا مجھے دیکھ کر چونک کیوں گئے بابا جان! کیا بھول گئے کہ ایک نا ایک دن چور پکڑ میں آ کر ہی رہتا ہے۔" عسرہ کے لہجے میں فیس صاحب سے نفرت بول رہی تھی۔ آخر یہی تو وہ آدمی تھے جنہوں نے اسے ان کے بیٹے سے دور کیا تھا۔

"یہ کیا بکوس ہے لڑکی ! اپنی زبان کو لگام دو میں نے کوئی چوری نہیں کی صرف اپنے پوتے کو لے کر آیا تھا سمجھی" فیض صاحب اس کی بات پر چٹک کر بولے تھے۔

اج جوان کے سامنے مضبوط چہرے پر ایک گزرے زمانے کی درد بھری داستان لیے عسرہ کھڑی تھی، وہ اس معصوم عسرہ سے بہت مختلف تھی جن سے وہ سالوں پہلے ملے تھے۔ اس عسرہ کو تو زمانے نے اپنی بھٹی میں جلا کر ٹھوس اور سخت بنا دیا ہوا تھا۔

"ہمم ویسے سچ کہوں مجھے سچ میں نہیں پتہ تھا کہ آج میری ملاقات آپ سے یہاں ہو گی میں تو واک کرنے کے لیے آئی تھی۔ لیکن لگتا ہے اب میرا خدا بھی مجھے میرے 'ابی' سے ملانا چاہتا ہے اسی لیے تو میں آج آپ کے سامنے آئی ہوں۔ پلیز ززز مجھے بتائیں کہ وہ کہاں ہے۔" عسرہ نے تمسخر اڑاتے لہجے میں کہتے آخر میں نم لہجے میں درخواست کی تھی۔

تھی تو وہ ایک ماں ہی نا کب تک اپنے جذبات پر قابو رکھ کر کھڑی رہ سکتی تھی۔

"اب تمہارے آنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے کیونکہ میرا بچہ اب اس عمر سے نکل چکا ہے جس میں اسے تمہاری ضرورت تھی لیکن تم نے اس کی پرواہ کیے بغیر کسی اور کا ہاتھ تھاما تھا۔اب تو وہ شادی بھی کر چکا ہے وہ بھی میری پسند کی لڑکی سے۔۔۔اور ماشاءاللہ سے اپنی زندگی میں بہت خوش بھی ہے۔اب تمہارے لیے یہاں کوئی جگہ نہیں ہے۔اس لیے بہتر ہے کہ تم اس کی زندگی میں اب دخل اندازی مت کرو۔" فیض صاحب نے خود پر قابو پاتے عسرہ بیگم کے ممتا بھرے دل کو چھلنی کرتے، تلخی سے بھرپور کہنے میں کہا تھا۔

"اپنی اہمیت پر اتنا اترائے مت جب اسے پتہ چلے گا کہ اس کی ماں نے کن حالات سے دوچار ہوتے نکاح کیا تھا۔اور اپ نے کیسے اس کو اس کی ماں سے چھینا تھا تب وہ آپ سے نفرت کرے گا، بے تحاشہ نفرت تب وہ میرے پاس آئے گا اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے آپ کو چھوڑ دے گا۔اس لیے بھول جائیں کہ اب میں ابراہیم کو سچ بتائے بغیر یہاں سے جاوں گی۔آج نہیں تو کل میں اپنے بیٹے سے مل کر رہوں گی۔" عسرہ بیگم نے بھی ان کی تلخی کا جواب تلخی سے دیا تھ۔اور وہاں سے نکلتی چلی گئیں تھیں۔

جب کہ فیض صاحب آنے والے حالت کا سوچتے اس قدر ذہنی دباؤ کا شکار ہوئے تھے کہ ہاسپیٹل آ پہنچے تھے۔

"میں سچ کہہ رہا ہوں بڑے ابا اگر آپ نے جلد ہی یہ بستر نہیں چھوڑا تو میں خود بھی آپ کے ساتھ یہی پر بستر لگوا لوں گا۔ پھر مجھ سے کوئی شکایت مت کیجئے گا۔" ابراہیم جو تب سے نجانے اور بھی کیا کچھ کہہ اس کی آخری بات پر فیض صاحب نے ڈھل کر اسے دیکھا تھا۔

پھر اسے سرزش کرتے اپنی بازوؤں میں بھینچ کر اطمینان کا سانس بھر گئے تھے۔ یہی تو وہ وجود تھا جس سے انہوں نے اج تک سب سے زیادہ محبت کی تھی۔ اس کے وجود کو سینے سے لگاتے انہیں اپنا جاسم اپنے پاس محسوس ہوتا تھا اور شاید اسی کی محبت کے سبب وہ اسے اس کی ماں سے علیحدہ کر کے بہت بڑی غلطی کر چکے تھے۔ جس پر پچھتانے سے اب کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔

@@@@@@@@@

بڑے ابا سے واپس آئے کافی دن گزر چکے تھے۔ ان دونوں ابراہیم نے ان کا بہت خیال رکھا تھا وہ انہیں اپنے پورشن میں لے ایا تھا۔ جہاں ان کی دیکھ بھال کے لیے

ابراہیم کے ساتھ ساتھ حیات اور بہت سے ملازم ہمہ وقت موجود ہوتے تھے۔ان سب سے یہ فرق پڑا تھا کہ اب ابراہیم کے پورشن میں سب نے آنا جانا شروع کردیا تھا اسے اسی گھر کا دوسرا حصہ تسلیم کرلیا گیا تھا۔یہاں تک کہ حمیرہ بیگم اور مراد صاحب کے آپسی تعلقات پھر سے ہموار ہوگئے تھے اور وہ بھی بڑے ابا کی وجہ سے آج کل ابراہیم کے پورشن میں ہی رہ رہے تھے۔

حمیرہ بیگم یہاں رہتے ہوئے ہر پل حیات اور ابراہیم پر نظر رکھے ہوئے تھے،وہ ایک ماں تھی اسی وجہ سے جس انداز میں ابراہیم ان کی بیٹی کی پرواہ کرتا تھا،اس نے ان کے دل میں ابراہیم کے لیے دل کے ایک حصّہ کو نرم کردیا تھا۔پر شاید کچھ لوگوں کی سوچ بدلنے میں وقت لگتا ہے اسی وجہ سے حمیرہ بیگم بھی مکمل طور پر مطمئین نہیں ہوئی تھی۔

دوسری طرف حیات کا یونی میں آڈمیشن ہونے پر ابراہیم نے اس کا آفس جانا بند کردیا تھا۔کیونکہ ابھی اس کا ماننا تھا کہ حیات کے لیے پڑھائی زیادہ ضروری ہے۔ہاں اس نے حیات سے یہ وعدہ ضرور کیا تھا کہ اگر وہ اپنی پڑھائی کے بعد کام کرنا چاہے گی تو ابراہیم اسے منع نہیں کرے گا شرط یہ کے وہ صرف ابراہیم کے پرسنل اسسٹنٹ کے طور ہی

کام کرے گی۔حیات تھوڑی بہت بحث کے بعد اس بات پر مان گئی تھی۔اسی لیے آج کل اس کی سر درد یہ یونی بنی ہوئی تھی جس کا طریقہ کار اسے سمجھنے میں اسے مشکل آ رہی تھی۔

کیونکہ باہر کی پڑھائی اور پاکستان کے ایجوکیشن سسٹم میں بہت فرق تھا،حیات کو یہاں اڈجسٹ ہونے میں وقت لگ رہا تھا،اس سب میں ابراہیم کھل کر اس کی مدد کر رہا تھا۔ وہ روزرات کو اسے پڑھائی میں مدد کرتا تھا۔تاکہ وہ آنے والے امتحانات اچھے سے دے سکے۔

آج بھی ابھی وہ بڑے ابا کو دوائی دے کر کمرے میں آئی تھی۔جب ابراہیم نے اسے کتابیں نکالنے کا کہا تھا۔جس پر حیات برے برے منہ بناتی کتابیں لے کر بیڈ پر بیٹھ چکی تھی۔

"اللہ جی دیکھیں میرے شوہر کو گھر آتے ہی یہ پھر سے کھڑوس بوس کے روپ میں آگئے ہیں ہر وقت بس مجھے آڈر دیتے رہتے ہیں۔اب بھی دیکھیں کبھی اس نے مجھ معصوم کو نہیں کہا کہ حیات آج تم نے سارا دن بہت کام کیا ہے۔تھک گئی ہوگی۔اس لیے آج پڑھائی مت کرو" ابراہیم کو دیکھتے حیات نے اونچی اواز میں بڑبڑا کر کہا تھا۔

مقصد ابراہیم کو سنانا تھا جو ابھی فریش ہو کر ڈریسنگ روم سے باہر آیا تھا۔

"اللہ جی کیا کر و یہ جو میری سٹوڈنٹ ہے نا وہ پیار سے بالکل بھی نہیں پڑھتی۔اس لیے میں تھوڑی سی بس تھوڑی سی سختی کرتے اسے پڑھانے کی کوشش کرتا ہوں تا کہ کل کو مجھے کوئی تانا نا دے کہ ایک بزنس ٹائیکون کی نالائق بیوی.. "ابراہیم نے بھی بدلہ میں چہرہ اوپر کرتے معصومیت سے کہا تھا۔

حالانکہ کہ اس کی چمکتی آنکھیں اس بات کی گواہ تھی کہ اپنی بات پر حیات کے سیخ پانے ہونے کو دل ہی دل میں سوچتے،اس نے جان بوجھ کر شرارت کی تھی۔اس کا یہ انوکھا اور شرارتی بچوں سا روپ صرف حیات مراد کے سامنے ہی باہر آتا تھا کیونکہ ابراہیم جاسم آفندی سمجھتا تھا کہ جیسے حیات کی ہر چیز پر اس کا حق ہے ویسے ہی ابراہیم کی ہر مسکراہٹ سے لے کر ہر شرارت تک صرف حیات ابراہیم کا حق ہے۔

"ابر! میں کبھی سوچ نہیں سکتی تھی کہ آپ مجھے اتنی نالائق سمجھتے ہیں۔خیر اب اگر اپ میرے بارے میں ایسا سوچتے ہیں تو ایسا ہی ٹھیک ہے میں بھی اب بالکل بھی نہیں پڑھوں گی۔"حیات کونسا کم تھی اس نے بھی مصنوعی افسوس سے کہتے آخر میں پینترا بدلا تھا۔اور کتابیں بند کرتے سائیڈ ٹیبل پر رکھتے وہ پر سکون سی سونے کے لیے لیٹ

گئی تھی۔

جس پر اپنے نم بالوں کو تولیے سے رگڑتے ابراہیم کے ہاتھ تھمے تھے، جبکہ منہ صدمے سے کھل گیا تھا۔اسے حیات سے ایسی توقع نا تھی۔

"ابر کی پیاری ڈول! دیکھو اچھے بچوں کیطرح اٹھ جاو کیونکہ آج یا تو تمہیں یہ دنیاوی سبق پڑھنا ہوگا نہیں تو میں پھر تمہیں ایسا محبت کا سبق پڑھاؤں گی کہ تمہاری یہ نیند بالکل اڑ جائے گی۔" ابراہیم نے حیات کے قریب بستر پر بیٹھتے اس کے کان کے قریب جھکتے لب دبا کر گھمبیر لہجے میں سرگوشی کی تھی۔

اس سرگوشی کا اصل مطلب سمجھتے حیات کا دل اتنا زور سے دھڑکا تھا کہ مانو ابھی باہر نکل کر آجائے گا۔اوس کی چمکتے موتی اس کی پیشانی پر چمکے تھے۔اسے اپنی نم ہتھیلیوں میں اپنا بے قابو ہوتا دل محسوس ہو رہا تھا۔اس لیے تیزی سے چہرے سے بلینکٹ ہٹا کر بولی۔

"مم۔۔۔میں تو مذاق کر رہی تھی۔ لیکن یہ دیکھیں بس پڑھنے لگی ہوں۔" بدحواسی میں کہتے حیات نے اپنے اوپر جھکے ابراہیم کے حصار سے نکلنے کی کوشش کرتے سائیڈ ٹیبل پر پڑی کتابیں اٹھانی چاہی تھیں۔

"اچھا لیکن اب میرا وہ سبق پڑھانے کو بالکل بھی دل نہیں چاہ رہا، بلکہ اب تو مجھے اپنی ان رومنٹک بیوی سے پیار بھری باتیں کرنی ہے۔" ابراہیم حیات کے شرم و حیا سے سرخ چہرے کے سحر میں کھوئے کسی اور ہی جہاں میں پہنچا تھا۔

ابراہیم کی پہلی باریوں زو معنی نظریں خود پر محسوس کرتے، حیات کی جان لبوں پر آئی تھی۔ جو کچھ کہنے کے لیے لب پھڑ پھڑا کر رہ گئے تھے۔

"اب۔۔۔۔۔ بر۔۔۔۔ پلل۔۔۔۔ پلی۔۔۔۔" حیات کی ٹوٹ پھوٹی باتیں کمرے کی معنی خیزی خاموشی میں ڈوب گئی تھی۔

"پیپپ۔۔۔ پلیز ابر چھوڑیں۔۔" ابراہیم کو پیچھے کرتے حیات نے اپنی سانسوں بحال کرتے کہا تھا۔ جو ابراہیم کی کچھ دیر پہلے کی گئی حرکت کی وجہ سے اعتدال میں نہیں آ رہی تھی۔

اس کی آواز پر ایک دم ابراہیم خوش میں آیا تھا۔ اور اس کے چہرے پر اپنی محبت کی پھوٹتی روشنی دیکھ کر گہری مسکراہٹ لیتے پیچھے ہوا تھا۔

"مجھے لگتا ہے آج کے لیے اتنی سزا کافی ہے۔ اب اگر تم نے چھوٹی کرنے کا سوچا تو

حساب لگا لینا میں روز اس سے بڑھ کر سزا دوں گا۔" حیات کے بال جو تھوڑے بکھر گئے تھے، انہیں اس کے کان پیچھے کرتے گھمبیر لہجے حیات کی جان ہلکان کرتے، ابراہیم وہاں سے اٹھا تھا اور کچھ پل کے لیے کمرے سے غائب ہو گیا تھا تا کہ اس کی نازک بیوی جو اس کی قربت کی جھلکیوں کو برداشت نہیں کر سکتی تو، اگر کبھی وہ اس پر مہربان ہو پڑتا تو نجانے کیا کرتی، کو پر سکون ہونے کا وقت دیتے بڑے ابا کے پاس چلا گیا تھا۔

جبکہ اس کے جانے کے بعد حیات سب کچھ ذہن سے نکالتے، بلینکٹ اچھے سے اوڑھتے سوئی گئی تھی کیونکہ اب وہ اس وقت ابراہیم سے نظریں ملانے کی سکت نہیں رکھتی تھی۔

ابراہیم جس وقت کمرے میں آیا تو حیات کو سوتے دیکھ محبت سے مسکرا دیا تھا۔ اور خود بھی اس کے پاس لیٹے اسے اپنے حصار میں لیتے نیند کی وادی میں اتر گیا تھا۔ محبت کی دیوی ان کو دیکھ کر ہولے سے مسکرائی تھی۔

@@@@@@@@@@@

فیض صاحب کی حالت چونکہ اب بہت بہتر ہو چکی تھی۔ اسی وجہ سے مراد صاحب نے صبح ڈائننگ ٹیبل پر سب کو اطلاع دی تھی کہ پرسوں کی فلائیٹ سے وہ واپس جا رہے

ہیں۔اس دفعہ انہوں نے حمیرہ بیگم کو بھی ساتھ چلنے کا کہا تھا۔جس پر وہ کچھ نہیں بولی تھی بس انہوں نے مبہم سہ سر ہلا دیا تھا۔

ان کے جانے کا سن کر ابراہیم پریشان ہو گیا تھا۔ابھی تو اس نے حمیرہ بیگم کو قائل کرنا تھا،اپنے رشتے کو بچانے کے لیے ہاتھ پیر مارنے تھے اگر وہ یوں چلی جاتی تو وہ شاید ساری زندگی کے لیے بے مراد ہی رہ جاتا۔اسی پریشانی کی وجہ سے وہ آج صبح سے آفس میں کام بھی نہیں کر پا رہا تھا۔بہت سوچ بچار کے بعد آخر کار ان سے آج ہی بات کرنے کا پختہ ارادہ باندھتے وہ گھر کی جانب چلا آیا تھا۔

جس وقت وہ گھر آیا،اس وقت سب ابراہیم کے پورشن میں ہی موجود تھے۔سوائے حمیرہ بیگم کے جو ساتھ والے پورشن میں اپنی پیکنگ کرنے گئی تھی۔

جس پورشن کے لان کے آگے رہائشی حصہ کی جانب ابراہیم نے سالوں پہلے وہاں سے دھکے دے کر نکالے جانے کے بعد وہاں کا رخ نہیں کیا تھا۔آج اسے اس حصہ کو اپنی محبت کی خاطر عبور کرنا تھا۔

دومنٹ لاونج کے دروازہ پر کھڑے ہو کر گہری سانس لینے کے بعد ابراہیم نے اندر کی جانب قدم بڑھائے تھے اور ملازمہ سے حمیرہ بیگم کا کمرہ پوچھتا اس جانب چلا آیا تھا۔یہ

تو شکر تھا کہ اس وقت لاونج میں افشاں بیگم اور فوزیہ بیگم جو اس پورشن میں ہی تھی، ان میں سے کوئی نہیں تھا ورنہ شاید یہاں پر ہنگامہ برپا ہو جاتا۔

"السلام و علیکم! پھوپھو کیا میں اندر آ جاؤ!" ابراہیم نے دروازہ پر کھڑے ہوتے دھڑکتے دل کے ساتھ پوچھا تھا۔ جس پر الماری سے کپڑے نکالتی حمیرہ بیگم کے ہاتھ تھمے تھے۔

"ہمم آ جاؤ!" حمیرہ بیگم اسے اندر کا کہتی پھر سے اپنے کام میں مشغول ہو چکی تھی۔ جبکہ ابراہیم بات کا آغاز کرنے کے لیے مناسب الفاظ کا چناؤ کر رہا تھا۔

"پھوپھو مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔ اس لیے پلیز اسے چھوڑیں اور ادھر آئیں۔" ابراہیم حمیرہ بیگم کے ہاتھ سے کپڑے لے کر، واپس الماری میں رکھتا انہوں بازو سے پکڑتے پاس پڑے صوفہ بیٹھاتے خود ان کے پاس گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا تھا۔

"جلد کرو ابراہیم مجھے اور بھی بہت سے کام ہیں۔" ابراہیم کی یوں زبردستی ان کو بٹھانے والی حرکت پر خائف ہوتے، حمیرہ بیگم خفگی سے بولی تھیں۔

"پھوپھو۔۔۔ کیا آپ کو سچ میں لگتا ہے کہ میں حیات کو کبھی خوش نہیں رکھ سکتا"

ابراہیم نے ان کے لہجے کو اگنور کرتے، آہستہ آواز میں ان سے استفسار کیا تھا۔ جس پر حمیرہ بیگم چند لمحے گہری نظروں سے اسے دیکھتے اس کے یہاں آنے کا مطلب سوچنے لگی تھی۔

"اس بات کا میں کیا مطلب سمجھوں ابراہیم ؟ خیر تم خود ہی بتادو کہ یہاں کیوں آئے ہو۔ "حمیرہ بیگم نے سپاٹ چہرے سے اس کے بات کا جواب دینے کی بجائے اس سے سوال داغا تھا۔

"پھوپھو! آج یہ ابراہیم آپ کے پاس اپنی سانسوں کی رہائی مانگتے ایا ہے جو بہت عرصے سے قید ہیں۔ جنکے باعث وہ کھل کر جی نہیں پارہا۔ جو اگر اب بھی آزاد نا ہوئی تو شاید یہ ابراہیم فنا ہو جائے گا۔" ابراہیم نے سرخ آنکھوں سے ان کی جانب دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

ابراہیم کی بات کا مفہوم سمجھتے حمیرہ بیگم کو نجانے کیوں تکلیف ہوئی تھی۔ شاید اپنے بھتیجے کی محبت اب بھی کہی ان میں موجود تھی۔

"ابراہیم کچھ چیزیں ہم چاہ کر بھی رہا نہیں کر سکتے، کیونکہ اس ایک چیز کے ساتھ بہت سوں کی خوشیاں جڑی ہوتی ہیں۔" حمیرہ بیگم نے اپنی نم آنکھیں چھپاتے ہوئے کہا تھا۔

"آپ کو سب کی خوشیاں نظر آتی ہیں پھو پھو لیکن کسی کو میری خوشیاں کیوں نظر نہیں آتی؟ ہاں شاید میں یتیم ہوں نا اس لیے میرے ساتھ سب ایس سلوک کرتے ہیں۔ آج اگر میرے بابا ہوتے تو شاید میرے ساتھ بھی آپ باقی سب کی طرح محبت سے پیش آتی اور حیات کو کبھی مجھ سے الگ نہیں کرتی" ابراہیم نے اضطراب سے بھرپور لہجے میں ان سے شکوہ کیا تھا۔

ابراہیم کے لب جو سالوں سے خاموش تھے آج جب ان سے شکوہِ نکلا تھا تو حمیرہ کو اپنا دل کٹتا ہوا محسوس ہوا تھا۔

"ابراہیم کیسی باتیں کر رہے ہو میرے بچے! میں تم سے بھی تو محبت کرتی ہوں، لیکن کیا کروں بیٹی کی محبت نے میرے ہاتھ پاؤں باندھ دیے ہیں۔ میں نہیں چاہتی کہ ساری زندگی اس کی گود سونے رہے۔ وہ دوسروں کے بچوں کو دیکھ کر آہیں بھرتی رہے کہ کاش اس کے بھی بچے ہوتے، اور اس کا آنگن بچوں کی قلقاریاں سے محروم ہی رہ جائے۔ بس اسی شاید میں تھوڑی خود غرض ہو رہی ہوں۔" حمیرہ بیگم نے اپنے گھٹنوں پر ہاتھ رکھے بیٹھے ابراہیم کے سر پر ہاتھ پھیرا تھا۔

"پھو پھو دنیا میں لاکھوں ایسے بچہ موجود ہیں جن کی پرورش کرنے والا کوئی نہیں ہے۔

ہم ان میں سے کسی کو اڈوپٹ کر کے اپنے دل کی تشنگی کو بھی تو مٹا سکتے ہیں نا، یہ ضروری تو نہیں کہ وہ بچہ ہمارا ہی ہو۔

اور ویسے بھی پھوپھو جب اللہ اور اس کے محبوب کے نزدیک یتیم کی پرورش کرنا انتہائی افضل عمل ہے۔ تو پھر اس پر عمل کیوں نہیں کر سکتے۔ اس لیے آپ پلیز مان جائیں نا پھوپھو اور مجھے اپنے وعدہ کی قید سے آزاد کر دیں۔ یہ قید اب مجھے اپنی جان لیتی محسوس ہو رہی ہے۔" ابراہیم نے انہیں قائل کرتے اپنی آنکھوں سے نکلتے آنسوؤں کو ان سے چھپانے کے لیے ان کے گھٹنے پر سر رکھا تھا۔

حمیرہ بیگم اس بات پر سوچ میں ڈوب گئی تھی۔ ان کے دل کو ابراہیم کی بات میں کوئی قباحت محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ دل تو بس یہ کہہ رہا تھا کہ کر دو اس شہزادے کو آزاد جو تمہاری بیٹی کو تم سے مانگنے آیا ہے۔ یقیناً گر وہ اسے سب سے زیادہ خوشیاں بھی دے ہی سکتا ہو گا۔

جبکہ دماغ کہہ رہا تھا کہ نہیں تم اسے وعدہ سے آزاد نہیں کر سکتی کیونکہ ایسا کرنے سے افشاں بھابھی ناراض ہو نگی جس کے ان پر بہت احسان تھے۔ افشاں بھابھی نے تو ہر موقع پر اسے سنبھالا تھا تب جب اس کی ماں انہیں چھوڑ کر گئی تھی، اور رب بھی انہوں

نے سب سے زیادہ ساتھ دیا تھا، جب ان کی مراد صاحب نے بڑے ابا کے پاس رشتہ لے کر آنا تھا۔ تو وہ کیسے اب احسان فراموش ہو سکتی تھی۔

"پھوپھو پلیز ایک بار اس ناچیز ابراہیم پر یقین کر کے دیکھیں۔ وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کا بھروسہ کبھی ٹوٹنے نہیں دوں گا۔ آپ کو کبھی شکایت کا موقع نہیں ملے گا کہ میری وجہ سے حیات کو کوئی تکلیف پہنچی ہے۔ اسے ہمیشہ شہزادیوں کی طرح رکھوں گا۔ پر پلیز آپ اس کے لیے میرے ہاتھوں پر موجود نا نظر آنے والی اس زنجیر سے مجھے آزاد کر دیں۔" ابراہیم نے اپنی سرخ ضبط کی آخری حدوں کو چھوتی نم آنکھوں سے حمیرہ بیگم کی جانب دیکھا تھا۔ اور شاید یہی وہ لمحہ تھا جب رب نے کے رحم ڈالا تھا۔

پر شاید ابھی اس شہزادے کی آزمائش باقی تھی اسی وجہ سے حمیرہ بیگم آنسوں صاف کرتے اٹھی اور اس کی طرف پشت کرتے کھڑی ہو گئی تھی۔

"ابراہیم جاو یہاں سے، میں مزید اب اس بات کو ڈسکس نہیں کرنا چاہتی۔" حمیرہ بیگم کی بات پر کوئی امید کی لو تھی جو ابراہیم کے اندر بجھ گئی تھی۔ اس کے آنکھیں حد سے زیادہ سرخ ہو گئی تھی کہ جیسے ابھی بس خون کے آنسوں رونے لگے گیں۔ وہ مردہ قدموں سے وہاں سے اٹھا تھا۔

اس کے اٹھتے ہی حمیرہ بیگم نے اوپر کی جانب دیکھتے سرگوشی کی تھی۔

"اے میرے مالک میں آپ کو گواہ بناتے ابراہیم کو اپنے وعدہ سے آزاد کر رہی ہوں۔ مجھے معاف کر دیجئے گا کہ میں پہلے ناشکری اور ناامید ہوگئی تھی اس لیے ابراہیم کو مشکل میں ڈال گئی تھی۔" حمیرہ بیگم کی سرگوشی وہاں موجود ہر چیز نے سنی تھی سوائے اس شہزادے کے جو دروازہ پار کر چکا تھا۔

حمیرہ بیگم کا خیال تھا کہ ڈھیڑ ماہ بعد جب وہ محراب کی بارات لے کر آئیں گی تو شاید وہ تب اس قابل ہوگئی ہوں کہ افشاں بیگم کے احسانات کو بھول کر ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کیف کے لیے انکار کر سکیں اور تب ہی وہ ابراہیم کو بتادیں گی کہ انہوں نے تو بہت پہلے سے ابراہیم کو معاف کر رکھا تھا۔

پر شاید ان کے یہ چھوٹی سی ابراہیم کو نا بتانے والی غلطی کسی کی جان لینے والی تھی۔

@@@@@@@@@@

ابراہیم ہر وعدہ کی پابندی سے آزاد تھا پر انجان تھا اسی لیے وہ تڑپ رہا تھا۔ وہ اپنے کمرے میں آتے وہاں اندھیرا کیے بیڈ لیٹ گیا تھا۔ آنسوں اس کی آنکھوں کے کناروں

سے رفتہ رفتہ بہنا شروع ہو چکے تھے۔ جن کو صاف کرنے کی زحمت بھی ابراہیم نے نہیں کی تھی۔

حیات جو نیچے فیض صاحب اور اپنے باپ کے ساتھ زور و شور سے لڈو کھیل رہی تھی۔ ابراہیم کو خلاف توقع یوں خاموشی سے کمرے میں جاتے دیکھ کر سب کچھ چھوڑ کر اس کے پیچھے آئی تھی۔

"ابراہیم آپ اندر ہیں؟ یہ آپ نے کمرے میں اتنا اندھیرا کیوں پھیلایا ہوا ہے؟ اور آج آفس سے جلدی بھی آگئیں ہیں۔ آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟؟" حیات نے اندھیرے میں اندازے سے بیڈ پر لیٹے ابراہیم کے پاس بیٹھتے ہوئے پوچھا تھا۔

پھر ہاتھ بڑھا کر اس نے سائیڈ ٹیبل سے لیمپ کی روشنی جلائی تھی۔

حیات کی موجودگی کی محسوس کرتے ابراہیم نے اپنے آنسوں صاف کرتے، اپنے اندر موجود تھوڑ پھوڑ پر کو چھپایا تھا اور مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے بھاری آواز میں بولا۔

"ہاں وہ بس صبح سے طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ سر میں ہلکا ہلکا درد بھی ہو رہا تھا۔ اسی وجہ

سے میں جلدی گھر آگیا کہ شاید آرام کرنے سے کچھ فاقہ ہو جائے تم پریشان مت ہو میں بالکل ٹھیک ہوں۔" ابراہیم نے حیات کے ہاتھ کو نرمی سے تھپتھپایا تھا، جو اس وقت حیات نے اس کے ہاتھ پر رکھا تھا۔

"آپ کی سرخ آنکھیں دیکھ کر تو لگ رہا ہے کہ تھوڑی سی نہیں بلکہ آپ کی طبیعت بہت زیادہ خراب ہے۔ آپ ایک کام کریں جلدی سے لیٹ جائیں میں آپ کا سر دباتی ہوں اس سے آپ کو ارام ملے گا۔" حیات نے بیڈ کے دوسری طرف سے ابراہیم کے ساتھ بیٹھ کر اسے زبردستی لیٹایا تھا اور اس کے سر کو دبانے لگی تھی۔

NEW ERA MAGAZINE .com

حیات کے نرم ہاتھوں کا لمس ابراہیم کی تپتی پیشانی کو ٹھنڈک بخشا رہا تھا۔ اسے حیات کا یہ عمل بہت پسند آیا تھا۔ اس لیے حیات کی گود میں سر رکھتے خود کو چند لمحوں کے لیے ان تکلیف دہ سوچوں سے آزاد کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

ابراہیم کی اس حرکت پر حیات نے جھجھک کر ہاتھوں کی حرکت روکی تھی۔ لیکن پھر اپنے دھڑکتے دل کو سنبھالتے وہ نرمی سے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرنے لگی تھی۔ اسے نجانے کیوں لگ رہا تھا کہ جیسے کچھ ایسی بات ضرور ہے جو ابراہیم کو تکلیف دے رہی ہے۔ اسے تڑپا رہی ہے وہ چاہتی کہ ابراہیم اس سے خود شئیر کرے لیکن ابراہیم

کے چھپانے پر وہ چپ سی کر گئی تھی۔

سوچوں میں گم نجانے کتنی دیر گزر گئی تھی کہ حیات کو علم ہی نہیں ہوا تھا۔ ہوش تو اسے تب آیا تھا جب ابراہیم ایک دم ہڑ بڑا کر اٹھا تھا اور گہرے گہرے سانس لینے لگا تھا۔

"ابراہیم کیا ہوا آپ کو؟؟ ٹھیک تو ہیں؟؟ ایسے کیوں ہانپ رہے ہیں؟" حیات نے جلدی سے ابراہیم کو اپنی طرف متوجہ کرتے پوچھا تھا۔

ابراہیم کے حواس اس وقت بالکل اڑے ہوئے تھے، ماتھے پر پسینہ چمک رہا تھا، کالی مسحور کن آنکھیں اس وقت سرخی اور وحشت سے بھری ہوئی تھی۔ تنفس بہت تیز ہوا ہوا تھا۔ یوں لگ رہا تھا کہ وہ خواب دیکھ کر ڈر گیا ہے۔

"کک۔۔۔ کچھ نہیں ہوا۔ تم بس کہی مت جانا یہی بیٹھی رہنا۔ پلیز مجھے تنہا مت کرنا۔" ابراہیم کی عجیب سے لہجے میں کہی گئی بات حیات کو کچھ سمجھ نہیں آئی تھی لیکن اتنا ضرور اندازہ ہوا تھا کہ شاید وہ خواب میں حیات کے دور جانے سے ڈر کر اٹھا ہے۔ اسی لیے اب ایسا کر رہا ہے۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"ابر ریلیکس آپ نے ابھی صرف ایک خواب دیکھا تھا۔ حقیقت میں ایسا کچھ نہیں ہے۔ دیکھیں میں آپ کے پاس بیٹھی ہوں اور اپ سے کبھی دور نہیں جاوں گی۔" حیات نے ابراہیم کے سر پر میں اپنی مخروطی انگلیاں پھیرتے، اس کو پر سکون کرنا چاہا تھا۔

"پکا پرامیس ؟!" ابراہیم نے اس سے عہد چاہا تھا۔

"پرامیس (کیونکہ آپ سے علیحدگی مجھے صرف موت کی صورت میں ہی مل سکتی ہے ابر! اس لیے پریشان مت ہوں میں آپ کا کبھی پیچھا نہیں چھوڑوں گی اور نا ہی کسی کو آپ کے پیچھے آنے دوں گی۔)" ابراہیم سے عہد کرتے، اس کے ہاتھوں کو پکڑ کر آنکھوں سے لگاتے، حیات دل میں بڑبڑائی تھی۔

حیات کی بات پر پر سکون ہوتے ابراہیم نے اس کے ماتھے پر شدت، اعتزام اور محبت سے بھرپور بوسہ دیا تھا۔ اور پھر اسے اپنے حصار میں اس طرح لیتے آنکھیں موندے گیا تھا کہ جیسے ابھی گرفت ڈھیلی ہو گی تو کوئی حیات کو اس سے چرا لے گا۔ حیات بھی اس کی قید میں پر سکون نیند کی وادیوں میں اتر گئی تھی۔

@@@@@@@@

"السلام علیکم آنٹی کیا میں اندر آسکتا ہوں۔؟"مسسز کامران کے آفس کے دروازے پر کھڑے کیف نے دروازہ نوک کر کے پوچھا تھا۔

کافی دنوں سے وہ مسسز کامران سے بہت اہم بات کرنا چاہتا تھا لیکن انابیہ کی وجہ سے وہ گھر میں ان سے بات ہی نہیں کر پا رہا تھا جو ہر وقت ہمیشہ اس کے ساتھ ساتھ رہتی تھی۔

"ارے کیف بیٹا! آؤ نا؟ آج یہاں کا کیسے رخ کر لیا تم نے؟؟"مسسز کامران جو کسی کا فائل کا مطالعہ کر رہی تھیں۔انہوں نے آنکھوں سے نظر کا چشمہ اتار کر حیرت کا اظہارِ کیا تھا۔

"آنٹی۔۔۔دراصل مجھے آپ سے بہت اہم بات کرنی تھیں جو میں گھر پر نہیں کر سکتا تھا۔اسی لیا یہاں چلا آیا۔آپ کو برا تو نہیں لگا؟"کیف نے جھجھک کر کہا تھا۔اسے یوں بغیر پوچھے آنا کچھ نہیں لگ رہا تھا۔

"اٹس اوکے کیف بیٹا! مجھے آپ کا یہاں آنا بالکل بھی بر نہیں لگا۔آپ بتاؤ آپ کو کیا بات کرنی ہے۔"مسسز کامران اس کی جھجھک سمجھ گئی تھی اس لیے مسکرا کر انٹر کام پر کیف کے لیے کافی لانے کی ہدایت دینے کے بعد بولی تھیں۔

"آنٹی جو بات میں آپ سے آج کرنے آیا ہوں اصولاً تو وہ میرے پرنٹس کو کرنی چاہیے تھی لیکن میں معزرت چاہتا ہوں کہ وہ اس پر شاید بہت مشکل سے راضی ہوں۔ لیکن میں اس کام کو ہر حال میں کرنا چاہتا ہوں۔اس لیے اس وقت آپ کے پاس سوالی بن کر آیا ہوں۔"کیف نے پر اعتماد لہجے میں اب کے بناڈرے بات کا آغاز کیا تھا۔کیونکہ اسے مسسز کامران کے لہجے سے کافی ڈھارس ملی تھی

"کیف بیٹا مجھے آپ کی بات کچھ سمجھ نہیں آیا۔پلیز تھوڑا کھل کر بتائے"وہ زمانہ شناس عورت تھی پل بھر میں کیف کی بات سمجھ گئی تھی لیکن پھر اپنی سوچ کو محظ ایک خیال سمجھتے وہ سر جھٹک کر بولی تھی۔

"آنٹی میں انابیہ سے نکاح کرنا چاہتا ہوں وہ بھی جلد از جلد"کیف نے مسسز کامران کی بات پر ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بلا جھجھک کہا تھا۔جس پر جانے کیوں مسسز کامران کا چہرہ سپاٹ ہوا تھا۔حالانکہ انہیں تو خوش ہونا چاہیے تھا کہ اتنا اچھا داماد خود چل کر ان کے پاس آرہا ہے۔

"کیف بیٹا آر یو شیور کے انابیہ کی ساری ذہنی حالات جانے کے بعد بھی آپ اس سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔کہی ایسا نا ہو کہ ابھی تو جوش میں آکر آپ اس سے شادی کرلیں

پھر کچھ عرصہ بعد میری بیٹی سے اکتا کر اسے چھوڑ جائیں۔ اگر ایسا ہے تو بچے میں پہلے ہی کہہ رہی ہوں کہ چند دن کی ہمدردی میں آکر یہ شادی مت کرو۔" مسسز کامران نے کیف کے چہرہ کے تاثرات کا بغور موازنا کرتے ہنوز اسپاٹ چہرہ لیے کہا تھا۔

"آنٹی پہلی بات کہ میں کیف نعمان آفندی ہوں فیض آفندی کا پوتا جو جس بات پر اڑ جائے اس بات کو پھر پورا کر کے رہتا ہے۔ اگر میں آپ سے کہہ رہا ہوں کہ میں شادی کرنا چاہتا ہوں تو یقین کریں کہ میں شادی نبھا بھی سکتا ہوں۔ اور آپ کو کوئی حق نہیں کے میری محبت کو بنا جانے کسی بھی پیراہن میں تولیں۔" کیف نے مسز کامران کی بات کا جواب دیتے تلخی سے کہا تھا۔ جن کے چہرے پر کیف کی بات سننے کے بعد کئی رنگ آرہے تھے اور جا رہے تھے۔

"تو ٹھیک ہے کیا تم اپنی بات کو پورا کرنے کے لیے آج کے آج اسی وقت نکاح کر سکتے ہو۔" مسسز کامران نے اپنے اندر ہوتی تباہیوں کے تاثرات اپنے چہرے سے چھپاتے ہوئے کیف سے پوچھا تھا۔

جوان کی بات پر حیران ہوا تھا۔ کہ ایک دم سے وہ کیسے مان گئی لیکن پھر مسسز کامران کی چیلنج کرتی آنکھوں میں دیکھ کر وہ اثبات میں سر ہلا گیا تھا۔ جن میں یہ صاف واضع تھا

کہ مجھے نہیں لگتا کہ تم یہ کر پاؤ گے۔ کیف نے اپنا اقرار انہیں تھامتے ان کی بات کو غلط ثابت کیا تھا۔

@@@@@@@@@

ابھی کچھ دیر پہلے کیف اور انابیہ کے نکاح کی رسم ادائگی تھی۔ جس میں کیف کے دوست انسپیکٹر اسد، ایراج اور مسسز کامران کے علاوہ مسسز کامران کے چند ایک بھروسہ مند آفس ورکر نے شرکت کی تھی۔

ایراج اس افراتفری میں ہوئے نکاح کا سبب نہیں جان سکی تھی، لیکن وہ اس نکاح پر بہت خوش تھی۔ کہ خدا کا شکر تھا کہ اس کے اس کی طرح کیف کو کسی قسم کی جدائی کا سامنا نہیں کرنا پڑا جیسی وہ محراب سے الگ ہو کر کر رہی تھی۔

اسد تو مسلسل شرارتی نظروں سے کیف کو دیکھتے اسے تپا رہا تھا کہ دیکھو پھر میری بات سچ ہوئی۔ لیکن کیف کونسا کم تھا وہ بھی ڈھیٹوں کی طرح اسد کی بات پر دانت نکالتے تصدیق کی مہر لگا رہا تھا۔

آخر کار کھانے وغیرہ سے فارغ ہو کر جب باقی سب لوگوں کے ساتھ اسد بھی ان سے

اجازت لیتے وہاں سے رخصت ہوا تھا۔تو ایراج کو بھی وقت زیادہ گزرنے کا احساس ہوا تھا،اس لیے واپس جانے کے لیے اٹھی تھی۔

"آنٹی اب ہمیں بھی اجازت دے ہم چلتے ہیں۔اتنی دیر گھر سے غائب رہنا ہمارا ٹھیک نہیں ہے کیونکہ ابھی گھر میں اس بارے میں کسی کو کچھ پتہ نہیں ہے لیکن آپ یقین کریں بہت جلد میں اور کیف گھر والوں کو منا لیں گے پھر میں اپنی بھابھی کو لینے ضرور آؤں گی۔"ایراج نے خلاف عادت بہت سمجھداری کا ثبوت دیتے مسسز کامران سے اجازت لی تھی۔

"میں سمجھ سکتی ہوں بیٹا کہ ایک تو نکاح جلدی میں ہوا ہے دوسرا اپنی بیٹی کی حالت سے بھی واقفیت رکھتی ہوں۔اس لیے گھر والوں کو مناتے تھوڑا ٹائم تو لگے گا۔لیکن تم پریشان مت ہو میں اس کام میں تم لوگوں کی مدد کروں گی۔"مسسز کامران نے پراثرار لہجے میں کہا تھا۔

"جی جی آنٹی ان شاءاللہ جلد ہی سب ٹھیک ہو جائے گا۔اب اجازت دیں۔ "ایراج نے مسسز کامران کے ہاتھوں کو تھپک کر انہیں حوصلہ دیا تھا۔جس پر مسسز کامران کے چہرے پر عجیب سی پراثرا مسکراہٹ ابھری تھی۔جیسے اس مسکراہٹ میں بہت

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsanay|Articles|Books|Poetry|Interviews

کچھ چھپا ہوا ہو۔

"ایراج تم گاڑی میں جا کر بیٹھو مجھے آنٹی سے کچھ ضروری بات کرنی ہے میں وہ کر کے آتا ہوں۔ "کیف نے ایراج کو گاڑی کی چابی پکڑاتے سنجیدگی سے کہتے اسے باہر بھیجا تھا اور خود مسسز کامران کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

"آنٹی اگر آپ برا نا مانیں تو مجھے آپ سے انابیہ کی صحت کے متعلق کچھ پوچھنا ہے۔ آپ اس بات کا غلط مطلب ہر گز نا سمجھیے گا کہ شاید میں انابیہ کی ذمہ داری لینے سے گھبرا گیا ہو تو اس لیے پوچھ رہا ہوں۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

آنٹی مجھے بس یہ جاننا ہے کہ ایسا کیا ہوا تھا جس کی وجہ سے انابیہ کی دماغی حالت اس قدر بری ہوئی ہے؟ یا پھر کیا وہ پیدائشی طور پر ایسی ہے۔"کیف کے لہجے میں بہت کچھ جاننے کی جستجو تھی۔

اس کے بات کا جواب دینے کی بجائے مسسز کامران اٹھ کھڑی ہوئی تھی اور اسے لے کر انابیہ کے کمرے کی طرف بڑھی تھی جس کو کچھ دیر پہلے ملازمہ نے مسسز کامران کی ہدایت پر دوائی دے کر سلایا تھا۔

انابیہ کے کمرے میں داخل ہوتے مسسز کامران ایک فائل کیف کی طرف بڑھاتے بولی

"میں جانتی ہوں کہ تم انابیہ کو ٹھیک دیکھنا چاہتے ہو اسی لیے اس کی یہ میڈیکل فائل تم پر بھروسہ کرکے تمہیں دے رہی ہوں۔ میری بچی پیدائشی مریضہ نہیں ہے بلکہ اس کے سائیکو غریب باپ نے مجھ سے میری پراپرٹی کے پیپرز پر سائن کروانے کے لیے اپنی ہی بچی کو مہرا بنایا تھا۔ لیکن میرے سائن نا کرنے پر اسنے انابیہ کو بہت ٹارچر کیا تھا یہاں تک کہ انابیہ کو اس نے چھوٹی سی عمر میں نشہ آور ادویات کا عادی بھی بنادیا تھا۔ جس کا میری بچی پر بہت برا اثر ہوا تھا اور وہ اپنا دماغی توازن کھو بیٹھی ہے۔

ایک لمبا عرصہ میں نے اسے اسپتال میں ایڈمٹ رکھا ہے جہاں اس کے نشہ کی عادت کو تو ختم کروادیا ہے۔ لیکن اس کی ذہنی حالت مزید بدتر ہوگئی ہے۔ شروع شروع میں تو وہ اپنے ارد گرد موجود ہر شخص سے خوف محسوس کرتی تھی لیکن آہستہ آہستہ اب اس میں سدھار آرہا ہے۔ جو کہ تمہارے آنے سے مزید بڑھا ہے۔ وہ تمہیں اپنا ہمدرد، دوست اور مہربان ساتھی سمجھتی ہے۔

کچھ دن پہلے جب میں نے ڈاکٹر سے انابیہ کے بارے میں بات کی تھی تو انہوں نے کہا

کہ اس وقت انابیہ کو دواؤں سے زیادہ کسی ایسے جذباتی سہارے کی ضرورت ہے جو اس کے اندر بسے دنیا کو فیس کرنے کے خوف کو ختم کر کے اسے اندھیرے سے روشنی میں لا سکے۔اس لیے اب میں اپنی بچی تمہارے حوالے کر رہی ہوں۔میری بس یہی خواہش ہے کہ میں مرنے سے پہلے اپنی بچی کو نارمل زندگی گزارتے دیکھ سکوں۔"

مسسز کامران نے فائل کیف کو پکڑانے کے بعد روتے ہوئے اپنی کل کائنات کے ماتھے پر بوسہ دیا تھا جو اس وقت دواؤں کے زیرِ اثر میں پڑی سو رہی تھی۔

"امید ہے کیف آفندی تم مجھے کبھی بھی مایوس نہیں کرو گے۔"کب سے گم سم کھڑے کیف کے کندھے کو تھپتھپاتے مسسز کامران آنکھیں صاف کرتی اٹھ کر باہر چلی گئی تھی۔جبکہ کیف دھیرے سے قدم اٹھاتے سوئی ہوئی انابیہ کے پاس بیٹھا تھا۔

پنک کلر کی سلک کی نائٹی میں انابیہ اس وقت سلیپنگ بیوٹی کی مانند لگ رہی تھی کہ جو اس وقت آنکھیں بند کیے دنیا کے فریب و مکر سے بھرے چہرے سے بہت دور تھی۔

کیف کی آنکھوں سے انابیہ کے تکلیف پر ایک آنسو ٹوٹ گرا تھا جو انابیہ کے بالوں میں جذب ہو گیا تھا۔

وہ جو آج سے پہلے کبھی جان ہی نہیں پایا تھا کہ آخر حیات مراد اس کی بجائے ابراہیم کی

جھولی میں ہی کیوں ڈالی گئی اور حیات سے محبت کے بعد اسے اتنی جلدی انابیہ سے محبت کیسے ہو گئی ہے۔

اسے اپنے سوالوں کا جواب آج ملا تھا کہ اسے جو حیات سے ہوئی تھی وہ تو محبت تھی ہی نہیں کیونکہ محبت تو محبوب کی ہنسی میں ہنسنے اور محبوب کے غم میں رونے کا نام ہے۔ محبت میں تو انسان اپنے محبوب کے لیے ہر حد گزرنے کو تیار ہوتا ہے۔ لیکن اسے نا تو کبھی حیات کی تکلیف میں تکلیف نہیں ہوئی تھی نا اس کی خوشی میں کبھی خوشی ہوئی تھی۔ اسے تو بس اس کی خوبصورتی نے اپنی طرف مائل کیا تھا اور پھر جب رب نے اس کی پسلی سے انابیہ کو نکالا تھا جو آج اس کے نکاح میں تھی تو کیسے ممکن تھا کہ اسے حیات مراد مل جاتی۔

اس کی زندگی کی شہزادی تو انابیہ تھی جو اس دنیا کہ کسی حصے میں اس کے انتظار میں بیٹھی تھی۔ جس کی ہر دکھ، ہر خوشی کیف کو اپنے دل میں اترتی محسوس ہوتی تھی۔ جب وہ ہنستی تھی تو کیف آفندی کا دل جھوم اٹھتا تھا اور جب وہ اداس ہوتی تھی تو کیف آفندی کا دل مرجھا جاتا تھا۔ جو اس کے لیے آنے جانے والی سانسوں کی ضمانت بن گئی تھی۔

اسی لیے تو وہ مسسز کامران کے اتنے افراتفری میں نکاح کرنے کا کہنے پر بھی وہ بلا تردد

مان گیا تھا۔

"مسسز کیف آفندی آپ اپنے سپر مین کے دل میں آئی تو اپنی مرضی سے ہیں لیکن اب چاہے کچھ بھی ہو جائے کبھی اس سے رہائی نہیں پا سکیں گی۔ کیونکہ کیف آفندی آپ کو کبھی خود سے دور نہیں جانے دے گا اور ہاں اپ چاہے جیسی بھی ہیں اور چاہے مکمل طور پر ٹھیک ہوں یا نا ہوں ایک بات یاد رکھیں گا آپ صرف میری رہیں گی۔ میں کبھی کسی کو آپ کے دل کے تو کیا آپ کے قریب بھی نہیں آنے دوں گا۔ آپ کو صرف میری بننا ہے اس لیے اس نادانی کے عالم میں بھی یہ بات اپنے دل کو اچھے سے سمجھا دیجئے گا۔ چلتا ہوں امید ہے بہت جلد آپ میری دسترس میں ہونگی۔" کیف انابیہ کے چہرے کے ہر حصے کو اپنی محبت سے معتبر کرتے دیوانہ وار بول رہا تھا۔

اور پھر اپنے موبائل پر آتی ایراج کی کال کو دیکھتے، انابیہ پر آخری خاموش محبت بھری گہری نظر ڈالتے وہاں سے اٹھ گیا تھا۔

حرف تازہ نئی خوشبو میں لکھا چاہتا ہے

باب اک اور محبت کا کھلا چاہتا ہے

ایک لمحے کی توجہ نہیں حاصل اس کی

اور یہ دل کہ اسے حد سے سوا چاہتا ہے

اک حجاب تہہ اقرار ہے مانع ورنہ

گل کو معلوم ہے کیا دست صبا چاہتا ہے

ریت ہی ریت ہے اس دل میں مسافر میرے

اور یہ صحرا ترا نقش کف پا چاہتا ہے

یہی خاموشی کئی رنگ میں ظاہر ہوگی

اور کچھ روز کہ وہ شوخ کھلا چاہتا ہے

رات کو مان لیا دل نے مقدر لیکن

رات کے ہاتھ پہ اب کوئی دیا چاہتا ہے

تیرے پیمانے میں گردش نہیں باقی ساقی

اور تری بزم سے اب کوئی اٹھا چاہتا ہے

@@@@@@@@@@@@

حمیرہ بیگم مراد صاحب کے ساتھ واپس جاچکی تھی۔جاتے جاتے انہوں نے کافی عرصہ بعد اپنی بیٹی کو گلے لگا کر پیار کیا تھا۔یہی نہیں انہوں نے تو ابراہیم کو بھی گلے لگایا تھا۔جس پر سب بہت پر سکون اور خوش ہو گئے تھے۔کیونکہ انہیں لگ رہا تھا کہ حمیرہ بیگم نے یہ رشتے قبول کر لیا ہے۔حیات توان کے رویے پر کھل اٹھی تھی۔اب تو ہر وقت اس کے چہرے پر مسکراہٹ رہتی تھی۔زندگی نے ایک دم پلٹا کھا کر بہت حسین رنگ دکھائے تھے اسے۔۔۔

اس کے ساتھ ہی حیات جو آج کل ابراہیم کی کشمکشِ کو بہت اچھی طرح سے بھانپ رہی تھی۔چاہ کر بھی اس سے کچھ پوچھ نہیں پا رہی تھی کیونکہ وہ چاہتی تھی کہ ابراہیم خود اس پر یقین کر کے اسے بتائے۔

احیات کے ایک خوش کن بات یہ بھی تھی کہ اپنی پریشانی کے باوجود بھی ابراہیم نے کبھی حیات کو ڈانٹہ تک نہیں تھا۔بلکہ واپس آنے کے بعد سے تو اب وہ اور بھی زیادہ حیات کی کئیر کرنے لگا تھا۔وہ بہت محبت سے پیش آتا تھا لیکن اس کا چہرے پر ہر وقت ایک پریشانی کے حصار میں رہتا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE .com

دوسری طرف ابراہیم آج کل بہت سے اسلامک بکس پڑھ رہا تھا اور تو اس نے اپنے ایک جاننے والے امام مسجد سے مشورہ لینے کا ارادہ باندھا تھا۔ وہ بہت پر امید تھا کہ اگر رب نے اسے راہ دیکھائی ہے تو اس وعدے سے رہائی بھی دلائیں گے کیونکہ وہ ساری زندگی اپنی ڈول کے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔

@@@@@@@@@@@@@

حیات جس کو آج کل نیا نیا کولنگ سیکھنے کا شوق ہو رہا تھا۔ روز کچھ نا کچھ بنا کر اپنی کوکنگ کے ہنر بڑے ابا اور ابراہیم پر آزما رہی تھی۔ آج اس نے بہت لگاؤ سے پلاو بنایا تھا۔

گیارہ بج رہے تھے لیکن ابراہیم تو ابھی تک آیا نہیں تھا۔ پر ہاں بڑے ابا نے تو اس کے ہاتھ کا پلاؤ کھا کر بہت تعریف کی تھی اور اسے انعام کے طور پر سونے کے کنگ بھی دیے تھے جو انہوں نے اپنے ابراہیم کی بیوی کے لیے خاص طور پر بنائے تھے۔

حیات ان کنگن پر ہاتھ پھیرتے غائب دماغی سے کب سے لاونج میں بیٹھی ابراہیم کا انتظار کر رہی تھی۔ جب رات کے ساڑھے گیارہ بجے کے قریب ابراہیم نے گھر میں قدم رکھا تھا۔ آفس میں زیادہ کام تو نہیں تھا لیکن آفس ورک کے بعد ایک اسلامک بک پڑھتے پڑھتے اسے کافی دیر ہو گئی تھی۔ اس لیے وہ گھر دیر سے پہنچا تھا۔

ابراہیم جو سیدھا اوپر کی طرف جارہا تھا لاونج میں گھریلوں حلیے میں، گلابی رنگ کے شلوار قمیض میں ڈوپٹہ گلے میں اچھے سے پہنے بیٹھی حیات پر اس کی نظر پڑی تھی۔اسے اپنے انتظار میں دیکھ کر ابراہیم کو خوشگوار حیرت کے ساتھ ملال بھی ہوا تھا کیونکہ اس کی پیاری سے بیوی نیند سے لڑنے کی کوشش میں بے حال ہوتی صوفہ پر بیٹھی اونگھ رہی تھی۔جس کے جوڑے سے نکلے بالوں نے اس کے صبیح چہرے کا احاطہ کیا ہوا تھا، اس کی حالت پر ابراہیم کو بے ساختہ ترس آیا تھا۔

اس لیے اس کے پاس صوفہ پر بیٹھتے چند لمحے اسے دیکھنے کے بعد اس کے ماتھے کو معتبر کرتے اسے اٹھاتے اوپر کی جانب بڑھا تھا، ارادہ اسے کمرے میں لیجانے کا تھا۔

ابراہیم کے اٹھانے پر حیات گڑبڑا کر اٹھی تھی۔

"آاا۔۔۔آپ آ گئے۔سوری وہ میری نیند آنے سے آنکھ لگ گئی تھی۔"شرمندگی سے نظریں جھکائے حیات نے نیچے اترنے کی کوشش کی تھی۔ایسا کتی وہ ابراہیم کو بہت ہی پیاری لگی تھی۔

"اس میں ساری غلطی میری ہے ڈول مجھے کام کے دوران خیال رکھنا چاہیے کہ میری پیاری سی بیوی گھر میں میرا انتظار کر رہی ہو گی۔لیکن خیر آج تو ایسا ہو گیا لیکن پر و میس

میں آئندہ سے احتیاط کروں گا۔اس لیے آج کے لیے آئم سوری کہ تمہیں میری وجہ سے انتظار کرنا پڑا" ابراہیم نے حیات کو احتیاط سے نیچے کھڑے کرتے معزرت خواہ لہجے میں کہا۔

"کوئی بات نہیں، مجھے آپ کا انتظار کرنا اچھا لگتا ہے۔اس لیے کرتی ہوں۔آپ شرمندہ مت ہوں اور جائیں فریش ہو کر آئیں میں تب تک آپ کے لیے کھانا گرم کرتی ہوں۔" حیات نے مسکرا کر کہتے، ابراہیم کو اوپر بھیجا تھا اور خود اس کے لیے کھانا گرم کرنے لگی تھی۔

کچھ دیر بعد نم بالوں کو ماتھے پر بکھیرے، سفید شلوار سوٹ میں ملبوس فریش سہ ابراہیم ڈائننگ روم میں داخل ہوا تھا۔اس کو دیکھ حیات کو وہ لمحہ یاد آیا تھا۔جب پہلی بار اس نے ابراہیم کو دیکھا تھا تب وہ اسی لباس میں پودوں کو لان میں پانی دے رہا تھا۔تب حیات نے سوچا بھی نہیں تھا کہ آنے والے وقت میں یہ شخص اسے اپنی جان سے زیادہ عزیز ہو جائے گا۔اپنی سوچ پر حیات خود ہی شرما کر ہنس دی تھی۔

"کیا بنا ہے آج؟" ابراہیم کرسی گھسیٹ کر بیٹھا تھا۔

"خود ہی دیکھ لیں کیا بنا ہے۔" حیات نے دبے دبے جوش سے ابراہیم کی پلیٹ میں

کھانا پروسہ تھا۔

"واہ پلاؤ تو آج بہت اچھا بنا ہے۔ لیکن آج اسلم بابا کے ہاتھ کا ذائقہ کچھ بدلہ بدلہ سہ نہیں ہے۔" ابراہیم نے کھانے کی تعریف کرتے ہوئے، آخر میں اس کی طرف دیکھا تھا۔

حیات کا تو منہ ہی صدمہ سے کھل چکا تھا۔ ایک تو وہ دوپہر سے بھوکی تھی اوپر سے ابراہیم نے اس سے ایک دفعہ بھی نہیں پوچھا تھا کہ حیات تم نے کھانا کھایا ہے یا نہیں؟ بس آتے ہی خود شروع ہو گیا تھا دوسرا اب اس کی اتنی محنت سے بنائے گے پلاؤ کو اسلم بابا کے ہاتھ کا بنا سمجھ کر تعریف کر رہا تھا۔

"کیا ہو کیا میں نے کچھ غلط کہہ دیا۔؟" حیات کے روہانسے چہرے کو دیکھتے ابراہیم گڑبڑا گیا تھا۔

"کچھ نہیں آپ بیٹھ کر کھائیں مجھے بہت نیند آرہی ہے میں جارہی ہوں سونے۔۔۔" حیات نے اپنے آنسوں روکتے بہت مشکل سے کہا تھا اور وہاں سے اٹھ کر کھڑی ہوئی تھی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

اس سے پہلے کہ وہ وہاں سے جاتی ابراہیم نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا تھا۔ جس سے وہ اس کی گود میں آکر بیٹھ گئی تھی۔

"حیات جی! میری پیاری ڈول نے بہت مزے کا پلاؤ بنایا ہے۔ پلیز کھائیے نا، اور بتائیں آپ اس کی تعریف میں کیا کہنا چاہیں گی؟" چہرے پر مصنوعی معصومیت سجاتے ابراہیم نے محبت بھری نظروں سے دیکھتے، شرارت سے اس کے منہ میں نوالہ ڈالتے کہا۔ وہ تو بس مذاق کر رہا تھا پر اس کی معصوم بیوی تو ناراض ہی ہو گئی تھی اس لیے جلد ہی لائن پر آیا تھا۔

"اااا۔۔۔ ابراہیم۔۔۔ کوئی آجائے۔۔۔ گا۔ آپ پلیز چھوڑیے میں وہاں بیٹھ جاتی ہوں۔" حیات نوالہ نگلنے کے بعد جھنپ کر منمنائی۔

"پہلی بات اتنی رات کو یہاں بڑے ابا کے علاوہ کوئی نہیں آئے گا اور اگر وہ یا کوئی آ بھی گئے تو میں کون سہ چوری کر رہا ہوں جو ڈروں۔ بھئی اپنی بیوی کے ساتھ کھانا ہی تو کھا رہا ہوں۔ اس لیے ان سب کو چھوڑو اور کھانا انجوائے کرو۔" ابراہیم نے حیات کو دوسرا نوالہ کھلاتے، شان بے نیازی سے کہا تھا۔ جس پر حیات اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔

پھر ابراہیم نے اپنے ساتھ ساتھ حیات کو بھی کھانا کھلایا تھا۔ جو بس ابراہیم کی توجہ پا کر

کھل سی اٹھی تھی۔اسے اپنے پہ ناز ہوا تھا کہ جس کی قسمت میں اللہ نے ابراہیم جیسا پیارا، مہربان اور بے حد محبت کرنے والا شوہر رکھا تھا۔اس نے محبت سے ابراہیم کے چہرے کو تکتے رب کا شکریہ ادا کیا تھا۔ جس پر موجود ہلکی ہلکی بریڈ اسے بہت اچھی لگتی تھی۔

@@@@@@@@@@@

"بابا کاش کہ اپ اس وقت مجھے جاسم کی قسم دے کر میری شادی زبردستی کامران جیسے سائیکو درندے سے نا کرواتے، تو میری انا بیہ آج ٹھیک ہوتی۔ جانتے ہیں جب تک اپ دونوں تھے تب تک تو وہ ٹھیک رہا تھا لیکن آپ دونوں کی حادثاتی موت کے بعد اس نے میرا اور میری پری کا جینا حرام کر دیا تھا۔ وہ ایک پاگل شخص تھا جس کی پہلے ہی ایک بیوی اور بچے موجود تھے۔ اس نے آپ کو دھوکا دیا تھا، کیونکہ اسے صرف آپ کی دولت سے غرض تھا جس کو وہ ہر قیمت پر حاصل کرنا چاہتا تھا۔ میرے منع کرنے پر اس نے۔۔۔۔ میری بچی کے ساتھ بہت برا کیا تھا بابا۔۔۔ آپ کی بیٹی سے بڑی بد قسمت اور کون ہو گی بابا جو اپنی کسی اولاد کو کوئی خوشی دینا تو دور ان کی حفاظت بھی نا کر سکی۔"کمرے میں اندھیرا پھیلائے مسسز کامران عرف عسرہ بیگم رولنگ کرسی پر

جھولتی نم آنکھوں سے اپنے باپ سے شکوہ کناں تھی۔

آنکھوں سے آنسوں موتیوں کی طرح جاری وساری تھے زندگی نے ان سے جاسم کو چھین کر بہت بڑا ظلم کیا تھا۔ جس کے جانے کے بعد اس کے اپنوں نے ہی اس پر زندگی تنگ کردی تھی۔اس کے ماں باپ نے اس کی زبردستی شادی ایک دماغی مریض کے ساتھ کروادی تھی۔ جو پہلے چند عرصہ تک توٹھیک رہا لیکن پھر فاروق لغاری اور اس کی بیوی کی وفات کے بعد وہ بدلنے لگا تھا۔شروع شروع میں وہ شراب کے نشے میں دھت ہو کر عسرہ پر ہاتھ اٹھاتا تھا۔ لیکن پھر آہستہ آہستہ یہ سلسلہ بڑھتے بڑھتے عسرہ کو بیلٹ سے مارنے پیٹنے پر آپہنچا تھا۔اس شخص نے دھیرے دھیرے اپنا اصل رنگ دیکھایا تھا اور عسرہ کو پراپرٹی کے پیپرز سائن کرنے پر مجبور کرنے لگا تھا۔پر عسرہ پنے باپ کی محنت ایک شرابی کو نہیں دے سکتی تھی جو پہلے ہی اپنا چالیس پرسنٹ جوے میں ہار چکا تھا۔

اس نے عسرہ کو قابو کرنے کے لیے انابیہ کو ہی کڈنیپ کر لیا تھا۔اور اسے گھر کے ہی نیچلے تہہ خانے میں رکھا تھا۔ جس کا عسرہ کو نہیں پتہ تھا وہ ہر روز اس کی پریوں جیسی بیٹی کو تھپڑوں اور لاتوں سے مارتا اور ویڈیو بنا کر عسرہ کو دیکھتا تھا اور عسرہ بیگم کی تڑپتی اور

سسک سسک کر معافی مانگنے کو رد کرتے پراپرٹی کے کاغذ اسے پکڑا کر چلا جاتا تھا۔ یہ سلسلہ ڈھیڑ سال تک چلتا رہا تھا۔ اس دوران وہ انابیہ کو نشہ پر لگا چکی تھا۔ جس کو اب اگر کسی وقت نشہ نا ملتا تو چیخنے چلانے لگتی تھی۔

انہی دن جب ایک دن یونہی وہ کسی کام سے باہر گیا تھا۔ تو گھر کی ایک ملازمہ جو نئی آئی تھی اور ہر چیز سے بے خبر ایک نیک عورت تھی، نے عسرہ کو نیچے سے کسی کے رونے کی آوازیں آنے کا بتایا تھا۔ اس کی بات پر عسرہ دھوڑ کر نیچے گئی تھی اور وہاں اپنی رسیوں میں جکڑی اپنی بیٹی کو دیکھ سن رہ گئی تھی جو پاگلوں کی طرح چیخ رہی تھی۔

عسرہ بیگم فوراً اسے انابیہ کو لے کر اسی رات وہاں سے فرار ہوگئی تھی اور جا کر انہوں نے اپنی ایک سہیلی کے گھر پناہ لی تھی۔ جس نے جاسم اور عسرہ کی شادی کروانے میں بھی بہت مدد دی تھی۔

اس کی مدد سے عسرہ نے کامران پر حبس بجا رکھنے اور اپنی بیٹی پر ظلم کرنے کے الزام میں اسے اندر کروایا تھا۔ اس کی دوست مہرین نے یہی تک ساتھ نہیں دیا تھا۔ بلکہ اسی نے عسرہ کو مضبوط بن کر اپنا بزنیس سنبھالنے کا حوصلہ دیا تھا۔ اس میں اپنی بیٹی کے لیے جینے کی امنگ پیدا کی تھی۔ پھر وقت دیکھتے ہی دیکھتے پر لگا کر اڑ گیا تھا۔

عسرہ نے انابیہ کے علاج کے لیے سر پیر کا زور لگا لیا تھا۔ جس سے اس کی نشہ کی لت تو چھوٹ گئی تھی۔ پر اس کی ذہنی حالت بہت متاثر ہو گئی تھی۔ اوپر سے ایسے میں بزنیس وومین بننے کے بعد وہ انابیہ کے لیے بالکل بھی وقت نہیں نکال پا رہی تھی۔ ڈاکٹر کا کہنا تھا کہ اگر وہ انابیہ کو ٹھیک دیکھنا چاہتی ہیں تو زیادہ سے زیادہ وقت اس کے ساتھ گزاریں اور اس کا ماحول بدل دیں۔ اسی لیے وہ انابیہ کو لے کر یہاں آئی تھی۔

اور پھر یہاں آنے کے بعد وہ انابیہ جو ہر کسی سے ڈرتی اور خوف محسوس کرتی تھی وہ لاشعوری طور پر کیف سے اٹیچ ہو گئی تھی۔ جس سے اس کی ذہنی حالت پہلے سے ٹھیک ہونے لگی تھی۔ پچھلے دنوں ڈاکٹر سے انابیہ کی صحت ڈسکس کرتے ہوئے، ڈاکٹر کا کہنا تھا کہ کیف ہی وہ جذباتی سہارا ہے جو اب انابیہ کو اندھیرے سے روشنی میں لا سکتا ہے۔

لیکن انہیں اندازہ بھی نہیں تھا کہ کیف کا تعلق جاسم کے خاندان سے ہو گا۔ لیکن جب قدرت نے انہیں ایک اپنے بیٹے تک پہنچنے اور اپنی بیٹی کو محفوظ کرنے کا طریقہ دیا تھا تو انہوں نے فوراً سے اس کو استعمال کر لیا تھا۔ کیونکہ اب تو شاید وہ جینے کی امنگ بھی کھونے لگی بس وہ مرنے سے پہلے ایک بار اپنے ابراہیم کو گلے لگا کر پیار کرنا چاہتی تھی اور اپنی بیٹی کو ٹھیک نارمل زندگی گزارتے دیکھنا چاہتی تھی اور ان سب کے لیے انہیں

کیف ایک درست شخص لگا تھا۔اسی لیے انہوں نے افرا تفری میں یہ نکاح کروایا تھا۔

ماضی کی بھول بھلیوں میں سفر کرتے عسرہ کو صبح ہونے کا پتہ نہیں چلا تھا۔ہوش تو صبح کی اذان کے ساتھ آئی تھی جس میں مؤذن فلاح کی طرف بلا رہا تھا۔

@@@@@@@@@@@

"السلام علیکم ایوری ون!"لاونج میں داخل ہوتے ابراہیم نے بلند آواز میں کہا تھا۔

جہاں اس وقت بڑے ابا اور حیات بیٹھے باتوں میں مشغول تھے۔

کل کی نسبت وہ آج جلدی گھر آگیا تھا۔

"وعلیکم السلام بچے!شکر ہے کہ تمہیں بھی ہماری یاد آئی ورنہ تم تو صبح کے گئے آدھی رات کو ہی گھر لوٹتے ہو۔"بڑے ابا نے ابراہیم پر میٹھا سہ تنز کیا تھا۔جس پر وہ محض مسکرا دیا تھا۔جبکہ حیات اٹھ کر ابراہیم کے لیے پانی لینے گئی تھی۔

"سوری یار آج کل میں بہت بزی ہو گیا ہوں۔اس لیے کسی کو ٹائم ہی نہیں دے پا رہا۔"ابراہیم لاڈ سے بڑے ابا کی گود میں سر رکھ کر لیٹتے بولا تھا۔یہی تو وہ واحد جائے پناہ تھی جس میں اسے اپنے باپ کی خوشبو آتی تھی جہاں وہ ہزار پریشانی کے

باوجود بھی کھل کر سانس لے سکتا تھا۔

ابراہیم کے انداز پر بڑے ابا کھل کر مسکرائے تھے اور اس کے ماتھے پر بوسہ دیتے بولے تھے۔

"تو مت کیا کرو نا اتنا کام کے تھک ہی جاو۔ ویسے بھی اب گھر میں تمہاری بیوی ہے جس کو تمہارے ٹائم کی ضرورت ہے۔ جو اس کا حق بھی ہے تمہیں اسے وہ دینا چاہیے۔"
بڑے ابا نے اپنے لاڈلے پوتے کو پیار سے سمجھایا تھا۔ جسے گلے لگاتے انہیں اپنے اندر ٹھنڈک سی اترتی محسوس ہوتی تھی۔

"سنیے پانی!" حیات نے ابراہیم کے پاس پانی رکھتے کہا تھا۔

حیات کے پیور مشرقی بیویوں کے طریقہ سے پہلی بار پانی پیش کرنے پر ابراہیم کو خوشگوار حیرت ہوئی تھی۔ اس لیے اسے گہری جان نثار نظروں سے دیکھتے اٹھ بیٹھا تھا اور پانی پینے لگا تھا۔

جبکہ بڑے ابا نے اپنی کچھ دیر پہلے کی گئی نصیحت پر حیات کو عمل کرتے دیکھ اسے آنکھوں ہی آنکھوں میں شاباش دی تھی۔ جس پر وہ کھل کر مسکرا دی تھی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"بڑے ابا میں آج رات کو مری کے لیے نکل رہا ہوں۔ جہاں کل میری ایک بہت اہم میٹنگ ہے۔" اچانک کچھ یاد آتے ابراہیم نے بڑے ابا کو اطلاع دی تھی۔

"کتنے دنوں کے لیے؟" بڑے ابا نے بغیر کوئی رد عمل دیے پوچھا تھا۔ کیونکہ جانتے تھے کہ ابراہیم اکثر ایسے میٹنگز کے لیے جاتا رہتا تھا۔ لیکن حیات ضرور ابراہیم کے جانے کا سن کر پریشان ہوئی تھی۔

"ایک ہفتے کے لیے" ابراہیم نے وہاں سے اٹھتے ہوئے جواب دیا تھا۔ جس پر حیات کا چہرہ اتر گیا تھا۔

"تو ٹھیک ہے پھر تم حیات کو بھی ساتھ لے کر جاو۔ ویسے بھی گھر رہ کر وہ اکیلی کیا کرے گی اس سے تو اچھا ہے کہ تم بھی اسے ساتھ ہی لے جاؤ۔" بڑے ابا نے اپنی پوتی کے اترے چہرے کو دیکھ کر حکم جاری کیا تھا۔

"لیکن حیات وہاں جا کر کیا کرے گی بڑے ابا؟؟ میں تو وہاں کام سے جا رہا ہوں یہ تو وہاں بور ہو جائے گی۔" ابراہیم نے مسکراتی آنکھوں سے حیات کے بس رونے کے لیے تیار چہرے کو دیکھتے شرارت سے بڑے ابا کو کہا تھا اور اٹھ کر اپنے کمرے کی جانب چلا آیا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

جبکہ بڑے اب اس کے شرارت کو اچھی طرح سمجھ چکے تھے۔اس لیے 'شریر' کہتے سر جھٹک کر مسکرائے تھے اور حیات کو ہدایت دیتے بولے۔

"حیات بیٹی جاواس کی پیکنگ میں مدد کرو۔پریشان مت ہوا گلی بار وہ تمہیں لے جائے گا۔" بڑے ابا کی بات پر حیات نے بڑی مشکل سے آنسوں ضبط کرتے سر ہلایا تھا۔

اور اٹھ کر مریل قدم اُٹھاتے کمرے کی جانب چلی ائی تھی۔ابراہیم کے انکار نے اسے بہت مایوس کیا تھااوپر سے اتنے دن ابراہیم کو دیکھے بنا رہنے کے خیال نے اس کی جان نکال دی ہوئی تھی۔

"ابراہیم! آپ پلیز مت جائے نا" ابراہیم کو پیکنگ کرتے دیکھ حیات نے ہمت کرتے اسے روکنا چاہا تھا۔

"کیوں؟" ابراہیم پیکنگ روکتے، حیات کی طرف بھرپور طریقے سے متوجہ ہوتے پوچھا۔

"کیونکہ۔۔۔کیونکہ میں۔۔میں آپ کے بنا اتنے دن کیسے رہوں گی۔۔" حیات رک رک کر کہتے آخر میں رو پڑی تھی۔

ایک تو بچارہ ابراہیم جو صرف اپنی بیوی سے ہی مذاق یا دل کھول کر بات کیا کرتا تھا۔ اپنی معصوم سی بیوی کو روتے دیکھ پھر سے پریشان ہو گیا تھا۔ جو خد سے زیادہ جذباتی تھی اسی لیے کبھی ابراہیم کے مذاق کو سمجھ ہی نا پاتی تھی۔ ابراہیم نے حیات کو ساتھ لگاتے دل ہی دل خود کو ڈپٹا تھا۔

'کہ الو کہ پٹھے خبردار جو تم نے اب اپنی بیوی کے ساتھ کوئی مذاق کر کے اسے رولایا تو۔۔' پھر اس حیات کو چپ کرانے کی کوشش کرتے بولذ

"شش چپ ڈول! اچھا یہ بتاؤ کہ یہ تم سے کس نے کہا کہ تم اتنے دن اکیلی رہو گی؟؟" ابراہیم اس کے سر کو پیار سے تھپک کر رہا تھا

"وو۔۔۔وہ ابھی آپ خود ہی تو کہہ رہے تھے کہ حیات وہاں جا کر کیا کرے گی؟" حیات نے سوں سوں کرتے معصومیت سے اس کی جانب دیکھ کر کہا تھا۔

ہیزل براؤن آنکھوں جو گھنیری پلکوں کی چھاؤں میں آنسوں سے چمک رہی تھی، ان پر ابراہیم کو بے ساختہ پیار آیا تھا۔ اس لیے ان پر حق جما کر وہ حیات کے کان میں سرگوشی کرتے بولا۔

"میں تو صرف پوچھا تھا کہ تم وہاں جا کر کیا کرو گی؟ یہ نہیں کہا تھا کہ میں تمہیں نہیں لے کر جاؤں گا۔ آخر اپنی ڈول کے بنا میرے اتنے دن کیسے گزر سکتے ہیں۔؟" ابراہیم کی سرگوشی نے حیات کو سحر میں باندھتے کے دل کی دھڑکنوں کو بے ترتیب کیا تھا۔

خوشی کی ایک لہر حیات کے دل میں دوڑ گئی تھی

"اوو تھینکیو سوچ ابراہیم آپ بہت اچھے ہیں۔ میں ابھی ہماری پیکنگ کرتی ہوں۔ ویسے آپ مجھے بتا دیں کہ وہاں کا موسم کیسا ہو گا میں اس حساب سے کپڑے رکھ لیتی ہوں۔ کیونکہ میں تو پہلی بار وہ جگہ دیکھنے والی ہوں نا تو مجھے کوئی اتنا خاص تجربہ نہیں ہے۔۔" حیات تیزی سے بولتے اب اپنی پیکنگ کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔ اس کی پرجوشی پر ابراہیم سر جھٹک کر مسکرایا بڑبڑایا تھا۔

"ابر کی جھلی ڈول"

@@@@@@@@@@@

ابراہیم کو کل صبح مری میں ہونے والی ایک بہت اہم میٹنگ میں شامل ہونا تھا۔ جس کے لیے اس نے رات میں ہی مری کے لیے نکلنے کا فیصلہ کیا تھا۔

لاہور سے بائے روڈ مری جانے میں تقریباً ساڑھے آٹھ گھنٹے سے زیادہ کا وقت لگتا ہے۔ ابراہیم اس سفر کو حیات کے سنگ کھل کر جینا چاہتا تھا۔ اسی لیے رات کے نو بجے وہ اور حیات مری کے لیے نکلے تھے۔ بڑے اباتوان کے یوں سردی کی ٹھنڈی اور تاریک راتوں میں سفر کرنے پر بہت پریشان تھے۔ لیکن پھر ابراہیم کی ضد پر ہار مانتے، انہوں نے اجازتِ دے دی تھی۔

اس وقت گاڑی ہائی وے پر تیزی سے دوڑ رہی تھی۔ ابراہیم کے پہلو میں بیٹھی حیات گاڑی کے شیشے گرائے ٹھنڈی ہواؤں کو اپنے چہرے پر محسوس کر رہی تھی۔ گاڑی میں موجود ہلکی ہلکی روشنی میں نظر آتا حیات کا چہرہ اس وقت خوشی سے تمتمارہا تھا۔ وجہ پاکستان کے اتنے خوبصورت علاقے کو اپنے ہمسفر کے ساتھ پہلی بار دیکھنا تھا۔ دوسری جانب ابراہیم حیات کے چہرے پر موجود خوشی دیکھ کر اپنے دل میں ٹھنڈک اترتی محسوس کر رہا تھا۔

"ابراہیم ایراج نے مجھے بتایا تھا کہ ان دنوں مری میں خوب برف باری ہوتی ہے۔ یہ سن کر تو میں بہت ایکسائیٹڈ ہوں۔ کتنا مزہ آئے گا ناہم دونوں مل کر برف باری دیکھیں اور اسے انجوائے کریں گے۔" حیات جو اندھیرے میں دیکھ دیکھ کر تھک چکی تھی۔

ایک دم سے ابراہیم کی طرف متوجہ ہوتے اشتیاق سے بولی۔

"ہاں یہ تو ہے۔ لیکن تم نے تو لندن کی برف باری بھی انجوائے کی ہوئی ہے تو پھر تم مری کے لیے اتنی پرجوش کیوں ہو؟" ابراہیم نے حیات کی بچوں سی پرجوشی پر حیرت کا اظہار کرتے پوچھا تھا۔

"کیونکہ پہلے میں نے کئی بار تنہا برف باری دیکھی ہے لیکن اس بار میں یہ برف باری آپ کے ساتھ دیکھوں گی اور وہ بھی ایسے شہر میں جہاں میں آج سے پہلے کبھی نہیں گئی۔ بس اسی لیے بہت پرجوش ہوں۔" حیات نے سادگی سے اپنی پرجوشی کی وجہ بتائی تھی۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

ابراہیم نے حیات کی بات پر گہری نظروں سے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔ ابراہیم کے دل میں حیات کی بات پر بہت حسین اور پرلطف سہ احساس اترا تھا۔

حیات جو جواب دے کر باہر دیکھ رہی تھی۔ ابراہیم کی آنکھوں کی تپش کو خود پر محسوس کرتے، اس نے ابراہیم کی جانب دیکھا تھا۔ لیکن پھر ان جذبات سے چور نظروں کی تاب نالاتے ہوئے وہ جھنپ کر سیٹ کی بیک سے سر ٹکائے زیرِ لب مسکرا دی تھی۔

"حیات دیکھو اگر تم چاہتی ہو کہ ہم خیر و آفیت سے مری پہنچ جائیں تو پلیز ادھر بیٹھ کر سونامت کیونکہ تمہیں دیکھ کر مجھے بھی نیند آ جائیں گے۔" ابراہیم نے حیات کے آنکھیں بند کرنے پر بے چین ہوتے ہوئے کہا تھا۔

"لیکن مجھے بوریت ہو رہی ہے۔ایسے میں جاگ کر کیا کروں گی؟؟" حیات نے اپنی نیند سے بوجھل آنکھیں کھولتے استفسار کیا تھا۔

"ایک کام کرو تم جینی اور ایڈورڈ سے بات کر لو۔۔۔ یا پھر پیچھے کچھ کھانے کا سامان پڑا ہے وہ کھا لو۔۔۔اور ہاں تم چاہو تو میوزک بھی سن سکتی ہو۔۔۔۔" ابراہیم نے حیات کو وقت گزارنے کے مختلف مشورہ دیے تھے۔

حیات کو ابراہیم کو اگنور کر کے اپنے دوستوں سے بات کرنے کا مشورہ اچھا نہیں لگا تھا۔ اسے لیے اسے کے دوسرے آپشنز پر عمل کرتے پیچھے بیگ سے سنیکس نکال کر، اس نے گاڑی کا میوزک پلیئر آون کیا تھا۔

Kehte hain

Khuda ne iss jahaan mein

Sabhi ke liye kisi na kisi ko hai banaaya

har kisi ke liye

Tera milna hai uss rab ka ishaara

Maano mujhko banaya tere jaise hi kisi ke liye

Kuch toh hai tujh se raabta

Kuch toh hai tujh se raabta

Kaise hum jaane, hume kya pata

Kuch toh hai tujh se raabta

Tu humsafar hai

Phir kya fikar hai

Jeene ki wajah hi yehi hai

Marna issi ke liye

Kehte hain:

Khuda ne iss jahaan mein

Sabhi ke liye kisi na kisi ko hai banaaya

har kisi ke liye…

hmm Meharbaani jaate-jaate mujhpe kar gaya

Guzarta saa lamha ek daaman bhar gaya

Tera nazaara mila, roshan sitaara mila

Taqdeer ki kashtiyon ko kinara mila

Sadiyon se tarse hai jaisi zindagi ke liye

Teri sohbat mein duaayein hain ussi ke liye

Tera milna hai uss rab ka ishaara

Maano mujhko banaya tere hi jaise kisi ke liye

Kuch toh hai tujh se raabta

Kuch toh hai tujh se raabta

Kaise hum jaane hume kya pata

Kuch toh hai tujhse raabta

Tu humsafar hai, phir kya fiqar hai

Jeene ki wajah hi yehi hai

Marna issi ke liye

Kehte hain:

Khuda ne iss jahaan mein

Sabhi ke liye kisi na kisi ko hai banaaya

Har kisi ke liye...

گاڑی میں گونجتی گانے کی یہ آواز ابراہیم اور حیات کو اپنے دلوں میں اترتی ہوئی محسوس

ہو رہی تھی۔یوں لگ رہا تھا کہ اس گانے کا ہر بول ان دونوں کے جذبات کو بیان کر رہا ہو۔

"لگتا ہے آپ کو سوفٹ میوزک کافی پسند ہے۔ "حیات نے گاڑی میں چھائی گھمبیر معنی خیزی خاموشی سے گھبراتے گانا بدلہ تھا اور پھر سونگز کو لیکشن چیک کرنے لگی تھی۔

"ہاں مجھے زیادہ شور شرابہ والے گانے پسند نہیں، صرف سویٹ سویٹ میوزک اچھا لگتا ہے۔"ابراہیم نے اس کی بات پر اثبات سے سر ہلاتے کہا تھا۔

یہ پہلی بار تھا جب حیات کو اس کی کسی پسند کا پتہ چلا تھا۔اس سے پہلے انہوں نے کبھی اس بارے میں بات نا کی تھی یہاں تک کہ جب وہ دوست بنے تھے تب بھی کبھی حیات کو اس بارے میں جاننے کا موقع نہیں ملا تھا۔اس لیے اب اس کے دل میں خواہش اٹھی تھی کہ وہ ابراہیم کی پسند ناپسند کو مزید جاننے۔

"اچھا میوزک کے علاؤہ آپ کو کیا کیا اچھا لگتا ہے مطلب کونسا رنگ پسند ہے؟ کونسا کھیل کھلنا پسند ہے؟ یا کونسی جگہ جانا پسند ہے؟ کونسا کھانا پسند ہے؟"حیات نے ابراہیم کی طرف چہرہ کر کے لیز کا پیکٹ کھول کر ایک لیز اپنے منہ میں ڈالتے اور دوسرا ابراہیم کے منہ ڈالتے ہوئے پوچھا تھا کیونکہ اسے اکیلے کھانا بلکل بھی پسند نہیں تھا۔

"رنگ تو سارے ہی اچھے ہوتے ہیں لیکن مجھے رنگوں میں سفید اور کالا رنگ بہت شدت سے پسند ہیں۔ سفید رنگ اس لیے کہ وہ شفاف اور بے داغ ہوتا ہے۔ جس میں کوئی جھوٹ اور مکر نہیں ہوتا، وہ مجھے پاکیزگی کی علامت لگتا ہے اور کالا رنگ اس لیے کہ وہ سب رنگوں میں سب سے زیادہ پر اثرار ہوتا ہے۔ مجھے اس کا یہ پر اثرار اور سب سے جداگانہ ہونا بہت پسند ہے۔ مطلب وہ کبھی کسی سے مل کر اس کا رنگ نہیں لیتا بلکہ سب کو اپنے جیسا کر لیتا ہے۔ "ابراہیم جب بھی بولتا تھا حیات کو اپنا ارد گرد ایک سحر طاری ہوتا محسوس ہوتا تھا۔ اب بھی وہ خود کو ایک سحر میں قید محسوس کر رہی تھی۔

"کھانے میں میں ویسے تو وہ ہر چیز کھا لیتا ہوں جو اسلم بابا کو بنانا آتا ہے۔ لیکن مجھے فاسٹ فوڈ کچھ خاص پسند نہیں ہے۔

اس کے علاؤہ مجھے کوئی کھیل تو نہیں پسند ہاں لیکن مجھے کالیگرافی کا بہت شوق ہے۔ اس لیے جب کبھی موقع ملے تو میں کیلیگرافی کرتا ہوں۔

اور مجھے ہر اس جگہ جانا پسند ہے جہاں تم میرے ساتھ ہو۔" آخری بات ابراہیم نے حیات کی آنکھوں میں دیکھتے گھمبیر لہجے میں کہی تھی۔ جس پر حیات جھنپ کر مسکرا دی تھی اور دوبارہ سے رخ موڑ گئی تھی۔

"اچھا اب اپنے بارے میں بھی بتاؤ۔" ابراہیم نے حیات کے رخ موڑنے پر کہا تھا۔

جس پر حیات اپنے سرخ عارضوں کو نارمل کرنے کی کوشش کرتے بولی

"نہیں وہ میں واپسی پر بتاؤں گی ابھی نہیں۔۔۔" حیات کی شرمگیں آواز ابراہیم کے چہرے پر گہری مسکراہٹ بکھیر گئی تھی۔اس کے بعد حیات کو پتہ ہی نہیں چلا تھا کہ باہر دیکھتے دیکھتے وہ کب ابراہیم کے کندھے پر سر رکھ کر نیند کی وادیوں میں اتر گئی تھی۔

@@@@@@@@@@@@@

"بڑے صاحب باہر کوئی عورت آئی ہے۔وہ کہہ رہی ہے اسے آپ سے ملنا ہے۔کیا میں اسے اندر لے آؤں؟؟" مؤدب سہ کھڑے ملازم نے بڑے ابا کے کمرے کے دروازہ پر کھڑے ہو کر پوچھا تھا۔

بڑے ابا کو حیات اور ابراہیم کے جانے کے بعد ان کا ویران پورشن کاٹنے کو دوڑ رہا تھا۔ اسی وجہ سے وہ آج صبح ہی دوبارہ سے دوسرے پورشن میں آ گئے تھے۔اس وقت وہ اپنے کمرے میں کسی کتاب کا مطالعہ کر رہے تھے جب ملازم نے انہی اطلاع دی تھی۔

"ٹھیک ہے تم انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھاؤ میں آ رہا ہوں۔" بڑے ابا ملازم کو ہدایت

دیتے ہاتھ میں پکڑی کتاب سائیڈ ٹیبل پر رکھتے اٹھ تھے، اور کمرے سے نکلتے ہوئے بڑبڑائے تھے۔

"مجھ سے ملنے، وہ بھی کوئی عورت آئی ہے۔ آخر کون ہو سکتی ہے؟" نجانے کیوں اپنی بڑبڑاہٹ کے جواب میں اپنے اندر سے آئے جواب پر ان کا دل بے ساختہ کانپا تھا۔ لیکن پھر اپنی سوچ پر سر جھٹک کر وہ ڈرائنگ روم کی طرف بڑھے۔

"السلام و علیکم! جی آپ کون؟ اور مجھ سے کیوں ملنا چاہتی ہیں؟" بڑے ابا نے دروازہ میں کھڑے ہو کر سامنے صوفہ پر بیٹھی ساڑھی میں ملبوس ادھیڑ عمر کی عورت کو دیکھ کر پوچھا تھا۔ جس کا چہرہ دوسری جانب ہونے کی وجہ سے انہیں نظر نہیں آرہا تھا

"وعلیکم السلام فیض آفندی! ویسے تو میرا نام آپ کے لیے کسی تعارف کا محتاج نہیں لیکن پھر بھی بتا دیتی ہوں کہ میں عسرہ جاسم آفندی جاسم آفندی کی بیوہ اور ابراہیم جاسم آفندی کی تڑپتی ماں جس سے آپ نے اس کا بیٹا چھینا ہے۔" عسرہ کی سپاٹ آواز پر فیض آفندی چند لمحے کے لیے دھک سے رہ گئے تھے۔ لیکن پھر اس کے الزام پر اشتعال میں آتے بولے

"تم اپنا الزام مجھ پر نہیں دے سکتی عسرہ میں نے اپنے بیٹے کی آخری خواہش کو پورا کیا

ہے۔جاتے جاتے جو وعدہ اس نے مجھ سے لیا تھا میں نے بس اسے نبھانے کی کوشش کی ہے۔کوئی چوری نہیں کی۔حالانکہ میں نے تو تمہارے باپ کو بھی کہا تھا کہ عسرہ کو میرے پاس بھیج دو لیکن اس نے کہا کہ وہ تو تمہاری شادی کروانا چاہتے ہیں اس لیے میں اپنے بیٹے نعمان کا رشتہ سامنے رکھا تھا۔ورنہ مجھے تو تم اپنے بڑے بیٹے کی بیوہ کے طور پر زیادہ عزیز تھی۔

لیکن تم نے کیا کیا سب کو چھوڑ کر اپنی نئی زندگی شروع کر لی۔میں نے نہیں چاہتا تھا کہ میرے ابراہیم کی ذات اس سب میں مسخ کر دی جائے اس لیے میں نے اسے تم سے الگ کیا تھا۔"بڑے ابا نے چند ایک حقائق آج انجانے میں عسرہ پر کھولے تھے۔

عسرہ جس کو جب سے پتہ چلا تھا کہ ابراہیم اسی گھر میں موجود ہے تب سے اپنی تڑپتی روح کو پر سکون کرنے کا موقع دیکھ رہی تھی۔جو آج اسے مل ہی گیا تھا۔اسی لیے کیف اور ایراج کی غیر موجودگی میں وہ آج یہاں موجود تھی۔

بڑے ابا کی بات سن کر وہ حیران رہ گئی تھی کہ نعمان کا پرپوزل بھی فیض صاحب نے فاروق لغاری کی ضد کے آگے تنگ آکر دیا تھا جو عسرہ کو جاسم کی بیوہ کے طور پر زندگی گزارتے نہیں دیکھ سکتے۔

فیض صاحب اور عسرہ دونوں کہی نا کہی بے قصور تھے لیکن اگر ایک ابراہیم کی نظروں میں قصوروار ٹھہرائی گئی تھی تو دوسرے عسرہ کی نظروں میں برے بنے تھے۔ جس نے انہیں ان کے بیٹے سے الگ کیا تھا۔

"ایسا نہیں ہے آپ جھوٹ بول رہے ہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو بابا مجھے ضرور بتاتے، اور میں نے کامران سے شادی خوشی خوشی نہیں کی تھی بلکہ بابا نے مجھے جاسم کی قسم دے کر کروائی تھی۔ اس لیے یہ سب چھوڑیں اور مجھے بتائیں کہ میرا بچہ کہاں ہے؟" عسرہ کو ان کی بات پر یقین نہیں تھا۔ اس لیے چٹک کر بولی تھیں۔

"تم نے نہیں ماننا تو مت مانو لیکن یہ بھی سن لو کہ یہاں اب تمہارا کوئی بچہ نہیں ہے۔ جو بھی ہے وہ ابراہیم جاسم آفندی ہے میرے جاسم کے جگر کا ٹکڑا۔۔۔ اس لیے نکل جاو یہاں سے، اس سے پہلے کہ میں تمہیں دھکے دے کر نکلوا دو۔" بڑے ابا نے اس دفعہ اپنے اشتعال کو چھپایا نہیں تھا۔

افشاں بیگم جو ملازمہ کے ساتھ ریفریشمنٹ لے کر اندر داخل ہونے لگی تھی۔ عسرہ کو دیکھ کر دروازہ پر ہی صدمہ سے رک گئی تھی۔ سالوں بعد عسرہ کو سامنے دیکھ کر پھر سے نفرت کا ایک الاؤ تھا جوان کے سینے میں جل اٹھا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE

"اب تو جا رہی ہوں میں لیکن یاد رکھیے اپنے بیٹے سے ملنے ضرور آؤں گی ویسے ایک سرپرائز بھی میں نے تیار کر رکھا ہے۔ جس کو ابتر حالت میں پہنچانے والے بھی آپ لوگ ہی ہیں۔ خیر بہت جلد اس سے ملاؤں گی آپ کو۔۔۔" عسرہ بیگم جن کی آنکھوں میں اس وقت پر اثرار سہ درد تھا جس کو سمجھنے سے وہ سب قاصر تھے،

نے اپنا بیگ پکڑتے ہوئے ایک اور الزام بڑے ابا کے کھاتے میں ڈالا تھا۔

"او افشاں بھابھی کیسی ہیں آپ؟؟" افشاں کو دیکھ کر عسرہ کا لہجہ بالکل نرم ہوا تھا۔ جس پر افشاں بیگم ہوش میں آئی تھی۔ اور عسرہ کے گلے لگنے پر مصنوعی سہ مسکرادی تھی۔

جبکہ بڑے نے ضرور اچھنبے سے ان دونوں دیکھا تھا۔ کیا وہ دونوں ایک دوسرے کو پہلے سے مل چکی تھی۔ کیونکہ ان کا انداز تو یہی ظاہر کر رہا تھا کہ جیسے وہ لوگ ایک دوسرے سے پہلے سے بہت اچھے سے واقع ہوں۔ بلکہ ان میں بہت یارانہ ہو۔

"بھابھی مجھے یقین ہے کہ آپ جیسی نرم دل عورت کے ہوتے ہوئے میرا بیٹا یہاں بالکل اچھے سے رہا ہو گا۔ پلیز بھابھی مجھے میرا ابراہیم سے ملا دیں میری ممتا سالوں سے اس سے ملنے کے لیے تڑپ رہی ہے۔" عسرہ بیگم نے نم لہجے میں کہا تھا۔ کیونکہ یہاں آکر وہ بغیر ملے واپس نہیں جانا چاہتی تھی۔

دوسری طرف بڑے ابا کے چہرے پر اس وقت نافہم تاثرات تھے ایسے جیسے عسرہ نے بہت انہونی بات کہہ دی ہو۔انہیں یہ اب کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ عسرہ کا افشاں سے پیار سے ملنا،اور اس پر اتنا اعتماد ہونا۔۔۔۔کچھ تو تھا جو انہیں بہت عجیب لگ رہا تھا۔ لیکن پھر اپنا خیال سمجھ کر سر جھٹک گئے تھے۔کیونکہ جانتے تھے عسرہ کو ابراہیم تو تب ملے گا ناجب وہ یہاں موجود ہوگا۔

"تمہارا بیٹا یہاں نہیں رہتا عسرہ بڑے ابا نے اسے کہی بھیج دیا ہے۔اس لیے اب یہاں مت آنا کیونکہ تمہیں دیکھ کر میرے زخم ہرے ہونے لگتے ہیں۔" افشاں بیگم نے بغیر کسی لگی لپٹی کے عسرہ بیگم کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھ سے بے دردی سے پیچھے کرتے کہا تھا اور وہاں سے نکلتی چلی گئی تھی۔

تہی دماں کھڑی عسرہ بیگم اپنی نم آنکھوں اور فق چہرے کے ساتھ افشاں بیگم کا بدلہ ہوا روپ دیکھ کر دھک سے رہ گئی کیونکہ وہ عورت جس کی خاطر انہیں ابراہیم سے دوری سہنی پڑی تھی۔آج ان کے لہجے سے شکر گزرای اور محبت کا اظہار تک نہ تھا۔

@@@@@@@@@@@

صبح کے چھ بجے ابراہیم لوگوں نے مری کی ٹھنڈی فضاؤں میں قدم رکھا تھا۔ابراہیم

کی آنکھیں رت جگے کی وجہ سے سرخ ہو رہی تھی۔ جبکہ حیات جو وقفے وقفے سے نیند کی جھپکیاں لیتی رہی تھی۔ اس آنکھیں بھی نیند سے بوجھل ہو رہی تھی۔ اس لیے وہ لوگ آتے ہی سو گئے تھے۔

ابراہیم کو گیارہ بجے میٹنگ اٹینڈ کرنی تھی۔ اسی لیے وہ جلدی اٹھ کر فریش ہو کر جا چکا تھا۔ جبکہ دوسری طرف حیات جو جب سے ائی تھی تب سے سو رہی تھی اب جا کر اٹھی تھی۔ ٹائم دیکھنے کے لیے اس نے سائیڈ ٹیبل سے موبائل ڈھونڈنا چاہا تو اسے وہاں پر ایک چٹ ملی تھی۔

جس پر ابراہیم نے اسے اپنے آنے کی اطلاع دیتے ہوئے کہا تھا کہ وہ میٹنگ ہوتے ہی آجائے گا پھر وہ دونوں ڈنر باہر کرنے جائیں گے۔ باہر جانے کا نام سن کر حیات کا موڈ فریش ہو گیا تھا۔ اس لیے اٹھ کر چینج کرنے چل دی تھی۔ یہاں کا ٹھنڈ لاہور کی ٹھنڈ کی نسبت ڈبل ٹرپل تھی لیکن حیات تو ایسی ٹھنڈ میں رہنے کی عادی تھی۔ اس لیے اب بھی اس نے موسم کی پرواہ کیے بغیر شاور لیا تھا۔

وہ لوگ اس وقت ابراہیم کے پرسنل کاٹیج میں موجود تھے جو دو کمروں، ایک کیچن، اور چھوٹے سے لاونج پر مشتمل ایک چھوٹا سہ مگر خوبصورت گھر تھا۔ حیات وہاں موجود

کیچن سے اپنے لیے کافی بنائے کاٹیج کے باہر موجود چھوٹے سے ہلکی ہلکی برف سے ڈھکے باہر آگئی تھی۔ارد گرد وہاں برف باری تو نہیں ہورہی تھی لیکن پھر بھی ہر چیز برف کی چادر اوڑھے ہوئے تھی۔

حیات وہاں پڑے بینچ پر اپنی سردی کو اگنور کرتے بیٹھ گئی تھی اور ارد گرد موجود مظاہرہ قدرت کے حسین نظاروں کو اپنی گرم گرم کافی خلق سے نیچے اتارنے لگی تھی۔

یہ کاٹیج تھوڑا بلندی پر بنایا گیا تھا۔جس کے پیچھے بڑے بڑے برف سے اٹے پہاڑ نظر آرہے تھے۔کاٹیج کے سامنے ایک ڈھلوانی سڑک تھی جو کہ نیچے کی طرف جارہی تھی۔ اس سڑک کے ارد گرد لگے درخت لگے تھے۔

یہ علاقہ زیادہ گنجان آباد نہیں تھا،بہت فیصلہ پر مزید چند ایک انہیں کی کاٹیج کی طرح مزید ایک دو گھر موجود تھے۔اسی لیے ایک گارڈ کاٹیج کی حفاظت کے لیے ابراہیم باہر تائینات کر کے گیا تھا

آسمان اب بھی بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ٹھنڈی ہوا اس موسم کے لطف کو مزید بڑھا رہی تھی اگر حیات کی جگہ یہاں کوئی لڑکی ہوتی تو شاید اتنی ٹھنڈ میں ابھی تک سکڑ چکی ہوتی،لیکن حیات تو لندن میں اس سے بھی زیادہ سردی میں زندگی گزار چکی تھی اس

لیے وہ یہ سب انجوائے کر رہی تھی۔

وہاں بیٹھے اسے نجانے کتنی دیر ہو گئی تھی۔ جب کافی کے ختم ہوتے، سردی کے شدید احساس نے اسے جھنجھوڑ دیا تھا۔ اس سے پہلے کے وہ اٹھ کر وہاں سے جاتی گھر کے پاس رکتی ابراہیم کی گاڑی کو پہچان کر وہ خوش سے واپس وہی رک گئی تھی۔ پر ابراہیم کے ساتھ نکلتی لڑکی پر نظر پڑتے حیات کے چہرے پر دکھ کے گہرے بادل لہرائے تھے۔ جبکہ آنکھیں سرخ نم ہوئی تھی۔

@@@@@@@@@@@@

"حیات تم اتنی ٹھنڈ میں یہاں کیا کر رہی ہو؟؟" حیات کے قریب آتے ہی ابراہیم نے اس کی سرخ ہوتی آنکھوں کو دیکھ کر تشویش سے پوچھا تھا۔

حیات جو ابھی تک رمشاء پر نظریں جمائے کھڑی تھی۔ ابراہیم کی بات پر اس نے شکوہ کرتی نگاہوں سے اسے دیکھا تھا اور ابراہیم کے ہاتھ سے اپنے ہاتھ چھاڑ کر اندر بھاگ گئی تھی۔

"مس رمشاء آپ اپنے روم میں جائیں ہم بعد میں بات کرتے ہیں۔ فلحال مجھے فریش

ہونا ہے۔" ابراہیم جو حیات کی آنکھوں کے شکوہ کو پڑھ کر سن ہوا تھا۔رمشاء کو ہدایت دیتا،خود حیات کے پیچھے اپنے کمرے میں گیا تھا۔

جبکہ رمشاء جسے حیات کا سیخ پا چہرہ دیکھ کر سکون مل چکا تھا۔اب وہ تھوڑا آرام کرنے کا ارادہ رکھتی تھی اس لیے اب وہ اپنے کمرے میں جا چکی تھی۔ویسے بھی ابھی تو کچھ یہاں مزید کام رہتا تھا۔تب تک اس کے پاس کافی وقت تھا جب وہ اپنی گھٹیا پلیننگ کے کو سرانجام دینے والی تھی جس کے تحت وہ یہاں آئی تھی۔

"حیات یار میری بات سنو میں جان بوجھ کر رمشاء کو یہاں نہیں لایا وہ تو راحیل نے آنا تھا میرے ساتھ لیکن اچانک ٹائم پر اسی والدہ کی طبیعت خراب ہونے کی وجہ سے رمشاء کو یہاں آنا پڑا۔اس لیے پلیز ناراض مت ہو۔" حیات کی خاموشی ابراہیم کی جان پر بن آئی تھی جو مسلسل پیچھلے 5 منٹ سے ابراہیم کو اگنور کر رہی تھی۔

"ٹھیک ہے اگر وہ یہاں آ ہی گئی ہے تو آپ اسے کسی ہوٹل میں بھی ٹھہرا سکتے ہیں۔ یہاں میرے گھر لانے کی کیا ضرورت تھی۔" حیات کے لہجے میں رمشاء کے لیے بولتی جلن اور اپنے گھر پر اس کا استحقاق دیکھ کر ابراہیم کے دل میں گدگدی ہوئی تھی۔ اس کا دل کیا تھا کہ وہ اپنی ڈول کو لے کر کہیں گم ہو جائے جہاں صرف وہ ہوں اور اسکی

ڈول ہو۔

"حیات میری طرف دیکھو ڈول میں آج تمہیں کچھ بتانا چاہتا ہوں۔"ابراہیم ایک فیصلہ کرتے حیات کے چہرے کو ہاتھوں تھامتے اپنی کالی سحر زدہ آنکھیں حیات کی ہیزل براؤن جادوئی آنکھوں میں ڈالتے گھمبیر لہجے میں بولا تھا۔

حیات کا دل ابراہیم کی اس ادا پر پگھلا تھا۔دل کی دھڑکن بڑھی تھی،لانبی پلکیں سرخ عارضوں پر سایہ فگن ہوئی تھیں۔

"حیات ابراہیم جاسم آفندی تم وہ پہلی اور آخری لڑکی ہو جس نے ابراہیم کے دل پر دستک دی ہے۔جو اس کے دل ملکہ ہے۔جو ابراہیم کی آتی جاتی سانسوں کی امانت ہے۔ جس کو دیکھ کر ابراہیم کو اپنے ہونے کا احساس ہوتا ہے۔جس کو پا کر وہ اپنے رب کا شکر ادا کرتے نہیں تھکا۔اس لیے باقی سب غلط فہمیوں کو دل سے نکال دو اور بس یہ سنو کہ ابراہیم صرف تمہارا پابند ہے اس کی ہر چیز پر صرف تمہارا حق ہے اگر تم اسے کہو کہ وہ مر جائے تو وہ تب بھی اف نہیں کہے گا۔کیونکہ تم وہ ہو جس کو اس رب عظیم نے ابراہیم کی پسلی سے پیدا کیا ہے اور ابراہیم نے اپنے رب کے اس فیصلے کو دل و جان سے قبول کیا ہے۔"ابراہیم کی سرگوشی کی حیات کے گرد سحر قائم کیا تھا۔

وہ دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں میں دیکھتے کسی اور ہی جہاں کی سیر کو نکلے تھے جہاں محبت کی دیوی ان پاگل دیوانوں کے گرد خوشی سے جھوم رہی تھی۔ باقی ہر چیز مانو اس پیارے سے شہزادے کی محبت کے کو سلامی دے رہی تھی

چند لمحے ان سحر افسوں لمحوں میں گزارنے کے بعد حیات حیرت کے سمندر میں ڈوبی تھی وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ کیا واقع اس رب نے اسے اس قدر معتبر ٹھہرایا ہے یا یہ سب ایک خواب کی مانند ہے۔

"لیکن ابراہیم پھر وہ کون تھی جس کو آپ بے ہوشی میں پکار رہے تھے اور پھر اگر ایسی بات ہے تو آپ مجھے ویسے کیوں ٹریٹ کر رہے تھے۔" حیات نے ابراہیم کے پہلے رویوں کی جانب اشارہ کیا تھا۔

"حیات وہ سب کچھ میں نے جان بوجھ کر نہیں کیا تھا۔ بلکہ جب جب تمہیں تکلیف دی میں نے تب تب میں تم سے زیادہ تڑپا ہوں لیکن کسی کے وعدہ میں بندھا ہونے کی وجہ سے میں مجبور تھا وہ سب کرنے پر۔۔۔ اور جس کو میں بے ہوشی میں پکار رہا تھا۔ وہ تم ہی تھی ابراہیم نے آج تک تمہارے علاوہ کسی کو آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا محبت تو بہت دور کی بات ہے۔" ابراہیم نے نم آنکھوں سے حیات کے ماتھے سے ماتھے کو ٹکاتے

دھیرے سے اپنے دل کو آدھے بوجھ سے آزاد کیا تھا۔ لیکن حیات تو بس وعدہ والی بات پر اٹک گئی تھی۔

آخر وہ کون تھا جوان کو الگ کرنا چاہتا تھا، اور اس سے اسے کیا فائدہ ہوگا۔ ابراہیم نے اس کی بات اتنی آسانی سے کیسے مان لیں۔ یہ سب وہ باتیں تھیں کہ جو حیات کے دل میں گردش کر رہی تھی۔ حیات نے جلد ہی اپنی الجھن کو سلجھانے کے لیے انہیں زبان دی تھی۔

"لیکن ابراہیم آخر وہ کون تھی یا تھا جس نے آپ کو پابند کیا تھا اور اس سب سے اسے کیا فائدہ ہونا تھا اور کیا اب اس نے آپ کو وعدہ سے آزاد کر دیا ہے" حیات کی بات پر ابراہیم اس کے ماتھے پر اپنی مہر لگاتے تھوڑا پیچھے ہوا تھا۔ اور اسے سینے سے لگاتے بولا تھا۔

"یہ میں تمہیں ابھی نہیں بتا سکتا لیکن اتنا جان لو کہ وقت آنے پر ضرور بتاؤں گا۔ اس لیے اب تم مزید کوئی چیز یاد نہیں کرو گی۔ ہم یہاں چھٹیاں گزارنے آئے ہیں نا کہ اداس ہونے اس لیے جلدی موڈ فریش کرو میں بھی چینج کر لوں پھر ہم دونوں کسی اچھی سی جگہ لنچ کرنے اور گھومنے چلیں گے۔" حیات کو ٹالتے ابراہیم نے حیات سے

کہا تھا۔

جو چند خود بھی ان باتوں کو ذہن سے نکالتے چند لمحے پہلے کیے گئے ابراہیم کے اظہارِ محبت کو یاد کرتے چہک اٹھی تھی۔ شادی کو تین ماہ سے اوپر ہو گیا تھا اور اب جا کر کہی حیات کے سینے سے یہ بھاری سیل ہٹی تھی۔ تو وہ آج پہلی بار کھل کر مسکرائی تھی کہ شکر ہے کہ اس کا ابراہیم صرف اور صرف اس کا ہے۔

ٹھنڈ اور دھند میں اٹی ایک خوبصورت اور حسین صبح قرہ ارض پر نمودار ہوئی تھی۔ جو اپنے ساتھ کئی خوبصورت رنگ لے کر اتری تھی۔ ان رنگوں میں سے کچھ رنگ آفندی ویلا کے لان میں بیٹھی اس اداس سی لڑکی کو بھی معطر کر رہے تھے۔ جو محبوب کی جدائی پر کملا کر رہ گئی تھی۔

صبح کے نو بج رہے تھے۔ ایسے لان میں لگے بینچ پر دھند میں اپنے ہاتھوں میں چائے کا کپ پکڑے بیٹھی ایراج اس وقت ایک پیارے سے شخص محراب مراد کے خیالوں میں ڈوبی ہوئی تھی۔ جو اس جھلی سی لڑکی کو خود کے ساتھ منصوب کر کے شاید بھول گیا تھا۔ ان کی گفتگو مصروفیت کے باعث صرف فون پر ہی کبھی کبھار ہوتی تھی۔

گھر میں آج کل فوزیہ بیگم اور افشاں بیگم تو اس کے نکاح کی تیاریوں میں مصروف تھے کیونکہ اس کے نکاح میں صرف ایک ماہ اور دس دن باقی تھے۔باقی رخصتی تو پڑھائی کے بعد ہی ہونی تھی۔

محبت بھی عجیب مرض ہے جب کسی کو ہوتی ہے تو اسے آزمائش کی بھٹی سے ضرور گزارتی ہے۔ایراج بھی آج کل اسی میں سے گزر رہی ہے۔محبت نے اس بچاری چلبلی سی لڑکی پر بہت بھاری آزمائش رکھ دی تھی۔

خیالوں میں گم ایراج کو علم نا ہوا تھا کہ کب کی چائے ختم ہو چکی تھی اور تو اور اب تو دھند بھی ہٹ چکی تھی۔سورج کی ہلکی ہلکی روشنی زمین پر آنا شروع ہو چکی تھی۔ایراج گہری سانس لیتے اٹھی تھی اور اپنی شال کو ٹھیک کرتے اس نے اندر کی جانب قدم بڑھائے تھے۔جب اس نے چھٹی کے دن جھجیف کو صبح صبح تیار شیار ہو کر گھر سے باہر جاتے ہوئے دیکھا تھا۔ایراج اس کو دیکھ کر مسکرا دی تھی۔کیونکہ جانتی تھی کہ اس وقت وہ کس کے پاس جا رہا ہو گا۔

ایراج نے اپنی کزن جیسے بھائی نہیں بلکہ دشمنوں جیسے دوست کو دل سے خوش رہنے کی دعا دی تھی۔

@@@@@@@@@@@@

"سپر مین! ہم کہی جارہے ہیں کیا؟؟" کیف کے ساتھ گاڑی کی فرنٹ سیٹھ پر بیٹھی انابیہ نے اشتیاق سے باہر سڑک پر دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

"ہمم! یس" گاڑی چلانے میں مصروف کیف آفندی نے مبہم سہ مسکرا کر جواب دیا تھا۔

"کہاں؟" انابیہ کے لہجے میں جوش بھر آیا تھا۔ نادان سی وہ لڑکی جو اپنی ماں کے کام میں مصروف ہونے کے باعث، ہر وقت اپنے گھر کی چار دیواری میں رہتی تھی پہلی باریوں کہی گھومنے آنے پر خوشی سے پھولے نہیں سمارہی تھی۔

"یہ تو سرپرائز ہے میری چھوٹی سی پیاری سی معصوم بیوی کے لیے لیے۔۔" کیف نے اس کے من موہنے چہرے کو ایک نظر دیکھنے کر آنکھوں میں سموتے ہوئے کہا۔

"آپ کی بیوی کون ہے سپر مین؟ کیا آپ نابی کو سرپرائز نہیں دیں گے؟ صرف اپنی بیوی کو ہی دیں گیں؟" انابیہ کے لہجے میں ہلکی سی جلن اور افسردگی کی جھلک نمایاں تھی۔ سپر مین کی بیوی والے الفاظ شاید اس دیوانی کو اس نافہمی کی دنیا میں بھی تکلیف

دے گئے تھے۔

اس کی معصوم سی بات پر کیف کو اس پر بہت پیار آیا تھا۔اس لیے اپنے ایک بازو کو اس کے گرد پھیلاتے،اس کے ماتھے پر عقیدت کے پھول کھلاتے ہوئے بولا

"سپر مین کی یہ مجال کہ وہ اپنی نابی کی بجائے کسی اور کو سرپرائز دے۔ ویسے ایک سیکرٹ بتاؤ کہ میری بیوی کون ہے۔"گاڑی کی سپیڈ تھوڑا کم کرتے کیف نے انابیہ سے پوچھا تھا۔

اور پری تو اپنے شہزادے کیف کی محبت پر دل کھول کر مسکرا دی تھی اور حق سے اس کے سینے پر تھوڑی رکھے،اپنی آئیبرو آچکا کر اس سے پوچھتے اپنے شہزادے کے دل کے چاروں خانے چت کرتے،بے خبری میں وہاں اپنی اجاداری قائم کرنے پر ڈٹی تھی۔

"میری بیوی بہت معصوم اور پاکیزہ ہے۔ بالکل کسی تازہ کھلے پھول کی مانند،اور جانتی ہو وہ اس وقت میرے حصار میں بیٹھی حق سے میرے سینے پر سر رکھے بیٹھی ہے۔" کیف نے انابیہ کے کان میں گھمبیر لہجے میں سرگوشی کی تھی۔

جس پر شہزادی چند لمحے پہلے نا سمجھی سے اسے دیکھتی رہی،لیکن پھر اچانک اس کے

چہرے پر خوشی سے قوس قزح کے سارے رنگ بکھرے تھے اور چہکنے لگی تھی۔

"مطلب آپکی بیوی نابی ہے سپر مین؟ لیکن پھر نابی آپ کے ساتھ کیوں نہیں رہتی، جیسے وہ ڈرامے میں بیوی والی ہیروئن اپنے دلہے والے شوہر کے ساتھ رہتی ہے۔" خوشی سے بھرپور لہجے میں انابیہ جو کیف کے گلے میں بازو ڈالتے پوچھ رہی تھی۔ آخر بات پر افسردہ سی دیکھائی دے رہی تھی۔

کیف بچارہ جو انابیہ کی بات پر یک دھک رہ گیا تھا۔ یک دم گاڑی کے کسی چیز میں لگنے کے ڈر سے اسے سائیڈ پر روک کر انابیہ کی جانب ورتہ حیرت سے دیکھنے لگا تھا۔ اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ اس کی معصوم سی بیوی کے دماغ میں یہ اتنی فضول سی باتیں (ہیرو ہیروئن والی) کہاں سے آگئی؟؟

"یہ تمہیں ہیرو ہیروئن کا کس نے بتایا ہے انابیہ؟" کیف کا لہجہ تھوڑا برہم سہ تھا۔ کیونکہ اس نے تو ہمیشہ اس معصوم اور نادان سی انابیہ سے محبت کی تھی۔ اسے یقین تھا کہ اس کی بھولی انابیہ کو ضرور کسی نے یہ بات بتائی ہے ورنہ وہ خود سے کبھی ایسا نہیں کہہ سکتی تھی۔

"سپر مین وہ جو نابی کے پاس آنٹی رہتی ہے نا، وہ اس دن ڈراما دیکھ رہی تھی۔ جس میں

دلہن بنی ہیروئن گاڑی میں بیٹھنے کے بعد شیشے سے باہر کھڑے لوگوں کو دیکھتے رو رہی تھی۔ تو جب نابی نے پوچھا کہ آنٹی یہ کیوں رو رہی ہے؟

تو انہوں نے بتایا کہ یہ ہیرو اپنی ہیروئن کو اپنی بیوی بنا کر اپنے ساتھ لے جا رہا ہے۔ کیونکہ اب شادی کے بعد بیوی والی ہیروئن اپنے ہیرو والے شوہر کے پاس رہے گی۔ اسی لیے اپنے گھر والوں سے دور ہونے پر دلہن رو رہی ہے۔ سپر مین کیا نابی بھی اب آپ کے ساتھ رہے گی۔ لیکن نابی نے تو اس دلہن جیسا کاسٹیوم پہنا ہی نہیں اور نا آپ نے دلہے جیسے کپڑے پہنے۔۔۔ پھر آپ نابی کو گاڑی میں بیٹھا کر بھی نہیں لے کر گئے۔ "انابیہ کے بات پر کیف نے گہری سانس بھری تھی۔

کیونکہ اس کی بیوی سچ میں بہت پاکیزہ تھی یہ تو اس کی کئیر ٹیکر نے اس کے دماغ میں خنّاس بھرا تھا۔ کیف کا دل کر رہا تھا کہ ابھی جا کر اس ملازمہ کی اچھی خاصی عزت کرے کہ آئندہ کے بعد وہ انابیہ کو ایسی فضول باتیں نا بتائے۔۔ لیکن اس وقت اس کے لیے اپنی الجھی سی بیوی ضروری تھی جو سوالیہ نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ انابیہ کی خاطر کیف نے اپنے آپ کو پر سکون کیا تھا اور چہرے پر مسکان سجاتے انابیہ کو دیکھا تھا۔

"انابیہ آپ پوچھ رہی تھی نا کہ ہم کہاں جا رہے ہیں تو میری جان آج میں آپ کو ونڈر لینڈ لے کر جا رہا ہوں۔" کیف نے دوبارہ گاڑی سٹارٹ کرتے سڑک پر ڈالتے بہت آسانی سے انابیہ کا دھیان دوسری باتوں کی طرف سے ہٹایا تھا کیونکہ وہ فلحال ایسا کچھ انابیہ کے ذہن میں نہیں ڈالنا چاہتا تھا۔

جبکہ انابیہ وہ تو خوشی سے چیخ پڑی تھی۔

"ہرررررے سپر مین! کتنا مزہ آئے گا۔" کیف کے چہرے پر اپنا لمس چھوڑتے انابیہ نادانی میں اپنے طور پر شکریہ ادا کر رہی تھی۔

لیکن کیف بچارہ کی حالت ضرور بری کر دی تھی۔ جو بہت مشکل اپنے دھڑکتے دل کو قابو کیے ہوئے تھے۔

سارے راستے انابیہ کی چھوٹی باتوں اور پر جوش لہجے میں کی گئی فرمائشوں اور باتوں کو سنتے کیف اسے لاہور کے مشہور جوائے لینڈ لایا تھا۔ جہاں کیف انابیہ کے ساتھ بچہ ہی بن گیا تھا۔ اس نے ہر جھولے میں انابیہ کا ہاتھ پکڑے اسے اپنے ساتھ بیٹھایا تھا، پھر خوشی سے قہقے لگاتے چیخے مارتے کیف نے اپنی بیوی کے آج کے دن کو بہترین ترین دنوں میں سے ایک بنا دیا تھا۔

@@@@@@@@@@@@@@@

مکمل دو ہی دانوں پر یہ تسبیح محبت ہے

جو آئے تیسرا دانا یہ تسبیح ٹوٹ جاتی ہے۔

مقرر وقت ہوتا ہے محبت کی اذانوں کا

قضا جن کی نکل جائے ادا بھی چھوٹ جاتی ہے۔

محبت کی نمازوں میں امامت ایک کو سونپیں

اسے تکنے اسے تکنے سے نیت ٹوٹ جاتی ہے۔

محبت دل کا سجدہ ہے جو ہے توحید پر قائم

نظر کے شرک والوں سے محبت روٹھ جاتی ہے۔

ابراہیم جس کام کے لیے مری آیا تھا۔ وہ تو پورا ہفتہ لٹکنے کی بجائے تین دن میں ہی ہو گیا تھا۔ کام ہوتے ہی رمشاء کو وہاں سے جانا پڑا تھا۔ جس پر سب سے زیادہ خوشی حیات کو ہی ہوئی تھی۔

پچھلے دنوں کام کی وجہ سے ابراہیم حیات کو ٹائم نہیں دے پایا تھا۔اس لیے آج فارغ ہوتے ہی،اس کا ارادہ حیات کو کہی گھمانے لے کر جانے کا تھا۔لیکن باہر ہوتی برف باری کی وجہ سے ان لوگوں کو کاٹیج میں ہی رکنا پڑا تھا۔

حیات صبح سے اندر رہ کر اب بور ہو چکی تھی۔وہ باہر جا کر برف باری کو ابراہیم کے سنگ انجوائے کرنا چاہتی تھی لیکن ابراہیم کی باہر نا جانے کی سخت ہدایت کی وجہ سے وہ محض منہ پھولا کر رہ گئ تھی۔جو حیات کی طبیعت کو لے کر کچھ زیادہ ہی حساس سہ ہو رہا تھا۔

"ابر پلیز زز نا چلیں نا ہم تھوڑی دیر کے لیے باہر چلتے ہیں۔مجھے برف میں آپ کے ساتھ انجوائے کرنا ہے۔"حیات نے اس کاٹیج کے چھوٹے سے مگر خوبصورت لاونج میں موجود ایل ای ڈی کے سامنے موجود ٹو سیٹر صوفہ پر بیٹھے ابراہیم کا بازو پکڑتے التجاء کی تھی۔

"نہیں ہم باہر نہیں جائیں گے حیات! جانتی ہیں اس وقت باہر کا درجہِ حرارت کس قدر گر چکا ہے۔اندر تو پھر آتش دان کی وجہ سے کچھ گرمائش،لیکن باہر کا کوئی حال نہیں ہے۔اس لیے بس چپ کریں ادھر میرے ساتھ بیٹھو"ٹی وی پر نظریں جمائے

بیٹھے ابراہیم نے حیات کی التجاء کورد کرتے، کوئی دسویں بار یہی ایک بات دھرائی تھی۔

حیات اب تو اس جواب پر چڑ سی گئی تھی۔

"لیکن میں بور ہو رہی ہوں ابر! آپ تو مجھے یہاں لا کر بھول ہی گئے ہیں۔ پہلے خود تین دن کام میں مصروف رہے اور اب ٹی وی پر ایسے نظریں جمائے بیٹھیں ہیں جیسے میں نہیں وہ آپکی بیوی ہے۔ جائے میں نہیں آپ سے بات کرتی۔" شدید ناراضگی کے عالم میں حیات وہاں سے اٹھی تھی۔

حیات کی خفگی پر ابراہیم گڑبڑا گیا تھا۔ اور جلدی سے اس کا ہاتھ پکڑتے اسے اپنے طرف کھینچتے ہوئے بولا تھا۔

"ابر کی ڈول! یار سوری نا آئندہ ایسی گستاخی نہیں کروں گا۔ خیر بتاؤ یہ ناچیز اپنی سوہنی سی ڈول کی یہ بوریت میں کیسے کم کر سکتا ہے۔" ابراہیم نے حیات کو اپنی گود میں بیٹھاتے ہوئے پوچھا تھا۔

"مجھے برف میں کھیلنا ہے۔۔" موقع دیکھتے حیات نے انتہائی معصومیت چہرے پر سجاتے ابراہیم کی جانب پیار سے دیکھتے آنکھیں پٹپٹاتے ہوئے کہا تھا۔

ابراہیم تو اپنی ڈول کی اس ادا پر فدا ہی ہو گیا تھا۔ پر اس کی فرمائش۔۔۔۔اس پر چند لمحے سوچنے کے بعد ابراہیم صوفہ سے اٹھ کھڑا ہو تھا۔

حیات تو خوشی کے مارے کھل اٹھی تھی۔اس لیے تیزی سے باہر کی جانب لپکی تھی۔

"ایک منٹ حیات رکو ایسے نہیں باہر جانا" ابراہیم جو اٹھ کر اندر گیا تھا۔ہاتھ میں کوٹ ،دستانے اور شوز پکڑے باہر آتے بولا تھا۔

جس پر حیات نے صبر کا دامن ہاتھ میں پکڑے سر ہلایا تھا۔ابراہیم چلتے حیات کے پاس آیا تھا، جو اس وقت بلیو پینٹ پر سفید شرٹ پہنے اس کے اوپر ریڈ جرسی پہنے گلے میں اونی سٹالر ڈالے بال پشت پر بکھیرے اس وقت باربی ڈول لگ رہی تھی۔

"اپنے ہاتھ آگے کرو" حیات کا جائزہ لینے کے بعد ابراہیم نے اسے ہاتھ آگے کرنے کو کہا تھا۔

جس پر حیات نے فورا عمل کیا تھا۔

ابراہیم جانتا تھا کہ باہر اندر کی بجائے بہت زیادہ سردی ہے اس لیے اس نے حیات کو اس ریڈ جرسی کے اوپر ایک اور جرسی ڈالنے کے بعد اسے لونگ کوٹ بھی پہنایا تھا۔ پھر

ہاتھوں میں دستانے بھی پہنائے تھے۔

یوں لگ رہا تھا کہ مانو یہ دیوانہ شہزادہ ٹھنڈی ہوا کے ایک زرے کو بھی اپنی شہزادی کو چھونے کی اجازت نہیں دینا چاہتا تھا۔

حیات جو اتنے کپڑوں میں دب کر بہت کیوٹ لگ رہی تھی۔ صدمے سے ابراہیم کو دیکھ رہی تھی۔ جو اسے ایسے ٹریٹ کر رہا تھا کہ جیسے وہ کوئی بچی ہے جو باہر جاتے ہی بیمار ہو جائے گی۔

پر حیات کیا جانے وہ تو ابراہیم کی آتی جاتی سانسوں کے کو ضمانت تھی جس پر ابراہیم ایک آنچ بھی برداشت نہیں کر سکتا تھا۔

"حیات پاوں ادھر رکھو" صدمہ میں کھڑی حیات کے پاس نیچے جھک کر بیٹھتے ابراہیم نے اسے اپنے ایک گھٹنے پر اپنا پاؤں رکھنے کو کہا تھا۔

جس پر حیات جھجک کر نفی میں سر ہلا گئی تھی۔

ابراہیم حیات کی منع کرنے کو کسی خاطر میں لائے بغیر اس کی پاؤں کو پکڑے اپنے ایک گھٹنے پر رکھ چکا تھا۔ اور پھر اس پاؤں میں موجود جاگر نکالتے اسے لیدر کی لانگ شوز

پہنانے لگا تھا۔جو وہ اندر سے لے کر آیا تھا۔

حیات کو اپنے بھالو بنے کے صدمے کے باوجود ابراہیم کے اتنے نرم رویے پر دل میں گدگدی ہو رہی تھی۔ابراہیم کا اتنا کیئر نگ انداز اس کو خوشی دے رہا تھا۔اور خوشی کا یہ احساس ابراہیم کے کچھ دن پہلے والے اظہارِ محبت کے الفاظ یاد کر کے بڑھا تھا۔

اس کے گال شرم و حیا سے تپ چکے تھے،دل کی دھڑکن بڑھی تھی،یہ خیال ہی بہت خوش کن تھا کہ اس کے سامنے گھٹنوں کے بل جھکا پیارے سے دل والا خوبرو شہزادہ صرف اور صرف اس کا ہے۔

NEW ERA MAGAZINE .COM
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

اور اس محبت اور حسن کے بے تاج بادشاہ کی وہ اکیلی شہزادی تھی۔

"اب چلو!"ابراہیم خیالوں میں کھوئی حیات کا ہاتھ پکڑتے اسے لے باہر آیا تھا۔جہاں اب برف باری ہونا تو رک چکی تھی۔لیکن اس وقت ہر چیز برف سے اٹی ہوئی تھی۔

یوں لگ رہا تھا کہ وہاں موجود ہر چیز نے سفیدی کی چادر اوڑھ کر خود کو پاکیزہ کر لیا ہو۔ ہلکی ٹھنڈی ہوا جب چلتی تو وہاں موجود درختوں کے پتوں پر موجود برف کو نیچے گراتی تھی جو اس خاموش ماحول میں ارتعاش پیدا کرتے کسی خوبصورت میوزک کی طرح

سنائی دیتی تھی۔

ابراہیم جو وہاں کے ماحول کی خوبصورتی میں کھویا ہوا تھا۔اپنی بازو پر لگنے والے برف کے گولے پر چونکا تھا۔ لیکن پھر نظروں کے سامنے شرارتی آنکھوں سے کھلکھلاتی ہوئی حیات آئی، جس کے ہاتھ میں ابھی بھی برف کا گولہ تھا،اس کے چہرے پر بھی مسکراہٹ بکھری تھی۔

ابراہیم خود کو چیلنج کرتی نگاہوں سے تکتی حیات کی جانب تیزی سے لپکا تھا۔

اب حالی یہ تھا کہ اس چھوٹے سے لان میں ایک خوبصورت شہزادہ اور شہزادی ایک دوسرے پر برف کے گولے بنا کر پھینکتے کھلکھلا رہے تھے،ہوائیں ان کے ارد گرد رقص کر رہی تھی، محبت کی دیوی ان پر مہربان تھی،ہر چیز ان کی خوشیوں کو صدا قائم رہنے کی دعائیں دے رہی تھی جو نجانے پوری ہونی بھی تھی یا نہیں یہ تو وقت نے بتانا تھا۔

@@@@@@@@@@@@@@

"چٹاخ" زوردار تھپڑ کی اس آواز نے آفندی ویلا کے ایک خوبصورت نیلے رنگ کے

انٹر ئیر سے بنے اس کمرے کے درو دیوار کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔

جہاں کمرے کے بیچ و بیچ افشاں بیگم خونخوار نظروں سے اپنے سامنے تھپڑ کی شدت سے نیچے گرے دس سالہ معصوم کو بس نگلنے کو تیار کھڑی تھی۔

"تمہاری ہمت کیسے منحوس میرے دانش کے رپورٹ کارڈ کی خبر بڑے ابا کو دینے کی؟ تم سمجھتے کیا ہو اپنے آپ کو اگر بڑے ابا تمہیں سپورٹ کرتے ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم اب میرے بچوں کی شکایت لگاوگے۔ماں تو تمہاری تمہارے باپ کے مرنے کے بعد کسی اور کے ساتھ عیاشیاں کر رہی ہو گی اور تمہیں چھوڑ دیا ہمارے سروں پر مونگ دلنے کے لیے۔۔۔۔۔"انتہائی کم درجہ کے جاہلوں سے بھی نیچے درجہ کی جاہل بنی افشاں بیگم اس دس سالہ معصوم ابراہیم کی بازو پکڑتے اسے جھنجھوڑ کر اس کی روح پر تازیانہ برسا رہی تھی۔

جس کا قصور فقط اتنا تھا کہ اس نے بڑے ابا کو دانش کے گندے رپورٹ کارڈ کے متعلق بتایا تھا،اور بدلہ میں بڑے ابا نے دانش کو تھوڑا ڈانٹ سے اور تھوڑا پیار سے پڑھنے کی نصیحت کی تھی۔

لیکن افشاں بیگم کو کہاں برداشت تھا کہ ابراہیم کی وجہ سے ان کے بچوں پر حرف بھی

آئے، وہ بچارہ تو جس دن سے اس گھر میں آیا تھا تب سے بس سب کی مار پھٹکار ہی سن رہا تھا۔ صرف ایک بڑے ابا تھے جن کے سامنے کوئی کچھ کہنے کی ہمت نہیں کرتا تھا، جو ابراہیم کے لیے ایک گھنے چھاؤں جیسے درخت کی مانند تھے اس کے علاوہ کوئی ایسا نہیں تھا جو اس سے میٹھے بول بولتا۔ یہاں تک کہ مصطفیٰ اور نعمان صاحب دونوں اپنی بیویوں کے نیچے لگے ہوئے ہر معاملے پر خاموش تماشائی بنے رہتے تھے۔

آج بھی گھر میں بڑے ابا کی غیر موجودگی کو بھانپتے افشاں بیگم اس معصوم کو اپنی عتاب کا نشانہ بنانے لگی تھی۔

"مم۔۔۔مجھے معاف کردیں بڑی ماما۔۔۔میں آئندہ ایسا نہیں کروں گا" ڈرتے ڈرتے روتے ہوئے دس سالہ ابراہیم نے افشاں بیگم سے معافی مانگی تھی۔

جو اس کے بڑی ماما کہنے پر مزید غصہ سے بھپیر گئی تھی۔

"کتنی بار کہا ہے کہ اپنی اس گندی زبان سے مجھے بڑی ماں نا کہا کر، تیرے یہ چونچلے میں صرف بڑے ابا کے سامنے برداشت کرسکتی ہوں ان کی غیر موجودگی میں نہیں سمجھے" افشاں بیگم نے ابراہیم کے جبڑوں کو ہاتھ میں دبوچا تھا۔

وہ وقت کی فرعون بنی ایک معصوم بچے کے جسم اور روح کو گھائل کر رہی تھی۔ایسا کر کے شاید وہ اپنے اندر لگی نفرت کی اس آگ کو بجھانے میں لگی تھی جو جاسم کے ان کو چھوڑ کر عسرہ کو چن لینے پر لگی تھی۔

جو مزید عسرہ کے نعمان سے شادی کی بات سن کر بڑھی تھی۔جن کو لگتا تھا کہ جیسے عسرہ نے اس کا حق مارا ہے ویسے ابراہیم ان کے بچوں کا حق مار رہا ہے۔

حالانکہ کہ اگر وہ عقل و شعور استعمال کرتی تو انہیں پتہ چلتا کہ عسرہ نے تو ان کے حق پر ڈاکا نہیں ڈالا تھا بلکہ انہیں ان کا محبوب شوہر لوٹایا تھا۔اور وہ چھوٹا معصوم بچہ جو پہلے ہی ماں باپ کی جدائی پر تنہا ہو گیا تھا وہ کیسے ان کے بچوں کو حق مار سکتا تھا۔

اگر افشاں بیگم چاہتی تو ابراہیم کے ممتا کے لیے تڑپتے وجود کو اپنے آنچل میں چھپا کر دنیا کی بہترین عورت میں سے ایک بن سکتی تھی لیکن انہوں نے اپنے حسد، غصہ اور نفرت کی آگ میں جل کر خود کو ہر درجہ سے گرا دیا تھا۔

یہاں تک کہ انہوں نے اپنے بچوں کے ذہن میں یہ تک بیٹھا دیا تھا کہ ابراہیم کوئی ان کا اپنا نہیں ہے بلکہ کسی دور کے رشتے دار کا بیٹا ہے جس کے ماں باپ اسے یہاں چھوڑ گئے ہیں۔

"آئم سوری۔۔۔میں ایسا نہیں کہوں گا۔۔۔پلیز مجھے چھوڑیں درد ہو رہا ہے" ابراہیم کی روتی بلکتی آواز پر افشاں بیگم نے نخواست سے سر جھٹکا تھا اور ابراہیم کو نیچے پھینکتے خود باہر کی جانب چلی گئی تھی۔

جبکہ ابراہیم اپنے کمروں کا دروازہ بند کرتے پھوٹ پھوٹ کر روتے بڑبڑانے لگا تھا۔

"آئی مس یو بابا۔۔۔آئی ریئلی مس یو۔۔۔پلیز مجھے بھی اپنے پاس بلالیں بابا۔۔۔یہاں سب لوگ بہت برے ہیں۔۔۔اور ماما بھی مجھے چھوڑ کر کہی چلی گئی ہیں بابا۔۔۔یہاں کوئی نہیں جو ابراہیم سے پیار کرتا ہو۔۔۔سوائے بڑے ابا کے۔۔۔۔لیکن مجھے آپ کے پاس آنا ہے بابا۔۔۔پلیز زز مجھے بلالیں۔۔۔"اس بچے کی روتی بلکتی آوازیں صرف اس کمرے کی درودیوار میں قید ہو رہی تھی۔ جس کے باپ کا سایہ کیا اٹھا وہ نازو پلا اب دنیا کی دردر کی ٹھوکروں پر آگیا تھا۔

@@@@@@@@@

"آاااا چھی۔۔۔"کاٹیج کے صوفہ پر بیٹھا ابراہیم کا اس وقت چھینکوں سے برا حال تھا۔ حیات کو تو باہر جاتے وقت اس نے خوب اچھی طرح ریپ کیا تھا لیکن خود کا دھیان رکھنا بھول گیا تھا۔یہی وجہ تھی کہ اب خود مسلسل چھینک رہا تھا۔

"ابراہیم جلدی سے یہ سوپ پئیں اس سے آپ کی سردی ٹھیک ہو جائے گی۔" حیات نے ابراہیم کے سامنے بیٹھتے اسے گرم گرم سوپ کا پیالہ رکھا تھا۔ جو وہ ابھی ابھی اپنے ہاتھوں سے بنا کر لائی تھی۔

ابراہیم کی حالت دیکھ وہ خود پریشان ہو گئی تھی، اسے نہیں پتہ تھا کہ اس کی ضد ابراہیم پر اتنی بھاری پڑے گی اگر پتہ ہوتا تو وہ کبھی ایسا نا کرتی۔

حیات نے سوپ رکھنے کے بعد جلدی سے اٹھ کر اس کے ارد گرد ایک اور کمبل رکھا تھا اور پھر ہیٹر بھی نزدیک کیا تھا۔

حیات کو اپنی پرواہ کرتے دیکھ ابراہیم کو بہت اچھا لگ رہا تھا۔ اسی نہیں یاد پڑتا تھا کہ بڑے ابا کے علاوہ کبھی کسی نے اس کی اتنی دیکھ بھال کی ہو۔

"پیئں نا سوپ پھر وہ ٹھنڈا ہو جائے گا" ابراہیم کو سوپ پینے کی بجائے اپنی طرف محبت بھری گہری نظروں سے دیکھتے پا کر حیات نے کہا تھا۔

"ایک شرط پر اگر میری ڈول مجھے اپنے ہاتھوں سے پلائے گی" ابراہیم نے ضدی لہجے میں خواہش ظاہر کی تھی۔ نجانے کیوں آج اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ بچوں کی طرح ضد

کرے اور حیات اس کی ہر ضد کو بلا جھجک کر پورا کرتی جائے۔

سرخ پڑتی ناک کے ساتھ کمبل میں لپٹے ابراہیم پر حیات کو ٹوٹ کر پیار آیا تھا اس لیے بلا چوچراں کیے ابراہیم کو سوپ پلانے کے لیے اس کے ساتھ بیٹھی تھی۔ جس نے حیات کو پکڑ کر اپنے گود میں بیٹھا لیا تھا اور اب مزے سے اس کے ہاتھ سے سوپ پینے لگا تھا۔

"تمہیں پتہ حیات تم میرے صدیوں کے صبر کا انعام ہو جو مجھے بلا کسی مشقت کے مجھے عطا کی ہے۔ میری دعا ہے کہ میں اپنی زندگی کی ساری خوشیاں تمہارے سنگ دیکھو یہاں تک جب میں اپنی آخری سانسیں لوں تو تب بھی میرا سر تمہاری گود میں رکھا ہو۔" خالی باول ٹیبل پر رکھنے کے بعد ابراہیم حیات کے گرد اپنا حصار مضبوط کرتے گھمبیر سرگوشی کر گیا تھا۔

"آپ ایسا کیوں کہہ رہے ہیں ابراہیم! ابھی مجھے موت کی باتیں نہیں کرنی۔ ابھی تو مجھے آپ کے سنگ بہت سہ جینا ہے پھر بڑھاپے میں آپ کے ساتھ تاروں بھرے آسمان کے نیچے اسی طرح بیٹھ کر اپنے ان سہانے دنوں کو یاد کرنا ہے۔ اور اگر کبھی موت آئی تو میں اسے کہوں گی ہم میں سے کسی ایک کو لے کر مت جائے پلیز ز ہم

دونوں کو لے جاؤ۔"شہزادی اپنے شہزادے کے سینے پر سر رکھتے شدت پسندی سے بولی تھی۔

حیات کی بات پر ابراہیم کے چہرے پر آسودگی بھری مسکراہٹ چھائی تھی اسی لیے اسے اپنی حصار میں شدت سے لیے آنکھ موندہ گیا تھا۔ان کی حسین زندگی پر رمشاء نامی بلا کی حسد بھری نظریں منڈلا رہی تھی۔جو کل سے یہی مری کے ایک ہوٹل میں ٹھہری ہوئی تھی۔جس کا حسد نجانے ان کی زندگی میں اب کونسے طوفان لے کر آنے والا تھا۔

@@@@@@@@@@

پیچھلے کچھ دنوں کی نسبت آج مری کا موسم کچھ بہتر اور حسین تھا اسی وجہ سے ابراہیم اور حیات آج گھر سے باہر نکلے تھے۔ابراہیم حیات کو لے کر patriata کے مقام پر لے کر آیا تھا۔پیٹریاٹ جس کو نیو مری بھی کہا جاتا ہے۔پنجاب کا سب سے بلند ترین اور خوبصورت جگہ ہے وہاں موجود چیئر لفٹ اور حسین مناظر سیاحت کے لیے آنے والی کو اپنی طرف کھینچنے کی کشش رکھتی ہیں۔

حیات بھی ابراہیم کے ساتھ اس وقت چیئر لفٹ میں بیٹھی خود کو ابراہیم کی ہمسفری

میں ہواؤں میں اڑتا محسوس کررہی تھی۔نیچے گہرائی میں دیکھنے پر نظر آنے والے درخت نجانے کیوں اسے ڈرانے کی بجائے اسے فینٹسی کی الگ ہی دنیا میں لے جارہے تھے جہاں صرف وہ تھی اور ابراہیم تھا۔

چیئر لفٹ کے رکتے ہی حیات اور ابراہیم دوسری طرف اترے تھے۔آج تو وہاں پر رش کچھ زیادہ ہی تھا۔اسی لیے ابراہیم نے فوراًاس کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔ابراہیم کی اتنی پرواہ اور محبت پر تو حیات ہر بار نئے سرے سے کھل اٹھتی تھی۔

کافی دیر وہ لوگ وہاں ارد گرد موجود خوبصورتی کو محسوس کرتے،اپنے حسین پلوں کو کیمرے میں وید کرتے رہے تھے۔

آسمان پر اندھیرے نے اپنا راج جمانا شروع کیا تو سب لوگوں کے ساتھ حیات اور ابراہیم نے بھی گھر کا رخ کیا تھا۔کیونکہ رات ہونے کے ساتھ ساتھ آسمان پر بادلوں نے بھی گھیرا بنانا شروع کردیا تھا۔

حیات تو تھکاوٹ کے باعث گاڑی میں بیٹھتے ہی ابراہیم کے کندھے پر سر رکھے سو گئے تھے جبکہ دوسری طرف ابراہیم تیزی سے گاڑی ڈرائیو کررہا تھا۔کیونکہ آسمان پر موجود سخت بارش اور آندھی طوفان کے اثرات دیکھتے اسے گھر جانے کی اجازت تو

دے نہیں رہے تھے۔اسی لیے وہ جلد از جلد کسی مقامی ہوٹل میں پہنچنا چاہتا تھا تاکہ وہ محفوظ رہ سکیں۔

درختوں اور پہاڑوں کے بیچ و بیچ سے جاتی اس تاریخ سنسان ڈھلوانی سڑک پر ان کی گاڑی بہت تیزی سے گزر رہی تھی۔جب اچانک یک دم ان کی گاڑی کے ٹائر ایک دھماکہ کی آواز کے ساتھ ڈگمگا گئے تھے۔شاید ٹائرز کے نیچے کوئی نوک دار چیز آنے سے ٹائر پھوٹ چکا تھا۔

گاڑی کو سنبھالنے کی تگ و دو کرتے ابراہیم کے چہرے پر سخت پریشانی کے اثرات تھے۔اگر اس کے ساتھ اس وقت حیات نا ہوتی تو شاید وہ بہتر طریقہ سے گاڑی کو سنبھال سکتا تھا۔

حیات جو ابھی کچی نیند میں تھی،دھماکہ کی آواز پر ہڑبڑا کر اٹھی تھی۔اس کے حواس اڑ چکے تھے۔

"ابر! یہ کیا ہو رہا ہے؟؟" حیات کا چہرہ ڈر کے مارے اس وقت فق پڑ چکا تھا۔اس کے دل کی دھڑکن بہت تیز چل رہی تھی یوں مانو کچھ غلط ہونے والا ہے۔

"کچھ نہیں ہوا حیات ڈرو۔۔۔" ابراہیم، جس کا دھیان پریشان سی بیٹھی حیات کو دلاسہ دینے کی طرف ہوا تھا، ڈگمگاتی گاڑی اس کے کنٹرول سے باہر ہوئی تھی اور سیدھا جا کر ایک سائیڈ پر لگے درختوں سے بہت بری طرح جا ٹکرائی تھی۔

حیات کو لگا تھا کہ جیسے بہت سخت شے اس کے سر سے ٹکرائے ہو، خوش و خرد سے بیگانہ ہوتے اسے جو آخری چیز محسوس ہوئی تھی وہ اپنے سر کے کسی حصہ سے بہتہ گرم خون تھا جو اب اسے کے چہرے کی طرف آ رہا تھا۔

ابراہیم جس کو حیات کی نسبت بہت تھوڑی چوٹ ائی تھی، پہلے چند لمحے تو اسے اپنے حواس بحال کرنے میں لگے تھے۔ کچھ دیر غائب دماغی سے اندھیرے میں اپنی کار کی چھت کو دیکھنے کے بعد جیسے ہی اس کے حواس بحال ہوئے تھے، ویسے ہی بے قرار ہوتے اس نے حیات کی تلاش میں نظری دھوڑائی تھی۔

مگر نظر سامنے بے ہوش پڑی حیات پر جاتے، وہ کانپ کر رہ گیا تھا۔ جس کے ماتھے سے خون بھل بھل بہہ رہا تھا۔ وہ تو حیات کی حالت پر بن آب کے تڑپتی مچھلی کی مانند ہو گیا تھا۔ ابراہیم نے تیزی سے اس کو سیدھا کرتے اپنا رومال اس کے زخم پر باندھتے اس کے خون کو روکنے کی سعی کی تھی۔ پھر گاڑی میں موجود پانی کی بوتل سے پانی لے کر اس

کے چہرے پر چھنیٹے مارے تھے، لیکن حیات ہوش میں نہیں آرہی تھی اوپر سے اس کے خود کے سر میں اٹھتی شدید درد کی لہریں اسے نڈھال کر رہی تھی۔ شاید اس کے سر میں کوئی اندرونی چوٹ آئی تھی۔

آسمان پر موجود بادلوں بھی شاید اس شہزادے کی تکلیف پر زور سے چیخے تھے اور تیزی آندھی کی مانند ہوائیں چلنا شروع ہو چکی تھی۔

ابراہیم کو اندھیرے میں اپنی گاڑی سے کچھ فاصلہ پر چند لوگوں کے بولنے کی آوازیں آنے لگی تھی۔ ابراہیم کے اندر بچنے کی ایک امید نے انگڑائی لی تھی کہ شاید وہ بچ جائے اس لیے اپنے موبائل کی ٹارچ آون کرتے اس نے لڑکھڑاتے ہوئے باہر نکل کر دوسری طرف سے آتے لوگوں کو دیکھ کر مدد مانگی تھی۔

"سنئیے دیکھیے! یہاں میری اور میری بیوی کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔ اپ پلیز ہماری یہاں سے نکلنے میں مدد کریں۔۔ " تکلیف سے بند ہوتی آنکھوں کے ساتھ ابراہیم نے درخواست کی تھی۔

ابراہیم کو دیکھ کر دوسری طرف سے آتا شور یک دم ختم ہو گیا تھا۔ یوں مانو جیسے ابراہیم کی پکار کی انہیں امید ہی نا ہو یا وہ سامنے ہی نا آنا چاہتے ہوں۔

"ہیلو! کوئی ہے یہاں؟ کوئی مجھے سن رہا ہے؟؟ اگر ہے تو خدا کا واسطہ ہے میری مدد کرو!" ابراہیم نے بامشکل اپنی آنکھیں کھلی رکھنے کی جدوجہد میں پھر سے پکار لگائی تھی۔

لیکن لگتا تھا کہ دوسری طرف موجود لوگ کچھ زیادہ ہی بے حس اور ظالم تھے جو ابراہیم کی پکار کو سننے کے باوجود ان سنا کر رہے تھے۔

ابراہیم کو اس تاریک سرد سڑک پر جب کچھ دیر تک کچھ نظر نا آیا تو اس نے ان آوازوں کو اپنا گمان جانا کیونکہ اگر کوئی ہوتا تو اسے دیکھائی بھی ضرور دیتا۔

بڑھتی ہوئی ٹھنڈی ہواؤں اور بادلوں کے گڑگڑاہٹ سے ابراہیم کو موسم کے اثرات بھی کچھ ٹھیک نہیں لگ رہے تھے۔ اسے خود کو اور حیات کو یہاں سے نکالنا تھا، اس لیے بوتل میں بچے پانی سے اس نے پہلے اپنے چہرے پر چھینٹے مارے تھے۔ پھر دو گھونٹ بھرتے، اس نے اپنے آپ کو سنبھالنا چاہا تھا۔ وہ ایسے اپنے سامنے اپنی بیوی کو مرتے نہیں دیکھ سکتا تھا۔

وہ اپنی طرف سے اتر کر گاڑی کے دوسری جانب آیا تھا جو اس قدر خطرناک رخ میں تھا کہ زرا سی بے احتیاطی اسے اور حیات کو نیچے جنگل میں گرا سکتی تھی۔ جہاں نخو نخار جنگلی جانور عام پائے جاتے ہیں۔ ابراہیم کو وہ کھائی دیکھ کر یوں لگ رہا تھا کہ جیسے وہ

موت کی مانند منہ کھولے انہیں نگلنے کو بس تیار کھڑی ہے۔ابراہیم نے یک دم جھرجھری لی تھی اور اللہ کا نام لیتے حیات کو نکالنے لگا تھا۔

لیکن شاید موت کا وقت آچلا تھا اسی لیے درختوں کے پیچھے چھپے ہیولے نکل کر باہر آئے تھے اور ابراہیم جو حیات کو گاڑی سے نکال کر تھام چکا تھا۔اسے دھکا دے کر ان ویران، سرد، تاریخ، یخ بستہ جنگلوں کے سپرد کرتے خود وہاں سے نکل چکے تھے۔

@@@@@@

"یا اللہ خیر!" نیند میں پرسکون سوئے بڑے ابا ایک دم ہڑبڑا کر اٹھے تھے۔ان کے چہرے پر اس سخت ٹھنڈ میں بھی پسینے کے قطرے موجود تھے۔شاید وہ کوئی خواب دیکھتے دیکھتے ڈر گئے تھے اسی وجہ سے ان کی حالت بہت بری ہو رہی تھی۔

"اللہ ایسے کیوں لگ رہا ہے کہ جیسے میرے جگر کے ٹکڑے، میرے ابراہیم اور حیات کسی مصیبت میں ہے۔میرے اللہ میرا دل بہت بے چین ہے میں اس وقت کچھ بھی کرنے سے قاصر ہوں میں صرف اور صرف آپ کی مدد چاہتا ہوں۔میرے بچوں کو اپنی حفظ وامان میں رکھنا میرے مولا ! تجھے تیرے حبیب کا واسطہ ہے تو بس ان کو اپنے کرم میں رکھنا" بڑے ابا نم آنکھوں سے، موبائل پر بار بار ابراہیم کا نمبر ملاتے ان

کی سلامتی کے لیے دعائیں کر رہے تھے۔یوں لگتا تھا کہ جیسے ان کے دل کو الہام ہو گیا تھا کہ کہی کچھ تو برا ہوا ہے۔

انسان کو جس سے محبت ہوا گر اس کے ساتھ کچھ برا ہو تو انسان کے دل کو پہلے ہی خبر ہو جاتی ہے جیسے بڑے ابا کے دل کو ہو گئی تھی۔

اگر ایک گھر میں بڑے ابا اپنے بچوں کے گرد دعاؤں کا حصار باندھ رہے تھے تو دوسری طرف ایک ماں کی تڑپتی روح بھی اپنے ابراہیم کے لیے دعا گو تھی،رات کے اس پہر عسرہ بیگم بھی بے چینی اور گھبراہٹ سے نیند نا آنے کے باعث مسلسل اپنے کمرے میں چکر لگا رہی تھی۔وہ کئی مرتبہ جا کر انابیہ کو دیکھ آئی تھی لیکن وہاں سب کچھ ٹھیک دیکھ کر،ان کے دھیان کے دھاگے بس ابراہیم کی طرف تھے۔

اب تو بس یہی دو سہارے تھے جن کی دعائیں اس شہزادہ شہزادی کو بچا سکتی تھی۔یا پھر وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جنگل کے اس تاریک حصے میں دفن ہونے والے تھے۔جہاں نا کسی کو ان کی خبر ہونی تھی اور نا کسی کو پتہ چلنا تھا۔

@@@@@@@@@@@@@

"میڈم آپ کا کام ہو گیا ہے۔اب ہمارے پیسے ہمارے حوالے کریں۔" یہ نجی ہوٹل کے ایک کمرے کا منظر تھا جہاں اس وقت کرسی پر ایک کرخت چہرے والا شخص ٹیبل کے دوسری جانب موجود لڑکی سے پیسہ مانگ رہا تھا۔

"کونسے پیسے پاگل آدمی؟ تمہیں میں نے صرف لڑکی کو جنگل میں پھینکنے کا کہا تھا تاکہ ابراہیم میرا ہو جائے لیکن تم نے تو دونوں کو ہی نیچے گرا دیا۔دفعہ ہو جاؤ یہاں سے کیونکہ میں تمہیں اب ایک پھوٹی کوڑھی بھی نہیں دینے والی" رمشہ جو اس کے سامنے بیٹھی تھی ایک دم بھڑک کر چیخی تھی۔

NEW ERA MAGAZINE .COM
Novels|Afsane|Articles|Books|Poetry|Interviews

اس وقت وہ سخت تیش میں تھی کیونکہ جس لڑکی کو اس نے ابراہیم سے الگ کرنے کے لیے ایسا پلین بنایا تھا۔سامنے موجود وہ پاگل لوگ اسے موت بھی ابراہیم کے سنگ ہی دے آئے تھے۔رمشہ کا بس چلتا تو ان لوگوں کو شوٹ کر دیتی۔

"میڈم اپن کے ساتھ چلاکی نہیں کرنے کا۔۔اپن نے تیرے کہنے پر ان کا قتل کیا ہے اب اگر تو اپنے قول واقرار سے مکر گئی تو پھر تیری جان لینے میں بھی اپن کوئی قباحت محسوس نہیں کرے گا لیکن ہاں تجھ جیسی چیکنی کو مارنے سے پہلے ہم اپنا حساب ضرور چکتا کرے گا" وہ گنڈا بھی رمشہ کی بات پر بھڑک کر اژدھوں کی پھنکار لہجے میں لیے

بولا تھا۔

جس پر رمشہ چند لمحوں کے لیے سن رہ گئی تھی۔اس نے کب سوچا تھا کہ یہ سب اس پر الٹا پڑ جائے گا۔اس لیے اپنے شاطرانہ دماغ کو چلاتے وہ مکھن لگا کر بولی تھی۔

"دیکھو!اس وقت میرے پاس پیسے نہیں ہے لیکن میں وعدہ کرتی ہوں واپس جا کر تم جتنے پیسے مانگو گے اتنے دوں گا ابھی تو مجھے جانے دو پلیز "رمشہ اس وقت انتہائی معصومیت کا لبادہ اوڑھ کر کہہ رہی تھی۔ایسے جیسے اس سے زیادہ معصوم تو دنیا میں ہے ہی نہیں تھا

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"پیسے نہیں ہے تو کیا ہوا تیری خوبصورتی تو ہے۔میں تجھ پر بھروسہ کر کے تمھیں یہاں سے ایسے ہی جانے نہیں دے سکتا اگر تو وہاں جا کر مکر گئی تو۔۔پھر ہم کیا کریں گے۔ اس لیے تجھے ہمیں کچھ نا کچھ ضمانت کے طور پر دینا ہو گا اور جب تک یہ معاملہ ختم نہیں ہو جاتا تو یہاں سے کہی نہیں جا سکتی۔"وہ گنڈا خباثت چہرے پر سجائے رمشہ کے فق چہرے کو دیکھتے قہقہ لگا کر اس کی طرف بڑھا تھا۔برائی کا انجام برا ہونے والا تھا۔

@@@@@@@@@@

"دانش بیٹا! سڑک پر بہت ٹریفک ہے اس لیے اچھے سے میرا ہاتھ پکڑنا" افشاں بیگم اپنے آٹھ سالہ بیٹے کا ہاتھ پکڑے بہت محبت سے کہہ رہی تھیں۔

ان کو دیکھ کر پاس کھڑے گیارہ سالہ ابراہیم، جو ٹریفک دیکھ بہت زیادہ گھبرا جاتا تھا، اس کے دل میں بھی شدت سے خواہش اٹھی تھی کہ کاش اس کی ماما بھی آج اس کے ساتھ ہوتی۔ تاکہ وہ بھی اسی طرح اس کا ہاتھ تھام کر سڑک پار کرواتی۔ ابراہیم نے چپکے سے سڑک عبور کرنے کے لیے افشاں بیگم کے ساڑھی کا ایک پہلو ہلکے سے تھاما تھا اور ان کے پیچھے پیچھے چلنے لگا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

افشاں بیگم بہت دنوں بعد آج نعمان صاحب کے ساتھ اپنے بچوں کو گھمانے لے کر آئیں تھی۔ لیکن گھر سے نکلتے وقت نعمان صاحب ابراہیم کی معصوم آنکھوں میں سے نظر آتی حسرت کو دیکھ، اسے بھی اپنے ساتھ لے ائے تھے۔ افشاں بیگم کو نعمان صاحب کا یوں ابراہیم کو ساتھ لانا پسند تو نہیں آیا تھا لیکن پھر بھی ضبط کرتے مارے بندھے چپ تھی۔

لیکن اب جب ابراہیم نے ان کی ساڑھی کا پلو پکڑا تھا تو ان کا غصہ سوا نیزے پر پہنچ چکا تھا۔ اس لیے اس بات کا بھی لحاظ کیے بغیر کے اس وقت وہ ایک مصروف سی سڑک پر

ہیں انہوں نے ابراہیم کو پیچھے کی جانب دھکا دیا تھا۔

جس کی وجہ سے ابراہیم سامنے سے آتی تیز رفتار گاڑی سے جا ٹکرایا تھا۔ یہ ٹکراوا تنا شدید تھا کہ ابراہیم کا ننھا معصوم سہ جسم ہوا میں اچھلنے کے بعد زمین پر آ گرتھا۔ اور سر پھٹنے سے زمین پر تیزی سے خون بہنے لگا تھا۔

چندپل تو افشاں بیگم کے حواس بھی اڑ گئے تھے یہ سب دیکھ کر۔۔۔ لیکن پھر بہت جلد ہی وہ خود کو نارمل کرتے وہ بڑبڑائی تھی۔

"خس کم جہاں پاک" بے حسی کی حد اگر کسی عورت پر آکر رکتی تھی تو وہ افشاں بیگم تھی جو ایک بچہ کو موت کے منہ میں دیکھ کر شکر ادا کر رہی تھی۔ وہ وقت کی فرعون خود کو سمجھے شاید ہر چیز بھلانے کے درپر تھی۔

خوف خدا تو اس وقت ان کے ارد گرد بھٹک بھی نہیں رہا تھا۔

نعمان صاحب جوان سے قدرے آگے چل رہے تھے۔ انہوں نے پیچھے مڑتے فق چہرے کے ساتھ تڑپ کر پہلی بار اپنے بھائی کی اس انمول نشانی کو اٹھایا تھا۔ ہیروں جیسا وہ بچہ دنیا کی بے رحم ٹھوکروں میں آکر اس وقت موت کے دہانے پر کھڑا تھا۔ نعمان

صاحب انہیں لے کر قریبی اسپتال آئے تھے۔کیونکہ پولیس حادثہ کے وقت وہی موجود تھی تو وہ بھی نعمان صاحب کے ساتھ اسپتال آئی تھی۔اس لیے ڈاکٹر نے قانونی کاروائی کرتے فوری طور پر ابراہیم کو آئی سی یو میں داخل کیا تھا۔

گھر میں خبر ہوتے ہی سب لوگ وہاں پر آ پہنچے تھے۔بڑے ابا تو تڑپتے دل کے ساتھ وہاں کے سرد کوریڈور میں چکر پر چکر لگاتے رب سے اپنے ابراہیم کی فریاد کر رہے تھے۔جب دروازہ کھولتے ڈاکٹر باہر آئے تھے۔

"ڈاکٹر! میرا ابراہیم اب کیسا ہے؟؟"بڑے ابا بے چینی سے آگے بڑھے تھے۔

"دیکھیے فیض صاحب اس وقت بچے کی حالت بہت نازک ہے۔ان کے سر پر گہری چوٹ آئی ہے۔ریڈ کی ہڈی بھی متاثر ہوئی ہے۔اس کے علاوہ اور بھی بہت سے اندرونی چوٹیں آئی ہے۔ابھی ان کا آپریٹ ہونا ہے۔اس لیے ابھی ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔اور دوسرا ان کا خون بہت ضائع ہو چکا ہے۔ہمیں فوری طور پر اے بی پوزیٹو کا بلڈ چاہیے۔آپ جلدی سے اس کا بندوبست کریں اور اللہ سے دعا کرتے رہیں کیونکہ دوا سے زیادہ دعا میں طاقت ہوتی ہے۔"ڈاکٹر بڑے ابا کے کندھے کو تھپتھپایا تھا۔

جبکہ بڑے ابا کو صدمہ سے گرنے سے بچانے کے لیے نعمان صاحب نے آگے آتے

انہیں تھاما تھا۔آج بڑے ابا خود کو اپنے امتحان میں ناکام سمجھ رہے تھے۔انہیں لگ رہا تھا کہ شاید وہ اپنے جاسم کی آخری نشانی کی حفاظت کرنے میں بھی ناکام ٹھہرے ہیں۔

"بڑے ابا سنبھالیہ خود کو خود کو ان شاءاللہ ابراہیم کو کچھ نہیں ہو گا۔میرا بلڈ ابراہیم سے میچ ہے میں اسے خون دوں گا۔"مصطفیٰ صاحب بڑے ابا کو تسلی دیتے اٹھے تھے اور خود ابراہیم کو خون دینے چل دیے تھے۔

کچھ دیر بعد ڈاکٹرز نے ابراہیم کا سر کا آپریشن شروع کیا تھا اور کئی گھنٹوں پر مشتمل ایک طویل اور جامد، جان لیوا خاموشی کے بعد وہ لوگ باہر آئے تھے اور نعمان صاحب اور مصطفیٰ صاحب کو اپنے کیبن میں آنے کا اشارہ کرتے وہ خاموشی سے آگے بڑھ گئے تھے۔

ان کے ایسے نعمان صاحب اور مصطفیٰ صاحب کو بلانے پر بڑے ابا کے دل دھک سے رہ گیا تھا۔کچھ بہت برا ہونے کا احساس بہت شدت سے ان کے اندر اجاگر ہوا تھا۔

"نعمان صاحب ابراہیم کے سر کا آپریشن تو کامیاب ہو گیا ہے۔لیکن وہ قومہ میں جا چکے ہیں۔اب وہ کب ہوش میں آتے ہیں یا آتے بھی ہیں کہ نہیں یہ اب اب اوپر والے پر منحصر ہے۔کیونکہ اس پر اب ہمارا کوئی اختیار نہیں۔۔۔اور مزید یہ کہ۔۔"

ڈاکٹر بولتے بولتے یک دم چپ ہو گئے تھے اور نعمان صاحب اور مصطفیٰ صاحب کے چہروں کو چند پل دیکھنے لگے تھے۔

"ڈاکٹر آپ چپ کیوں ہو گئے ہیں بتایئے نا کہ مزید کیا؟۔۔۔" مصطفیٰ صاحب بے چینی سے بولے تھے کیونکہ اس وقت ڈاکٹر کی خاموشی انہیں کسی خنجر کی طرح چبھ رہی تھی۔

بھلے ہی وہ اپنے بھتیجے کو اپنی بیویوں کے سامنے پیار نہیں کرتے تھے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ وہ ابراہیم کو چاہتے نہیں تھے۔ بلکہ انہیں بھی اپنے بڑے بھائی کی یہ اکلوتی نشانی دل و جان سے عزیز تھی۔

"دیکھیے نعمان صاحب بات یہ ہے کہ ابراہیم کی ریڑھ کی ہڈی متاثر ہوئی ہے جو شاید بروقت علاج سے ٹھیک بھی ہو جائے گی۔ لیکن ریڑھ کی ہڈی متاثر ہونے سے اس کے نچلے حصہ کو جو نقصان پہنچا ہے۔اس کی وجہ سے اب وہ کبھی باپ نہیں بن سکتا۔" ڈاکٹر کی بات ان دونوں بھائیوں پر بجلی بن کر گری تھی۔

چند لمحے وہ کچھ بولنے کے قابل نہیں رہے تھے۔انہیں لگ رہا تھا کہ شاید ان کے الفاظ کہیں گم ہو گئے ہیں۔ شاید رب نے اس اذیت میں جھلستے بچے کے لیے ابھی مزید آزمائش

تیار رکھی تھی۔انہیں سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ بڑے ابا کو کیسے ابراہیم کے اس شدید نقصان کا بتائیں گے۔

وہ لوگ جھکے کندھوں کے ساتھ اٹھے تھے اور وہاں سے نکلتے چلے گئے تھے۔تو طے ہوا تھا کہ وقت نے ابھی اس بچے پر مزید آزمائشوں کا بوجھ ڈالنا تھا۔کیونکہ شاید رب کو وہ ٹوٹا پھوٹا ابراہیم بہت پسند آگیا تھا اور وہ اسے اپنے قریب کرنا چاہتا تھا اسی لیے تو اسے اس آزمائش میں ڈالا تھا اور جب آزمائش بڑھی ہوتی ہے تو پھر صبر کا پھل بھی بڑا ہی ہوتا ہے۔نجانے اب اس ابراہیم کو کب اس کے صبر کا پھل ملنا تھا۔

اس بات نے بڑے ابا کی کمر توڑ کر رکھ دی تھی۔اپنے دوسری بار جاسم کو نہیں کھو سکتے تھے۔یہی وجہ تھی کہ اُنہوں نے ایڑھی چوٹی کا زور لگا ڈالا تھا اور ابراہیم کو رب سے مانگ کر واپس لیا تھا۔دنیا کے بہترین سے بہترین ڈاکٹر سے اس کا علاج کروایا تھا یہاں تک کہ وہ پہلے کی طرح اپنے پاؤں پر کھڑا ہو گیا تھا۔حمیرہ بیگم تو ابراہیم پر لگے والے پیسوں پر سلگ اٹھی تھی۔اس لیے وہ ہر وقت بڑے ابا کو لحاظ بھی بھلائے ابراہیم کو اس کی کمی کے تانے دینے لگی تھی۔

ایک دن تو انہوں نے حد کر دی تھی کہ بڑے ابا کی غیر موجودگی میں ابراہیم کو گھر سے

یہ کہہ کر باہر نکال دیا تھا کہ اس کا منحوس سایہ ان کے بچوں پر برا اثر پڑے گا۔ بڑے ابا نے حمیرہ بیگم کے رویہ پر دل برداشتہ ہو کر ابراہیم کے لیے الگ پورشن تیار کروایا تھا اور اس کے ساتھ وہاں شفٹ ہو گئے تھے۔ بعد میں نعمان صاحب اور مصطفیٰ صاحب جا کر بڑے ابا کو منا کر اپنے پورشن میں تو لے آئے تھے لیکن بڑے ابا نے کبھی ابراہیم کو اس پورشن میں نہیں آنے دیا تھا کیونکہ وہ اب اپنے بچے کو بکھرتے نہیں دیکھ سکتے تھے۔

@@@@@@@@@

مری کے ان جنگلات کے بیچ شہزادہ شہزادی زخمی حالت میں بے یار و مددگار پڑے تھے۔ آسمان پر کالے بادلوں کا گھیرا بڑھ چکا تھا۔ درجہ حرارت نقطہ انجماد تک پہنچ چکا تھا۔

شہزادی اور شہزادے کی تکلیف پر آسمان نے آنسوں بہانے شروع کیے تھے جو درجہ حرارت کم ہونے کے باعث برف کے گولوں کی شکل اختیار کر گئے تھے۔ جس کی وجہ سے تمام راستے اور ہر چیز ایک بار پھر سے مری میں جام ہو چکی تھی۔ وقت بہت بڑی چال چل رہا تھا۔ ابھی تک کسی کو جنگلات میں پڑے زخمی ابراہیم اور حیات کی کوئی خبر

نہیں تھی۔اوپر سے آسمانوں سے برسنے والی یہ نرم روئی کے گولے،شاید ان کے اوپر ایک سفید کفن کا کام کرنے والے تھے۔۔۔۔

"خواتین و حضرات! اس سال کا سٹیوایوارڈ(انٹر نیشنل بزنیس ایوارڈ) جاتا ہے۔۔۔۔۔" سٹیج پر موجود شستہ انگریزی میں بولتے،اس شخص کی ادھوری بات نے سامنے بزنیس کے دنیا کے نامور شخصیات کے دل دھڑکا دئے تھے۔جبکہ وہاں موجود میڈیا کے اندر تجسس کی لہر کو مزید گہرا کیا تھا۔

سٹیج پر موجود شخص نے جوش سے اپنی نظریں ادھر اُدھر گھمائی تھی۔اسے لوگوں کا یہ ولولہ پسند آیا تھا۔لیکن حال کے ایک کونے والی ٹیبل پر موجود اپنی سحر زدہ آنکھوں کو کالی گلاسز میں چھپائے،بلیک رنگ کے پینٹ کوٹ میں موجود اپنی شخصیت کے طلسم سے بے نیاز بیٹھے اس شخص کو دیکھ کر اسے حیرت ہوئی تھی۔کیونکہ صرف ایک وہی تھی جس کا چہرہ سپاٹ تھا۔ سٹیج پر کھڑے شخص کو یوں محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے وہ ساحر مارے بندھے وہاں بیٹھا ہے۔شاید وجہ اس کے ساتھ بیٹھی اس کی جان تھی،جو اس کے بازو پر ہاتھ رکھے اشتیاق اور پر جوشی سے سٹیج کی طرف دیکھ رہی تھی۔

دوسری طرف ہوسٹ کی بے وجہ فضول پھیلانے پر اس ساحرہ کے غصہ کا گراف اب بڑھ رہا تھا۔انتظار کرنا اس شخص کی فطرت میں شامل نہیں تھا پر شاید ہوسٹ نے تو ٹھان لیا تھا کہ آج اس پر کشش شخص کے ضبط کی طنابیں ہلانے کر رہے تھا۔

"ابراہیم جاسم آفندی کو!!!"آخر کار ہوسٹ نے فضول کے سسپینس کو ختم کرتے اس ایوارڈ کے حق دار کا نام بتا ہی دیا تھا۔ جس پر پورا حال تالیوں سے گونج اٹھی تھی۔

ہر شخص لائق تحسین نگاہوں سے اسی کونے والے ٹیبل کی جانب دیکھ رہا تھا جہاں بیٹھے وہ بے نیاز ساحر بیٹھا تھا۔اس خوبرو نے پہلے اپنی آنکھوں سے گلاسز اتار کر اپنے ساتھ بیٹھی اپنی پرینسز کی آنکھوں پر لگائی تھی جو خوشی سے اچھل رہی تھی۔پھر اس کے ماتھے پر محبت سے بوسہ دیتے وہ سٹیج کی جانب بڑھا تھا۔جبکہ اس لڑکی کے ساتھ والی چیئر پر بیٹھے فیض آفندی نے نم آنکھوں سے فخریہ انداز میں اپنے شہزادے کو دیکھا تھا۔ جس کے ہر بڑھتے قدم کو اس وقت میڈیا کے لوگ کیمرے میں مقید کر رہے تھے۔

سٹیج پر کھڑے ہوسٹ سے رکھائی سے ایوارڈ حاصل کرتے،ابراہیم جاسم آفندی کی کالی سحر زدہ آنکھیں آج بھی ویسی کی ویسی تھی۔بلکہ اب تو وہ پہلے سے بھی زیادہ پر کشش دیکھائی دینے لگ پڑا تھا۔چہرے پر چھائی ایک ان کہی درد کی داستان نے اس

کی شخصیت کو چار چاند لگا دیے تھے۔

سٹیج پر جاتے ہی ابراہیم نے ایوارڈ لینے کے بعد مائیک پکڑا تھا۔

"اتنی محبت اور پیار کے لیے آپ سب کا بہت بہت شکریہ! لیکن میں چاہتا ہوں کہ یہ ایوارڈ میری زندگی، میری جان، میری بیٹی عدن ابراہیم آفندی کو دیا جائے" بناوٹی انداز میں شکریہ ادا کرتے، ابراہیم کے لہجے میں ایک الگ ہی محبت کا جہاں آباد ہوا تھا، جب اس نے اپنی پانچ سالہ بیٹی کا نام اپنے لبوں سے ادا کیا تھا اور اسے سٹیج پر بلایا تھا۔

ابراہیم کی پکار پر ایک پانچ سالہ پرینسسز، جو اپنے باربی فراق میں سچ میں آسمان سے اتری ایک پری لگ رہی تھی، کھلکھلاتے ہوئی سٹیج کی جانب لپکی تھی۔

اس کے آتے ہی ابراہیم نے اپنی باہیں واہ کرتے اپنی پرینسسز کو سینے سے لگایا تھا اور سب کے سامنے اپنی بیٹی کے سر پر اپنی کامیابی کا تاج سجایا تھا۔ ان باپ بیٹی کی محبت پر وہاں موجود ہر شخص عش عش کر اٹھا تھا۔

جبکہ ٹی وی کے اُس پار سے انہیں دیکھتی کسی ہستی کو اس منظر نے پتھر کا کیا تھا۔ جس کی ہیزل براؤن آنکھوں نے دیوانہ وار ابراہیم کے چہرے کا طواف کیا تھا۔ جو سالوں بعد

آج پھر سے دید کے سمندر سے سیراب ہوئی تھی۔

ابراہیم اور اس کی بیٹی کا پیار دیکھ کر اس دیوانی کے سینے میں درد کی لہر نے انگڑائی لی تھی جو پورے جسم میں سرایت کر گئی تھی۔ پیچھلے چند سالوں میں بہت کچھ بدل گیا تھا۔ اگر کچھ نہیں بدلہ تھا تو وہ اس دیوانی حیات مراد کی اس شہزادے سے محبت تھی جس جواب عشق کی شکل اختیار کرتے اسے رقص پر مجبور کر رہا تھا۔

آہ! محبت نے بہت خوب انتقام لیا تو خود کو فضول شے سمجھنے والی سے۔۔۔

"ابراہیم کیا یہی تھی تمھاری محبت، میں تمھاری زندگی سے کیا نکلی تم نے اپنی زندگی آگے بڑھالی۔" دماغ سے کہی شکوہ نکلا تھا۔ جس پر شہزادی کے دل نے چیخ چیخ کر کہا تھا۔

"وہ بے وفا نہیں تھا وہ تو خود اس وقت زندگی اور موت کے بیچ کی دنیا میں جھول رہا تھا اصل قصوروار تو تم تھی جس نے سب کچھ کیا تھا۔ اپنے گناہوں کو ابراہیم کے حصّے میں مت ڈالو۔۔۔" دل کے خفگی سے کہنے پر وہ حیات مراد تڑپ اٹھی تھی۔

اس کے کانوں میں ایک سخت اور نفرت آمیز آواز نے اس کے کانوں میں زہر انڈیلا تھا۔

وہ کانوں پر ہاتھ رکھتے تکلیف سے دوہری ہوئی تھی۔ہر طرف سے اسے لوگوں کے بولنے کی آوازیں آنا شروع ہوگئی تھی۔وہ کانوں پر ہاتھ رکھتے ان آوازوں کو اپنے کان میں سرایت کرنے سے روک رہی تھی۔لیکن کچھ افاقہ نہیں ہورہا تھا۔آخرکار وہ درد کی شدت سے چیخ اٹھی تھی۔

"آآآ!!!! نہیں ہو میں گناہگار نہیں ہوں میں بدکردار۔۔۔مجھے نہیں پتہ کہ وہ کب ہوا کیسے ہوا جس کی سزا مجھے دی گئی ہے۔۔۔۔۔یااللہ عنقریب یہ باتیں میرے وجود کا خاک کردیں گی اور میرا کھوکھلا وجود مٹی میں جا ملے گا۔بس تجھ سے یہی درخواست ہے کہ مرنے سے پہلے ان سب کے سامنے مجھے بے گناہ ثابت کیجئے گا۔۔۔یااللہ میں نے اپنا فیصلہ تجھ پر چھوڑا ہے تجھے تیرے حبیب کا واسطہ ہے بس مرنے سے پہلے اس شخص کی نظروں مجھے مجھے سرخرو کیجئے گا۔۔۔۔"درد سے مچلتی،وہ دیوانی بس بے حال ہونے کے قریب تھی۔ماضی نے اسے اتنے غم اور تکلیفیں دی تھیں کہ اب اگر اسے کوئی ایک اور تکلیف ملتی تو شاید وہ ختم ہوجاتی۔

اگر وقت نے ابراہیم پر ظلم کے پہاڑ توڑے تھے تو وقت نے اس شہزادی کو بھی خوب رلایا تھا۔لیکن اب شاید اپنی چال بدلنے والا تھا۔جس کی نشاندھی ان ہواؤں میں موجود

ان انوکھی خوشبوں سے لے کر ہر چیز نے دی تھی۔جو اس کی پاکیزہ محبت کی گواہ تھی۔

شاید اس دیوانی کو اس کی منزل ملنے والی تھی یا شاید اسے انصاف ملنے والا تھا۔

@@@@@@@@@@

Oh woooah, oh

Woooooah, oh

Wooooah, Oh

You know you love me,

I know you care

Just shout whenever i be there

You are my love ,

You are my heart,

And we will never ever ever be apart ,

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

Are we an items ,

Girl quite playing,

We are just friend s,

what are you saying....

Said there another

Look right in my eye

My first love broke my

heart for the first time

and i was like

Baby baby baby ooh

Like baby baby baby noo

Like baby baby baby ooh

NEW ERA MAGAZINE.com
Articles|Books|Poetry|Interviews

Thought you'd always be mineee

پانچ سالہ وہ بچہ بلیو جینز پر گرے شرٹ کے ساتھ کالی جیکٹ پہنے بالوں کو اوپر کی جانب کھڑا کیے، گلے میں ایک چین اور بازوؤں میں بینڈز ڈالے، اپنے گلے میں گٹار ڈالے اپنے سحر انگیز انداز کے ساتھ اتنی سی عمر میں ہی لہک لہک کر جسٹن بیبر کے گانے گاتا اس وقت خود کو ایک سنگر ہی سمجھ بیٹھا تھا۔

جس کے ارد گرد اس وقت لاکھوں فین کھڑے تھے اور وہ اچھلتا کودتا، اپنی آنکھوں سے ان پر سحر چھڑکتا سب کے دل لوٹ رہا تھا۔ پر ہائے رے یہ اس بچے کے چھوٹے چھوٹے خواب جن کو بہت نزدیک سے آتی مدھم سی آواز نے زور سے چکنا چور کیا تھا۔

"اوئے آدم! ہٹلر آ رہی ہے۔ جلدی سے کتابیں نکال!!" ہو بہو ایٹیٹیوڈ سے بھرے آدم صاحب کی ڈپلیکیٹ کاپی وہ بچہ جس کے چہرے پر معصومیت جھلک رہی تھی۔ دروازہ کے کی ہول سے باہر سے نظر آتی واڈرن کو دیکھ کر بولا تھا اور تیزی سے کتابیں نکالنے لگا تھا۔

"سعدی نکمے پہلے نہیں بتا سکتا تھا گدھے.." آدم صاحب اپنے گٹار کو بیڈ کے نیچے تیزی سے چھپاتے گلے سے چین اور ہاتھوں سے بینڈز اتارتے، پھرتی سے اس کے

ساتھ سڈی ٹیبل پر بیٹھے تھے، اسے ڈانٹنے لگا تھا۔انداز ایسا تھا جیسا وہ سامنے موجود کتاب کو پڑھ رہا ہو۔

قدموں کی وہ مدھم چاپ اب ان کے کمرے کے دروازے کے بہت قریب آ گئی تھی۔اس لیے وہ مزید بحث کیے بنا دونوں ہوم ورک کی کاپی کھول کر ایسے لکھنے لگے تھے۔کہ جیسے وہ نرسری جماعت کا کام نہیں، بلکہ ایم فل کے تھیسز لکھ رہے ہوں۔جس پر سے ان دھیان زرا بھی یہاں وہاں نہیں بھٹک سکتا تھا۔

آنے والی نے چند لمحوں دروازہ کھولنے کے بعد بظاہر معصوم نظر آنے والے ان دو چھوٹے شیطانوں کو گھورا تھا۔ایک اگراٹیٹیوڈ سے بھرا، اٹینشن سیکر تھا، جس کے خواب بڑے ہو کر سنگر بننے کے تھے تو دوسرا واللہ معصومیت سے بھرے چہرے کے پیچھے چھپا نرم دل شرارتی جن تھا۔جو بھی تھا پر دونوں بھائیوں کو رب نے ذہن اور حسن دونوں سے خوب نوازہ تھا۔وہ واڈرن چند لمحے ان دونوں کو گھورنے کے بعد دروازہ بند کر گئی تھی۔

"آدم بھائی میں آپ سے نہیں بولتا، ایک تو آپ کو میں نے ہٹلر کے آنے کی اطلاع دی اوپر سے اپ نے مجھے ہی ڈانٹہ۔۔۔"اپنی نچلے ہونٹ کو باہر نکالتے سعدی صاحب نے

معصومیت سے اپنے بھائی سے شکوہ کیا تھا۔جو ہر وقت اس سے پورے پانچ منٹ بڑا ہونے کا رعب ہر وقت ڈالتا رہتا تھا۔

"یہ کیا کہہ رہے ہو سعدان؟میرے آنے سے پہلے کیا کر رہے تھے تم دنوں؟؟"
سعدان کی بات پر وہ واڈرن جو دوبارہ سے چپکے سے پیچھے مڑ کر چیک کرنے آئی تھی، ایک دم سے اندر آتے کھردرے لہجے میں بولی۔

جس پر آدم نے غصہ سے سعدی کو گھورا تھا جو ہر بار یونہی اسے ہٹلر کی عتاب کا نشانہ بنا دیتا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"پیاری پری تانیہ میم! ہم تو معصوم سے بچے ہیں۔ہم کیا کر سکتے ہیں؟۔۔۔سچی ہم بس پڑھ رہے تھے۔"اپنی آنکھیں پٹپٹاتے آدم نے بھولے پن کی اداکاری کرتے،سامنے موجود اپنی سخت گیر واڈرن کو مسکا لگانے میں کوئی کسر نا چھوڑی تھی

جس پر سعدان صاحب نے بھی اپنا سر اثبات میں ہلاتے اقرار کیا تھا۔آخر وہ آدم کی رائے سے اختلاف کیسے کر سکتا تھا۔دو جند ایک جان تھے وہ دونوں۔۔۔۔۔

"بس بس جتنے تم معصوم ہو سارا جانتی ہوں میں تم لوگوں کو۔۔آدم صاحب یہ اپنے

سنگر بننے کے خواب یہی پر چھوڑ دو نہیں تو میرے ڈنڈے سے تو خوب واقف ہو گے تم ۔۔۔۔"اس واڈرن نے سخت لہجے میں ان دونوں کو دھمکانا چاہا تھا۔ جس کا سعدان بچارے پر تو خوب اثر ہوا تھا لیکن آدم صاحب تو ڈھٹائی سے معصوم چہرہ لیے کھڑا تھا۔

"جی ماما آپ کی سٹیک کا سائز میرے قد جتنا ہے میں نے کئی بار دیکھا ہے کیا اپ سے وہ کہی کھو گئی ہے ؟ چلیں کوئی نہیں اللہ اور دے گا۔۔۔رو یئے مت " ! مجال تھا جو آدم صاحب کی فراٹے سے چلتی زبان واڈرن کی گھوری پر زرا بھی لڑ کھڑائی ہو۔واڈرن جو نو عمر سی لڑکی تھی اس کا دل چاہا تھا کہ اپنا سر پکڑ کر دیوار میں مار دے کیونکہ سامنے موجود ان دو شیطانوں نے پچھلے ایک ماہ میں ہی اسے تگنی کا ناچ نچا دیا تھا اگر وہ مزید یہاں رہتے تو ضرور وہ پاگل ہو جاتی۔

"آدم ! جتنی تمہاری زبان مجھ سے بد تمیزی میں چلتی ہے اتنی اگر پڑھائی میں چلالو تو چند سالوں میں میٹرک کر جاو۔دفعہ ہو جاو اب جا کر سو جاو رات ہو گئی ہے۔۔۔" واڈرن نے اپنے صبر کو آزماتے، آدم کا کان مڑوڑ کر مبالغہ آرائی کی حد کی تھی۔

وہ ان بچوں کو مارنا چاہتی تھی لیکن ان جڑواں بچوں کے معصوم چہرے دیکھ کر وہ خود پر ضبط کے پہرے بیٹھا جاتی تھی۔اب بھی وہ انہیں چینج کروانے کے بعد انہیں بیڈ پر لیٹا

کر لائیٹ بند کرتے، باہر کی جانب بڑھ گئی تھی۔ جبکہ ان کے جانب کے بعد آدم سہمے سے سعدان کو ہگ کرتے سرگوشی میں بولا۔

"سعدی تو ٹینشن مت لے جگر، ابھی تیرا بڑا بھائی آدم تیرے ساتھ ہے۔ دیکھنا میں اس واڈرن کو اتنا تنگ کروں گا کہ ہمیں ہمارے گھر ضرور بھیج دیں گے اور ہماری یہاں سے جان چھوٹ جائے گی۔" آدم جو کہ انتہا کا شارپ بچہ تھا۔ سعدان کو کو پچکارتے ہوئے بولا۔

اور ساتھ ہی دل ہی دل میں اس ہٹلر کو تنگ کرنے کے مزید پلین سوچ رہا تھا کیونکہ اب وہ اپنے چھوٹے بھائی، اپنی جند جان کو یوں روتے ہوئے تو نہیں دیکھ سکتا تھا۔ دنیا میں اگر یہ آدم صاحب کسی سے بے انتہا محبت کرتے تھے وہ اس کا جڑواں بھائی، اس کی جان سعدان ہی تو تھا۔

@@@@@@@@@@

"ہیلو السلام علیکم! سنیے آپ کب تک آئیں گے۔" بارش کے پہلے قطرے کی مانند دل کی سرزمین کو تروتازگی بخشنے والی میٹھی سی آواز نے کیف آفندی کے کانوں میں رس گھولا تھا۔

"میری جان تم بس حکم کرو یہ بندہ ناچیز بس ابھی حاضر ہو جائے گا۔" کیف کے جاں نثار انداز پر دوسری جانب کھڑی وہ دوشیزہ جھنپ سی گئی تھی۔

"نہیں وہ میں کہہ رہی تھی کہ بھائی گھر آتے ہی ہونگے اگر آپ جلدی گھر آ جاتے تو اچھا ہوتا۔۔۔" اس لڑکی نے سرخ عارضوں پر لرزتی پلکوں کو جھکاتے سادگی سے فرمائش کی تھی۔ وہ آج بھی شبنم کے پہلے قطرہ کی مانند پاکیزہ تھی۔ جو کیف آفندی کے دل کو جکڑنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ اس شہزادی کی فرمائش پر کیف آفندی کے دل نے مچل کر اسے اس کے پاس پہنچنے کو کہا تھا۔

یہ وہ لڑکی تھی جو کیف آفندی کی محبت، اس کا عشق، اس کا جنون تھی۔ جس کو ٹھیک کرنے کی خاطر کیف نے اپنی زندگی کے اتنے سال دے دیے تھے۔ ہمیشہ اس لڑکی کی ہر چھوٹی سی چھوٹی فرمائش پر لبیک کہتا تھا۔ کیف نے اس بند کلی کی اپنی جان سے بڑھ کر حفاظت کی تھی اور اسے لاشعوری کی دنیا سے نکال کر شعور کی دنیا میں لے کر آیا تھا۔

"انا بیہ میری جاناں یہ بندہ ناچیز ابھی بس دو منٹ میں حاضر ہوا۔" کیف نے یہ کہتے ہی تیزی سے ٹیبل سمیٹا تھا اور اٹھ کر گھر کی جانب چل دیا تھا۔

پچھلے چند سالوں سے ان سب کی زندگی بہت بدل گئی تھی۔ اب وہ اپنی پیاری سی بیوی

انابیہ، ساس عسرہ بیگم، سالے صاحب یعنی ابراہیم جاسم آفندی، بڑے ابا اور سالے صاحب کی ننھی سی پری عدن کے ساتھ مل کر کراچی میں رہتا تھا۔ بہت سالوں پہلے ہوئے اس حادثہ نے ان سب کی زندگیوں کا رخ بدل دیا تھا۔

ان گزرے ماہ وسال میں انابیہ نے کیف کی محبت میں اپنی بیماری کو بہت بہادری اور حوصلہ سے شکست دی تھی۔ لیکن اس دوران کیف نے کبھی اس کی معصومیت پر آنچ نہیں آنی دی تھی۔ وہ آج بھی پہلے دن کی طرح معصوم تھی۔ ابراہیم اور کیف چاہتے تھے کہ وہ تھوڑا بہت پڑھ جائے تاکہ اسے اپنا نام تو لکھنا آجائے لیکن انابیہ جی کا کہنا کہ اب میں اس عمر مطلب 23 سال کی عمر میں نرسری پڑھتی اچھی لگی گو۔ بس نے روتے دھوتے اپنا اور کیف کا نام لکھنا ہی سیکھا تھا۔ اس کے علاوہ اس نے کچھ بھی پڑھنے سے ہاتھ کھڑے کر دے تھے۔

تو دوسری طرف کیف کے اور ابراہیم کے درمیان اس قدر مضبوط دوستی ہو گئی تھی کہ اب ہر کام میں وہ کیف کی رائے ضرور لیتا تھا۔ جو اسی کی کمپنی میں مینجر کی پوسٹ پر تھی۔ ابراہیم تو اسے اپنا پاٹنر بنانا چاہتا تھا لیکن یہ کیف ہی کی مرضی تھی کہ وہ اپنی گریجویشن کے مطابق ہی کام کرے گا اور جب وہ اس قدر مضبوط ہو گیا کہ اپنا کاروبار

شروع کر سکے۔ پھر وہ ابراہیم کے ساتھ پاٹنر شپ کا ضرور سوچے گا۔

اس عرصہ میں سب لوگوں کے ساتھ ساتھ ان ہواؤں اور پھول پتوں نے جو ایک چیز شدت سے نوٹ کی تھی وہ یہ تھی کہ ایک شہزادہ اپنی شہزادی کے بغیر بدل گیا تھا۔ اس کی مسکراہٹ مانو کہی کھو گئی تھی۔ ہر وقت اس نرم سے چہرے پر اب ایک سختی اور غم کا سایہ رہتا تھا۔ اگر وہ مسکراتا بھی تھا تو یہ مسکراہٹ اس کی ننھی سی پری کے لیے ہوتی تھی۔ اس کی ہر خوشی اور ہر سانس اب اس کی ننھی پری سے مشروط ہو گئی تھی جو شاید صرف اسی کے لیے اتاری گئی تھی۔

NEW ERA MAGAZINE .COM
Novel | Afsana | Articles | Books | Poetry | Interviews

خیالوں میں گم کیف کو گھر آنے کی خبر ہی نا ہوئی تھی ہوش تو تب آیا جب نظروں کے سامنے اپنی کیوٹ سی بیوی کو اپنے انتظار میں پایا تھا۔

"اسلام علیکم!" کیف نے اندر داخل ہوتے ہی انابیہ کے ماتھے پر اپنا احساس چھوڑتے اسے ساتھ لگایا تھا اور اسے لے کر اندر کی جانب بڑھا تھا۔

"وعلیکم السلام! کیف اپ جا کر فریش ہو جائیں بھائی بھی فریش ہونے گئے ہیں۔ میں تب تک ماما کے ساتھ مل کر ٹیبل سیٹ کرتی ہوں۔ پھر ہم مل کر ان کی جیت سیلبریٹ کریں گے۔" انابیہ نے اپنے چہرے پر ابھرتی سرخی کو چھپاتے کیف کو اوپر جانے کی

ہدایت دی تھی۔جب سے اسے شعور آیا تھاوہ کیف سے یونہی کترانے لگی تھی۔جس پر کیف خوب لطف اندوز ہوتا تھا۔

انابیہ کیف کے جانے کے بعد اپنی ماں عسرہ بیگم کے پاس آگئ تھی۔جو اس خوبصورت مینشن کے اوپن کیچن میں کھڑی ملازمہ کو ہدایت دے رہی تھی۔۔

کیف سیدھا اپنے کمرے میں آیا تھا اور تیار ہونے کے بعد جیسا ہی کمرے سے نکلا تھا تو سامنے سے آتے اس پینتیس سالہ خوبرو سے شہزادے پر نظر پڑتے ٹھہر گیا تھا۔وہ شخص وقت کے ساتھ مزید پرکشش ہو گیا تھا۔جس کا سحر عورتوں کو کیا مردوں کو بھی کھینچنے کی طاقت رکھتا تھا۔اس کو دیکھ کیف کی چہرے پر مسکراہٹ نے احاطہ کیا تھا۔

"مبارکاں یار! ویسے مجھے تو پہلے ہی یقین تھا کہ اس بار بھی جیت میرے لالہ کے حق میں ہو گی۔"ابراہیم کو گلے لگاتے کیف نے اسے مخلصی سے مبارکباد دی تھی۔

جس پر ابراہیم نے محض ہلکی سی مسکراہٹ جو شاید اپنے یار کے لیے کھینچ کر چہرے پر لائی لگائی تھی،کو سجاتے سر ہلایا تھا۔

"مجھے یقین ہے لالہ ایک دن تیرا صبر اور کوشش تجھے تیری منزل ضرور دلائے گی تو

بس ہمت مت ہارنا" کیف نے خلوصِ دل سے اس شہزادے کو سینے میں بھینچ کر نم آنکھوں سے دعا دی تھی۔

ابراہیم کیف کی دعا پر سرخی مائل آنکھوں سے ان شاءاللہ کہا تھا۔وہ بھی تو بس آج تک اسی امید پر جی رہا تھ کہ ایک نا ایک دن وہ اس ہر جائی سے ضرور ملے گا جو اسے کچھ بھی کہے سننے کا موقع دیے بغیر اس کی بے ہوشی میں ہی غائب ہو گئی تھی۔

وہ دونوں چلتے نیچے پول سائیڈ پر آئے تھے۔جہاں چھوٹے سے ٹیبل کو سجائے اس پر کیک رکھا گیا تھا۔جس کے پاس ہی ابراہیم کی پری چہکتی کبھی دادی کی گود میں جا رہی تھی تو کبھی بڑے ابا کی گود میں چڑھ رہی تھی۔

ابراہیم کو دیکھتے ہی وہ بچی تیزی سے اس کی جانب لپکی تھی۔

"باباجانی دیکھیں دادو نے کتنا یمی کیک بنایا ہے۔چلیں جلدی سے کٹ کریں نا" عدن نے ابراہیم کے گلے میں بازو ڈالے لاڈ سے فرمائش کی تھی۔جس پر ابراہیم تو نثار ہوا تھا

"جی بابا کی جان ! بابا پہلے دادو سے مل لیں پھر کاٹتے ہیں۔" نجانے اس بچی میں رب نے ابراہیم کے لیے کیا سکون رکھا تھا کہ وہ جب بھی پاس ہوتی تھی تو ان سب کو

موجودہ ابراہیم میں پہلے والے نرم سے ابراہیم کی جھلک نظر آتی تھی۔

ابراہیم عدن کو ساتھ لگائیں اپنی ماں اور داد کے پاس گیا تھا اور جھک کر اس سے پیار لیا تھا۔ عسرہ بیگم اور فیض صاحب تو اس شہزادے کے ہر روپ کے دیوانے تھی اس کی اس ادا پر نہال ہو گئے تھے۔ انہوں نے کیف کی طرح اسے بھی اس شہزادی کے مل جانے کی خوب دعائیں دی تھی۔ آخر میں ابراہیم اپنی اکلوتی جگر جان بہن کے پاس آیا تھا۔ جو عدن کے بعد وہ واحد ہستی تھی۔ جو ابراہیم کو دل و جان سے عزیز تھی۔

"کنگریچولیشن بھائی! (مبارک ہو بھائی)" انابیہ نے نم آنکھوں سے اپنے اس مضبوط بھائی کو دیکھا تھا جو اس کے لیے ایک گھنی چھاؤں ثابت ہوا تھا۔

"شکریہ بھائی کی جان!" ابراہیم نے اپنے دوسرے بازوں کے دائرے میں اپنی بہن کو لیتے اس کے ماتھے پر بوسہ دیا تھا۔ پھر اپنی چھوٹی سی خوبصورت فیملی کے سنگ مل کر کیک کاٹا تھا۔ جو رب نے اس کو کسی انعام کی صورت عطا کی تھی۔ نہیں تو لوگوں نے تو بہت کوشش کی تھی کہ ابراہیم جاسم آفندی کے وجود کو زندہ در گور کر دیا جائے۔

@@@@@@@@@

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsanay|Articles|Books|Poetry|Interviews

"ایراج بیٹا جاؤ محراب آگیا ہے۔اس کے لیے چائے لے کر جاؤ۔" ویل چیئر پر بیٹھی حمیرہ بیگم نے کیچن کے دروازہ پر آتے، چولہے کے سامنے کھڑی ایراج کو مخاطب کیا تھا۔جو نجانے کس سوچ میں غرق تھی کہ چائے ابلنے کا احساس بھی نہیں ہو رہا تھا۔

"للل۔۔۔۔لیکن آنٹی میں کیسے؟" حمیرہ بیگم کی آواز پر ہڑبڑا کر اس نے پہلے ابلتی چائے کے نیچے سے گیس بند کی تھی۔پھر نم آنکھوں سے ہکلا کر ایراج کی بولی تھی۔

عجیب بات تھی ایک وقت کی نڈر اور چلبلی سی لڑکی، آج اس وقت ڈری سہمی سی کھڑی تھی۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"بیوی ہو تم اس کی ایراج تمہارا فرض ہے کہ جب شوہر آفس سے تھکا ہارا آئے تو اس کی خدمت کرو۔اس لیے اب جاؤ شاباش فضول سوچوں سے نکلو اور جاؤ کمرے میں ۔۔" حمیرہ بیگم نے اس تھوڑا پیار سے اور تھوڑا نرمی سے سمجھایا تھا۔جس پر ایراج لرزتے ہاتھوں سے چائے لیے اندر کی جانب بڑھی تھی۔

ان کی شادی کو اتنے سال گزر چکے تھے لیکن محراب اور اس کے درمیان اجنبیت کی ایک دیوار حائل تھی۔وجہ وہی حادثہ تھا جس نے ان سب کو ایک دوسرے سے دور کر دیا تھا۔افشاں بیگم نے جو بھی کیا تھا اس کے بعد اسے تو یہی لگتا تھا کہ محراب اب اس

سے کبھی شادی نہیں کرے گی۔ لیکن حمیرہ بیگم اپنے قول کی پکی نکلی تھی جو اسے نکاح کروا کر ایک ہی دن میں یہاں لے آئی تھی۔ کیونکہ اس سب میں ایراج کا تو کوئی قصور ہی نہیں تھا۔

لیکن یہاں آنے کے بعد محراب کی مستقل خاموشی نے اس کے اندر وسوسے پیدا کر دیے تھے کہ محراب اپنی بہن کے ساتھ برا کرنے والوں کے ساتھ رشتہ کیسے قائم کر سکتا ہے۔ وہ بس اپنی ماں کی وجہ سے مجبوری میں یہ تعلق نبھا رہا ہے۔ جس دن اسے موقع ملا وہ اسے طلاق دے کر آگے بڑھ جائے گا۔ یہی وہ باتیں تھی جنہوں نے وقت کے ساتھ ساتھ اس محبت کی ماری اس لڑکی پر اثر کیا تھا اور وہ اس حال میں آگئی تھی۔

حالانکہ محراب نے اسے کبھی ڈانٹا نہیں لیا تھا، نا ہی اس کی ماں اور بڑی ماں کا بدلہ اس سے لیا تھا۔ اس حادثہ نے اس شرارتی محراب کی شرارت کو ختم کرتے وہاں ایک سنجیدہ اور چپ چاپ سے انسان کو جنم دے دیا تھا جو بہن اور باپ کی جدائی کے بعد ایک مشین میں بدل گیا تھا۔

جس پر ہر وقت بس کام کرنے کی دھن سوار رہتی تھی۔ وہ لوگ لنڈن سے اسلام آباد شفٹ ہو چکے تھے۔ اس گزرے سالوں میں محراب نے کبھی ایراج سے کلام نہیں کیا

تھا اور نا کبھی اس کو آنکھ بھر کے دیکھا تھا بس یہ دو چیزیں محراب مراد کا جرم تھی۔ جو اندر ہی اندر اس جھلی کو کھا رہی تھی۔ ان دو چیزوں نے اس شرارتی کی شرارت چھین کر آنکھوں میں ہمیشہ رہنے والی نمی تحفے میں دے دی تھی۔

اپنی سوچوں میں گم ایراج پتا نہیں کہاں سے کہا سفر کر رہی تھی جب ناک کی نتھنوں سے ٹکرانے والی محراب کے سحر انگیز پرفیوم نے اس کو ہوش کی دنیا میں کھینچا تھا۔ جو فریش ہو کر ڈریسنگ کے سامنے کھڑا اپنے بال بنا رہا تھا۔ چہرہ پر اس لمحہ اس قدر سنجیدگی طاری تھی کہ ایراج کہ ہاتھ کانپ کر رہ گئے تھے حالانکہ ابھی تو محراب نے اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھا تھا۔

"یہ۔۔۔ یہ آپ۔۔۔۔ کی چائے۔" ٹیبل پر محراب کی چائے رکھتے ایراج نے مریل سے لہجے میں کہا تھا۔

جس پر محراب نے محظ ہمم کہنے پر اکتفا کیا تھا۔ محراب کی جواب پر ایراج اپنے آنسوں چھپاتے خاموشی سے وہاں سے نکل گئی تھی۔

اس کے جانب پر محراب نے اس کی چھوڑی جگہ کو دو منٹ تاسف سے دیکھا تھا۔ پھر اپنا کپ پکڑتے، آنکھوں پر نظر کی عینک لگاتے سٹڈی ٹیبل پر آ بیٹھا تھا۔ مراد صاحب کے

جانے کے بعد مینجر نے بعد بڑا گھپلا کیا تھا۔ جس سے ابھرتے ابھرتے محراب کو کئی سال لگ گئے تھے۔ وہ اپنے باپ کی محنت کو ضائع نہیں ہونے دینا چاہتا تھا۔ اس لیے اس نے اپنی ذات کو بھال کر اپنا سارا وقت بزنیس میں لگا دیا تھا۔ اگر ایراج چاہتی تو اسے سمجھ کر اس مشکل وقت میں محراب کی ہمت بن سکتی تھی۔ لیکن وہ کبھی اپنے وسوں سے ہی باہر نہیں نکلی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اب ان کے درمیان ایک سرد سی دیوار حائل ہو گئی تھی۔

محراب اپنے معاملات میں ایسا الجھا تھا کہ وہ ان سب سے جدا ہو گیا تھا۔ اوپر سے حمیرہ بیگم کی حقیقت سامنے آنے پر وہ شرم سے پانی پانی ہو گیا تھا۔ وہ خود کو ابراہیم سے نظریں ملانے کے قابل نہیں سمجھتا تھا۔ بس اسی وجہ سے اس نے نا تو اس معاملے میں ابراہیم کی مدد لی تھی اور نا ہی کبھی کسی سے رابطہ رکھا تھا۔ اج سالوں بعد جا کر جب وہ کچھ بہتر ہوا تھا اور اب اسے اپنے بزنیس کو اگے بڑھانا تھا۔ اسی لیے اس نے بہت سوچ سمجھ کر اپنے سالوں پہلے کہی بات کو پورا کرنے کے لیے سامنے موجود اسکرین پر چلتی ابراہیم جاسم آفندی کے کمپنی کے ساتھ پاٹنر شیپ کرنے کا سوچا تھا۔

ہر چیز گھوم کر اپنے مدار میں آتی ہے۔ اور اپنے مدار سے بھٹکے ہوئے یہ لوگ بہت جلد

ملنے والے تھے۔ قسمت اب ان پر مہربان ہونے والی تھی۔ وقت ایک حسین ملن کو اپنے پنوں پر رقم کرنے کے لیے بے چین تھا۔

@@@@@@@@@@

قدرت کو شاید اس شہزادہ شہزادی کی حالتِ زار پر ترس آگیا تھا۔ اسی لیے فوراً ہی برف باری رک گئی تھی۔ لیکن سردی کی شدت ہنوز برقرار تھی۔ ابراہیم نے جس وقت اپنی مندی مندی آنکھیں کھولی تو خود کو اس ویران تاریخ جگہ پر پاکر سن رہ گیا تھا۔ اس وقت منجمد کرنے والی سردی کے احساس کے علاوہ، اسے کچھ محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ عالم مدھوش سے شعور کی دنیا میں قدم رکھتے ہی، اس نے حیات کی تلاش میں تیزی سے اٹھنا چاہا تھا۔ لیکن سر اور جسم میں اٹھتے درد نے اسے ایک دم کراہنے پر مجبور کر دیا تھا۔

"آہ اللہ!" وہ بے ساختہ سر پکڑے رب کو پکار اٹھا تھا۔

اسے تو یہ بھی نہیں پتہ تھا کہ رات کا نجانے کونسا پہر ہے۔ بس اس تاریکی میں دور سے آتی جانوروں کے غرانے کی آوازیں اور ہڈیوں کو چیر دینے والی سردی کا احساس، یہی سب محسوس ہو رہا تھا۔

اس نے کسی امید کے تحت اپنی جینز کی پاکٹ میں ہاتھ ڈالتے موبائل ٹٹولا تھا۔ جو کہ معجزاتی طور پر وہی سہی سلامت پڑا تھا۔ ابراہیم نے اپنی یخ بستا بے جان ہوتی انگلیوں کو بامشکل حرکت دیتے موبائل کو اون کیا تھا۔ جو کچھ دیر کی تگ و دو کے بعد اون ہو گیا تھا۔ لیکن موسم خرابی کے باعث اس پہاڑی علاقے میں وہاں سگنل کا نام و نشان نہیں تھا۔

ابراہیم نے ہار نامانتے ہوئے، موبائل ٹارچ اون کرتے ادھر ادھر حیات کو تلاش کیا تھا جو اس کے ساتھ کچھ فاصلے پر پڑی تھی۔ لیکن اندھیرے میں ابراہیم کو محسوس نہیں ہوئی تھی۔

یہ تو شکر تھا کہ ان ظالم لوگوں کو اندھیرے میں یہ معلوم نا پڑا تھا کہ جس جگہ پر وہ انہیں پھینک رہے ہیں وہ کھائی کا کم گہری والا حصہ تھا اور شاید یہ ابراہیم کی خوش قسمتی ہی تھی کہ اس میں گرنے سے انہیں صرف معمولی چوٹیں آئیں تھی۔

ہاں لیکن حیات جو پہلے ہی سر کی چوٹ کی وجہ سے بحال تھی۔ اب تو سردی سے اس کا جسم ٹھنڈا پڑ گیا تھا۔ ابراہیم کو تشویش نے آن گھیرا تھا۔

"حیات آنکھیں کھولو! یار پلیز خدا کے لیے ہوش میں آؤ۔" ابراہیم اپنی تکلیف کو

بھلائے اسے اپنی آغوش میں لیتے، گڑگڑا کر بولا تھا۔

اسے یوں گمان ہو رہا تھا کہ شاید انہیں لگی چوٹوں سے تو وہ نامریں لیکن موت کی صورت میں ڈھلا یہ جاڑے کا موسم ضروران کی سانسیں کھینچ لے گا۔

"نہیں میں تمہیں کچھ نہیں ہونے دوں گا حیات" پل پل موت کی طرف جاتی حیات کو بامشکل بازوں میں اٹھتے ابراہیم وہاں سے اٹھ کھڑا ہو تھا۔

فوری طور پر کھڑا ہونے سے اس کی ٹانگوں نے بھار اٹھانے سے انکار کر دیا تھا۔اس لیے وہ گھٹنوں کے بل زور سے زمین بوس ہوا تھا۔پیروں میں خون کی گردش بالکل منجمد ہو رہی تھی۔

چند لمحے درخت کا سہارا لیتے، تیز تیز سانس لیتے ابراہیم نے اپنے ذہن کو مضبوط کیا تھا۔ پھر ہر تکلیف کے احساس کو نظر انداز کرتے وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا اور موبائل ٹارچ کی مدد سے ایک سمت میں قدم آگے بڑھائے تھے۔

وہ جنگل بھول بھلیاں جیسا تھا جس میں ابراہیم کو کچھ پتہ نہیں چل رہا تھا کہ وہ کس طرف جارہا ہے۔آدھا گھنٹہ وہ حیات کو گود میں لیے اس ویران تاریخ جنگل میں،

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

جانوروں کی خوف زدہ کرنے والی آوازوں کو کپکپا دینے والی سردی کو برداشت کیے وہ یونہی گھومتا رہا تھا۔

ایک تو وہ پہلے سے ہی نڈھال تھا، رہی سہی کسر اب اس جھٹکنے نے پوری کر دی تھی۔ اس لیے ابراہیم ایک درخت کے تنے میں گرنے کے انداز میں بیٹھا تھا۔ بے بسی کے احساس سے اس کی آنکھوں میں آنسو آئے تھے۔

"اے میرے مالک آج تک تو نے مجھے جس بھی آزمائشیں سے گزارا ہے۔ ان میں میری رہنمائی بھی فرمائی ہے اور مجھے ان میں سرخرو بھی کیا ہے۔ لیکن تیری یہ آزمائش مجھے میری طاقت سے زیادہ لگ رہا تھا۔ ربِ عظیم مجھے میری امید ٹوٹتی ہوئی لگ رہی ہے۔ مجھے لگ رہا ہے کہ آج تیرا یہ بندہ ہار جائے گا۔ سوہنے رب مجھے اپنی موت سے ڈر نہیں لگ رہا کیونکہ وہ برحق ہے۔ میں اسے روک نہیں سکتا وہ تو آ کر ہی رہنی ہے۔ مجھے تو بس اپنی باہوں میں ٹوٹتی پھوٹتی سانسیں لیتی اپنی اس زندگی کے دور جانے کا غم ہلا رہا ہے۔ پلیز مجھ پر رحم کریں اور میری بیوی کو بچا لیں۔ آپ کو میرے آقا کا واسطہ ہے میرے رب!!" شدت گریہ کرتا ابراہیم جنگل کے بیچ و بیچ بیٹھا اپنی شریک حیات کی زندگی کے لیے بھیک مانگ رہا تھا۔

اچانک اسمان پر بادل زور سے گرجے تھے۔ایسے جیسے انہوں نے بھی آسمان والے سے زمین والے کی سفارش کی ہو۔بادل گرجنے سے پورا جنگل ایک دم سے روشن ہو گیا تھا۔شاید یہ رب کی طرف سے کوئی اشارہ ہی تھی کہ ان بادلوں کے گرجے سے پیدا ہونے والی روشنی سے اسے اس تاریخ جنگل میں کوئی پرانا ٹوٹا پھوٹا سہ کاٹیج نظر آیا تھا۔ شاید وہ کسی شکاری نے اپنے لیے بنایا تھا یا رب جانے وہاں پر کہاں سے آگیا تھا۔ابراہیم کو ابھی یہ سب نہیں سوچنا تھا۔اسی تو ابھی اس سب حالات سے نپٹنے کے لیے پناہ چاہیے تھی۔

وہ ہمت کر تا حیات کو لے کر وہاں تک پہنچا تھا۔اس نے لکڑی کے بنے اس کاٹیج کے دروازہ پر دستک دی تھی۔جس کے باہر کوئی تالا موجود نہیں تھا۔لیکن اس زنگ لگے برف سے اٹے گھر سے کسی کی آواز نہیں آئی تھی۔آسمان کے تیور پھر سے بدلتے دیکھ ابراہیم نے تیزی سے حیات کو ایک دفعہ نیچے لیٹا کر ہاتھ میں موجود موبائل کی مدد سے اس کی کھڑکیاں چیک کی تھی تاکہ اندر جانے کا راستہ ڈھونڈا جا سکے۔لیکن وہ سب برف سے جام ہو چکی تھی۔

ہمت نا ہارتے ابراہیم نے درخت کی ایک ٹہنی توڑ کر ہاتھ میں پکڑی تھی اور اسے کھڑکی

کے شیشہ پر پوری گرفت سے مارنے لگا تھا۔اس دوران اس کے ہاتھ بری طرح زخمی ہوئے تھے لیکن اسے کسی کی پرواہ نہیں تھی۔ کھڑکی کھولتے وہ تیزی اندر کی جانب کودا تھا۔جہاں اس وقت کوئی بھی ذی روح موجود نا تھا۔

چند لمحے اس بوسیدہ کاٹیج کا جائزہ لینے کے بعد وہ دروازہ کی جانب آیا تھا۔اور تھوڑی بہت زور آزمائی کے بعد وہ اسے کھولنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

حیات کو اندر لا کر صوفہ پر لیٹا کر ابراہیم نے فوری طور پر دروازے کو بند کیا تھا تا کہ اندر آنے والی سرد ہواؤں کو روکا جاسکے۔پھر لاونج میں موجود آتش دان کو چلانے کے لیے اس نے ماچس کی تلاش میں نظریں دوڑائی تھی۔جو تھوڑی تگ ودو کے بعد اسے مل تو گئی تھی لیکن اس میں جلانے کے لیے اس ایک دو ہی ماچس کی تیلیاں بچی تھی۔جو نمی کے باعث خراب ہو چکی تھی۔

ابراہیم کو اپنی قسمت پر آج افسوس ہوا تھا۔لیکن اس نے سوچ لیا تھا کہ خود کو بچانے کی کوشش کیے بغیر مرنے سے اچھا ہے کہ وہ پہلے تھوڑی تگ ودو کر لے۔اس لیے وہ اٹھ کاٹیج کے جو دو پیچھے کمرے بنے تھے ان میں گیا تھا اور وہاں سے کچھ کپڑے تلاش کرنے چاہیے تھے تا کہ اپنے گیلے کپڑوں سے نجات پا سکے۔

الماری سے اسے کسی مرد کے چند اونی کپڑے ملے تھے۔جو تھے تو بوسیدہ لیکن وہ جان بچانے کو کافی تھے۔اس لیے ابراہیم نے فوری طور پر اپنے کپڑے بدلتے وہ پہنے تھے اور ایک کوٹ لیے وہ باہر کی جانب حیات کے پاس آیا تھا۔

حیات کے ہونٹ بھی نیلے پڑ چکے تھے۔جن کو دیکھ ابراہیم کے چہرے پر اضطراب جھلکا تھا۔ابراہیم نے اس کے اوپر پہنی جیکٹ کو اتار کر اپنے ہاتھ میں موجود وہ کوٹ اسے پہنایا تھا اور اس کے پاس بیٹھتے جتنی سورتیں سے آتی تھی انہیں پڑھتے کبھی حیات کے پاؤں کی مالش کرنے لگتا تو کبھی اس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لیے ان کو اپنے منہ کی گرم ہوا دیتے،اسے گرم کرنے لگتا۔۔۔

وقت گزر رہا تھا لیکن مانو یہ رات تو اس کی زندگی کی تاریخ رات بن کر ٹھہر ہی گئی تھی۔ آہستہ آہستہ زندگی سے مفقود ہوتا حیات کا جسم ابراہیم کی بیکلی اور رنج کی وجہ بن رہا تھا۔وہ حیات کو خود سے دور کبھی بھی جانے دینے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔یہی وجہ تھی کہ اس نے دل مضبوط کرتے ایک فیصلہ کیا تھا۔

ہاں اس نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ حمیرہ بیگم کی وعدہ کو توڑ دے گا۔پھر چاہے وہ منافق کہلائے یا گناہگار لیکن اپنی بیوی کی جان بچانے کے لیے وہ ہر حد پار کر دے گا لیکن اسے

کچھ نہیں ہونے دے گا۔اس وقت اسے صرف حیات کو بچانا تھا اس لیے وہ آج حیات اور اپنے بیچ بنے اس آخری پردے کو بھی گراتے حیات کو خود کے قریب کر گیا تھا۔وہ اس کی محرم تھی جس کو بچانا اس کے لیے خود کو بچانے کے مترادف تھا۔

اچانک بیڈ پر لیٹے ابراہیم کی آنکھ ایک جھٹکے سے کھلی تھی۔اس کا تنفس بہت تیز چل رہا تھا۔ماتھے پر پسینہ چمک رہا تھا۔جبکہ آنکھوں میں موجود نمی گالوں پر بہہ نکلی تھی۔مری میں گزری وہ رات کہ جس کی صبح اس کے لیے حسین ترین ہونی چاہیے تھی وہ محض ایک ڈراؤنے خواب کی حیثیت اختیار کر گئی تھی۔جس نے ابراہیم کے راتوں کی نیند اور اقرار لوٹ لیا تھا۔اس رات اس نے کوئی گناہ نہیں کیا تھا۔بس اپنی بیوی کو بچانے کے لیے اپنا جائز حق استعمال کیا تھا۔لیکن کچھ لوگوں نے اس کے لیے اس رات کو گناہ بنادیا تھا۔

ابراہیم اپنی نم آنکھیں لیے ابھی بستر پر پڑا ماضی کی بھنور میں کھویا اس ہر جائی کو یاد کر رہا تھا جو نجانے کہاں کھو گئی تھی۔جب اس کے کانوں میں اذان کی آواز سنائی دی تھی۔جس میں رب اسے نماز کی طرف بلا رہا تھا۔نماز جس میں تمام بے چین روحوں کے لیے سکون رکھا گیا ہے۔ابراہیم بھی اپنے سکون کو حاصل کرنے کے لیے اٹھتا رب کی

پکار پر مسجد کی طرف چل دیا تھا۔

اور یہی تو چیز اسے رب کے قریب ترین کرتی تھی کہ وہ اپنی آزمائش میں اپنے تب کو کبھی نہیں بھولتا تھا۔اس نے اپنے رب کا در نہیں چھوڑا تھا۔وہ ہمیشہ اپنے رب سے رابطہ میں رہا تھا۔اسی لیے تو وہ رب کو عزیز ترین تھا۔اور بے شک اللہ آزمائش بھی اپنے پسندیدہ بندوں کو ہی دیتا ہے تاکہ ان کی ذات کو بھٹی میں جلا کر کندن بنا سکیں۔

@@@@@@@@

"سنیئے! آج شام کو جلدی گھر آجائے گا۔"شیشے کے سامنے اپنے دانش کو ٹائی باندھتی دامن ایک آس لہجے میں لیے بولی تھی۔

"کیوں؟"دانش نے روکھے لہجے میں استفسار کیا۔

"دانش! وہ میں نے ڈاکٹر سے اپوائنمنٹ لی ہے۔اپ پلیز جلدی آجائے گا۔"دامن جھجھک کر بولی

"کتنی بار کہا ہے دامن کہ یہ فضول کے ڈاکٹرز کے پاس جانا چھوڑ دو۔اگر ہماری قسمت میں اولاد ہوئی تو مل جائی گی۔لیکن نہیں تمہیں میری بات ماننی تھوڑی ہے تمہیں تو

بس اپنی ہی کرنی ہے۔ سنو اگر تمہیں بچے کی اتنی ہی خواہش ہے تو تم مجھ سے خلع لے کر کسی اور سے شادی کر سکتی ہو۔ کیونکہ یہ تو تم بھی اچھے سے جانتی ہو کہ ڈاکٹرز کے مطابق میں تمہیں اولاد نہیں دے سکتا۔" دانش ایک دم اس کے ہاتھ سے ٹائی کھینچتا بھڑک اٹھا تھا۔

اس کے تلخ لفظوں نے دامن کے دل میں وار کیے تھے۔ اس لیے وہ تڑپ ہی تو گئی تھی۔

"دد۔۔۔۔دانش ک۔۔۔کیسی باتیں کر رہے ہیں۔ مجھے آپ سے زیادہ اس دنیا میں کچھ بھی عزیز نہیں ہے لیکن پھر بھی آپ ہر بار یونہی میرے دل پر درد کے نشتر برساتے ہیں۔ بتائیں کیا اولاد کے حصول کے لیے کوشش کرنا غلط ہے۔ کیا میں کچھ غلط کر رہی ہوں۔ کیا ہوا اگر ایک ڈاکٹر نے آپ کے بارے میں کچھ دیا تو وہ نعوذ باللہ خدا تھوڑی ہے جو ہم اس کا کہا سچ مان لیں۔ مجھے اپنے رب پر پورا بھروسہ ہے۔ لیکن شاید آپ اس رشتے سے اکتا چکے ہیں۔ اس لیے ہر بات پر مجھے خلع کا کہتے ہیں۔" دامن کا ضبط بھی جواب دے گیا تھا۔ اس لیے آج وہ بھی پھٹ پڑی تھی۔ آنسوں اس کی آنکھوں سے قطرہ قطرہ بہنا شروع ہو چکے تھے۔

"دامن! دیکھ یار میں جانتا ہوں کہ تمہارا مطالبہ غلط نہیں ہے لیکن میں اب ان سب باتوں سے تنگ آ گیا ہوں۔ مجھے لگتا ہے کہ یہ سب مفاقات عمل ہی ہے۔ کہ جو ماما نے دوسروں کے ساتھ کیا اس کی سزا ہمیں مل رہی ہے۔ اگر وہ کسی کی اولاد کو ایسی تکلیف نا دیتی تو شاید آج ہم بھی اس درد سے نا گزر رہے ہوتے۔" دانش نے اپنی نم آنکھوں کو چھپاتے افسوس سے کہہ رہا تھا۔ "دامن ان کی حسد اور نفرت کی آگ نے ہمارے گھر کو کھا لیا ہے۔ وہ آفندی ویلا جہاں پہلے خوشیاں کی رونق ہوا کرتی تھی اب وہ ایک ویران بیان سہ بن گیا ہے۔ بابا کے انتقال کے بعد ساری ذمہ داریاں میرے اور چاچو کے کندھے پر آ گئی ہیں۔ منیب ابھی بیچلر کر رہا ہے۔ ایسے میں میں اسے بھی اپنے ساتھ نہیں لگا سکتا اور پھر جب میں تھکا ہارا واپس آتا ہوں تو تم یہ بچوں کی ضد لے کر بیٹھ جاتی ہو۔ یار اسی سب کی وجہ سے مجھے چڑچڑا پن ہونے لگتی ہے اور نتیجتاً تم پر خفا ہو بیٹھتا ہو۔ اس لیے مجھے معاف کر دو" دامن کو گلے لگاتے دانش نے آنسوں کے ریلے بامشکل نگلتے معافی مانگی تھی۔

"ائم سوری میں بھی شاید کچھ زیادہ ہی آپ کو تنگ کرنے لگی ہوں نا" دامن نے بھی افسردگی سے دانش کی طرف دیکھتے معافی مانگی تھی۔ شادی کے اتنے سال بعد بھی اولاد

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

ناہو نے دامن کو ڈپریشن کی مریضہ بنا دیا تھا۔اسی لیے وہ ہر روز کسی نا کسی ڈاکٹر کے پاس ضرور جاتی تھی۔

محبت نے امتحان توان سے بھی لیا تھا لیکن شاید افشاں بیگم کے کرموں کا یہ نتیجہ تھا جو یہ دونوں بھگت رہے تھے۔

"چلیں آپ جلدی سے تیار ہو کر نیچے ٹیبل پر آجائیں،تب تک میں بڑی ماما کو دیکھ لو انہیں کسی چیز کی ضرورت ناہوا۔"دامن دانش کو کہتے تیزی سے پیچھے ہوتی باہر نکل گئی تھی۔

دامن جس وقت دوائیوں کی بدبو سے بھرے،اس غم ویاسیت ٹپکاتے کمرے میں داخل ہوئی تو سامنے کھانسی کے دورے سے دوہری ہوتی افشاں بیگم کو دیکھ کو تیزی سے ان کی جانب لپکی تھی۔

"بڑی ماما!"دامن نے تڑپ کر انہیں سیدھا کیا تھا اور کھانسی کے ساتھ ان کے منہ سے نکلتے خون کو دیکھ کر وہ تیزی سے پاس رکھے کپڑے سے ان کا منہ صاف کرتے انہیں پانی پلاتے ان کی پیٹھ تھپتھپایا تھا۔

یہ وہ افشاں بیگم تو نہیں تھی جن کے چہرے پر ہر وقت ایک غرور اور گردن تنی ہوئی رہتی تھا۔ یہ تو کوئی بیماری کی ماری کمزور اور لاگر عورت تھی کہ جس کی آنکھیں اندر کی جانب دھنسی ہوئی تھی اور ان کے گرد ہلکے بنے ہوئے تھے۔ چہرے پر جھریوں اور اپنی کی گئی زیادتیوں کے اثرات واضح تھے۔ وقت نے ان کا حال بہت برا کر دیا تھا۔ ایک تو میگرین کے شدید درد اور دوسرا ٹی بی ان کی جان لینے کے درپر آ گیا تھا۔ ہر وقت وہ بیڈ پر لیٹی بس خلاء میں گھورتی اپنے گناہوں کو یاد کرتے بس انجانے میں ہی بڑبڑاتی رہتی تھی اور جب سر کا درد شدت اختیار کرتا تو اونچی اونچی چیخنے لگتی تھی۔ جس پر گھر والے ان کو بے ہوشی کو ٹیکا لگا کر پر سکون کرتے تھے۔ اب بھی دوا کھاتے وہ پھر سے چھت کو گھورنے لگی تھی۔

دامن ان کی حالت پر افسوس کرتے، نم آنکھوں سے وہاں سے اٹھ کر آ گئی تھی کیونکہ اب وہاں بیٹھنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔

@@@@@@@@@@

کراچی کے اس مشہور بورڈنگ سکول میں اس وقت بریک ہوئی تھی اور ننھے منے وہ فرشتہ اچھلتے کودتے کھلکھلاتے چہروں کے ساتھ کلاسسز سے باہر گراؤنڈ میں کھیلنے کے

لیے نکلے تھے۔ان بچوں میں آدم 'دی گریٹ' روک سٹار بھی اپنے جڑواں بھائی کے ساتھ گراؤنڈ میں آیا تھا۔اتنی سی عمر میں آدم صاحب کا انداز ایسا شاہانہ تھا کہ ہر دیکھنے والی آنکھ عش عش کرا اٹھتی تھی۔ جبکہ سعدان کا معصوم چہرہ اتنی کشش رکھتا تھا کہ آدم کی طرح وہ بھی جلد ہی سب کی نظروں میں ایسا شریف بچہ بن جاتا تھا کہ جس کے بھرے بھرے رخساروں پر پیار کرنے کو ہر کسی کا جی چاہتا تھا۔

وہ دونوں بھائی ابھی اپنی مخصوص جگہ پر جا کر بیٹھنے ہی لگے تھے کہ جب ایک چھوٹی سی بچی کی روتی آواز نے سعدان کو اپنی طرف متوجہ کیا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE .COM
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

یہ ان کی کلاس کی ہی بچی تھی جس سے سامنے موجود دوسری کلاس کے لڑکے لنچ باکس چھین رہے تھے۔نرم دل سعدان کو اس پر ترس آیا تھا اس لیے تیزی سے اٹھتا اس کے پاس پہنچا تھا۔

"عدن تم ٹھیک ہو؟"محبت بھرے دل والے سعدان نے نرمی سے عدن کو اٹھاتے ہوئے پوچھا تھا۔ جس پر عدن نے نفی میں سر ہلایا تھا۔ایسا کرنے سے اس کی دو چھوٹی چھوٹی پونیاں جھول اٹھی تھی

"انہوں نے میرا لنچ لے لیا ہے۔نانو نے میرے لیے آج یمی سے سینڈوچ بنائے تھے

لیکن وہ انہوں نے لے لیا ہے۔۔"بچکانہ انداز میں اس چھوٹی سی عدن نے سعدان سے شکایت کی تھی۔ جس کا خود کا چہرہ روتی ہوئی عدن کو دیکھ کر رونے والا ہو گیا تھا۔

"اے واپس کرو میری دوست کا لنچ باکس!"اپنی ننھی سی انگلی اٹھاتے سعدی صاحب نے سرخ چہرے سے سامنے کھڑے لڑکوں کو گھورا تھا جو قد میں اور عمر میں اس سے بڑے معلوم ہو رہے تھے۔

"کیوں کریں واپس ارے جاو یہاں سے! آیا بڑا ہیرو۔۔۔"ان میں سے ایک لڑکے نے سعدان کو دھکا دیتے نیچے گراتے بدتمیزی سے بولا تھا۔

اس دھکے نے آدم صاحب کے اشتعال کو آواز دی تھی۔آخر کسی کی ہمت بھی کیسے ہوئی اس کے جان سے عزیز بھائی کو دھکا دینے کی اس لیے تیزی سے ان لڑکوں کی جانب لپکا تھا اور بدلہ میں ان کے ماتھے پر نیچے سے پتھر اٹھا کر مارتے ہوئے بولا

"تمہاری ہمت کیسے ہوئی میرے سعدی کو ہاتھ لگانے کی۔۔۔"واللہ کیا دھاڑ تھی اس ننھے سے آدم کے لہجے میں۔۔۔آخر ایسے ہی وہ اپنے جڑواں بھائی کو ہاتھ لگانے والے کو جانے تھوڑی دے سکتا تھا۔

یہ شکر تھا کہ پتھر اس لڑکے کی آنکھ میں لگنے سے بچ گئی تھی لیکن سر پر اس کے ایک ابھار سہ بن گیا تھا۔ وہ لوگ آدم کے انداز سے ڈرتے باکس پھینکتے وہاں سے بھاگ گئے تھے کیونکہ وہ بھی کوئی زیادہ ہوشیار بچے نہیں تھے۔ بس ویسے ہی چھوٹے بچوں کو تنگ کرتے تھے۔

عدن یک دم آدم کے لہجے سے ڈر گئی تھی۔ جبکہ سعدان تیزی سے اٹھتے اپنے بھائی کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔

"بھائی مت ماریں ورنہ وہ ٹیچر کو شکایت لگا دے گی" سعدان کے ڈرے لہجے پر آدم نے بے تابی سے اس کی جانب دیکھا تھا

"سعدی میرے بھائی تو ٹھیک ہے نا؟" سعدان کو گلے لگاتے آدم بے تابی سے پوچھ رہا تھا۔

"جی بھائی میں بالکل ٹھیک ہو" سعدان نے نرمی سے مسکراتے جواب دیا تھا۔ جس پر آدم نے سکھ کا سانس لیتے اب کہ عدن کو گھورا تھا۔ کیونکہ یہی تو فساد کی جڑ تھی جس کی وجہ سے اس کے بھائی کو چوٹ لگتے لگتے بچی تھی۔

"بھائی ایسے مت دیکھیں وہ میری پیاری سی دوست ہے۔" عدن کا ہاتھ پکڑتے سعدان اسے آدم کے سامنے کرتے ہوئے بولا تھا۔

"تمہاری کوئی دوست ووست نہیں ہے تم صرف میرے سعدی ہو۔ اگر تم نے اس سے دوستی کی تو میں تم سے بات نہیں کروں گا۔" آدم کے لہجے میں ایک دم سے جیلسی کا عنصر ابھر آیا تھا۔ اب اپنے سعدی کو وہ کسی سے شئیر تھوڑی کر سکتا تھا۔

اس سے پہلے کہ سعدان آدم سے کچھ کہتا بریک کا ٹائم ختم ہوا تھا اور سب اندر کی جانب بڑھے تھے اور آدم بھی بغیر سعدان کو بولنے کا موقع دیے اندر کی طرف بڑھا تھا۔

"لیٹل کیوٹ بہنا! میرا اٹوین برا نہیں ہے دیکھنا کچھ دنوں تک اس کی تم سے بھی دوستی ہو جائے گی۔ چلو ہم بھی اندر چلتے ہیں۔" سعدان عدن کو اس کا لنچ باکس پکڑاتے بولا تھا اور اس کا ہاتھ پکڑتے اندر کی جانب بڑھا تھا۔

"تھینکیو سعدی بھیا!" عدن سعدان کی دوستی پر مسکراتے اس کے ساتھ چلتے بولی تھی جس پر سعدان کو انجانی سی خوشی ہوئی تھی۔ اسے تو بیٹھے بیٹھائے ایک بہن مل گئی تھی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"ویلکم میری سویٹ بہنا!" سعدان نے بھی مسکراتے ہوئے شکریہ وصول کیا تھا۔

@@@@@@@@@@

"سر دو ماہ پہلے وہ راول پنڈی میں ہی تھی۔ لیکن اس کے بعد وہ کہیں اور شفٹ کر گئی ہیں۔ ہم جاننے کی کوشش کر رہے ہیں کہ وہ یہاں سے کہاں جا سکتی ہیں۔ جیسے ہی ہمیں کوئی سراغ ملتا ہے ہم آپ تک اطلاع پہنچا دیں گے۔" موبائل سپیکر سے آتی آواز پر ابراہیم نے ہنکار بھرتے فون بند کیا تھا اور سرخی مائل ہوتی آنکھوں کو بند کرتے کرسی کی بیک سے سر ٹکایا تھا۔ نجانے اس کی شہزادی کہاں گم ہو گئی تھی کہ آج تک اس کو مل نا سکی تھی۔

اس کا یہ درد تھا کہ ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا بلکہ بڑھتا ہی چلا جا رہا تھا۔ اب تو اس کی روح زخم زخم ہو گئی تھی اور شہزادی کو ڈھونڈنا اسے کے لیے ناگزیر ہو گیا تھا۔ کیونکہ اب بھی اگر وہ نا ملتی تو شاید اسے موت آ لیتی۔

"ابراہیم! میرے پاس ایک گڈ نیوز ہے۔" کیف کی خوشی سے بھرپور آواز پر ابراہیم نے اپنی سرخ جلتی آنکھیں کھولی تھی۔ دل دیوانہ کوئی نوید سننے کے لیے بے قرار ہوا تھا۔

"تمہیں پتہ ہے مجھے ابھی میل وصول ہوئی ہے وہ بھی محراب کی کمپنی کی طرف سے، آخر سالوں بعد اس نے ہمارے سامنے آنے کا فیصلہ کر ہی لیا ہے۔ مجھے لگتا ہے بہت جلد سب ٹھیک ہو جائے گا کیونکہ ہر چیز اپنے مدار میں آ رہی ہے۔ اگر اتنے عرصے بعد محراب ہم سے ملنا چاہ رہا ہے تو یقیناً دیکھنا حیات بھی ہمیں جلد ہی اب مل جائے گی۔"

ابراہیم کو گلے لگاتے کیف نے اسے خبر تو دی تھی لیکن یہ خبر اس دیوانہ بنجر دل کو سیراب کرنے کی بجائے مزید مضطرب کر گئی تھی۔

وہ آج بھی محراب کی نظروں کا سامنا کرنے سے ڈرتے تھا، کیونکہ وہ نہیں جانتا تھا کہ اگر اس نے حساب مانگ لیا کہ جب اس کی بہن پر ظلم ہو رہا تھا تب وہ اسپتال میں کیوں لیٹا تھا تو تب وہ کیا جواب دے گا۔۔۔۔

@@@@@@@@@@

رات ایک بار پھر دن کی روشنی پر غالب آئی، تو آسمان پر ہر طرف سیاہی پھیل گئی تھی۔ دن بھر کے تھکے ہارے لوگ اپنا کام کاج چھوڑ کر آرام کرنے کے لیے اپنے اپنے بستر میں جا لیٹے تھے۔ لیکن کچھ ایسے لوگ بھی تھے جن کی آنکھوں محبوب کی دید کی آس میں اب تک جاگ رہی تھی۔ رات کے اس اندھیرے میں وہ لوگ، جاگتی آنکھوں

سے کسی نوید سننے کے منتظر کھڑے تھے۔انہی لوگوں میں ایک ابراہیم جاسم آفندی بھی تھا جو غم ویاسیت میں ڈوبا ملن کی تڑپ لیے، کھڑکی سے باہر دیکھ رہا تھا۔

ابراہیم کو لگتا تھا کہ ہر گزرتا دن اسے حیات سے دور لے کر جارہا ہے۔حیات نے خود کو اس دنیا کی دلدل میں گم کرلیا ہے۔وہ چاہ کر بھی اسے ڈھونڈ نہیں پارہا تھا۔وہ انہی سب سوچوں میں گم تھا جب اسے اپنے پیچھے ننھے ننھے قدموں کی مدھم سی چاپ سنائی دی تھی۔یہ چاپ تو وہ ہزاروں لوگوں میں سے بھی پہچان سکتا تھا۔یہ اس کی رب کی طرف سے عطا کیا گیا،ایک انعام تھا جو ہجر کی ان راتوں میں اس کے دل کے لیے راحت کا کام کرتا تھا۔

"باباجانی" عدن ابراہیم نے ٹانگوں سے لپٹ کر لاڈ سے بولی۔

"جی باباکی جان! میرے بچے کو نیند نہیں آرہی کیا؟؟"ابراہیم نے اپنی سوچوں کو جھٹکتے عدن کو گود میں اٹھاتے،اس کے ماتھے پر اپنا پیار بھرا بوسہ دیتے پوچھا۔

"آئی تھی۔لیکن ابھی مجھے اپنے باباجانی سے ڈھیروں باتیں کرنی ہے۔اس لیے میں اسے واپس بھیج دیا۔"ابراہیم کے گلے میں بازو ڈالے عدن لاڈورانی بنی تھی۔

جس پر ابراہیم کو خوب پیار آیا تھا۔اسی لیے اس کو اپنے ساتھ بیڈ پر لے کر بیٹھا تھا۔

"ایسی کونسی باتیں کرنی ہے میری جان نے اپنے بابا سے؟ "ابراہیم عدن کو اپنے سینے پر لیٹا کر، بیڈ سے ٹیک لگائے بیٹھ گیا تھا۔

"بابا میں نا آج بہت بہت بہت خوش ہوں۔۔۔"عدن نے اپنا سر اٹھا کر پر جوشی سے تمہید باندھی تھی۔

"اچھا اور وہ کیوں؟"ابراہیم نے اشتیاق سے استفسار کیا تھا۔اس وقت اس کا سارا دھیان اپنی لاڈلی بیٹی کے خوشی سے چمکتے چہرے پر تھا۔جس کو دیکھ کر اس کے اندر سکون کی لہر سرایت کر گئی تھی۔

"کیونکہ بابا جانی آج نا مجھے ایک بھائی دوست ملا ہے۔"عدن نے چہکتے ہوئے ابراہیم کو اطلاع دی تھی۔

"بھائی دوست؟ وہ کون ہے۔"ابراہیم نے تعجب سے پوچھا۔ایسا پہلی بار تھا جب عدن اس سے کسی دوست کا ذکر کر رہی تھی۔

"بابا جانی وہ نا آج ایک گندے بچے نے میرا لنچ باکس لے لیا تھا اور مجھے مار کر نیچے بھی

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

گرایا۔۔۔ "

"کس نے مارا تھا تمہیں میری جان! دکھاؤ کہی چوٹ تو نہیں آئی۔۔۔"عدن کی آدھی بات ہی سن کر ابراہیم تشویش میں مبتلا ہوا تھا اس لیے مضطرب سہ اس کے ہاتھ پاؤں ٹٹولنے لگا تھا۔

"اوہو میرے پیارے باباجانی مجھے کچھ بھی نہیں ہوا ہے۔ ابھی اگلی بات تو سنئیں نا۔۔۔"عدن نے ماتھے پر ہاتھ مارتے، بڑھے بڑھوں کی طرح کہا تھا۔

"اچھا بتاؤ پھر کیا کوا" ابراہیم نے بہت مشکل سے اپنے غصہ پر قابو پاتے پوچھا تھا۔ ورنہ دل تو اس کا کر رہا تھا کہ ابھی جا کر ان لوگوں کی دھلائی کر کے آئے جنہوں نے ابراہیم جاسم آفندی کی بیٹی کو چھونے کی جرات کی ہے۔

"پھر اللہ جی نے میرے لیے ایک پیارے سے بھائی کو بھیجا۔۔۔ پتہ ہے بابا سعدان بھائی بہت اچھے ہیں۔ وہ میرے کلاس میں پڑھتے ہیں۔ انہوں نے اس لڑکے سے میرا لنچ باکس واپس دلایا تھا۔ لیکن پتہ ہے ان لوگوں نے سعدی بھائی کو بھی نیچے گرا دیا تھا۔ پر وہ جو سعدی بھائی کا جڑواں بھائی آدم ہے نا بابا، اس نے پھر ان لوگوں کو غصہ سے

دھکہ دیا تو وہ ڈر کر بھاگ گئے۔

پر بابا جانی وہ جو آدم ہے ناوہ مجھے بہت غصہ سے دیکھ رہا تھا۔وہ کہہ رہا تھا کہ میری وجہ سے اس کے سعدی کو چوٹ لگی ہے۔پر سعدی بھائی بہت اچھے ہے بابا جانی اس نے آدم سے کہا کہ میں کی دوست ہے۔اس لیے وہ مجھے کچھ نا کہیں تو آدم چلا گیا۔لیکن سعدی بھائی وہ ہمارے دوست بن گئے۔وہ بہت اچھے ہیں بابا جانی۔۔۔"عدن نے بچکانہ انداز میں آج کے واقع کی تفصیل بتائی تھی۔جس کو ابراہیم نے بہت غور سے سنا تھا۔

"اوہ ایسی بات ہے۔آدم بھی اپنی جگہ ٹھیک تھا کہ سعدی کو آپ کے لیے لڑتے ہوئے چوٹ لگی اس لیے برا مت مانو لیکن اپنی مدد کرنے کے لیے آپ کو سعدی کا شکریہ ادا کرنا چاہیے تھا۔کیا آپ نے وہ کیا؟؟"ابراہیم نے اپنی بیٹی کو پیار سے سمجھاتے آخر میں پوچھا تھا۔

"کہا تھا ڈیڈی!"عدن نے فوراً سے سر اثبات میں ہلایا تھا۔

"گڈ گرل میری جان!بہت اچھا کیا آپ نے چلو اب سو جاؤ!باقی باتیں صبح کریں گے ۔رات کافی ہو گئی ہے۔پھر کل آپکو سکول بھی تو جانا ہے۔"عدن کا سر تھپک کر ابراہیم

نے اسے سونے کا کہا تھا۔

"اوکے بابا جانی ! گڈ نائیٹ "ابراہیم کے ماتھے پر بوسہ دیتے عدن اس کے سینے پر سر رکھ کر آنکھیں مونده گئی تھی۔

"گڈ نائیٹ ٹو بابا کی جان "عدن کی حرکت پر ابراہیم کے لب مسکراہٹ میں ڈھلے، اس لیے ہولے ہولے اس کا سر سلہاتے، وہ پر سوچ انداز میں سامنے لگی دیوار کو دیکھنے لگا تھا۔

اس نے سوچ لیا تھا کہ کل سکول جا کر پرنسپل سے ان لڑکوں کی شکایت کر کے آئے گا۔ تاکہ باقی سب کو بھی پتہ چل جائے کہ ابراہیم کی بیٹی پر ہاتھ اٹھانا تو دور جو اس کو آنکھ اٹھا کر دیکھے گا تو وہ بھی ابراہیم کے عتاب سے بچ نہیں پائے گا اور پھر اس بچہ کا شکریہ بھی تو ادا کرنا تھا جس نے اس کی بیٹی کی مدد کی تھی۔انہوں سوچوں میں گم اسے علم نہیں ہوا تھا کہ کب کافی عرصہ بعد، ایک بار پھر سے نینداس پر مہربان ہوئی ہے۔شاید وجہ وہ سکون تھا جو اس کے سینے پر سر رکھے لیٹی، اس کی چھوٹی سی جان کے وجود سے اسے مل رہا تھا۔

@@@@@@@@@@@@@

مری سے واپس آئے حیات اور ابراہیم کو ایک ماہ کا عرصہ گزر گیا تھا۔ ہر طرف راوی چین ہی چین لکھ رہا تھا کیونکہ عسرہ بیگم اپنے بزنس ٹوور پر ہونے کی وجہ سے دوبارہ آفندی ویلا نا آسکی تھی۔ایسے میں کیف پر انابیہ کی ساری ذمہ داری آگئی تھی۔ جس وہ بہت خوش اسلوبی ڈے نبھا رہا تھا۔گھر میں چلتی ایراج کے نکاح کی زور و شور تیاریوں کے باعث وہ سب کی نظروں میں آنے سے بھی بچا ہوا تھا۔

دوسری طرف ابراہیم اس رات کے بعد سے مسلسل ایک تکلیف میں مبتلا تھا وہ رات جو اس کی ذات کی تکمیل کی رات تھی وہ بس ایک خوفناک خواب کی مانند اسے ستانے لگی تھی۔وہ خود کو ایک منافق سمجھنے لگا تھا جس نے وعدہ خلافی کی تھی۔ ہر لمحہ ہر گھڑی اس کے وجود کو اذیت کی اتھا گہرائیوں میں مبتلا کر دیتی تھی جب جب اسے حمیرہ بیگم کا اپنا دوپٹہ اس کے پیروں میں اسے نظر آتا تھا۔

وہ ابراہیم جس نے آج تک کبھی رب سے دوری اختیار نا کی تھی،اب وہ خود کو ایک گناہگار سمجھتے اس کی بارگاہ میں جانے سے ڈرنے لگا تھا۔اسے لگنے لگا تھا کہ جیسے اس جیسا گناہگار کبھی اس پاک ذات کے دربار پر کھڑا نہیں ہو سکتا۔اگر کبھی وہ چلا جاتا تو اس پر ایسی کپکپی طاری ہوتی کہ اس کی ٹانگیں اس کا بوجھ اُٹھانے سے انکار کر دیتی تھی اور وہ

سجدے میں سر رکھ کر روتے پھوٹ پھوٹ کر رو دیتا۔ کیلیگرافی کا وہ کمرہ جو اس کے سکون کی جگہ تھا وہ وہاں جاتے ہی مجرموں کی طرح سر جھکائے گھنٹوں کھڑا رہتا لیکن کبھی دوبارہ سے رب کے نام کو اپنے قلم سے لکھ نا سکا تھا۔

شدید ذہنی دباؤ نے اسے لاگر کر دیا تھا۔ اس کی آنکھوں کے گرد ہلکے بن چکے تھے۔ کالی سحر زدہ آنکھیں اندر کی جانب دھنس چکی تھی۔ اب تو حالت اتنی خراب تھی کہ اسے کبھی کبھی سینے میں درد رہنے لگا تھا۔ ان سب کی وجہ صرف حمیرہ بیگم کی وہ انا تھی جس نے اس شہزادے کو موت کے دھانے پر کھڑا کر دیا تھا۔

حیات جو اپنی عزیز جان سہیلی اور بھائی کی شادی کی خوشی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہی تھی۔ اس کی ایک آنکھ ہمیشہ ابراہیم پر ہوتی تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ آخر ابراہیم مری سے آنے کے بعد ایسا کیوں ہو گیا ہے۔ اسے یاد تھا کہ جب مری میں ہوئے حادثے کے بعد تکلیف سے ٹوٹتے وجود کے ساتھ جب اسے ہوش آیا تھا تو وہ جنگل کے کسی کاٹیج میں تھے۔ ابراہیم وہاں سے بہت مشکل سے اسے نکالنے میں کامیاب ہوا تھا۔ اس میں وہاں کے ایک مقامی شخص نے ان کی مدد کی تھی جو شاید جنگل سے لکڑیاں ڈھونڈنے آیا تھا۔ اس واقع میں اسے کوئی ایسی چیز یاد نا تھی جو ابراہیم کے لیے اتنی

پریشانی کی وجہ بنی ہو۔شروع شروع میں تو اس نے یہ سب کام کا بھوج سمجھا تھا لیکن اب جب وہ دن بدن موت کی طرف جا رہا تھا تو حیات نے ہزار بار اس سے وجہ پوچھی تھی۔ لیکن ابراہیم کے لبوں پر تو قفل پڑ چکا تھا۔ جس کو وہ چاہ کر بھی کھول نہیں پا رہا تھا۔ انہی دنوں میں کب وہ رات آئی کسی کو کچھ پتہ بھی نہیں چلا تھا۔ جو سب کچھ اپنی تاریخ میں سمیٹ کر سب لوگوں کو بکھیر گئی تھی

@@@@@@@@

"گڈ مارننگ فرزانہ آپا! آج آپ آفس نہیں گئی۔ خیریت ہے نا؟؟" ستائیس سالہ ایک خوبرو لڑکی ڈائننگ ٹیبل پر آتے، اپنے سے بیس سال بڑی اپنی بہن سے استفسار کرتے ہوئے بولی۔

"ہاں آج آفس میں کچھ خاص کام نہیں تھا اور ساتھ میں مجھے تم سے کچھ ضروری بات بھی کرنی تھی۔اس لیے سوچا کہ تھوڑا لیٹ جاوں گی۔" ادھیڑ عمر فرزانہ آپا نے سادگی سے جواب دیا تھا اور اس دوشیزہ کے بیٹھتے ہی اس کی پلیٹ میں جیم لگا کر سلائس رکھنے لگی تھی۔

"شکریہ آپا!" اس حسینہ نے خوش دلی سے جواب دیا تھا۔

"حیا! تم میرے لیے میری بہن کم بیٹی کی طرح ہو۔ جس کو اب میں یہ بے رنگ زندگی گزارتے نہیں دیکھ سکتی۔" فرزانہ آپا جو کافی دنوں سے یہ بات کرنا چاہ رہی تھی۔ انہوں نے موقع دیکھتے تمہید باندھی تھی۔

"زندگی بہت مختصر ہے میری جان میں چاہتی ہوں کہ تم اس کے ہر رنگ کو دیکھو۔ کسی ایک کے چلے جانے سے زندگی رک نہیں جاتی پھر ابھی تو تم جوان اور خوبرو ہو۔ ابھی تو کوئی بھی لڑکا تمہارا ہاتھ تھام سکتا ہے۔ لیکن اگر وقت مزید گزرا اور کسی نے رشتہ لینے سے انکار کر دیا تو پھر تنہا یہ پہاڑ جیسی زندگی کیسے گزارو گی میری بہن اور میرا بھی کیا بھروسہ آج ہوں کل نہیں۔۔" فرزانہ آپا نے اپنی لاڈلی حیا کے خوبصورت گھنے لمبے بالوں کی بنی مضبوط چوٹی، جو اس وقت دوپٹے میں چھپی تھی، پر پیار سے ہاتھ پھیرتے اسے سمجھایا تھا۔

"اللہ نا کرے آپا آپ کو کچھ ہو۔ ویسے بھی میرے لیے ایک تجربہ کافی تھا۔ اب میں مزید یہ جھنجھٹ نہیں پالنا چاہتی۔ پھر میرے دو بازو میرے بیٹے بھی تو ہیں۔ جن کے سہارے میں زندگی گزار سکتی ہوں اور مجھے نہیں لگتا کہ دو بچوں کی ماہ کو آج کل کوئی رشتہ دینا چاہے گا۔" حیا نے تلخی سے حقیقت پسندی کا اظہار کیا تھا۔

"حیا! فضول مت بولو! بتاؤ مجھے کہاں سے لگتی ہو تم دو بچوں کی ماں، ویسے بھی جن بچوں پر تم اکڑ رہی ہو ان کو تم نے خود سے دور اس عزاب نما بورڈنگ میں بھیجا ہوا ہے۔ جب اب تم ان کو خود کے قریب نہیں رکھ سکتی تو تمہارا کیا خیال ہے جب وہ بڑے ہونگے تو تمہیں اپنے قریب رکھ سکیں گے؟" فرزانہ آپا نے کٹیلے لہجے میں کہا تھا۔ وہ اپنی بہن کی خیر خواہ تھی اسے اپنی زندگی برباد کرتے نہیں دیکھ سکتی تھی۔

"آپا میں انہیں شوق سے تو بورڈنگ میں نہیں رکھ رہی نا! آپ تو جانتے ہیں کہ میں نے انہیں وہاں کیوں رکھا ہے۔" حیا نے ایک دم سے اپنی سرخی مائل آنکھیں فرزانہ آپا کی آنکھوں میں ڈالتے ضبط سے کہا تھا۔

"ہاں جانتی ہوں تم نے صرف ایک فضول۔۔۔۔" فرزانہ آپا کی بات مکمل ہونے سے پہلے حیا جھنجھلا کر اٹھی تھی وہاں سے واک آوٹ کر گئی تھی۔

اس کے جانے کے بعد فرزانہ آپا نے افسوس سے حیا کے کھانے کی پلیٹ کی طرف دیکھا تھا جو یونہی ادھوری پڑی تھی۔ فرزانہ جن کے خود کے بچے نہیں تھے۔ اسے لیے ان کے شوہر نے انہیں ڈیورس دے دی تھی۔ اب وہ انجیو چلاتی تھی۔ حیا ان کی لاڈلی بہن تھی جو ماں باپ کے انتقال کے بعد ان کے ساتھ رہتی تھی۔ وہ بھی اپنی زندگی کے ایک

تلخ تجربہ کے بعد مزید شادی نہیں کرنا چاہتی تھی۔ سعدان اور آدم اس کے دو جڑواں بچے تھے جن کو اس نے صرف اس وجہ سے خود سے دور رکھا تھا کہ کبھی وہ اس سے اپنے باپ کا نام نا پوچھ لیں جس کی یاد اسے ہمیشہ تکلیف میں ہی مبتلا کرتی تھی۔

فرزانہ آپا سوچوں سے نکلتی گہری سانس لیتے، خود بھی وہاں سے اٹھ گئی تھی کیونکہ اب مزید یہاں بیٹھنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔

@@@@@@@@

"آدم! پلیز مجھ سے بات کرو نا۔ دیکھو تم کل سے مجھ سے بات نہیں کر رہے ہے تو مجھے کچھ ہو رہا ہے۔" روہانسے لہجے میں آنسوں بھری آنکھوں سے سعدان کب سے آدم کی منتیں کر رہا تھا۔ جو کل سے اس سے ناراض ناراض سہ تھا۔

"آدم! تم نے کل مجھے اپنا فیورٹ سونگ بھی نہیں سنایا تھا۔ حالانکہ کہ تم جانتے ہو کہ جب تک میں تم سے سانگز نا سن لو مجھے نیند نہیں آتی اور نا ہی رات کو تم نے مجھے ہگ کیا تھا۔ تم بدل گئے ہو آدم۔۔۔۔۔ اب تم میرے ٹوینی نہیں رہے۔۔۔

بس مجھے پتہ چل گیا ہے جیسے ماما ہم سے پیار نہیں کرتی ویسے اب آدم بھی سعدی سے

پیار نہیں کرتا۔ کوئی بھی سعدی سے پیار نہیں کرتا۔۔"اس معصوم سے سعدی کی آنکھوں میں اب کے آنسوں اگئے تھے۔ کہاں برداشت تھا اسے آدم کا روڈ رویہ۔۔۔ وہ تو جند تھا اس کی۔۔۔اس کی جان تھا جس کے بنا وہ رہ نہیں سکتا تھا۔

"اور تو تو بھی تو اس چڑیل عدن کو اپنی دوست بنا کر بیٹھ گیا تھا نا کل۔۔ مطلب تجھے بھی مجھ سے پیار نہیں ہے۔ تیزی لیے میری دوستی کافی نہیں ہے۔اسی لیے اب تو اس عدن کو دوست بنا رہا ہے۔"آدم سعدی کی بات پر جل کر کہا تھا۔

اس کے لہجے میں خفگی کا عنصر موجود تھا وہ ایک شدت پسند لڑکا تھا جس کے لیے اپنے سے جڑی کسی بھی چیز پر کسی اور کی نظر بھی برداشت نہیں تھی۔

"آدم عدن بری نہیں ہے وہ بہت اچھی ہے۔ وہ میری دوست بنی ہے تو وہ تمہاری دوست بھی بن جائے گی۔"سعدی بچارے نے تو معصومیت سے آدم کے ساتھ اپنی دوستی بانٹنی چاہی تھی۔ لیکن ادم کا تو غصہ اس بات پر اود آیا تھا۔

"عدن! عدن! عدن! بھاڑ میں گئی وہ لڑکی، اگر اتنی ہی وہ تمہاری دوست ہے تو جاو جا کر اسے کے پاس رہو۔۔۔"آدم نے خفگی سے چیخ کر کہا تھا اور اسے دھکا دیتے باہر نکل گیا تھا۔ سعد ان کے آنکھیں تو شدت غم سے بہہ نکلی تھی۔ لیکن وہ اٹھ کر اس کے پیچھے

کوریڈور میں گیا تھا۔

جہاں آدم ریلنگ سے سر ٹکائے نیچے دیکھ رہا تھا۔

"آدم پکا پرومیس اب جب تک تو مجھے نہیں کہے گا میں تیرے سوا میں کسی کو دوست نہیں بناوگا۔ پلیززز مجھ سے بات کرو۔" سعدان کی ہیزل براؤن آنکھوں سے آنسوں نکلتے اس کے پھولے پھولے رخساروں پر بہہ رہے تھے۔ جن کو دیکھ کر آدم کا غصہ ہوا میں تحلیل ہوا تھا اور تڑپ کر سعدی کو اپنے گلے لگایا تھا۔

"سعدی تو میرا اٹون ہے مجھے بالکل اچھا نہیں لگتا جب تو میرے سوا کسی اور کو دوست بناتا ہے۔" سعدان کے آنسوں صاف کرتے اس شدت پسند شہزادہ نے بے بسی سے کہا تھا۔ پھر سعدی کے افسردہ سرخی مائل چہرہ کو دیکھ جلدی سے اس کے ماتھے پر کس کر گیا تھا۔ بھئی یہ ایک طریقہ تھا شہزادے کا اپنے چھوٹے شہزادے کو منانے کا۔۔۔۔

"اییییی آدم بھائی یار میں کوئی گرل تھوڑی ہوں" سعدان نے جھنجھلا کر کہا تھا۔ بچارہ شرم سے سرخ ہو گیا تھا۔

"تو کیا ہوا تو میرا اٹون تو ہے نا مطلب تو اور میں الگ تھوڑی ہیں ہم دو جندا ایک جان ہے

توبس میں چاہے تیرے کس کر دیا اپنے بات تو ایک ہی ہے۔" ادم نے شرارت سے آنکھیں مٹکاتے ایک ادا سے کہا تھا۔ جس پر سعدان کھلکھلا اٹھا تھا۔ سعدان کی مسکراہٹ کو دیکھ ادم کا بھی بھرپور قہقہ گونجا تھا۔ ہواؤں نے ان ہمت والے شہزادوں کو دیکھا تھا جو ماں باپ کی محبت سے تو دور تھے لیکن پھر بھی خوش تھے اور ایک دوسرے کے ساتھ مکمل تھا۔

ان دونوں کی واڈرن نے، جوان کو سکول کے لیے تیار کروانے کے لیے آئی تھی، اس نے اس منظر پر اپنی نم آنکھیں صاف کی تھی۔ اور دعا کی تھی کہ کاش یہ لوگ اپنے ماں باپ کے ساتھ مل کر سچ میں ایک شہزادوں والی زندگی گزاریں۔

@@@@@@@@

گرے رنگ کے ٹیکسیڈو کے ڈنر سوٹ میں محراب مراد اس وقت ڈریسنگ کے سامنے کھڑا اپنے کف لنکس بند کر رہا تھا۔ چہرہ پہ اس وقت سنجیدگی کا راج تھا۔ لیکن نیلی آنکھیں نرم سہ تاثر لیے پیچھے صوفہ پر سوئی اپنی جھلی بیوی پر تھی۔ جس پر وقت نے بہت گہرا اثر چھوڑا تھا۔ اس نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ اپنی محبوب بیوی کے ساتھ کبھی وہ اس قدر عجیب زندگی گزارے گا۔ جہاں ان کا رابطے صرف ضرورت کے تحت بات

کرنے کی حد تک محدود ہوگا۔

نجانے کیوں آج اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ اس ایراج کو اٹھائے اور اس سے حساب لے کہ وہ اس کے مشکل وقت میں اس کی ہمدرد بننے کی بجائے ڈر کر اس سے دور کیوں ہو گئی تھی۔ کیوں اسے محراب مراد ایک کمزور شخص لگا تھا جو اس سے ایسے گناہ کا بدلہ لیتا جو اس نے کیا ہی نہیں تھا۔ ایسا کیوں تھا کہ اسے لگا تھا کہ محراب مراد ایک کم ظرف مراد ثابت ہوگا۔ کیوں کیوں آخر کیوں اسے محراب مراد کی محبت پر یقین نہیں تھا۔ اسے کیوں لگا تھا کہ محراب کی محبت پانی کے بلبلے مانند ثابت ہوگی جو ہوا کے ایک جھونکے سے اڑ جائے گی؟؟؟

اپنی سوچوں میں ہی ایراج سے حساب مانگتا محراب جو اس وقت کہیں اور ہی پرواز کر رہ تھا۔ ایراج کے ایک دم کروٹ بدل کر صوفہ کے کنارے پر آ جانے سے چونکا تھا۔ وہ اگر ابھی زرا سہ مزید سرکتی تو ابھی نیچے گر جاتی، محراب کے قدم بے اختیار اس کی طرف بڑھے تھے اور جھک کر اسے تھوڑا صوفہ پر پیچھے کی جانب کیا تھا۔

ہلکے سبز رنگ کی شرٹ کے ساتھ آف وائیٹ کپری پہنے، خوبصورت بال جو نیند میں چہرے پر بکھرے تھے، کے ساتھ ایراج محراب اس وقت محراب آفندی کے دل کی

دنیا تہہ و بالا کرنے پر تلی تھی۔ محراب مراد کا دل آج پھر ایسے شدت سے دھڑکا تھا جیسے سالوں پہلے اسے دیکھنے کے بعد دھڑکا تھا۔ دل میں ایک میٹھی سی خواہش ابھری تھی کہ وہ اپنا حق استعمال کرے، اس لیے برجستگی سے وہ اس کے چہرے پر آئی ان حسین زلفوں کو اپنے ہاتھ کی چھوٹی انگلی سے پیچھا کیا تھا۔

ایراج نیند میں اپنے چہرے پر کسی کی نظروں کی تپش محسوس کرتی کسمسا کر واپس نیند کی وادی میں اتر گئی تھی۔ محراب جو اس کے ملنے سے نجانے کیوں ڈر گیا تھا۔ اس کو سوتے دیکھ گہری سانس بھرتے اس کے ماتھے پر اپنا احساس چھوڑتے پیچھے ہٹا تھا اور وہاں نکلتا چلا گیا تھا۔ آج وہ سالوں بعد اپنے سے جڑے کچھ اہم رشتوں سے ملنے کے لیے کچھ دنوں کے لیے کراچی جا رہا تھا۔ اس لیے وہ اس چہرے کو اپنی آنکھوں میں بسائے جا رہا تھا۔

@@@@@@@@@@@@

"ہیلو سعدی بھائی! کیسے ہیں آپ؟؟ پتہ ہے آج نا مجھے گرینی نے دو لنچ دیے ہیں۔ ایک اپ کے لیے اور ایک میرے لیے جن میں بہت یمی سہ پاستہ بنا کر دیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ کل آپ نے میری مدد کی تو آج میں آپ کا شکریہ ادا کرتے وہ آپ کو دو۔" عدن

نے خوشی سے سعدان کے ساتھ بیٹھتے ہوئے کہا تھا۔

بچارہ سعدی عدن کے بیٹھنے پر کترا کرا ایک سائیڈ پر ہوا تھا کیونکہ اس پوزیسیو بیسٹ کی نظر سعدی بچارہ پر ہی گڑی تھی۔

"سعدی بھائی! آپ کو ایک بات تو بتانا میں بھول ہی گئی پتہ ہے اج بابا سکول آئیں گے۔ ان بیڈ بوئی کے شکایت لگانے۔" اپنی باتوں کا پٹاری کھولے عدن میڈم سعدان کے پاس بیٹھی گرم جوشی سے اپنی پونیاں جھلاتے ہوئے بولی تھی۔

سعدی کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ اپنی پیاری سے دوست سے بات کرے لیکن پھر ضبط سے نظریں جھکائے بیٹھا رہا تھا۔ کیونکہ اسے دوست تو اور مل سکتی تھی لیکن اسے اپنا ٹوینی دوسرا نہیں مل سکتی تھا۔

"سعدی بھائی آپ مجھ سے بات کیوں نہیں کر رہے؟ کیا مجھ سے کوئی غلطی ہوئی ہے۔ ؟کیا عدن آپ کو پریشان کر رہی ہے۔؟؟" عدن اس کے مسلسل چپ رہنے سے ایک دم روہانسے ہو کر بولی تھی۔

"ہاں تم ہم دونوں بھائیوں کو پریشان کر رہی ہو عدن میڈم اس لیے اب جلدی سے

یہاں سے اٹھو اور دوبارہ میرے بھائی کے قریب بھی مت آنا۔۔" آدم نے ایک دم سے عدن کو بازو سے پکڑ کر سعدان کے قریب سے اٹھایا تھا۔اور خود سعدان کے آگے بیٹھتے رعب سے بولا تھا۔

عدن کی آنکھیں لبالب پانیوں سے بھری گئی تھی۔اس نے شکایتی نظروں سے آدم کو دیکھا تھا اور منہ پھلائے آگے جا کر بیٹھ گئی تھی۔سعدی کے دل کو کچھ ہوا تھا۔کیا ہو جاتا جو وہ اس سے تھوڑی سی دوستی کر لیتے تو۔۔۔

"آدم وہ رو رہی ہے! یہ اچھا نہیں کیا تم نے میں اب تم سے بات نہیں کروں گا۔"

سعدان بھی ایک دم آدم سے ناراض ہو کر منہ پھلا کر دوسری جانب ہو گیا تھا۔

اب تو آدم صاحب کی جان پر بن آئی تھی۔اس لیے کچھ دیر سوچنے کے بعد اپنے گولو سعدی کے لیے اس نے اس عدن سے دوستی کرنے کا فیصلہ کر ہی لیا تھا۔

سکول یونیفارم پہنے ہینڈسم سے آدم صاحب ایک دم اٹھ کر عدن کے ساتھ آ کر بیٹھے تھے۔پھر چوری چوری نظروں سے عدن کے رونے سے سرخ ہوتے چہرے کو دیکھنے لگا تھا۔ہائے انداز اس قدر معصومانہ تھا کہ کوئی بھی فدا ہو جاتا۔آدم کے دیکھنے پر عدن نے 'ہمم' کہہ کر چہرہ دوسری طرف کر لیا تھا۔ویسے حیرت کی بات تھی سعدی کے بعد

وہ پہلی انسان تھی جو آدم صاحب کو نکھرے دیکھارہی تھی لیکن آدم صاحب بجائے غصہ ہونے کے اٹھ کر اس کے دوسری طرف سے آکر بیٹھ گئے تھے اور اسے آنکھیں پٹپٹاتے دیکھنے لگے تھے۔

"اب کیوں یہاں آئے ہو۔ جاؤ یہاں سے میں ایسے لڑکوں سے نہیں بولتی جو مجھے ڈانٹتے ہیں۔ بلکہ تمہاری شکایت تو میں اب اپنے بابا سے بھی لگاوٴ گی۔" کیا ایٹیٹیوڈ تھا عدن میڈم کے لہجے میں، ویسے آدم کا پلا بھی اپنے جیسی ٹکڑ والی سے ہی پڑا تھا۔ ویسے بھی باپ کا سہارا ہوتا ہی اتنا خاص ہے۔ کہ اگر وہ ساتھ ہو تو ہر لڑکی اکڑ کر سامنے والے کو دھمکی دے سکتی ہے۔ پھر چاہے وہ کوئی بھی ہو۔

"لیٹل ڈول! آئم سوری پلیز مجھے معاف کر دو اور میرے سعدی کے لیے میری دوست بن جاو" اففف کیا انداز تھا اس چھوٹے شہزادے کا۔۔ ہوا ؤنے کسی جانب اشارہ کیا تھا۔ ہاں ایسے تو بہت پہلے بھی ہو چکا تھا۔ لیکن کب؟؟؟

ہاں تب جب ایک محبت کی داستان شروع ہو تھی آزمائشوں والی، جنون والی، شدت والی۔۔۔ تو کیا اب بھی کسی داستان کا اغاز ہونے جارہا تھا؟؟؟

@@@@@@@@@@

پرنسپل آفس میں اس وقت گھمبیر خاموشی کا راج تھا۔سکول پرنسپل کے سامنے والی کرسی پر ابراہیم جاسم آفندی ٹانگ پر ٹانگ رکھے بیٹھا تھا۔اس کے ایک طرف وہ اس دن والے لڑکے ڈر سے سر جھکائے کھڑے تھے۔ابراہیم کی گھورتی نظریں اس وقت ان بچوں پر نہیں بلکہ پرنسپل پر تھی۔کیونکہ اس کا ماننا تھا کہ ان بچوں سے زیادہ یہ ٹیچر کی غیر ذمہ دارانہ خصلت کی وجہ سے ہوا ہے جو بریک کے وقت ان چھوٹے بچوں کا دھیان نہیں رکھ رہی تھی۔اگر وہ وہاں ہوتی تو بچے کبھی لڑتے ہی نہیں۔

"مسٹر ابراہیم!لک(دیکھئے)چھوٹے بچوں میں تو ایسے جھگڑے ہوتے ہی رہتے ہیں۔یہ کوئی بڑی بات۔۔۔۔"وہ پرنسپل اپنے ٹیچرز کی غلطی ماننے کی بجائے اُلٹا ابراہیم کو سمجھانے لگا تھا۔جس پر ابراہیم نے ان کی بات درمیان میں ہی ہاتھ اٹھا کر روک ڈی تھی۔

"بس بہت ہوا سر!اگر میں نرمی سے پیش آرہا ہوں تو اس کا یہ ہر گز مطلب نہیں ہے کہ آپ اپنی غلطی ماننے کی بجائے الٹا یہ کہہ دیں کہ یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے؟؟ ٹھیک ہے چلیں مانا کہ آپ کے لیے یہ کوئی بڑی بات نہیں ہو گی لیکن میرے لیے ہے کیونکہ یہ بات میری بیٹی سے منسلک ہے۔جس کو جھگڑے میں سویر(شدید)چوٹ

بھی لگ سکتی تھی۔ پر آپ شکر کریں کہ وہ ٹھیک ہے اس لیے آپ سب کو چھوڑ رہا ہوں لیکن آگر آئندہ پھر کبھی ایسی کوئی غلطی ہوئی تو مجھ سے بھی اچھے کی کوئی امید نا رکھئے گا۔" ابراہیم نے اپنے عضب کو قابو میں رکھتے، ٹھوس لہجے میں پرنسپل کو اپنی بات بہت اچھے سے سمجھادی تھی۔

"نہیں نہیں پریشان مت ہوئے، ان شاءاللہ آگے سے آپ کو ایسی کسی پریشانی کا سامنہ نہیں کرنا پڑے گی مسٹر ابراہیم!" پرنسپل ابراہیم کو غصہ میں دیکھ جلدی سے چاپلوسی کرتے کہا تھا، اب وہ پاگل تھوڑی تھا جو اپنے سکول کے اتنے بڑے ڈونر کو ناراض کر دے۔

"اوراپ دونوں ادھر آو" ابراہیم نے پرنسپل کو اگنور کرتے، اب کے ان بچوں کو اپنی جانب بلایا تھا۔ "بوائز! فائٹنگ (لڑائی جھگڑا) گندے بچے کرتے ہیں جبکہ گڈ بوائز ہمیشہ اپنے سے چھوٹے بچوں کا خیال رکھتے ہیں۔ لیکن آپ نے جیسے اس بچی سے لڑائی کی اس حساب سے تو آپ بیڈ بوائز ہوئے نا کیا آپ کو اچھا لگے گا جب کوئی آپ کو بیڈ بوائے کہے گا؟؟" ابراہیم نے نرمی سے انہیں سمجھاتے آخر استفسار کیا تھا۔

"نو انکل!" وہ دونوں بچہ فٹ سے نفی میں سر ہلاتے بولے تھے۔

"گڈ! تو پھر مجھ سے پرامیس کریں کہ آپ اب سے کسی بچے کو تنگ نہیں کریں گے۔"

ابراہیم نے اپنا ہاتھ آگے کرتے نرمی سے عدہ لیا تھا۔ جس پر بچوں نے اوکے انکل کہا تھا۔ ان کے انداز پر ابراہیم ہلکے سے مسکرایا تھا اور ان کے بال بکھیرتے واپسی کے لیے اٹھا تھا۔

پرنسپل جو ابراہیم کے سخت رویے پر تھوڑا نروس سہ تھا، اس کا بچوں کے ساتھ انتہائی نرم رویے دیکھ حیران رہ گیا تھا۔ جس کے لہجے میں اس وقت مٹھاس ہی مٹھاس تھی۔ ابراہیم چاہتا تو بچوں کے والدین کو بلا کر، بچوں کو ڈانٹ یا مار بھی پڑوا سکتا تھا لیکن اس نے ایسا کچھ نہیں کیا تھا بلکہ بہت نرمی سے انہیں سمجھایا تھا۔ یہاں تک کہ اس دوران اس کے چہرے سے چند لمحے پہلے والے غصہ پرنسپل کو ڈھونڈنے سے بھی نا ملا تھا۔ پرنسپل ابراہیم کی شخصیت کے اس رخ سے کافی متاثر ہوئے تھے۔

عام طور جس ابراہیم کو آفس کے کام میں سر کھجانے کی بھی فرست نہیں ملتی تھی۔ آج وہ یہاں خاص اپنی بیٹی کے لیے سب کچھ چھوڑ کر آیا تھا، تاکہ سب پر واضع کر دے کہ اس کی بیٹی کو زرا سی بھی تکلیف پہنچائی گئی تو وہ یہاں کی اینٹ سے اینٹ بجانے میں دیر نہیں کرے گا۔

ابھی وہ اپنی اسی سوچ میں باہر کی طرف بڑھ رہا تھا جب گراونڈ میں بیٹھے کر روتے ہوئے بچے پر اس کی نظر گئی تھی۔ جس کے گھٹنے سے خون نکل رہا تھا۔ شاید چھٹی کے وقت ہونے والی دھکم پیل میں گرنے کی وجہ سے اسے چوٹ آئی تھی۔ گول مٹول رخساروں والا وہ بچہ جو آنکھوں پر ہاتھ رکھے رو رہا تھا۔ اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ اس کی روتے دیکھ ابراہیم کو نجانے کیوں خود میں ایک بے چینی کی سی کیفیت سرایت کرتی محسوس ہو رہی تھی۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ اس تک جاتا، ایک ہو بہو اس بچے کی مانند دیکھائی دیتا بچہ بے تابی سے اس کے قریب آیا تھا۔

"سعدی! کیا ہوا تجھے کس نے مارا ہے تجھے تو رو کیوں رہا ہے۔" وہ بچہ شاید ابھی تک اس بچے کے گھٹنے پر لگے زخم کو دیکھ نہیں پایا تھا۔ اس لیے بے تابی سے اس سے پوچھ رہا تھا۔ نجانے کیا بات تھی ان دونوں میں کہ ابراہیم یک ٹک ان کی طرف دیکھے گیا تھا۔

"آدم بھائی میرے گھٹنے پر چوٹ آئی ہے۔" سعدان صاحب نے فوراً سے اپنے ہمدرد کو پاتے لاڈ سے اس کے گلے لگتے روہانسے لہجے میں اطلاع دی تھی۔ اپنے سے محض پانچ منٹ بڑے بھائی سے اس وقت سعدی کو ماں اور باپ دونوں کی فیلنگ محسوس ہو رہی تھی۔ آدم اس کے لیے اس کا جڑواں بھائی نہیں تھا بلکہ اس کے لیے اس کا سب کچھ

تھا۔

"سعدی! یو رار بریو بوائے یار! چلو پہلے لڑکیوں کی طرح رونا بند کرو پھر میں تمہیں ٹیچر کے پاس لے چلتا ہوں وہ تمہاری ڈریسنگ کر دے گی۔" آدم نے اپنے معصوم سے سعدی کو تھوڑا سہ ڈانٹ کر پھر پیار سے کہا تھا۔

وہ لاکھ سعدی کا بڑا بھائی بننے کی کوشش کرتا لیکن حقیقت تو یہی تھی کہ وہ بھی اسی کی طرح چھوٹا بچہ تھا جو اپنی ٹوینی کے گھٹنے پر زخم دیکھ کر تڑپ اٹھا تھا۔ اسی وجہ سے اس کا چہرہ بھی رونے والا ہو گیا تھا۔

"آدم بھائی درد ہو رہا ہے۔" سعدی بامشکل آدم کا سہارا لیتے اٹھتے ہوئے بولا تھا۔ جس پر اس سے پہلے کہ آدم جواب دیتا، دور سے آتی عدن بول پڑی تھی۔

"سعدی بھائی آپ کو چوٹ آئی ہے؟" عدن کا دھیان ابھی تک کچھ فاصلہ پر کھڑے ابراہیم کی جانب نہیں گیا تھا۔ جو اسے ان دونوں بچوں کے پاس دیکھ کر چونک گیا تھا۔ اچانک ابراہیم کے ذہن میں عدن کی وہ باتیں گونجی تھی جس میں اس نے بتایا تھا کہ سعدی نے اس کی مدد کی تھی۔

اس کے قدم برجستہ ان سب کی طرف بڑھے تھے۔

"عدن!" ابراہیم کی پکار پر ان تینوں کا دھیان بٹا تھا۔عدن تو پر جوشی سے چیختے ہوئے ابراہیم کے ساتھ جا گی تھی۔ جبکہ آدم اور سعدان آنکھوں میں ایک حسرت لہرا ابھری تھی۔آدم جلدی سے ان سے نظریں چرا کر اپنے بھائی کو لے آکر آگے بڑھا تھا۔اس ننھے سے شہزادے کو کہاں برداشت تھا کہ اس کے سعدی میں کسی قسم کی تشنگی کا احساس ہو۔

"آدم، سعدی بھائی! کیا آپ میرے بابا سے نہیں ملیں گے۔"عدن ان کو آگے بڑھتے دیکھ مایوسی سے بولی تھی۔ابراہیم البتہ نجانے کیوں خاموش سامع بنا کھڑا تھا۔

"نہیں وہ سعدی کے گھٹنے پر چوٹ آئی ہے تو مجھے اسے ٹیچر کے پاس لے کر جانا ہے۔" آدم نے نہایت سنجیدگی سے دومنٹ رک کر ان کی جانب دیکھا تھا۔

ابراہیم کو وہ بچہ اپنی عمر سے بڑا لگا تھا۔ہاں وہ بڑا ہی تو تھا جو پانچ سال کی عمر میں دس پندرہ سالہ بچے کی طرح پیش آتا تھا۔شاید اس نے بہت جلد سیکھ لیا تھا کہ اسے اور اس کے بھائی کو سنبھالنے والا کوئی نہیں ہے۔اس لیے اب اسے ہی سب کچھ کرنا ہے۔اس کی نسبت سعدان خوش نصیب تھا جو اس کے پاس آدم جیسا سہارا موجود تھا۔

"روکو بیٹا! میں لے چلتا ہوں۔" ایک دم عدن کو نیچے اتارتے ابراہیم نے آگے بڑھتے سعدان کو اٹھانا چاہا تھا۔ جس پر آدم نے پیچھے کی جانب ہوا تھا۔

"نہیں انکل وہ میرا ٹوینی ہے۔ اس کی ذمہ داری مجھ پر ہے اس لیے اپنے بھائی کو میں خود لے کر جاؤں گا۔" آدم کی احساس ذمہ داری دیکھ ابراہیم کو اچھا لگا تھا۔

"ڈونٹ وری لیٹل پرنس! آپ کے ٹوینی کو میں بھی ٹیچر کے پاس ہی پہنچاؤں گا۔" ابراہیم نے آدم کے بال بکھیرتے سعدان کو گود میں لیتے اس کی گالوں پر بوسہ دیا تھا۔ سعدان جو حسرت لیے کب سے ابراہیم کی جانب دیکھ رہا تھا۔ ابراہیم کی اس ہر حرکت پر جھنپ سا گیا تھا۔

آج تو حیرت کا مقام تھا کہ بیوٹی کانشیس آدم صاحب اپنے بال خراب ہونے پر کچھ بول ہی نہیں پائے تھا شاید یہ ابراہیم کے لہجے کی مٹھاس تھی جس نے چھوٹے شہزادے کو اپنے سحر میں جکڑا تھا۔ لیکن تھا وہ بھی اپنے نام کا ایک جس نے چہرے سے اپنے جذبات کا زرا سہ بھی اظہار نہیں کیا تھا۔ بس خاموشی سے ابراہیم کے ساتھ چل دیا تھا۔

اس وقت ابراہیم کے ایک طرف عدن تھی تو دوسری طرف آدم تھا۔ جبکہ سعدان صاحب ابراہیم کی گود میں چڑھے خوشی سے پھولے نہیں سما رہے تھے۔ ابراہیم سے

آتا عجیب سہ خوشگوار احساس اس نرم دل سعدان کو آدم جیسا لگ رہا تھا اس لیے بے ساختہ وہ ابراہیم کی گردن میں منہ چھپائے اپنے درد کو بھول گیا تھا۔اس کی اس ادا پر جہاں ابراہیم کو انجانی سی خوشی اور سکون کی دولت میسر ہوئی تھی وہی آدم کی جیلسی کا گراف بڑا تھا کہ یہ اس کاٹوینی کیسی گستاخی کر رہا تھا۔مطلب حد تھی کہ وہ آدم دی گریٹ کو چھوڑ کر اس انکل کا دیوانہ ہو رہا تھا۔

ہمم ایک عدن اور ایک اس کا باپ دونوں ہی اس کے سعدی کو اس سے چھننے کی کوشش کر رہے تھے۔اچانک آدم کے دل سے یہ سرگوشی کی تھی۔جس پر وہ منہ بسورہ کر سر جھٹک گیا تھا۔

@@@@@@@@@@@

جائے نماز پر بیٹھی،حیا کے چہرے کے گرد اس وقت نور کا ایک ہالہ بنا ہوا تھا، خوبصورت آنکھیں نم پلکوں کے بھار تلے دبی ہوئی تھی, بھیگے رخصار سرخ مائل نظر آرہے تھے۔کپکپاتے گلابی ہونٹ کچھ کہنے کے لیے پھڑ پھڑاتے نظر آرہے تھے۔ایسے جیسے کوئی دعا بہت شدت سے ان ہونٹوں پر آرہی ہو لیکن پھر کسی ڈر سے واپس مڑ جاتی ہو۔حیا کے جسم پر ایک لرزا طاری تھی۔یوں گویا جس ذات کے دربار میں وہ بیٹھی ہے

اس کا غضب اسے ہولا رہا ہو۔اچانک حیا کے لب اپنی جد وجہد میں کامیاب ہوئے تھے اور ان فقل ٹوٹا تھا۔

"کیا آپ کو بھی لگتا ہے کہ میں غلط کر رہی ہوں؟ مجھے ان دونوں کے ساتھ ایسا نہیں کرنا چاہیے۔انہیں اپنے پاس رکھنا چاہیے؟" حیا کے لہجے میں انجانا سہ ڈر، کانچ جیسی چبھن کا احساس اور نجانے کیا کچھ ناتھا۔

"یارب! آپ کی بندی بہت کمزور اور ناتواں ہے۔میں اس بات سے ڈر لگتا ہے کہی اگر انہوں نے مجھ سے پوچھ لیا کہ ان کا باپ کہاں ہے۔باقی سب کی طرح وہ ان کے ساتھ کیوں نہیں رہتا؟ تو پھر میں کیا جواب دوں گی۔" انجانے خدشوں کا ناگ اس کے لہجے میں چھپا بیٹھا تھا۔

"یااللہ! میرا دل بھی ان کو سینے سے لگانے کو تڑپ رہا ہے۔لیکن میں ان کو کھونا نہیں چاہتی۔کل کو جب ان کو اپنی حقیقت معلوم ہو گی تو مجھ سے نفرت کریں گے۔اس لیے میں چاہتی ہوں کہ وہ شروع سے مجھ سے نفرت کرنا شروع کر دیں۔مجھ سے دور رہیں تاکہ کل کو جب وہ زیادہ نفرت کریں تو مجھے اتنی تکلیف نا ہو۔بلکہ ایسا کریے گا کہ آپ مجھے جلد اپنے پاس بلا لیجئے گا تاکہ مجھے کبھی یہ سب دیکھنا ناپڑے۔" اف کیسی

تکلیف تھی، کیسا درد تھا جو اس موم سی لڑکی کے ذات کے گرد موجود تھا۔ نجانے کیا تھا ان بچوں کی حقیقت جس کے سامنے آنے سے وہ ڈر رہی تھی۔

روتے روتے وہ سجدے میں گر گئی تھی کہ اچانک دل میں ایک بے چینی کی لہر اٹھی تھی، جیسے اس کے بچوں میں سے کسی کو تکلیف پہنچی ہو۔ اس کا بے تاب دل اپنے دل پنجرے کی قید سے رہائی مانگنے لگا تھا کہ گویا وہ اڑ کر اپنے بچوں کے پاس پہنچ جائے۔ یہی تو ماں ہوتی ہے جو اپنے بچوں پر آئی چھوٹی سے چھوٹی تکلیف کو بھی میلوں دور سے بھانپ جاتی ہے۔

وہ حیا جو اپنے بچوں کو خود سے دور رکھنے کا کچھ لمحے پہلے کہہ رہی تھی۔ اب وہ بے تاب سے واڈرن کا نمبر ٹرائی کر رہی تھی، جو تین چار بیل کے بعد بھی اٹھایا نہیں گیا تھا۔ حیا کو لگا تھا کہ وہ پاگل ہو جائے گی، اس لیے بغیر کچھ سوچے سمجھے وہ بورڈنگ سکول کی جانب چل پڑی تھی۔ کیسی عجیب بات تھی نا کہ دو پل دور رہنا گوارا نہیں تھا اور چلی تھی ان کو خود سے ہمیشہ کے لیے دور کرنے۔۔۔۔

@@@@@@@@@@

"سر! مسٹر محراب مراد اپنے مینجر کے ساتھ تشریف لا چکے ہیں۔ میں نے انہیں ویٹنگ

روم میں بیٹھایا ہے۔"کیف جو اپنے آفس میں بیٹھا فائل فائنلائز کر رہا تھا۔پیون کی بات پر خوشی سے اٹھتے،ایک دم اسے ڈانٹ گیا

"نکمے تو نہیں وہاں کیوں بیٹھایا ہے۔جاؤاب جلدی سے کافی کا ارینج کرو۔"کیف نے پیون کو ہدایت دیتے،خود بے تابی کے عالم میں اپنے قدم باہر کی جانب بڑھائے تھے۔

"اوکے سر!"پیون نے کیف کی حالت پر اپنی حیرانی کو چھپاتے،مؤدب سے انداز میں سر جھکا کر جواب دیا تھا۔اور خود بھی اس کے ساتھ ہی آفس سے نکل گیا تھا۔

محراب کے ساتھ تو کیف کا تعلق بھی بہت خاص قسم کا تھا،آخر کو اس نے اپنی بہنوں جیسی کزن،اپنی لڑائی پاٹنر جو دی تھی اسے،لیکن اگر کیف آفندی کو یہ پتہ چل جاتا کہ ایراج آفندی کیسے اس محراب آفندی کے ساتھ رہ رہی ہے تو یقیناً ایک آدھ ہڈی بچارے محراب کی بغیر کسی قصور کے ٹوٹ ہی جانی تھی۔

"السلام وعلیکم!"کیف کو کمرے میں داخل ہوتے سمجھ نہیں آیا تھا کہ آخر سامنے موجود شخص کو کیسے مخاطب کرے،اس لیے اس کے پیچھے جا کر ایک دم سے سلام کر گیا تھا۔

Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

محراب جو آفس کی کھڑکی سے باہر دیکھتا مضطرب سی آنکھیں لیے کھڑا تھا۔ کیف کی آواز پر اپنے حوصلہ کو یک جا کرتے مڑا تھا اور کیف کی جانب ہاتھ بڑھاتے بولا

"وعلیکم السلام! مسٹر کیف آفندی، نائیس ٹو میٹ یو۔۔۔" محراب کے لاتعلق سے لہجے پر کیف دھک سے رہ گیا تھا۔ وہ جو بھول گیا تھا کہ آخر اتنے سال پہلے کیا ہوا تھا، اس بدلہ ہوئے محراب آفندی کو دیکھ کر اچانک اس کے دماغ میں جھماکا ہوا تھا۔ اس کے چہرے کی لو اچانک بجھ سی گئی تھی۔

"اتنا فارمل ہونے کی ضرورت نہیں ہے تمہیں! ویسے بھی جو ہوا اس میں ہم سب کی کوئی غلطی نہیں تھی اس لیے موڈ ٹھیک کرو۔" یک دم اپنی آنکھوں میں آئی نمی کو پیچھے دھکیلتے کیف نے زبردستی محراب کو گلے سے لگایا تھا۔

برسوں بعد محراب مراد کے سسکتے دل کو ہلکی سی ڈھارس ملی تھی آخر کو یہی تو اس کے اپنے تھے۔ وہ کسی ایک انسان کی سزا کسی دوسرے کو دینے کا قائل نہیں تھا۔ لیکن پھر بھی کیف سے نارمل ملنے میں جھجھک محسوس کر رہا تھا۔ پر کیف کے بے تکلف رویے پر اسے بھی حوصلہ ملا تھا اور آنکھیں شدت جزبات سے نم ہوئی تھی۔ پاس کھڑے محراب کے مینجر نے حیرت سے یہ منظر دیکھا تھا۔

"تم تو بھول ہی گئے محراب مراد! کیسے ایک کی سزا بہت اچھے سے تم نے ہم سب کو دی ہے۔ جانتے ہو میں نے ابراہیم نے تم تک پہنچنے کی کتنی کوشش کی ہیں لیکن تم نے تو خود کو غائب ہی کر لیا تھا ہوں جیسے کبھی دوبارہ سامنے نہیں آؤ گے۔ چلو میری تو خیر تھی لیکن تم نے ابراہیم کا بھی خیال نہیں کیا جو حیات کے جانے کے بعد بہت اکیلا ہو گیا تھا۔" مینجر کو باہر بھیجتے کیف نے شکوہ کیا تھا۔ جس پر محراب پھیکا سہ مسکرا دیا تھا۔

"مانتا ہوں چھوٹے کے تم مراد انکل کی کمپنی کو لے کر اس وقت کرائسس کا سامنہ کر رہے تھے لیکن اگر تم ہمارے ساتھ ہوتے تو ہم مل کر بہتر طریقہ سے حالات کا مقابلہ کر سکتے تھے۔" کیف نے اس کو خاموش دیکھ کر مزید کہا تھا۔

لیکن محراب اس پر محض پھیکا سہ مسکرا دیا تھا وہ اسے یہ نا بتا پایا تھا کہ اپنی ماں کے ابراہیم پر کیے گئے ظلم جو جان چکا تھا، جن پر شرمندہ ہونے کے باعث، وہ ابراہیم کی نظروں سے نظریں ملانے کی کبھی ہمت نا کر پایا تھا۔

"ابراہیم کہاں ہے؟" محراب نے کیف کے شکوہ کے جواب میں جھجھک کر یہ سوال پوچھا تھا۔ جس پر کیف نے اس چند منٹ دیکھنے کے بعد گہرا سانس بھرا تھا۔

"تمہارے آنے کی خوشی میں میں اسے بتانا تو بھول ہی گیا۔ اصل میں کل کچھ بچوں نے

اس کی بیٹی کو دھکا دیا تھا۔جو کہ ابراہیم کو قطعاً نہیں برداشت تھا اسی لیا وہ آج اپنی بیٹی کے سکول کمپلینٹ لے کر گیا ہے۔"کیف نے محراب کو اپنے آفس میں لاتے،ساتھ ہی ابراہیم کے نمبر پر محراب کے آنے کا میسج چھوڑتے،اسے آگاہ کیا تھا۔

اس بات سے قطع نظر کہ ابراہیم کی بیٹی کا سن کر محراب کے چہرے پر ایک رنگ آرہا تھا تو دوسرا رنگ جارہا تھا۔

@@@@@@@@@

"بندریا کیا ہوا ایسے کیوں منہ پھلائے بیٹھی ہو؟"آفندی کے لاونج میں ٹی وی کے سامنے بیٹھی اکیس بائیس سالہ حسین دوشیزہ کے ساتھ بیٹھتے منیب آفندی اس کے کندھے سے کندھا ٹکڑا کر بولا تھا۔

وہ جو اس وقت کسی اور ہی سوچ میں گم تھی،اس کی انداز پر بغیر رد عمل ظاہر کرتے روہانسے لہجے میں بولی۔

"مجھے ایراج آپی،کیف بھائی،ابراہیم بھائی،حیات آپی اور داد لوگ سب بہت یاد آرہے ہیں منیب"آفندی ولا کی وہ چھوٹی سی منہا جو اب ایک حسین ترین دوشیزہ کا

روپ دھار چکی تھی،اس وقت بالکل بدلی بدلی سی لگی تھی۔جس نے منیب کے بندریا کہنے کا برا نہیں منایا تھا۔

منہا کی بات پر منیب چند لمحوں کے لیے خاموش ہو گیا تھا۔اسے سمجھ نہیں آیا کہ وہ منہا کی اس بات کا کیا جواب دے۔اس لیے اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھوں میں لیتے نرمی سے تھپتھپا گیا تھا۔

"سب بکھر گیا ہے منیب ! آخر ہمارے خاندان کو کسی کی شاید بری نظر لگ گئی۔"منہا نے منیب کے کندھے پر سر رکھتے آہستہ سے دل غبار نکالا تھا۔جس پر منیب نے اس کے گرد اپنا بازو پھیلائے اسے خود کے قریب کیا تھا۔

ایک وقت کے ٹام اینڈ جیری پر بھی وقت نے بہت اثر چھوڑا تھا کہ وہ اس دور کی بہترین دوست بنے بیٹھے تھے۔جن کو چند ماہ پہلے گھر والوں نے نکاح جیسے بندھن میں باندھ دیا تھا۔

"منہا بندریا پلیز چپ کر جاؤ۔دیکھو تمہارے آنسوں نے میری ساری شرٹ خراب کر دی ہے۔"منیب جو منہا کی بات پر اپنے لب سختی سے بھینچ گیا تھا۔کچھ دیر بعد اپنی بندریا کا موڈ ٹھیک کروانے کی خاطر جانب بوجھ کر اسے چھڑ گیا تھا۔جس پر حسب

معمول منہا چڑ بھی گئی تھی۔

"ہاں تو اپنے شوہر کی قمیض خراب کر رہی ہوں نا تمہیں اس سے کیا مسئلہ ہو رہا ہے۔ چپ کر کے بیٹھے رہو ورنہ ماما سے تمہاری شکایت لگا دوں گی۔" ایک دم منیب کو گھورتے منہا نے شو شو کرتے جواب دیا تھا۔

ہائے منیب آفندی تو اپنی بیوی کے اس نداز پر قربان ہی ہو گیا تھا۔ اس لیے ہنسی دباتے شرارت سے بولا

"اچھا کیا شکایت کرو گی چھوٹی ماما سے زرا میں بھی تو سنو" منیب نے یک دم گھمبیر میں اس کی جانب جھک کر شرارت سے چمکتی آنکھیں لیے، اس کے فرار کے تمام راستے بند کرتے پوچھا تھا

"زیادہ ٹھرک پن کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ایک تو تھوڑا سہ تمہیں موقع دو تو پھیلنے لگتے ہو جا رہی ہوں۔ پیچھے ہٹو مجھے بھوک لگی ہے میں کیچن میں جا رہی ہوں۔"

منہا نے ناک کی نتھنے پھلا کر کلس کر کہا تھا اور منیب کو پیچھے کی جانب دھکا دیتے خود اٹھ کر کیچ کی جانب بھاگی تھی۔

جبکہ منیب نے قہقہ لگاتے، اپنی ڈرپوک بندریا کے اڑے چہرے کا لطف لیتے خود ٹی وی کی جانب متوجہ ہو گیا تھا۔ وہ وقتی طور پر تو منہا کا دھیان ان سوچوں سے ہٹا چکا تھا۔ لیکن جانتا تھا کہ یہ سب مسئلہ کا حل نہیں ہے۔ اس نے دل موصم ارادہ کر لیا تھا کہ وہ اس بار کم از کم کیف کو تو گھر لانے کے لیے منا کر ہی رہے گا جس سے وہ ان سالوں میں وقتاً فوقتاً ملتا رہا تھا۔

@@@@@@@@@@@

"اللہ حافظ آدم اینڈ سعدان بھائی! کل ملتے ہیں بائے بائے" کیونکہ چھٹی تو ہو گئی تھی، اس لیے ابراہیم آفس واپس جانے کی بجائے، خود عدن کے ساتھ ان دونوں کو ہاسٹل چھوڑنے آیا تھا۔ جو اس وقت شیشہ سے باہر ہاتھ نکالتے سامنے واڈرن کے ساتھ کھڑے سعدی اور آدم کو دیکھ پر جوشی سے ہاتھ ہلانے لگی تھی۔

جس پر سعدی نے بھی خوش دلی سے ہاتھ ہلایا تھا، البتہ آدم ویسے ہی منہ پھلا دوسری طرف دیکھتا رہا تھا۔ ابراہیم جس کو سعدان کے گلے لگنے پر آج ایسا سکون ملا تھا جیسا اسے عدن کو گلے لگا کر ملتا تھا، یا شاید یہ سکون اسے کچھ خاص قسم کا لگا تھا جو اس کی روح تک سیراب کر گیا تھا۔ اس کا شدت سے دل چاہ رہا تھا کہ وہ آدم کو بھی اپنے سینے سے لگا

کر دیکھے، جن سے آتی خوشبو اسے بہت جانی پہچانی سی لگ رہی تھی۔ لیکن پھر اپنی سوچ پر سر جھٹکتے، کیف کا میسج دیکھتے وہ عدن کو لے کر آگے بڑھ گیا تھا۔

اس گاڑی کے نکلتے ہی ایک دوسری گاڑی ہاسٹل کے احاطے میں آکر رکی تھی۔ جس کو دیکھتے ہی سعدان کے ساتھ ساتھ آدم کے چہرے پر بھی رونق چھائی تھی۔

گاڑی کا دروازہ کھولتے حیا بے تابی سے باہر نکلی تھی اور اپنے سعدان کے گھٹنے پر لگی چوٹ دیکھ کر تڑپ کر ان کی جانب بڑھی تھی۔

یہ منظر دور جاتی گاڑی کے مرر سے ابراہیم جاسم آفندی نے بھی خاموشی سے دیکھا تھا۔ کافی دیر تک ان بچوں کو سینے سے لگاتی اس لڑکی کے پشت پر موجود ڈوپٹے کے نیچے سے نظر آتی مضبوط کالی لمبی بالوں کی چوٹی نے اسے کافی دیر خود میں الجھائے رکھا تھا۔ نجانے کیوں اس پل اس کا دل شدت سے دھڑکا تھا وجہ وہ سمجھنے سے قاصر تھا

"ماما کی جان یہ کیا ہوا سعدی؟ یہ چوٹ کیسے لگی تمہیں؟" حیا نے اپنے دونوں بچوں کو سینے میں بھینچتے، ان کے چہروں پر جابجا بوسے دیتے بے قراری سے پوچھا تھا۔ واڈرن نے اس منظر پر اپنی نم آنکھیں صاف کی تھیں۔

وہ ماما میں گر گیا تھا۔"ماں کو دیکھتے لاڈ اٹھوانے کا شوق لیے سعدی صاحب نے معصومیت سے کہا تھا البتہ دوسری جانب آدم تو بس اپنی ماں کی گردن میں منہ دیے خاموشی سے پڑا تھا۔وہ حد سے حساس بچہ تھا، جس کو ماں کی کمی بہت محسوس ہوتی تھی۔

اپنے بچوں کے اجڑے چہرے اور ان زخموں کو دیکھ کر حیا کو خود کے ماں کہلانے پر شرمندگی ہوئی تھی کہ کیسی ماں تھی وہ کہ جس کے بچے سب کچھ ہوتے ہوئے بھی یوں محروموں جیسی زندگی گزار رہے تھے۔اپنے ہر ڈر کو دور پھینکتے اس نے آج کڑے دل سے فیصلہ کر ہی لیا تھا اور اپنے شہزادوں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس عذاب سے نکالتے وہ اپنے سنگ گھر واپس لے آئی تھی۔

@@@@@@@@

آفندی ویلا میں بہار کا موسم آکر ٹھہر سہ گیا تھا۔اس کا چپا چپا ہر وقت بس خوشی کے شادیانے بجاتا نظر آ رہا تھا۔بڑے ابا کے چہرے سے تو مسکراہٹ کبھی جدا ہوتی نہیں تھی۔آخران کی بیٹی کا اس گھر سے رشتہ مضبوط ہونے جا رہا تھا تو پھر مسکراہٹ دور ہوتی بھی کیسے؟نکاح میں محظ پانچ دن رہ گئے تھے۔ویسے تو مراد صاحب اور ان کی فیملی نے آج آجانا تھا لیکن فلائیٹ لیٹ ہو جانے کی وجہ سے اب وہ پرسوں یہاں آ رہے

تھے۔ایسے میں ہر کوئی شدت سے ان کے آنے کا منتظر تھا سوائے اس شہزادے کے جس کے جسم سے جان بس یہ سوچ سوچ کر نکلنے والی ہو رہی تھی کہ حمیرہ بیگم کے آتے ہی حیات کو اس سے الگ کر دیا جائے گا کیونکہ پانچ ماہ تو وعدہ کے مطابق پورے ہو چکے تھے۔

ان سب حالات میں مسلسل ذہنی دباؤ اور احساس جرم کی وجہ سے پچھلے چند روز سے ابراہیم کے سر میں عجیب سہ درد رہنے تھا۔جو ہر گزرتے دن کے ساتھ بڑھتا ہی چلا جا رہا تھا۔اسے کبھی کبھی محسوس ہونے لگتا تھا کہ یہ درد اس کی جان لے لے گا یا اسے پاگل کر دے گا۔لیکن پھر بھی وہ سب کے سامنے اپنے سپاٹ چہرے پر قفل لگائے رکھتا تھا۔تا کہ کوئی اس کے اندر ہوتی ٹوٹ پھوٹ نا پڑھ لے۔اس وقت بھی وہ سب کے ساتھ لاونج میں خاموشی سے بیٹھا بظاہر تو ان کی باتوں کو سن رہا تھا لیکن حقیقت میں تو اس کی سوچ کہیں اور ہی پرواز کر رہی تھی۔

حیات جو سب کو چائے سرو کر رہی تھی اس کی مستقل نظریں ابراہیم پر تھی۔بہت دنوں نے سے وہ ابراہیم کے چہرے پر ابھرتے اس گڑھے کو شدت سے مس کر رہی تھی جو معلوم نہیں کہاں کھو گیا تھا اور آج تو اسے بہت اضطراب سی کیفیت محسوس ہو

رہی تھی۔ نجانے کیوں اس کا دل بہت برا ہونے کے احساس سے شدت سے دھڑک رہا تھا۔

"بڑے صاحب وہ اس دن والی آپکی مہمان آج پھر آئی ہے۔آج تو ان کے ساتھ ایک لڑکی بھی ہے وہ دونوں اس وقت لاونج کے دروازہ پر کھڑی اندر آنے کی منتظر ہیں۔" اچانک اس ماحول میں ملازمہ کی آواز گونجی تھی۔ جس نے سب کا دھیان کھینچا تھا۔ جبکہ فیض آفندی کا چہرہ کسی خدشہ کے تحت سپید پڑ گیا تھا۔

افشاں بیگم بھی یہ بات سنتے جہاں تھی وہی کی وہی کھڑی رہ گئی تھی۔اس سے پہلے کہ کوئی کچھ کہتا،اچانک سے باہر کھڑی عورت اندر چلی آئی تھی۔

"فیض آفندی! لو دیکھ لو۔اپنے وعدہ کے مطابق ایک بار پھر آپ کے گھر میں حاضر ہو گئی ہوں اور اس بار میں اپنے بیٹے سے مل کر ہی رہوں گی۔ نہیں جاوں گی" عسرہ بیگم انابیہ کا ہاتھ پکڑے،اندر داخل ہوتے سپاٹ چہرے سے زہر خندہ لہجے میں بولیں تھی۔

وہ اپنے بزنیس ٹور سے واپسی پر گھر جانے کی بجائے سیدھا یہی آئیں تھی۔ساتھ ہی انہوں نے گھر سے انابیہ کو بھی بلوالیا تھا کیونکہ وہ یہ معاملہ آج آر یا پار لگا کر ہی رہنا چاہتی تھی۔

ان کی آمد جہاں کیف آفندی کے لیے حیرت کا باعث تھی، وہی فیض آفندی اور افشاں بیگم کے لیے ایک بہت بڑا دھچکہ ثابت ہوئی تھی، ان سب میں ایک تیسرا وجود ابراہیم بھی تھا جو یہ آواز سنتے پتھر کا ہو چکا تھا۔ یہ وہ آواز تھی جس کو سننے کے لیے پچھلے پچیس سالوں سے اس کے کان ترس رہے تھے۔ لیکن آج اس آواز نے اس کے اندر خوشگوار لہر نہیں دوڑائی تھی، بلکہ اس کے زہریلے پن نے ابراہیم کے اندر ہچل مچادی تھی۔ ابراہیم کی کمر چونکہ عسرہ بیگم کی طرف تھی اسی وجہ سے وہ اسے ابھی تک دیکھ نہیں پائی تھیں۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"یہاں کیا لینے آئی ہو عسرہ؟ کیا تمہیں میری بات سمجھ نہیں آئی تھی کہ تمہارا یہاں کوئی نہیں ہے۔ جواب پھر سے منہ اٹھا کر یہاں کیوں چلی آتی ہو۔؟" افشاں بیگم غصہ سے بے قابو ہوتے عسرہ بیگم کے پاس آئی تھی اور حقارت آمیز لہجے میں بولی تھی۔

کیف کو کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ آخر یہ سب ہو کیا رہا ہے۔

"افشاں ٹھیک کہہ رہی ہے۔ یہاں تمہارا کوئی بیٹا نہیں رہتا، اس لیے جلدی سے نکلو یہاں سے۔۔۔" بڑے ابا بھی کٹیلے لہجے میں بولے تھے۔

"ایک منٹ فیض آفندی! شکر کرو کہ تمہارے ساتھ اپنے کسی پرانے رشتے کے تقدس

کا خیال رکھتے، میں تمہیں اس عمر میں کڈنیپنگ کے کیس میں اندر نہیں کروا رہی ورنہ جو تم میرے بیٹے کو چوری کرنے کے جرم میں تم ابھی جیل کے اندر ہوتے۔

اور افشاں بھابھی آپ ویسے بڑی احسان فراموش عورت نکلی ہیں ایک تو صرف اور صرف آپ کے کہنے پر میں نے بڑے ابا کے ہر فیصلہ کو ماننے سے انکار کیا تا کہ آپ خوش رہیں لیکن آپ تو الٹا میری دشمن بنی بیٹھی ہیں۔

ویسے آپ کا یہ حسد سمجھ سکتی ہوں میں کہ جاسم نے آپ پر مجھے فوقیت دی تھی نا اس لیے ایسے کر رہی ہیں نا۔ لیکن ایک بات بتاؤ آپ پر اس بار آپ کے بیٹے نے میری بیٹی کو فوقیت دی ہے۔ جو اس وقت تمہارے بیٹے کے نکاح میں ہے۔" عسرہ بیگم تمسخر اڑاتے لہجے میں افشاں بیگم کو سلگا گئی تھی۔

جبکہ گھر کا ہر فرد اس وقت ان انکشافات کو اور ان حالات کو سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ جبکہ ابراہیم جس کی ذات تو اس وقت زلزلوں کی زد میں تھی۔ یہ سب آوازیں ابراہیم کے دماغ میں ہتھوڑے کی طرح بج رہی تھی۔ جن کی تکلیف شدت اختیار کرنے لگی تھی، اس لیے وہ اپنے سر کو ایک ہاتھ سے زور زور سے دبانے لگا تھا۔ حیات جو ساتھ کھڑی تھی، بے چینی سے اس کی حالت دیکھتے، مضبوطی سے اس کا کندھے پر ہاتھ رکھ

گئی تھی۔شاید وہ ابراہیم کو اپنی موجودگی کا احساس دلانے چاہتی تھی۔

انابیہ جو کب سے عسرہ بیگم کے ہاتھ میں پکڑی اپنی کلائی چھڑانے کی تگ ودو میں مبتلا تھا،اپنا ہاتھ پر گرفت ڈھیلی ہوتے فوراً کیف کی جانب بڑھی تھی جو سن ہوتے دماغ کے ساتھ کھڑا تھا۔

"بکواس بند کرو خائن کہی کی دفعہ ہو جاو یہاں سے اور۔۔"افشاں بیگم پاگل ہوتی عسرہ کو دھکا دیتے،انابیہ کی جانب لپکی تھی جو کیف کا بازو پکڑے ان حالات میں سہمی سی کھڑی تھی۔

"دور رہو میرے بیٹے سے پاگل لڑکی،دور ہو نہیں تو میں تمہیں جان لے لوں گی۔"

افشاں بیگم انابیہ کو کھینچ کر کیف سے دور کرتے،اس کا گلا دباتے بس اس کی جان لینے کے درپر تھیں۔

"کیا کر رہی ہیں ماما! پاگل مت بنیں،وہ مر جائے گی چھوڑیں اسے۔۔اس بچاری کا کیا قصور ہے اس سب میں"کیف نے نیند سے جاگتے فوراً سے افشاں بیگم کو پیچھے کرنے کی تگودو کرتے چیخ کر کہا تھا۔

"افشاں چھوڑو میری بیٹی کو، اگر آج وہ اس حالت میں ہے تو وہ بھی تمہاری وجہ سے ہے اگر تم مجھ سے وعدہ نا لیتی کہ میں بڑے ابا کے ساتھ کبھی تمہارے گھر نا آوں اور نعمان سے شادی سے انکار کر دو تو کبھی بابا میری شادی کامران سے نا کرواتے، اور وہ لالچی شخص جس کو صرف میری دولت سے غرض تھا وہ کبھی مجھے اور میری بیٹی پر ظلم نا کرتا اور نا کبھی میری بیٹی اس حال میں پہنچتی۔۔۔پلیززز اس کو چھوڑ دو۔" عسرہ بیگم بھی اپنی بیٹی کو اس سے چھڑا کر، ہر حقیقت فیض آفندی کے سامنے کھول رہی تھی۔

جبکہ افشاں بیگم جن کو کیف نے اور دانش نے بڑی مشکل سے انابیہ سے دور کیا تھا، وہ اس بات پر اور بھڑک اٹھی تھی۔

"ہاں تو ایک دفعہ تو تم جاسم کو مجھ سے چھین چکی تھی، اب کیا اپنے بچوں کے باپ کو بھی میں تمہارے ساتھ بانٹ لیتی، پاگل سمجھ رکھا ہے کیا مجھے میرا بس چلتا تو تمہارا قتل کر دیتی لیکن مجھے موقع نہیں ملا اور اگر تم نے اتنا ہی میرا وعدے کا پاس رکھا ہوتا تو اپنے منحوس بیٹے کو بھی اپنے پاس ہی رکھتی نا، جس نے یہاں آ کر میرا دل جلانے کے سوا کیا ہی کیا ہے نامرد کہی کا۔۔۔" افشاں بیگم تو لگتا تھا کہ حسد اور نفرت کی آگ میں اندھی ہوئی یہ بھی بھول بیٹھی تھی کہ آخر وہ کہہ کیا رہی ہیں۔

ان کی زبان کے جوہر دیکھتے ہر کوئی صدمہ کی کیفیت میں مبتلا تھا۔

"بس بہت ہوا!" یک دم کب سے خاموش کھڑے بڑے ابا دھاڑے تھے۔

"افشاں میں نے ساری زندگی تمہیں اپنے بچوں سے زیادہ چاہا کہ کہیں کل کو قیامت کے دن مجھے اپنے بھائی بھابھی کے سامنے شرمندہ نا ہونا پڑے کہ میں انکی بیٹیوں کا خیال نہیں رکھ پایا، یہاں تک کے تمہارے لیے میں نے اپنے لاڈلے بیٹے کو تمہیں چھوڑنے کی وجہ سے گھر سے عاق کردیا حالانکہ وہ تو پہلے دن سے مجھے کہہ رہا تھا کہ بابا میں عسرہ سے محبت کرتا ہو پلیز آپ یہ شادی مت کروائیں۔ لیکن میں نے ہی اس کی بات نامانی۔ نتیجہ میں نے اسے ہمیشہ کے لیے کھو دیا، وہ مجھ سے معافی کی امید سینے میں دفنائے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مٹی میں جا سویا

مجھ سے گناہگار باپ بھی کسی نے دیکھا ہو گا جو اپنے بھائی کی نظروں میں اٹھتے اٹھتے بیٹے کی نظروں میں گر گیا۔ لیکن پھر کیا ہوا اپنے بیٹے کی آخری خواہش کو پورا کرنے کے لیے کہ اس بیٹے کو اس کی جڑوں سے منسلک رکھا جائے میں اسے یہاں لے کر آ گیا۔ اور میں نے کوئی چوری نہیں کی تھی بلکہ فاروق لغاری (عسرہ کے باپ) کے سامنے سے ابراہیم کو لے کر آیا تھا۔ وہ چاہتے تو مجھے روک سکتے تھے۔

اور پھر یہاں لانے کے بعد تم نے کیا کیا افشاں اسے ماں کی محبت دینے کی بجائے تکلیفیں ہی دیں۔ میں پوچھتا ہوں کیوں؟ کیوں تم نے عسرہ کو یہاں آنے سے روکا؟ آخر کیوں تم میری محبتوں کے جواب میں صرف ایک لمحہ کا بھی کوئی صلہ نا دے سکی؟" بڑے ابا غم و یاسیت میں ڈوبے یک دم افشاں بیگم سے حساب مانگنے لگے تھے۔

"ہم آپ کی ایسی محبت سے اچھی تو غیروں کی نفرت ہی ہوتی ہے۔ ایسی محبت سے اچھا آگر آپ مجھے کچھ نا دیتے تو وہی بہتر تھا۔ ویسے بھی بچپن سے مجھے یہی سکھایا گیا تھا کہ جاسم میرا ہے تو پھر اب جب اپنی چیز چھن جانے کا حساب میں نے لیا ہے تو ایسے کیوں پوچھ رہے ہیں۔ جیسے میں نے گھا کر دیا ہو اور آپ نے کبھی ہم بہنوں پر کوئی احسان و حسان نہیں کیا، ہمیشہ وہی دیا جو ہمارا حق تھا۔ اس لیے یہ حساب و کتاب اپنے پاس رکھیں۔" ہر حد پار کرتی افشاں بیگم نے تنفر سے کہا تھا۔

ان کے بچہ، پیار کرنے والا شوہر اور ہر فرد اس وقت ان کو افسوس، غم اور غصہ سے ملی جلی کیفیات کی نظر سے دیکھ رہا تھا۔ جو بے حسی کے مینار پر اس وقت چڑی کھڑی تھی۔

جب بڑے بچوں پر اپنی مرضی مسلط کرتے ہیں، اور بچپن سے ہی اپنے بچوں کے دل میں کسی ایک کا نام ڈالنا شروع کر دیتے ہیں تو پھر افشاں بیگم اور جاسم آفندی جیسے لوگ

ہی سامنے آتے ہیں۔اس لیے اگر آپ نے بچوں کے لیے بچپن سے ہی کسی ہمسفر کو سوچ لیں تو انہیں اپنے بچوں کے دماغ میں نا بٹھائیں بلکہ اپنے تک محدود رکھیں اگر ان کے بڑے ہونے پر موزوں موقع ملے تو اسے پورا کریں۔ورنہ اگر بچپن سے سینے میں پنپتی خواہش پوری نا ہو تو پھر افشاں بیگم جیسے نفسیاتی انسان جنم لیتے ہیں۔

اور دوسری بات ماں باپ کو شادی کے وقت بچوں کی ترجیحات کو سامنے رکھنا چاہیے کیونکہ زبردستی سے بنائے گئے رشتے کبھی پائیدار نہیں ہوتے۔

@@@@@@@@@@@@@

"افشاں بھابھی ! آپ نے جو بھی کیا یا جو بھی کچھ ہو چکا ہے میں اب ان میں سے کسی کو ڈسکس نہیں کرنا چاہتی مجھے بس میرے بیٹے سے ملوادیں میں چلی جاؤں گی۔"اس سنجیدہ ماحول میں عسرہ بیگم جو انابیہ کو خود کے ساتھ لگائے کھڑی تھی، کی آنسوں سے بھری آواز گونجی تھی۔

"آپ کا بیٹا یہاں ہے۔"ان کی التجاء میں ممتا کی ایسی تڑپ تھی کہ حیات نے ایک دم ان کا دھیان اس طرف کروایا تھا۔جبکہ ابراہیم جس کا وجود کسی بھی وقت بھر بھری مٹی کی مانند بس ڈھے جانے والا تھا، اسے اس وقت سر میں اٹھتی ٹھیسوں کے علاؤہ کچھ

محسوس نہیں ہو رہا تھا، اس کی نظروں کے سامنے بچپن سے لے کر اب تک کے سارے تکلیف دہ مناظر فلیش بیک کی طرح چلنے لگے تھے۔ ہر منظر اسے دھندلا ہوتا نظر آ رہا تھا۔

"اا۔۔۔اب۔۔۔ابی!۔۔۔ مم۔۔۔میرا۔۔ابر۔۔۔ابراہیم۔۔۔" عسرہ بیگم کی سالوں سے تڑپتی ممتا نے جوش مارا تھا اور وہ دیوانہ وار ابراہیم کی جانب بڑھی تھی۔ اور ابراہیم کے سامنے جاتے بے تابی سے اس کے ہر نقش کو دیکھنے لگی تھی۔

وہ بہت ہی دل سوز منظر تھا۔ جب ایک تڑپتی ماں سالوں بعد اپنی بیٹے کو دیکھ رہی تھی لیکن اس ڈر سے چھو نہیں پا رہی تھی کہ کہی وہ خواب نا ہو۔۔۔ آفندی ویلا کا ہر شخص اس وقت نم آنکھوں سے انہیں دیکھ رہا تھا۔ سوائے افشاں بیگم کے جنہیں ان سب سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ جو بس حقارت سے کیف کے پیچھے چھپی انابیہ کو دیکھ رہی تھی

ماں سامنے کھڑی تھی لیکن بظاہر ابراہیم کا خفا دل نظریں جھکائے کھڑا تھا۔ حالانکہ حقیقت میں شہزادہ کے سر کی تکلیف بڑھتی جا رہی تھی ہر منظر دوسرے منظر میں گڈ مڈ ہو رہا تھا، وہ اٹھ کر ماں کو سینے سے لگا کر شکوہ کرنا چاہتا تھا۔ لیکن اسے خود میں طاقت

کا فقدان محسوس ہو رہا تھا۔

"ابی میری جان!" عسرہ بیگم نے محبت سے پکارا تھا۔ پر اس شہزادے کے سر کا درد حد سے تجاوز کرتے، ابراہیم کو آنکھ بند کرنے پر مجبور کر گیا تھا۔ آخر وقت کو شاید رحم آگیا تھا اسی لیے شہزادے کے وجود کو ہر تکلیف سے رہائی دی جانے کا فیصلہ کر ہی لیا گیا تھا

ابراہیم کے یوں ہوش و حواس سے بیگانہ ہونے پہ ہر شخص چیخ اٹھا تھا، عسرہ بیگم مجسمہ بنی کھڑی تھی تو دوسری طرف فیض آفندی بھی دل پر ہاتھ رکھتے ڈھے گئے تھے۔ محبت تو انہوں نے بھی پوتے سے کمال کی تھی اس لیے اس کے ساتھ ہی آنکھیں موند گئے تھے۔ حیات تو بس پاگل ہونے کے درپہ ہو گئی تھی۔ یہاں تک کہ وہ بھی بے ہوش ہو گئی تھی۔ کچھ دیر پہلے خوشیوں سے چہکتی اس حویلی پر کالے بادلوں کا سایہ گہرا ہوا تھا اور وہاں قہرام مچ گیا تھا۔

@@@@@@@@@@@@

ابراہیم پیچھلے دو گھنٹے سے مسلسل آئی سی یو میں تھا۔ اس کا نروس بریک ڈاؤن ہوا تھا۔ یہ خبر گھر والوں کے اصاب پر بجلی کی مانند گری تھی۔ دوسری طرف بڑے ابا جن کو انجینا کا اٹیک ہوا تھا وہ بے ہوشی کے عالم میں بھی ابراہیم کو پکار رہے تھے۔ ہاسپٹل میں اس

وقت گھر کے تمام مردوں کے ساتھ صرف عسرہ بیگم موجود تھی۔

دوسری طرف گھر پر ایراج، منہا، دامن اور فوزیہ بیگم مل کر انابیہ اور حیات کو سنبھال رہی تھی۔انابیہ کو تو پھر ایراج نے نیند کی گولی دے کر سلا دیا تھا۔جبکہ حیات کی حالت بہت خراب تھی۔وہ لوگ بار بار اسے ہوش میں لاتی تھی لیکن حیات پھر سے غش کھا کر بے ہوش ہو جاتی تھی۔اسی لیے انہوں نے قریبی ڈاکٹر کو بلایا تھا۔ڈاکٹر نے حیات کا چیک اپ کرتے وقت سب کو کمرے سے نکال دیا تھا۔

وہ لوگ اس کے کمرے کے باہر اس وقت پریشانی سے بیٹھی ڈاکٹر کی منتظر تھی سوائے افشاں بیگم کے، جو اس وقت انتہائی پر سکون دیکھائی دے رہی تھی۔ایسے جیسے انہیں اس سب سے کوئی سروکار ہی نا ہو۔

"ڈاکٹر کیا ہوا ہے حیات کو؟"ڈاکٹر کے باہر آتے ایراج بے صبری سے آگے بڑھتی بولی تھی۔

"ڈونٹ وری بیٹا! وہ ٹھیک ہے۔بس اس صورتحال کو وہ قبول نہیں کر پا رہی اس لیے وہ بے ہوش ہو رہی ہیں۔پریشان مت ہوں میں اسے نیند انجیکشن لگا دیا ہے۔اب کچھ دیر جب وہ صبح نیند سے جاگیں گی تو وہ بہتر ہو نگی۔آخری بات آپ کو اس کا بہت زیادہ

خیال رکھنا ہے کہ اس کو زیادہ سٹریس نا ہو کیونکہ سٹریس ان کے لیے اور ان کے بچے دونوں کے لیے خطرناک ہے۔" ایراج جس نے ڈاکٹر کی پہلی بات پر شکر کا سانس لیا تھا۔ان کی دوسری بات پر دم بخود رہ گئی تھی۔

وہی نہیں بلکہ وہاں موجود ہر شخص کا یہی حال تھا۔جبکہ افشاں بیگم جو کہ جہاں دیدہ عورت تھی۔مری سے آنے کے بعد پہلے ہی حیات میں آئی ان تبدیلیوں کو محسوس کر چکی تھی، لیکن ہمیشہ اپنے خیال کو اپنی غلط فہمی سمجھ کر جھٹکتی رہی تھی۔کیونکہ کہی نا کہی وہ بھی اس بات کو مانتی تھی کہ ابراہیم کبھی وعدہ خلافی نہیں کر سکتا۔وہ تو اس انکشاف پر سن ہو گئی تھی۔تو کیا ابراہیم کا وہ سچ جس کو انہوں نے برسوں چھپایا تھا وہ باہر آنے والا تھا۔ان کے ذہن میں تو ماضی کی جھلکیاں اس کے ساتھ ہی ابھرنے تھی۔

"دیکھیں میڈم یہ جو آپ کہہ رہی ہیں۔ایسا بالکل بھی ممکن نہیں ہے۔فرض کریں کہ آج اگر میں جھوٹ بھی بول دیتا ہوں کہ یہ بچہ کبھی باپ نہیں بن سکتا لیکن جب آپ کے گھر والے کسی دوسرے ڈاکٹر کے پاس اسے لے کر جائیں گے تب یہ راز کھل جائے گا اور بات میرے ہاسپٹل پر آئے گی جو میں برداشت نہیں کر پاوں گا۔" ڈاکٹر نے افشاں بیگم کو ان کے پیسے واپس لوٹاتے ہوئے کہا تھا۔

"ڈاکٹر تمہیں بس جتنا میں نے کرنا کا کہا ہے تم بس اتنا کرو اور بدلہ میں میں تمہیں یہ پانچ کروڑ بھی تو دے رہی ہوں۔اور میں یقین دلاتی ہوں کہ تمہارا یہ راز میں کبھی نہیں کھلنے دوں گی اور نا تمہارے ہاسپٹل پر کبھی آنچ آنے دوں گی۔" افشاں بیگم نے زہر خندہ لہجے میں ان سے کہا تھا۔اور پھر ہر چیز ان کی منشا کے مطابق ہوئی تھی۔

اس بچہ کی زندگی برباد کرنے میں انہوں نے کوئی کسر نا چھوڑی تھی۔ لیکن وقت اب برسوں تلے اس راز کو باہر لا رہا تھا۔ نہیں وہ ایسا نہیں ہونے دے سکتی تھی۔ کبھی نہیں!!! اگر ابراہیم کا بچہ پہلے دنیا میں آگیا تو مطلب وہ سب کا لاڈلا بن جائے گا اور ان کے بچوں کے بچے کبھی لاڈلے نا بن پائیں گے۔اور وہ نفسیاتی مریضہ کبھی یہ برداشت نہیں کر پاتی اس لیے ان کے زنگ لگے دماغ نے ایک اور چال چلنے کا سوچا تھا۔

@@@@@@@@@@

صبح کے پانچ بج رہے تھے۔ لیکن سردی ہونے کی وجہ سے آسمان پر ابھی اجالے کی کوئی امید نظر آنا شروع نہیں ہوئی تھی۔ایسے میں جیسے ہی حیات کی آنکھ کھلی اس نے ابراہیم کے پاس جانے کی ضد باندھ لی تھی۔ایراج جو اس وقت اس کے پاس تھی وہ چاہ کر بھی اس سے بچے کے متعلق پوچھ نہیں پا رہی تھی۔اسے حیات پہ یقین تھا وہ اپنی

دوستی پر شک نہیں کر سکتی تھی۔یہی وجہ تھی کہ وہ اس بات کو جھٹکے ڈاکٹر کی ہدایت پر عمل کرتے اسے ہاسپٹل جانے سے روکے ہوئے تھے۔کیونکہ ابراہیم ابھی تک بے ہوش تھا۔اس کا علاج چل رہا تھا۔وہاں جاکر سوائے پریشان ہونے کے حیات نے کرنا بھی کیا تھا۔یہی وجہ تھی کہ ایراج نے اسے ہاسپٹل کا نام تک نہیں بتایا تھا کہ کہی وہ وہاں چلی ہی نا جائے۔پر حیات جس کے لیے ابراہیم کے بغیر اب ایک پل بھی اکیلے رہنا مشکل تھا۔وہ ایراج سے چھپتے ہوئے نیچے آگئ تھی اور اس وقت لاونج کے دروازے پر کھڑی باہر جانے کو تیار تھی۔

"اے بد چلن آوارہ لڑکی! اتنی صبح صبح کیا اب پھر سے کہی پر منہ کالا کرنے جارہی ہو۔" افشاں بیگم کے نفرت اور حقارت میں ڈوبے الفاظ پر حیات نے حیرانگی سے انکی جانب دیکھا تھا۔اسے سمجھ نہیں آیا تھا کہ ایسے برے الفاظ افشاں مامی نے کس کے لیے استعمال کیے ہیں۔

"میرے سامنے یہ اتنی بھولی بننے کی ضرورت نہیں ہے تمہیں آوارہ لڑکی! سب جانتی ہوں میں تمہارے بارے میں، تمہارا نامرد شوہر جب تمہارا تمہاری ضروریات کو پورا نہیں کر سکتا۔تو تم اپنی نفسانی خواہشات کو پورا کرنے کے لیے کہی اور منہ مار کر آئی ہو۔

لیکن بڑی نادانی کر دی تم اپنے گناہ کو چھپا نہ سکی جواب تمہارے اندر گناہ کی صورت پل رہا ہے۔"اللہ اللہ وہ عورت بول نہیں رہی تھی بلکہ ایسی تہمت لگا رہی تھی جو کہ اس پاک باز عورت حیات ابراہیم نے کی ہی نہیں تھی۔وہ خود کو فرعون سمجھتے ہر حد پار کرنے کو تیار تھیں۔

"یی۔۔۔یہ آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں آنٹی! مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہا" حیات آنسوئں سے لبالب ہوئی آنکھوں کو صاف کرتے، بے یقینی سے ٹوٹے لہجے میں ان سے استفسار کر رہی تھی۔جبکہ ایراج جو حیات کے ڈھونڈتے ہوئے یہاں آئی تھی۔ایک دم حیات کو پکڑتے بولی تھی۔

"تم ان باتوں پر دھیان مت دو حیات! وہ کچھ اہم نہیں کہہ رہی۔تم چلو کمرے میں تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔میں تمہیں پکا بعد میں بھائی کے پاس لے جاوں گی" ایراج کی بات پر جہاں افشاں بیگم کا غصہ سوا نیزے پر پہنچا تھا۔وہی حیات کو کچھ ڈھارس ملی تھی کہ ہاں وہ غلط نہیں تھی شاید مامی کو غلط فہمی ہوئی تھی۔

"ایراج چھوڑو اس خرافہ لڑکی ہو۔جو نجانے کس کے ساتھ منہ کالا کر کے آئی ہے اور اب ڈھٹائی سے اپنے پیٹ میں اس کا بچہ لیے گھوم رہی ہے۔اس کے ساتھ تم رہی تو

کہیں اس کا اثر تم پر بھی نا ہو جائے۔" ایراج کو حیات سے پیچھے کھینچتے افشاں بیگم نے حیات کی روح کو لہولہان کیا تھا۔

"کیسی باتیں کر رہی ہیں بڑی ماں؟ مجھے پورا یقین ہے کہ حیات کے پیٹ میں پلتا بچہ ابراہیم بھائی کا ہے۔اس لیے اب آپ کو الزام لگانے کی ضرورت نہیں تھی۔جب وہ یہاں آئیں گے تو سب کلیر ہو جائے گا۔" ایراج نے اپنی بازوں ان کی گرفت سے آزاد کرواتے، بے صبری سے حیات کو سنبھالا تھا جو افشاں بیگم کے جھٹکے پر گرنے لگی تھی۔

"ارے جاو جاو! کیا میں نہیں جانتی کہ وہ ابراہیم نامرد ہے وہ کبھی باپ نہیں بن سکتا تو پھر یہ وضاحتیں کسی اور کو دینا بھی تو بس مجھے اس گند کو گھر سے نکالنا ہے۔اور خبردار جو تم اس سب میں پڑی ایراج، یقین کرو اس سب کا بدلہ دامن کی طلاق کروا کر لوں گی میں۔۔۔" افشاں بیگم نے زہر خند لہجے میں کہتے، نا صرف ایراج کو بلکہ شور سن کر وہاں آتی فوزیہ بیگم اور دامن کو بھی منجمد کر دیا تھا۔وہ حیات کو بازو سے گھسیٹتے باہر لائی تھی۔اور دروازے سے باہر دھکیلتے ہوئے بولی تھی۔

"نکل جاو یہاں سے اس سے پہلے کہ سب گھر والے اور ابراہیم یہاں آئے اور تم جیسی بدچلن عورت کا پتہ چلتے وہ غیرت میں تمہارا قتل کر دیں۔ویسے اگر تم اتنی عقل والی

ہوئی تو دوبارہ کبھی یہاں نہیں اوں گی۔اور ہاں کان کھول کر سن لو جب ابراہیم کو تمہاری اس کالی کرتوتوں کا پتہ چلے گا ناتو وہ تمہیں طلاق دینے میں وقت نہیں لگائے گا۔ اس لیے اگر طلاق کا دھبہ خود پر لگنے سے بچانا چاہتی ہو تو یہاں کبھی نا آنا!!"افشاں بیگم اس کو منہ اندھیرے میں باہر نکالتے اندر چلی آئی تھی۔جبکہ ایراج جو ہوش میں آتے باہر کی جانب لپکی تھی اسے بازؤں سے گھسیٹتے وہ کمرے میں جا کر بند کر چکی تھی۔ جس پر اپنی بڑی بیٹی کے طلاق کے ڈر سے فوزیہ بیگم کچھ نا بولی تھی اور دامن کو بھی انہوں نے چپ کروادیا تھا۔

دوسری طرف حیات نا سمجھوں کی طرح سڑک کے بیچ و بیچ چلے جا رہی تھی۔اس کی آنکھوں سے آنسوں موتیوں کی صورت تہہ در تہہ گرے جا رہے تھے۔یہ سب اس کی سمجھ سے بالاتر تھا،اسے تو کوئی ایسا نازک لمحہ اپنے اور ابراہیم کے درمیان میں یاد نا آیا تھا جو اس کے پیٹ میں پلتے وجود کے بنے کی وجہ بنا ہو تو پھر یہ بچہ کس کا تھا؟؟کیا وہ واقع میں بد چلن تھی؟کیا افشاں بیگم ٹھیک کہہ رہی تھی؟نہیں اس نے کبھی ابراہیم سے بے وفائی نہیں کی تھی۔اس نے تو ہمیشہ اپنے شوہر سے بے انتہا محبت کی تھی وہ تو کبھی ایسا سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔پھر آخر یہ کس کا تھا؟حیات کا پہلے سے پھٹتا سر اب تو در

سے چور ہونے لگا تھا۔اسے کوئی ہوش نہیں تھا کہ وہ چلتے چلتے کہاں آگئی ہے۔اسے اپنے وجود سے کراہت محسوس ہورہی تھی۔ مر جانے کی شدید خواہش اس کے سینے میں ابھری تھی۔اور شاید یہ قبولیت کا لمحہ تھا کہ اس کی خواہش لبوں پر آنے سے پہلے پوری ہونے لگی تھی،اور وہ سامنے سے آتی گاڑی میں ٹکرا گئی تھی۔نیچے گرتے ہی اس کے سر کے گرد خون کا ایک تلاب سہ لگ گیا تھا۔اور لوگ اس کے ارد گرد جمع ہونے لگے تھے۔

جب کہ ائی سی یو میں بے ہوش پڑے اس شہزادے کے جسم نے بھی ایک اس وقت شدید جھٹکا کھایا تھا۔اور اس کے ہونٹوں نے نامعلوم سی سر گوشی کی تھی 'حیات'۔۔۔ ایسے جیسے اس کی روح کو بھی شہزادی کے دور جانے کی خبر ہو گئی تھی

@@@@@@@@@@

ہاسپٹل کے سرد کوریڈور میں کھڑے کھڑے انہیں رات سے صبح اور اب صبح سے شام ہو گئی تھی۔اس دوران بڑے ابا کو ہوش آچکا تھا۔ لیکن ڈاکٹر نے انہیں پر سکون رکھنے کے لیے دوائیوں کے زیر اثر رکھا تھا۔دوسری طرف ابراہیم کی حالت بھی اب پہلے سے ٹھیک تو تھی لیکن ابھی تک ہوش نہیں آیا تھا۔یوں لگ رہا تھا کہ مانو وہ ہوش میں آنا

ہی نہیں چاہتا ہو۔

ایسے میں عسرہ بیگم جن کی حالت رو رو کر خراب ہو رہی تھی۔ کیف ان کو دیکھ کر شرمندہ سہ ان کے پاس آیا تھا۔ اور ہولے سے انہیں بازوؤں کے گھیرے میں لیتے حوصلہ دینے لگا تھا۔ ان کے دھوکے نے پہلے اس کا دل تو دکھایا تھا۔ لیکن تمام حقائق جاننے کے بعد وہ بہت شرمسار تھا۔ کہ حقیقت میں اس کی ماں ہی سب کی گناہگار نکلی تھی۔

"کیف مجھے اپنے بچے کو دیکھنا ہے تم پلیز زز ڈاکٹر سے کہوں نا مجھے ابراہیم کے پاس جانے دیں۔" کیف کا سہارہ پاتے عسرہ بیگم اپنے دل کا غبار نکالتے ہوئے بولی تھی۔

"آپ پلیز زرو ئے مت آنٹی! میرے خیال سے اب آپ کو گھر جا کر آرام کرنا چاہیے۔ ویسے بھی ابراہیم اب ٹھیک ہے۔ جب وہ گھر آئے گا آپ مل لیجئے گا۔ ابھی میرے خیال سے آپ رہنے دیں کیونکہ کہی ایسا نا ہو کہ آپ کے جانے سے وہ پینک کر جائے۔" کیف نے انہیں ایک خیال کے تحت گھر جانے کا کہا تھا۔ جس پر عسرہ بیگم ضدی انداز میں سر ہلا کر بولیں تھی۔

"نہیں مجھے بس ایک بار اس سے مل لینے دو بس میں دور سے دیکھو گی پکا اسے کچھ نہیں

کہوں گی۔"عسرہ بیگم بہت قابل رحم لگ رہی تھی۔ جس پر کیف نے کچھ سوچتے سر ہلاتے ڈاکٹر سے بات کی تھی،اور پھر انہیں اندر بھیجا تھا۔

عسرہ بیگم کیف کے سہارے لرزتے قدموں سے اندر گئی تھی اور خاموشی سے اپنے بیٹے کو دیکھنے لگی تھی۔ جس کو دیکھنے کے لیے وہ ترس گئی تھی۔ وہ اس وقت اس ڈر سے پلکیں بھی جھپک نہیں رہی تھی کہ شاید کہی یہ سب خواب بن کر اڑ نا جائے۔ وہ بس اپنی آنکھوں کی سالوں کی پیاس کو آج بجھا لینا چاہتی تھی۔

کیف انہیں ابراہیم کے پاس موجود کرسی پر بیٹھا کر خود باہر چلا گیا تھا کیونکہ وہ ان دونوں کو کچھ پل دینا چاہتا تھا۔

"ا۔۔۔ابی میری جان! کیا اتنا ناراض ہو اپنی ماما سے کہ اس کا چہرہ بھی نہیں دیکھنا چاہتے۔ہاں مانتی ہوں کہ تم تک پہنچنے میں مجھے بہت سال لگ گئے ہیں۔ لیکن بتاؤں تمہاری ماما بہت کمزور ہے میری جان! وہ تو خود ان سالوں میں حالات کے ستم کی ماری رہی ہے تو پھر تم تک جلدی کیسے پہنچ جاتی" عسرہ بیگم ابراہیم کا ہاتھ پکڑتے پھک پھک کر رو دی تھی۔

"جانتے ہو ان سالوں میں کوئی ایسا پل نہیں تھا جب میں اپنے رب سے تمہیں واپس نا

مانگا ہو۔ تم تو میری اور جاسم کی محبت کی وہ نشانی ہو جس نے ہمیں مکمل کیا تھا۔ تمہیں پا کر تو ہم جینے لگی تھے۔ اس لیے کبھی یہ مت سوچنا کہ شاید ہمیں تمہاری پرواہ نہیں تھی۔ اور پھر تمہارے بابا نے تمہارے دادا کو جو بھی وعدہ دیا وہ بھی تمہاری محبت میں دیا تھا۔ تم ان سے بھی بدگمان مت ہونا، میری جان پلیز ایک بار اپنی ماں کو ماما کہہ کر پکار دو نا تاکہ میرے بے قرار دل کو سکون آجائے اس کے بعد اگر تم مجھے یہ بھی کہو گے میں یہاں سے چلی جاو تو یقین کرو کبھی اف بھی نہیں کروں گی "عسرہ بیگم ابراہیم کے ہاتھ پر اپنا سر رکھے گڑگڑا کر کہہ رہی تھی۔ ان کے لہجے میں ایسی تڑپ تھی کہ جس نے ارد گرد موجود ماحول کو اپنے حصار میں جکڑ لیا تھا۔

"مم۔۔۔ ماما۔۔۔ کیا میں اتنا برا ہوں کہ آپ میرے پاس اکر بھی واپس جانے کے بارے میں سوچ رہی ہوں۔" ابراہیم جو نجانے کب ہوش میں آیا تھا۔ اپنا ماسک اتارتے لرزتے ہوئے لہجے میں بولا تھا۔

جس پر عسرہ بیگم نے جلدی سے اپنا آنکھوں سے تر چہرہ اٹھایا تھا اور ابراہیم کے چہرے پر بوسہ دینے لگی تھی۔ سالوں سے تڑپتی ان کی ممتا کو ایک قرار سہ مل گیا تھا۔ دوسری جانب ابراہیم کی روح بھی اس خلوص بھرے اور دنیا کے انمول لمس کو محسوس کرتے

سیراب ہو گئی تھی۔اس کی آنکھوں سے نجانے کیوں اتنی محبت پر آنسوں بہہ نکلے تھے۔نجانے کون کون سے موقع اسے نظر نا آئے تھے جب اس ایک لمس کو اس نے شدت سے محسوس کیا تھا۔اسے لگا تھا کہ شاید یہ اس کی آزمائشوں کا اختتام ہے لیکن پھر بھی دل کا ایک کونہ اسے ویران ویران محسوس ہو رہا تھا، نجانے کیوں بار بار حیات کا چہرہ اس کی آنکھوں کے سامنے ابھرنے لگا تھا۔

@@@@@@@@@@

آفندی ویلا کے لاونج میں نعمان صاحب بیٹھے اپنے ماتھے کو پریشانی سے رگڑ رہے تھے۔ابھی کچھ دیر پہلے جب وہ کیف کے ساتھ اسپتال سے گھر چینج کرنے،اور اسپتال کھانا وغیرہ لے کر جانے کے لیے آئے تھے۔ایراج کے کمرے سے گزرتے وہاں سے آنے والی کسی کی مدھم آوازیں سننے کے بعد جب انہوں نے اسے باہر نکالا تو افشاں بیگم کے کرتوت جاننے کے بعد وہ نڈھال ہو گئے تھے۔اس بات میں سب لوگوں نے تہلکا مچا دیا تھا۔فوری طور پر ہر شخص حیات کی تلاش میں نکلا تھا۔

اور اب مسلسل پیچھلے دو گھنٹوں سے دانش، کیف، منیب اور مصطفیٰ صاحب حیات کی تلاش میں لاہور کی سڑکوں پر دربدر بھٹک رہے تھے۔کیف کا دوست انسپیکٹر اسد

بھی ذاتی طور پر اپنی ٹیم کے ساتھ سر گرم سہ سڑکوں پر گشت کر رہا تھا۔ کیونکہ ابھی حیات کے لاپتہ ہوئے بارہ گھنٹے نہیں گزرے تھے اس لیے اس کی رپورٹ بھی درج نہیں کی گئی تھی۔

وہ لوگ لاہور کے ایک ایک ہاسپٹل کو چیک کر چکے تھے لیکن کہی سے بھی حیات نامی لڑکی کے ایکسیڈینٹ کی اطلاع نہیں ملی تھی۔ اس وقت وہ سڑکوں پر موجود لوگوں کو حیات کی تصویر دیکھاتے اس کا پتہ کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ لیکن کوئی فائدہ نہیں ہو رہا تھا۔ ایسے لگ رہا تھا کہ جیسے اسے آسمان نگل گیا ہے یا زمین کھا گئی ہے۔ کیونکہ ایسے شہر میں جہاں حیات کا ان کے علاوہ کوئی دوسرا جاننے والا نہیں تھا۔ ایسے میں وہ کہاں جا سکتی تھی۔

دوسری طرف ابراہیم جو کب سے بس حیات کو دیکھنے کے لیے مضطرب تھا۔ عسرہ بیگم نے اسے اپنے ساتھ مصروف کرنے کی بہت کوششیں کی تھی تاکہ اس کا دھیان حیات کی طرف سے ہٹ جائے، کیونکہ ابھی ڈاکٹر کے مطابق وہ کسی قسم کا مزید صدمہ برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن رات کے سائے بڑھتے ہی ابراہیم نے حیات کے پاس گھر چلنے کی ضد لگا لی تھی۔ اس کی حالت پر بڑے ابا اور عسرہ بیگم کی آنکھوں میں نمی

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

چمکی تھی، کیونکہ وہ نہیں جانتے تھے کہ جب ابراہیم کو حقیقت معلوم ہوگئی تو ان کے شہزادے کا کیا حال ہوگا۔ لیکن پھر وہ اس کی ضد کو دیکھتے اسے گھر لیجانے کے لیے تیار ہو گئے تھے۔

ان سب میں نعمان صاحب ہونٹوں پر ایک قفل لگائے، لاونج کے صوفہ پر بیٹھے خود کا احتساب کرنے لگے تھے۔ وہ اپنی محبت پر شرمندہ سے تھے کہ انہوں نے جس لڑکی سے ساری زندگی ٹوٹ کر پیار کیا، اس کے لیے باپ تک کے خلاف جانے کو تیار ہو گئے، وہ تو آج تک جاسم سے بچھڑنے کے ملال کو سینے سے لگائے بیٹھی تھی۔ انہیں جو پیچھلے چوبیس سالوں سے اپنی محبت پر مان تھا کہ وہ افشاں بیگم کے دل میں ان کی جگہ بنا چکی ہو گی وہ پیچھلے چوبیس گھنٹوں میں ختم ہو گیا تھا۔

"نعمان صاحب! کھانا تیار ہے۔ آپ فریش ہو کر آجائیں میں ٹیبل پر لگاتی ہوں۔"

نعمان کی سوچوں میں خلل اچانک افشاں بیگم کیا آواز نے ڈالا تھا۔ جو بہت نارمل انداز میں کھڑی آنہیں کھانے کے لیے کہہ رہی تھی۔ افشاں بیگم کے پر سکون اور مطمئن چہرے کو دیکھ کر نعمان صاحب کا غصہ اود آیا تھا۔

"آخر تم کس ڈھیٹ مٹی سے بنی ہو افشاں جو اتنا کچھ ہو جانے کے بعد بھی پر سکون ہو۔

کیا تمہیں زرا سہ بھی ملال نہیں کہ تم نے اس بچی کو اس انجان شہر میں تنہا گھر سے نکال دیا ہے۔ جہاں اس کا ہمارے علاوہ کوئی اور جاننے والا بھی نہیں ہے۔ نجانے وہ کہاں ہو گئی۔" غصہ سے بولتے نعمان صاحب نے آخر میں ان کے لہجے میں ملال در آیا تھا۔

"ایک بد چلن اور زنانی لڑکی کو اپنے گھر سے نکال کر مجھے کسی قسم کا کوئی ملال نہیں ہے اور آپ بھی پلیز یہ ماتم ختم کر دیں اس کے شوہر کو جب حقیقت پتہ چلے گہ تو وہ بھی مجھے یقیناً کچھ نہیں کہے گا۔" افشاں بیگم ان کے غصہ کو کسی خاطر میں نالاتے ہوئے روکھے لہجے میں بولی تھی۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels | Afsana | Articles | Books | Poetry | Interviews

"بکواس بند کرو اپنی افشاں! تمہاری ہمت کیسے ہوئی میری بھانجی پر ایسے تہمت لگانے کی، کیا تم نے اسے اپنی آنکھوں سے بدکاری کرتے دیکھا تھا؟ جو اتنے اعتماد سے اس پر الزام لگا رہی ہو۔ اور اگر دیکھا بھی ہے تو جاؤ اپنے گواہ لے کر آؤ کیونکہ میں تمہاری بکواس تب تک نہیں مانو گا جب تک تم مجھے دو گواہ پیش نہیں کروں گی۔" نعمان صاحب باشعور انسان تھے اس لیے اسلام کی روشنی میں اپنی بیوی سے گواہ مانگ رہے تھے جو حیات کی بدکرداری کو ثابت کر سکے۔

"میرے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے سوائے اس بات کے اس کے پیٹ میں بچہ جنم لے

رہا ہے اور یہ بات تو آپ بھی جانتے ہیں کہ اس لڑکی کا شوہر تو نامرد ہے۔ تو پھر وہ ماں کیسے بن سکتی ہے۔ اب پلیز اس خرافہ لڑکی کا ذکر کرنا بند کریں۔" افشاں بیگم نے استہزائیہ انداز میں طنز مارا تھا۔

"اپنی زبان کو لگام دو افشاں!" اپنے اشتعال پر قابو نا پاتے نعمان صاحب نے زندگی میں پہلی بار افشاں پر ہاتھ اٹھایا تھا۔ جو شاید انہیں اسی وقت اٹھانا چاہیے تھا جب انہوں نے افشاں بیگم کو اپنے بیٹے کو حیات کی دولت ہتھیانے کے لیے اکساتے سنا تھا۔

"تم کوئی خدا سے مل کر نہیں آئی جو اتنے دعوے سے ابراہیم کو نامرد کہہ رہی ہو۔ ویسے بھی یہ سب اللہ کے کام ہے وہ جسے چاہے اولاد دے اور جسے چاہے بے اولاد رکھے، تم کسی ایک ڈاکٹر کی سٹیٹمنٹ پر ایسے نہیں کہہ سکتی۔ مجھے افسوس ہے کہ میں نے اتنے سال تم جیسی خود غرض عورت سے محبت کرنے میں برباد کر دیے۔

ویسے تم بہت لالچی نکلی افشاں کہ جب تک تم جانتی تھی کہ حیات اور ابراہیم کی طلاق کروا کر تم حیات کی دولت لینے میں کامیاب ہو جاؤ گی تب تک تو تمہارے لیے اچھی تھی لیکن آج ماں بننے سے وہ بچی اچانک تمہارے لیے حرافہ ہو گی۔ جانتی ہو آج مجھے پتہ چل گیا ہے کہ رب نے مجھے بیٹی کیوں نہیں دی کیونکہ اگر وہ ہوتی تو تم اسے اپنے

جیسا بنادیتی۔" نعمان صاحب اس وقت شدت جذبات سے کانپ رہے تھے۔ جبکہ افشاں تو بس سن دماغ سے نعمان صاحب کو دیکھ رہی تھی۔ ایراج، دامن، منہا اور فوزیہ بیگم بھی افسوس سے افشاں بیگم کی حالت دیکھ رہی تھی۔

"آپ کی ہمت کیسے ہوئی اس بد کردار کے لیے مجھ پر ہاتھ اٹھانے کی، آخر آپ بھی اپنے بھائی کی طرح ظالم نکلے، ایک نے مجھے شادی والے دن چھوڑ کر ظلم کیا تھا اور دوسرا آج مجھے اس عمر میں تھپڑ مار کر ظلم کر رہا ہے۔ اور ہاں میں تھی خود غرض کیونکہ میں اس منحوس ابراہیم کو اپنے بچوں سے آگے بڑھتا نہیں دیکھ سکتی تھی، اسی لیے میں وہ سب کیا، نہیں بلکہ میں نے توڈاکٹر کو پیسہ دے کر آپ سب سے جھوٹ بھی دلوایا کہ وہ نامرد ہے، بلکہ یہی نہیں زندگی کے ہر مقام پر میں نے اسے تکلیفیں دیں ہے۔ یہاں تک حیات کو بھی جان بوجھ کر گھر سے نکالا ہے کیونکہ میں برداشت نہیں کر سکتی تھی کہ اس منحوس کی اولاد میرے دانش کی اولاد سے پہلے آئے، لیں میں نے اپنے سارے جرموں کا اعتراف کیا ہے۔ اب کیا کریں گے ماریں گے مجھے تو ٹھیک ہے ماریں نا ڈرتی نہیں ہوں میں کسی سے" نعمان صاحب کا تھپڑ افشاں بیگم پر بجلی کی مانند گرا تھا، اسی لیے ہر حد سے پار کرتے پاگلوں کی طرح وہ اپنے ہر جرم کا اعتراف کرتی چلے جا رہی

تھی۔

ان کی بات نے ناصرف لاونج میں کھڑے لوگوں کو ساکن کیا تھا بلکہ اندر آتے کیف اور دانش لوگوں پر بھی بجلی گرائی تھی اور تو اور ان کے پیچھے کھڑے ابراہیم اور بڑے ابا لوگوں کے کانوں میں بھی زہر انڈیلا تھا۔

"آہ افسوس افشاں! کہ میں نے تم جیسی مطلبی لڑکی کو پانے کے لیے برسوں پہلے اپنے بھائی جاسم کو اپنی جان کی دھمکی دیتے انہیں بلیک میل کیا تھا اور انہیں تمہیں چھوڑنے پر مجبور کیا تھا۔۔۔آہ۔۔۔افسوس۔۔جانتی۔۔۔ہوں۔۔۔وہ بچارے تو بڑے ابا ۔۔۔کے سامنے اپنی محبت سے درست بردار ہونے کو تیار بیٹھے تھے۔ لیکن ۔۔۔میرے۔۔۔۔۔۔زہر کی بوتل ہاتھ میں پکڑ کر۔۔۔ان کو دھمکی دینے پر۔۔۔وہ بچارے تمہیں چھوڑنے پر راضی ہوئے تھے۔۔۔اور پھر انہوں نے میری خاطر ہر الزام خود پر لے لیا۔۔۔آہ کاش۔۔۔کے میرا بھائی۔۔۔مجھ جیسے خود غرض کو معاف کردے۔۔۔۔جو ان کی محبت کا کبھی۔۔۔۔۔۔۔۔۔قرض۔۔۔نہیں۔۔۔۔اتار۔۔۔ پایا۔" نعمان صاحب دل پر ہاتھ رکھتے تکلیف سے سالوں سے دل میں چھپے راز کو سب پر واضع کرتے ہمیشہ کے لیے آنکھیں بند کر گئے تھے۔

ان کے ڈھ جانے پر ہر شخص چیختے ہوئے ان کی جانب بڑھا تھا، جبکہ افشاں بیگم ان پر تو بس چپ لگ گئی تھی۔ مطلب سالوں پہلے جاسم انہیں اپنی محبت کی خاطر چھوڑ کر نہیں گیا تھا بلکہ وہ تو اپنے چھوٹے بھائی کی خوشی کی خاطر انہیں چھوڑ کر گیا تھا، جس نے افشاں سے بے انتہا محبت کی تھی۔ آج افشاں بیگم پر ہر راز افشاں ہوا تھا کہ وہ جو کہتی تھی کہ جاسم نے اس کی جھولی میں بدنامی کا داغ دیا تھا تو وہ بیوقوف تھی پس پردہ تو جاسم نے انہیں اپنے بھائی کی صورت میں ایسا تحفہ دیا تھا جس نے افشاں سے بہت انتہا محبت کی تھی۔ لیکن آج جب ان کی آنکھیں کھلی تھی تو سب کچھ ختم ہو چکا تھا، وہ تو اپنے تحفہ کو اپنے ہاتھوں سے گوا چکی تھی، جو ان کے دیے دکھوں کی تاب نالاتے ہوئے موت کے منہ میں چلا گیا تھا۔ آفندی ویلا میں ایک کہرام سہ مچ گیا تھا۔

@@@@@@@@@@

نعمان صاحب کی موت کو پندرہ دن گزر چکے تھے۔ ان کے جانے کے بعد ہر کسی کو چپ لگ گئی تھی۔ آفندی ویلا میں کچھ بھی پہلے جیسا نہیں رہا تھا۔ ہر چیز تباہ و برباد ہو گئی تھی۔ بڑی ابا ابراہیم کے پورشن میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے شفٹ ہو گئے تھے۔ جہاں عسرہ بیگم بھی اپنی بیٹی انابیہ کے ساتھ رہنے لگی تھی۔ افشاں بیگم پر ایک چپ طاری ہو

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

گئی تھی وہ ہر وقت خلاؤں میں گھورتی رہتی تھی۔یا پھر نعمان صاحب سے معافی مانگتے اکیلے میں رونے لگتی تھی۔صرف ایک فوزیہ بیگم ہی تھی جو اس وقت ان سے بات چیت کررہی تھی ورنہ تو سب نے ان سے بائیکاٹ کررکھا تھا۔

دوسری طرف مراد صاحب اور حمیرہ بیگم جو نعمان صاحب کی وفات پر یہاں پہنچ تھے۔اس ساری صورتحال نے انہیں انتہائی صدمہ سے دوچار کیا تھا۔اپنی لاڈلی بیٹی کے ساتھ ہوئے ظلم کی خبر مراد صاحب کے اساب پر بہت بھاری پڑی تھی۔ان کی طبیعت دن بدن گرنے لگی تھی۔انہوں نے اس گھر میں رہنے سے منع کردیا تھا جہاں ان کی بیٹی پر ظلم کیا گیا ہو۔اس لیے وہ محراب اور حمیرہ بیگم کے ساتھ ایک اپارٹمنٹ میں رہنے لگے تھے۔اس دوران وہ اپنی صحت کی پرواہ کیے بغیر بس ہر طرح سے اپنی بیٹی کو ڈھونڈ کرلانے میں لگے تھے۔

ایسے میں ایک وہ پاگل دیوانہ شہزادہ تھا۔جس نے سب پر چیخ چیخ کر اپنی بیوی کی بے گناہی ثابت کی تھی اور سب کو بتایا تھا کہ وہ بچہ اس کا تھا،اب تو حال یہ تھا کہ وہ اپنے صبح شام کی فکر بھلا ہر روز حیات کی تلاش میں نکل جاتا پھر اس وسیع رقبہ پر پھیلے لاہور کے ہر گھر ہر گلی ہر نکڑ پر حیات کو مارا مارا تلاش کرتا،ہر اسپتال اور پولیس اسٹیشن میں اس

نے حیات کی گم شدگی کی رپورٹ جمع کروادی تھی۔یہاں تک کہ وہ اپنے تمام وسائل استعمال کرتے خوفیہ طور پر بھی حیات کی تلاش کرنے لگا تھا۔وقت پر لگا کر اڑ رہا تھا۔ہر گزرتا دن اور گزرتی رات جہاں باقی سب کے حوصلوں پر اوس گرا رہی رھی وہی ابراہیم کے ارادوں کو مضبوط کررہی تھی۔اس کی شہزادی اور اس کے درمیان آیا یہ ہجر اسے قطعاً قبول نا تھا اسی لیے وہ ہر وقت حیات کی تلاش میں رہتا تھا۔

دنیاوی مدد کے ساتھ ساتھ اب تو وہ آسمان والے سے بھی مدد مانگنے لگا تھا،جس روز سے ہر حقیقت افشاں ہوئی تھی,اور حمیرہ بیگم نے روتے ہوئے اس سے معافی مانگتے اسے بتایا تھا کہ وہ جانے سے پہلے اسے معاف کرچکی ہیں۔اس روز سے ابراہیم ان سب میں اب خود کو بھی قصوروار جاننے لگا تھا۔اپنی تنہائیوں میں وہ رب سے گڑگڑا کر معافی مانگتا تھا،اس نے کوئی مسجد یا دربار نا چھوڑا تھا جہاں جاکر اس نے اپنی حیات کے لیے دعا نا کی ہو۔ہر فقیر ہر درویش کے ذریع سے اس نے مانگا تھا۔لیکن شاید رب نے اس کی دعا تو قبول کرلی تھی پر اسے کسی اور وقت کے لیے محفوظ کرلیا تھا۔

دیکھتے دیکھتے ایک سال کا عرصہ پَر لگا کر گزر گیا تھا۔تین ماہ پہلے مراد صاحب آخرکار حیات کو ڈھونڈنے کی ہر کوشش میں ناکامی کے بعد ہار مانتے اپنی جان سے بھی ہاتھ دھو

بیٹھے تھے۔ محراب کے لیے یہ سب ایک صدمے کی مانند ثابت ہوا تھا۔ وہ ہر وقت خود کو کمرے میں بند رکھتا تھا۔ ابراہیم سے ملنا تو اس نے اسی وقت بند کر دیا تھا جس وقت اس نے حمیرہ بیگم کو ابراہیم سے معافی مانگتے سنا تھا۔ اپنی ماں کی بے حسی نے اس چنچل سے لڑکے کو اندر ہی اندر مار ڈالا تھا، اب تو وہ اپنے باپ اور بہن کی جدائی پر صرف کمرے کا ہو کر رہ گیا تھا۔ یہاں تک کہ اس نے حمیرہ بیگم سے بات کرنا۔ بھی ترک کر دیا تھا کیونکہ اسے لگتا تھا کہ حیات کے ساتھ جو بھی برا ہوا ہے وہ کسی اور کا نہیں بلکہ حمیرہ بیگم کا کیا دھرا ہے۔ اس دوران لنڈن میں ان کے بزنیس میں منیجر نے گھپلا کر دیا تھا۔ جس کو سن کر محراب ہوش کی دنیا میں آیا تھا اور سارا سامان پیک کرتے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے یہ ملک چھوڑ کر جانے کو تیار ہو گیا تھا۔

حمیرہ بیگم جو پہلے ہی بیٹی کی جدائی پر تڑپ رہی تھی اور احساس جرم میں گرفتار تھی شوہر کی وفات پر ڈھے گئی تھی۔ غم کا ان پر اس قدر غلبہ ہوا تھا کہ ان کے نچلے دھڑ نے چلنے سے انکار کر دیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ ویل چیئر پر آ گئی تھی۔ محراب کی حالت ان کے لیے تشویش ناک تھی۔ انہیں لگتا تھا کہ وہ باپ کو کھونے کے غم میں شاید خاموش ہو گیا ہے۔ اس لیے انہوں نے جانے سے پہلے محراب کی نکاح خاموشی سے ایراج سے

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

کروا کرا سے اپنے ساتھ لے آئی تھی۔ کیونکہ جانتی تھی کہ یہ لڑکی ان کے بیٹے کی پہلی محبت ہے جو چاہے وقت کے ظلم میں کہی دب گئی ہو لیکن یہ محبت ہمیشہ ان کے بیٹے کو زندہ رکھنے میں مدد دے گی اور کبھی اس کے اندر موجود نرم دل محراب کو مرنے نہیں دے گی۔

دوسری طرف اس ایک سال میں کیف نے ابراہیم کے ساتھ بزنیس کو سنبھالا تھا۔ کیونکہ عسرہ بیگم کا بزنیس ابراہیم کے ساتھ ملانے کے ان سب کو اکیلے سنبھالا ابراہیم کے ممکن نہیں تھا وہ بھی تب جب حیات کی جدائی نے ابراہیم کو لا گر کر دیا تھا۔ جہاں سب حیات کے ملنے کی امید چھوڑ چکے تھے وہی صرف ایک کیف تھا جو ابراہیم کی سپورٹ بن کر کھڑا تھا اور ہر وقت اسے حوصلہ دیتا تھا کہ حیات اسے ضرور ملے گی۔ جبکہ اس دیوانے ابراہیم کو نجانے کیوں چند دنوں سے اب ان ہواؤں میں حیات کی خوشبو کی کمی محسوس ہونے لگی تھی۔ اسے یوں لگنے لگا تھا کہ جیسے وہ ان ہواؤں کو چھوڑ کر کہی جا چکیں ہے۔ یہ ہوائیں اب اس کے دم گھٹنے کی وجہ بنتی جا رہی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اب یہاں سے جانا چاہتا تھا۔ اور دوسرے شہروں میں حیات کو ڈھونڈنا چاہتا تھا۔ بڑے ابا اور عسرہ بیگم نے اس کی بات پر اسے سپورٹ کیا تھا اور یوں وہ لوگ بھی

لاہور چھوڑ کر کراچی شفٹ ہو گئے تھے۔ جہاں کیف بھی انابیہ کی خاطر گھر چھوڑ کر انہی کے ساتھ شفٹ ہو گیا تھا۔

@@@@@@@@@@

عدن کو گھر چھوڑنے کے بعد ابراہیم سیدھا آفس پہنچا تھا۔ جہاں کیف اور محراب اس کا انتظار کر رہے تھے۔ کیف کے آفس کی طرف جاتے ابراہیم کا دل شدت سے دھڑک رہا تھا۔ آنکھیں جزبات میں آئے طلاتم کے باعث سرخی مائل سی ہو رہی تھی۔ کیونکہ اتنے سالوں بعد وہ اس شخص سے ملنے جا رہا تھا، جو اس کی حیات کا ماں جایا تھا۔ ابراہیم نے دھڑکتے دل کے ساتھ کیبن کے دروازہ پر ہاتھ رکھا تھا، جو کھلتا ہی چلا گیا تھا۔

"شکر ہے ابراہیم تم آگئے ہم لوگ کب سے تمہارا ہی انتظار کر رہے تھے۔" ابراہیم کو دیکھ کر کیف نے شکر کا سانس لیا تھا۔ جبکہ محراب جس کی پیٹھ ابراہیم کی جانب تھی وہ تو بس خاموشی سے پیٹھ موڑے بیٹھا رہا تھا۔ محراب کی نیلی آنکھیں بھی اس وقت نم ہو رہی تھیں۔

ابراہیم کیف کی بات پر پھیکا سہ مسکراتے آگے آیا تھا۔ جبکہ کیف ان دونوں کو تنہا چھوڑتے کچھ دیر کے لیے نکل گیا تھا۔ جبکہ اب آفس میں موجود دو لوگوں کے باوجود

گھمبیر خاموشی کاراج تھا۔

"محراب! کیا میری غلطی اتنی بڑی ہے کہ تم آج تک مجھے معاف نہیں کر پائے۔"

ابراہیم اپنا لرزتا ہاتھ محراب کے کندھے پر رکھتے لب بھینچ کر کہا تھا۔۔

"ابراہیم بھائی!" شاید محراب کو اسی ایک ہمدرد لمس کی ضرورت تھی۔ جس کو پاتے وہ ہر ایک شکوہ اور ہر شرمندگی کو دور رکھتے ابراہیم کے سینے سے جا لگا تھا اور پھوٹ پھوٹ کر رو دیا تھا۔

"مجھے معاف کر دیں ابراہیم بھائی! میں ان سالوں میں آپ کے ساتھ کھڑا ہونے کی بجائے صرف خود میں الجھا رہا، پلیز مجھے معاف کر دیں میں اب اکیلے رہتے رہتے تھک چکا ہوں اور جہاں تک حیات سے متعلق بات ہے تو اس میں تو آپ کی غلطی تھی ہی نہیں، میں تو بس اس بات سے شرمندہ تھا جو ماما نے آپ کے ساتھ کیا تھا اسی لیے آپ کے پاس نا آ سکا۔" وہ نرم دل چھوٹا شہزادہ جس نے گزرے ماہ و سال میں خود پر ایک خول چڑھا لیا تھا۔ وہ آج ابراہیم کے سینے سے لگا، پھر سے چھوٹا بچہ بنا تھا۔ جس کے لیے ابراہیم کی ذات ایک ٹھنڈی چھاؤں کی مانند ثابت ہوئی تھی۔

"پھوپھو نے جو بھی کیا وہ ان کا فیل تھا محراب! اس میں تمہیں شرمندہ ہونا نہیں چاہیے

تھا اور جہاں تک حیات کی بات ہے تو دیکھنا وہ وقت دور نہیں ہے جب میرا رب مجھے اس سے ملادے گا۔ تم بس کی حفاظت کی دعا کردیا کرو وہی میرے لیے کافی تھا۔"

ابراہیم رب کی ذات پر مکمل یقین لیے بولا تھا اور جب یقین کامل ہو تو راستے آسان ہو جاتے ہیں۔

بات کرتے ہوئے حیات کے نام پر آئی ابراہیم کے لہجے میں موجود محبت اور عقیدت پر محراب نے غور سے اسے دیکھا تھا، وہ شخص جو اس بہن کے آنے کی آج تک امید لیے بیٹھا تھا تو اس نے کیسے سوچ لیا کہ وہ کسی اور سے شادی کرچکا ہو گا جس سے اس کی ایک بیٹی بھی ہے۔

"کیا کو اایسے کیوں دیکھ رہے ہو؟؟" محراب کو خود کی طرف محویت سے تکتے دیکھ ابراہیم پوچھ بیٹھا تھا۔

"بھائی ایک بات پوچھوں؟۔۔۔وہ کیف بتا رہا تھا کہ آپ کی ایک بیٹی بھی ہے!"

محراب نے جھجک کر دل کی بات زبان پر لائی تھی ابراہیم چند لمحے اسے دیکھنے کے بعد گہری سانس بھری تھی۔

"ہاں میری ایک بیٹی ہے۔عدن جو رب نے مجھے ان ہجر کی راتوں کو کاٹنے کے لیے دی

ہے۔جانتے ہو جب میں کراچی شفٹ ہوا تھا تو ایک دن ایک انجیو میں حیات کو ڈھونڈتے وہ مجھے ملی تھی وہ محظ چند ماہ کی تھی۔جس کو نجانے کون وہاں بے سہارا چھوڑ گیا تھا۔جب میں نے اسے دیکھا تھا وہ رو رہی تھی جانے کیا بات تھی کہ میرے ہاتھ خود باخود اسے اٹھانے کے لیے بڑھے تھے اور اسے سینے سے لگاتے مجھے ایک عجیب سی راحت ملی تھی۔میری آنکھیں نم ہوئی تھی یہ سوچ کر کہ میرا اور حیات کا بچہ بھی تو اب اتنا ہی ہو گا نا۔۔۔اس وقت مجھے وہ حدیث یاد آئی تھی جو مجھے میرے رب ایک بار اشارے کے طور پر دی تھی 'کہ یتیم کی کفالت کرنے والا میرے آقا کے اتنے قریب ہو گا جتنا یہ دو انگلیاں ہیں."بس اس کے بعد فیصلہ ہو گیا تھا۔کہ یہ بچی اب سے عدن ابراہیم جاسم آفندی کہلائے گی۔تمام پیپر زورک کرنے کے بعد میں اسے آڈپٹ کر لیا تھا۔اب وہ میری بچی ہے۔یہی اس کی ذات کا سچ ہے اور میں چاہتا ہوں کہ تم جب اس سے ملو تو اسے میری بیٹی کی طرح ہی ٹریٹ کرنا۔"ابراہیم کے لہجے میں عدن کے لیے محبت ہی محبت تھی۔

محراب کی آنکھوں اس شہزادے کی بات پر نم ہوئی تو جو گزرے سالوں میں شاید رب کے مزید قریب ہو گیا تھا۔اسے اپنی بہن کی قسمت پر ناز ہوا تھا۔اس لیے خوشی سے

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

ابراہیم کے ساتھ چپک گیا تھا۔ جس پر ابراہیم بھی مسکرا دیا تھا۔

وقت بدل رہا تھا۔ زخم بھر رہے تھے۔ ایک آزمائش اپنے اختتام کی طرف جا رہی تھی۔

اب دیکھنا تھا کہ یہ شہزادہ بس کب اپنی مراد پاتا ہے۔

@@@@@@@@@@

فرزانہ آپا جس وقت گھر واپس آئیں تو گھر میں بچوں کی رونق دیکھ کر چہک اٹھی تھی۔

جنہوں میں پورے گھر میں دھمال مچایا ہوا تھا۔ جبکہ حیا کچن میں بچوں کے لیے ان کا

من پسند کھانا بنا رہی تھی۔

"ماسی ماسی! ہم آ گئے" آدم اور سعدان فرزانہ آپا کو دیکھتے کھلکھلاتے ہوئے آئے تھے،

اور ان سے لپٹ گئے تھے۔

"ماسی کی جان! ماسی صدقے جائے، میں تو کب سے تم دونوں کو انتظار کر رہی تھی۔

ویسے کتنے دنوں کے لیے لائی ہے اس بار تمہاری ماما؟" فرزانہ آپا نے ان کے نزدیک

بیٹھتے ان کے ماتھے باتی باری چومتے پوچھا تھا۔

"ماسی اب ہم ہمیشہ اپنی ماما کے ساتھ رہیں گے۔ اب ہم ہوسٹل نہیں جائیں گے۔"

سعدان کی تو خوشی کا تو کوئی ٹھکانہ نہیں تھا اس لیے فرزانہ آپا کے کان میں گھستا از درانہ انداز میں کہہ رہا تھا۔ جن کو پہلے تو اس کی بات پر یقین نا آیا لیکن جب کیچن میں کھڑی حیا کو مسکراتے دیکھا تھا تو انہیں بے انتہا خوشی کے ساتھ ساتھ اپنی بہن پر فخر سہ محسوس ہوا تھا۔ اس لیے بچے کو ایک بار پھر سے گلے سے لگاتے بولی

"یہ تو بہت اچھی خبر ہے بھئی! چلو میں زرا فریش ہو کر دیا آ جاؤں، تب تک تم لوگ اپنی ماما سے پوچھا کھانا بنا ہے کہ نہیں؟" فرزانہ آپا فریش ہونے کی نیت سے انہیں حیا کے پاس بھیجتے اٹھی تھی۔ جواب ہاتھ میں چند برتن لیے، کیچن کے ساتھ والے روم میں جہاں ڈائینگ ٹیبل موجود تھا وہاں جا رہی تھی۔

"اوکے ماسی!" فرزانہ آپا کی بات پر فرمابرداری سے ایک ہی ساتھ کہتے سعدان اور آدم حیا کی طرف بڑھے تھے۔ جو اس وقت ڈائینگ ٹیبل پر پلیٹس رکھ رہی تھی۔

"ماما! میں بھی آپ کے ساتھ یہ کام کروں گا" آدم حیا کو کام کرتے دیکھ چئیر پر کھڑے ہوتے اس کے ہاتھ سے پلیٹس لے کر بولا تھا۔ جب کہ سعدان ٹیبل پر چڑھ کر اب فروٹس اٹھا اٹھا کر منہ میں ڈالنے لگا تھا۔ اسے تو یہاں آ کر اپنا درد دور سب بھی بھول گیا تھا۔

"نہیں میری جان ماما ہے ناوہ خود کرلیں گی آپ یہاں بیٹھو بس" حیا اپنے شہزادے کے ہاتھ سے پلیٹس لے کر رکھتے ہوئے بولی تھی۔

"نہیں ماما آدم کے ہوتے ہوئے آدم کی ماما کیلئے کام کیوں کرے گی۔ ہم مل کر کریں گے۔" آدم ایک دم سے اپنی ماں کے ہاتھ سے پلیٹس لیتے اس کے ماتھے پر بوسہ دیتے بولا تھا۔ حیا کی آنکھیں اتنی محبت پر خوشی سے نم ہوئی تھی۔ اسے افسوس ہوا کہ وہ پہلے پاگل تھی جو ان نعمتوں کو خود سے دور کر رہی تھی۔ لیکن پھر جلد ہی اس سوچ سے باہر آتے اپنے حساس اور ذمہ دار شہزادے کے ماتھے پر بوسہ دیتے بولی

"بہت شکریہ ماما کی جان!" حیا کے پیار پر آدم جلدی سے ان کے گلے میں باہیں ڈال کر بولا تھا

"لویو ماما!" نجانے کیوں لیکن سعدان کی نسبت وہ اپنی ماں کے معاملے بہت زیادہ ٹچی تھا۔

"لویو ٹو بیٹا!" حیا نے بھی اس کی محبت کا جواب محبت سے دیا تھا۔

"می مور لویو ماما(ماما میں آپ سے زیادہ محبت کرتا ہوں)" سعدان صاحب جو اس وقت

آم میں چہرہ گم کیے بیٹھے تھے۔ایک دم سے جل کر بولے تھے۔اس کی حالت دیکھ کر حیااور آدم نے قہقہ لگایا تھا۔جبکہ سعدان کا منہ بن گیا تھا۔جس کو اب آدم اور حیا منانے کی کوششیں کرنے لگے تھے۔

خوشیاں تو یہاں بھی رقص کرنے لگی تھی۔بس اب تو یہی دعا تھا کہ ان کو کسی کی نظر نا لگے۔

@@@@@@@@@@@

اس شام ابراہیم محراب کو زبردستی اپنے ساتھ گھر لے آیا تھا۔جہاں سالوں بعد بڑے ابا کو گلے لگتے،بے ساختہ اس کی آنکھوں سے چپکے سے چند موتی گرے تھے۔عسرہ بیگم بھی اس سے بہت اپنائیت سے ملی تھی۔عدن کی تو کچھ ہی دیر میں محراب کے ساتھ دوستی ہو گئی تھی۔سب سے آخر میں جب ابراہیم نے اسے اپنی بہن انابیہ سے متعارف کروایا،تو اسے اپنی بہن حیات بہت شدت سے یاد آئی تھی جو دنیا کی بھیڑ میں نجانے کہاں کھو گئی تھی۔اس کی خاموشی کو سبھی نے نوٹ کیا تھا۔انابیہ بھی کسی حد تک محراب کی اداسی سمجھ کی گئی تھی۔اسی لیے معصومیت سے اسے اپنی طرف متوجہ کرتے بولی

"محراب بھائی! کیا آپ کو آپکی چھوٹی بہن پسند نہیں آئی جو ایسے اداس ہو رہے ہیں؟" انابیہ کے لہجے میں اداسی کا عنصر محسوس کرتے محراب ہوش میں آیا تھا اور اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا

"ایسی بات نہیں ہے چھوٹی بس تمہیں دیکھ کی کسی یاد آگئی تھی۔ اس لیے آنکھیں نم ہو گئی تھی۔ ورنہ تو مجھے اپنی یہ چھوٹی سی بہن بہت پیاری لگی ہے۔" بات کے اختتام میں محراب نے اس کی ناک ہلکے سے اس کا سر تھپتھپایا تھا۔ انابیہ واقع میں اس کا دھیان بٹانے میں کامیاب ہو گئی تھی۔ ساتھ ہی ساتھ وہ اپنی معصومیت سے سب کے چہروں پر بھی رونق لا چکی تھی۔

کیف تو بس جان نثار نظروں سے اپنی بیوی کو تک رہا تھا، جو سب کے چہروں پر مسکان لا نا جانتی تھی۔ اس کا دل کر رہا تھا کہ وہ اسے اس دنیا سے چرا کر پرستان کی اس حسین وادیوں میں لے جائے جہاں اس کے اور انابیہ کے علاوہ اور کوئی نا ہو۔ لیکن ہائے رے یہ اس کی کبھی نا پوری ہونے والی خواہشات، کیونکہ جب سے انابیہ ٹھیک ہوئی تھی، وہ کیف کے کام تو بیویوں کی طرح سرانجام دیتی تھی، لیکن گھر والوں کے رخصتی کا کہنے پر فطری شرم و حیا کی جھجھک کی وجہ سے وہ ہر بار انکار کر دیتی تھی۔ جس پر کیف گہری

سانس بھر کر رہ جاتا تھا۔وہ اس پر کوئی زور زبردستی نہیں کرنا چاہتا تھا وہ چاہتا تھا کہ وہ اپنی مرضی سے اس کی زندگی میں شامل ہو۔

"کیف آفندی تم کب سے میرے بگل میں بیٹھے میری ہی بہن کو تاڑ رہے ہو۔کچھ شرم وحیا نام کی چیز تم میں ہے کہ نہیں؟؟"کیف کے ساتھ بیٹھا ابراہیم نے کیف کی محویت کو انابیہ پر محسوس کرتے، سخت لہجے میں اسے ٹوکا تھا۔

"تمہاری بہن بعد میں بنی وہ پہلے میری بیوی بنی ہے۔اور اپنی شرعی بیوی کو تکنا کوئی گناہ تھوڑی ہے یہ تو ثواب کا کام ہے۔میں یہ کام اپنے کمرے میں بھی کر سکتا ہوں لیکن تمہاری بہن رخصتی کے لیے مانے تو"ڈھیٹ پن سے کہتے کیف نے آخر میں انتہائی افسوس سے سانس بھری تھی۔اس کے ترسے ہوئے انداز پر ابراہیم نے سخت گھوری سے اسے نوازہ تھا جبکہ محراب جو ابراہیم کے دوسری طرف بیٹھا یہ سرگوشی سن چکا تھا اس کے دانت بھی باہر نکل آئے تھے۔

"کیف آفندی!اگر تم نے اپنی نظروں کا زاویہ ٹھیک نہیں کیا نا تو یاد رکھو دس دن کے لیے تمہیں بزنیس ٹوور پر بھیج دوں گا۔پھر دور سے بس خیالوں سے ہی کام چلانا اور رخصتی تو تم بھول ہی جاو۔جب تک میری بہن نہیں مانے گی تب تک ایسا کوئی سین

نہیں ہو گا اور سنو اگر وہ دس سال تک بھی رخصتی ملتوی رکھنے کا کہتی ہے تو مجھے کوئی عتراض نہیں ہو گا۔" کیف کو دھمکی دیتے آخر میں ابراہیم نے شرارت کی تھی۔ حالانکہ کہ جانتا تھا کہ اس کی معصوم بہن بھی اپنے نکمے شوہر سے محبت کرتی ہے، اور جلد یا دیر سے وہ بھی مان ہی جائے گی۔

جبکہ ابراہیم کی شرارت کا کیف پر خوب اثر ہوا تھا بچارے کو توہری مرچ ہی لگ گئی تھی۔ یہ سوچ سوچ کر اس کا دل ڈوب رہا تھا کہ اگر سچ میں انابیہ نے دس سال تک رخصتی نا کروانے کا مطالبہ کر دیا تو 'نہیں نہیں کہف تو بھی کیا پاگل ہو گیا ہے۔ انابیہ پاگل تھوڑی ہے۔ وہ ایسا ویسا کچھ نہیں کرے گی۔ لیکن پھر اسے رخصتی پر کیسے راضی کیا جائے؟؟ وہ خود سے دل ہی دل میں بڑبڑاتے اب اپنی بیوی کو پٹڑی پر لانے کے پلین بنانے لگا تھا۔

ہائے یہ بچارہ سہ کیف، اس کی حالت پر ابراہیم اور محراب کے چہروں پر دبی دبی مسکراہٹ بکھری تھی۔ اتنے عرصے بعد ان سب کے ساتھ یہ حسین پل گزار کر محراب کے اوپر بنا وہ خول تھوڑا سہ چٹکھ گیا تھا۔ پرانے والے محراب نے کھل کر سانس لینی چاہی تھی لیکن شاید اس کے لئے ابھی تھوڑا وقت اور لگنا تھا لیکن پھر بھی محراب نم

آنکھوں سے گہری سانس بھرتے پر سکون ہو گیا تھا۔کیونکہ اسے امید تھی کہ جلد ہی پرانے دن لوٹ آئیں گے

@@@@@@@@@@@

بچوں کے آنے سے حیا کھل اٹھی تھی۔اپنے پیچھلے چند ماہ کی تشنگی کو وہ اب کھل کر مٹا رہی تھی۔شاید اس نے سیکھ لیا تھا کہ آنے والے کل کے خوف سے ہمیں اپنے آج کو خراب نہیں کرنا چاہیے۔اسی وجہ سے،اس ایک ہفتے میں اپنے بچوں کے ساتھ،وہ ان کے ہر ایک پل کو کھل کر انجوائے کر رہی تھی۔کبھی آدم کے ساتھ گانا گانے لگتی تو کبھی سعدان کے ساتھ مل کر شرارت میں اس کا ساتھ دیتی،کبھی ان کو گھمانے کے لیے ونڈر لینڈ لے جاتی جہاں وہ ہر ایک جھولے پر ان کے ساتھ بچہ بن کر جھولا لیتی،تو کبھی ان کو نہلاتے ہوئے خود بھی بھیگ جاتی اور بچوں کی طرح بن جاتی،اور کبھی کبھی تو وہ فرزانہ آپا کو بھی ساتھ گھسیٹ لیتی تو جو اپنی بہن اور اس کے بچوں کو جیتے دیکھ کھل اٹھی تھی۔پورا ایک ہفتہ سکول سے چھٹی کرنے کے بعد،آج سکول جاتے ہوئے وہ شہزادے حیا کو خوب تنگ کر رہے تھے۔

"سعدی رک جاؤ بیٹا!کہاں بھاگے جا رہے ہو سکول سے دیر ہو رہی ہے اور ابھی تک تم

نے پینٹ بھی نہیں پہنی ویسے ہی اچھل کود کر رہے ہو" سعدان کے پیچھے بھاگتے ہوئے حیات اب تو ہانپ گئی تھی۔ جس نے ہاتھ میں نا آنے کی قسم کھا رکھی تھی۔ کیونکہ سعدان صاحب کا ہفتہ بعد سکول جانے کو دل بالکل نہیں کر رہا تھا۔

"آدم! چھوڑو مجھے! مجھے سکول نہیں جانا یار پلیززز" ایسے میں ماں کی پریشان صورت دیکھ آدم صاحب جوش میں مارتے میدان میں کودے تھے، اور فوراً سے سعدان کو دبوچ لیا تھا۔ جس پر سعدان نے دھائی دیتے خود کو آزاد کروانا چاہا تھا۔

" بالکل نہیں! جب ماما کہہ رہی ہے سکول جانا ہے تو سکول جانا ہے پھر تم نے کیا عدن سے نہیں ملنا؟؟" وہ ایٹیٹیوڈ سے بھرا آدم جو دنیا کے کسی شخص کی پرواہ نہیں کرتا تھا، جب اپنی ماں پر یوں واری جاتے، اس کی ہر پریشانی کو دور کرتا تھا تو واللہ کمال لگتا تھا۔

اب بھی وہ سعدان کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھتے، اسے منانے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ عدن کا نام سن کر تو سعدان صاحب فوراً سے ماں کی طرف تیار ہونے کے لیے دوڑے تھے، جبکہ اپنے سمجھدار آدم پر نہال ہوتے حیا نے اسے محبت پاش نظروں سے دیکھا تھا۔ جواب ناشتہ کرنے لگا تھا۔

"ماما مجھے جلدی سے پینٹ پہنائیں، پھر آپ نے میرے اچھے سے بال بھی تو بنانے ہیں

اور وہ جو اپنے کے والا پرفیوم ہے جس کی سمیل بہت اچھی ہے۔میں آج وہ بھی لگا کر جاوں گا۔"سعدان حیا کے پاس کھڑا پر جوشی سے بولا تھا۔

"کیوں بھئی یہ میرا لڑکیوں والا پرفیوم تم کیوں لگاوگے؟اور ویسے یہ تیاری کس خوشی میں اب کر رہے ہو۔پہلے تو تم نے سکول نہیں جانا تھا۔"حیا نے مشکوک انداز میں اپنے اس معصوم شرارتی بلے کو دیکھا تھا۔

"وہ ماما میری نئی بہن دوست بنی ہے کلاس میں،میں چاہتا ہوں کہ میں اپنی بہن کے سامنے سب سے اچھا لگوا تا کہ وہ صرف میری ہی دوست بنی رہی۔"شرماتے ہوئے سرخ پھولے گالوں کے ساتھ سعدان نے آنکھیں پٹپٹاتے ہوئے کہا تھا۔حیا تو اپنے اس بظاہر معصوم نظر آنے والے بیٹے کی بات پر چکر کر رہ گئی تھی۔

مطلب یہ لڑکا اگر چھوٹی سے عمر میں اپنی نئی بہن کے لیے اتنا تیار ہو کر جا رہا ہے تو جب گرل فرینڈ بنائے گا تو اس بچاری کی ناک میں تو دم ہی کر دے گا۔ویسے کیا اس کی ایک گرل فرینڈ ہو گی؟؟اففف میں بھی کیا سوچ رہی ہوں۔حیا نے یک دم خود کو ڈپٹا تھا۔پھر سعدی کے بال بنانے کے بعد زبردستی اسے ناشتہ کے ٹیبل کی طرف لیجاتے بولی

"بیٹا جتنی تمہاری عمر ہے نا اسی کے حساب سے کام کیا کرو یہ زیادہ شوخے ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔اور کوئی ضرورت نہیں ہے تم دونوں کو یوں تیار ہو کر جانے کی اگر کسی نے نظر لگا دی تو۔۔۔"سعدان کو تنبیہہ کرتے حیا نے آخر میں روایتی ماؤں والا جملہِ بولا تھا۔جس پر پاس بیٹھی فرزانہ آپا مسکرا دی تھی۔جبکہ سعدی صاحب نے منہ بنایا تھا۔

ان کو ناشتہ کروانے کے بعد حیا خود ان کو سکول چھوڑ کر آئی تھی۔جہاں گیٹ سے داخل ہوتے ہی آدم دی گریٹ تو اپنے مغرورانہ انداز میں چلتے ہر کسی کو اگنور کرتے، کلاس میں داخل ہوئے تھے۔جبکہ سعدی کی شرارتی نظریں مسلسل ادھر ادھر عدن کو ڈھونڈنے میں لگی تھی

"عادی بھائی! مجھے لگتا ہے عدن نہیں آئی"کلاس میں عدن کی خالی سیٹ کو پاتے سعدان افسردگی سے بولا تھا۔جس پر اپنے سیٹ پر بیگ رکھتے آدم نے کوئی دھیان نہیں دیا تھا۔ابھی انہیں آئے دو

منٹ ہی گزرے تھے کہ عدن کلاس میں داخل ہوئی تھی جس پر سعدان بھاگتے ہوئے عدن کے پاس پہنچا تھا۔عدن سعدان سے اتنی چھٹیاں کرنے پر ناراض تھی۔جبکہ

سعدان اب اسے اپنے گھر جانے کی اور مستیوں کی روداد سنانے کے ساتھ مسلسل منانے کی کوشش کر رہا تھا۔

لیکن آدم سعدان کے برعکس تھا اس کی طبیعت میں جنونیت تھی، اٹیٹیوڈ تھا اور تو اور ایک مغروریت بھی تھی جو صرف اپنے لیے اہمیت رکھتے لوگوں کے سامنے کھلتا تھا اور صرف انہی کو وضاحتیں دیتا تھا۔اس نے تو عدن کو دوست بھی سعدان کے لیے بنایا تھا اس لیے عدن کو اپنی غیر حاضری کی وجہ بتانا ضروری نہیں سمجھا تھا۔جواب ساری بات جاننے کے بعد مسکراتی اس کی طرف آ رہی تھی۔

@@@@@@@@@@

محراب تین دن یہاں گزار کر آخر کار ابراہیم کے ساتھ کام کرنے کی خواہش کو پورا کرنے کی پہلی سیڑھی تہہ کرتے، مطلب کنٹریکٹ سائن کرتے رخصت ہو گیا تھا۔ہر چیز دوبارہ سے معمول میں آگئی تھی۔سوائے دو لوگوں کے جو تھے کیف اور انابیہ،

کیف نے بہت سوچ سمجھ کر پلین بنایا تھا کہ وہ کچھ دن انابیہ سے دور رہے گا اور اسے اپنے کام بھی نہیں کرنے دے گا۔ایسا کرنے کا مقصد صرف یہ تھا کہ وہ انابیہ کو اپنے دور جانے کا احساس دلانا تھا، تاکہ وہ انابیہ کو رخصتی کے لیے منا سکے۔اس کام میں اس

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|A

نے عسرہ بیگم کی مدد بھی لی تھی۔جو خود اب اپنی بیٹی کی رخصتی چاہتی تھی۔

پلین کے مطابق آج صبح اٹھ کر کیف نے انابیہ کے پسند کیے کپڑوں کو بہت مشکل سے اگنور کرتے اپنے لیے دوسرے کپڑے نکال کر پہنے تھے،بھئی اب اپنی معصوم بیوی کی پسند کو نظرانداز کرنا کیف صاحب کے لیے آسان تھوڑی تھی۔

"کیف آپ تیار ہو گئے ؟لائیں میں ٹائی باندھ دیتی۔۔"انابیہ جو معمول کے مطابق کیف کی ٹائی باندھنے آئی تھی۔اسے دوسروں کپڑوں میں مکمل تیار دیکھ کر ٹھٹھک گئی تھی۔اسے نجانے کیوں کیف کا اپنی پسند کو اگنور کرنا برا لگا تھا،اس لیے اس کا چہرہ افسردہ ہو گیا تھا۔لیکن پھر خود پر قابو پاتے بولی تھی۔

"آج آپ اتنی جلدی تیار بھی ہو گئے ؟"کیف جو اپنا لیپ ٹوپ بیگ پکڑ رہا تھا،اپنی پیٹھ پر انابیہ کی افسردہ آواز سن کر اس کے چہرے پر بھی افسردگی چھا گئی تھی۔لیکن اپنی اگلی زندگی بہتر کرنے کے لیے وہ چہرہ سپاٹ کرتے،مڑا تھا اور بغیر کچھ کہے باہر کی جانب بڑھ گیا تھا۔

"سنیے کہاں جا رہے ہیں ؟کیا آج ناشتہ نہیں کریں گے ؟؟"کیف کے یوں جانے پر انابیہ بھی پیچھے پیچھے چلی آئی تھی،اور ایک آس سے پوچھنے لگی تھی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsane|Articles|Books|Poetry|Interviews

"نہیں مجھے آفس میں کچھ اہم کام ہے۔اس لیے جلدی جا رہا ہوں۔تم پریشان مت ہو میں وہی سے ناشتہ کر لوں گا۔"کیف زرا سہ رک کر اسے جواب دیے باہر کی جانب بڑھ گیا تھا کیونکہ وہ اپنی معصوم بیوی کے چہرے پر اگر تکلیف دیکھتا تو شاید یہی سب کچھ چھوڑ کر اسے گلے لگا لیتا۔

انابیہ تو صبح صبح کیف کے اتنے عجیب رویے پر دھک سے رہ گئی تھی آج تو جانے سے پہلے اس نے اسے روز کے مطابق خدا حافظ بھی نہیں کہا تھا اور نا ہی انابیہ کے ماتھے پر اپنا لمس چھوڑا تھا۔اور تو اور نا انابیہ کے ہاتھ کا بنا ناشتہ کیا اور نا ہی اس کے پسند کے کپڑے پہنے تھے۔انابیہ کو نجانے کیوں شدت سے رونا آنے لگا تھا۔اس کا دل کر رہا تھا کہ ہر چیز کو آگ لگا دے اس لیے وہ خود بھی ناشتہ کیے بغیر واپس کمرے میں آگئی تھی اور بیڈ پر روتی لیٹ گئی تھی۔

دوپہر کے دس بجے جب عسرہ بیگم نے اس کے کمرے میں قدم رکھا تھا تو انابیہ کو کسلمندی سے بیڈ پر پڑا پایا تھا۔

"انابیہ بیٹا! کیا ہوا میری جان تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا یوں کیوں لیٹی ہو؟؟"عسرہ بیگم اس کے پاس بیٹھتے اس کے سر میں انگلیاں چلانے لگی تھی۔

"کچھ خاص نہیں ماما! بس ویسے ہی سر درد کر رہا تھا تو اٹھنے کو دل نہیں کر رہا تھا۔" انابیہ ان کے ہاتھوں سے ملے سکون کو محسوس کرتے ان کی گود میں سر رکھ کر بولی تھی۔

عسرہ بیگم جو اس کی افسردگی کی اصل وجہ جانتی تھی پھر بھی انجان بنی بیٹھی تھی انہیں اپنی معصوم بیٹی پر بہت پیار آیا تھا جو اپنے جذبات کو سمجھ کر بھی سمجھنا نہیں چاہتی تھی۔

"انابیہ بچے! ماں آپ کی سب سے بہترین دوست ہوتی ہے۔ جس آپ سب کچھ شئیر کر سکتے ہیں۔اس لیے اگر تمہیں کبھی بھی لگے کہ تمہیں کچھ سمجھ نہیں آ رہا یا کچھ پریشان کر رہا ہے تو تم جھٹ سے اسے مجھ سے شئیر کر سکتی ہو۔یقین کرو کبھی ماں بن کر مشورہ نہیں دوں گی بلکہ ایک دوست کی طرح مشورہ دوں گی۔اور ہاں جب تمہیں کیف کی کوئی بات بری لگی ہے تو جھٹ سے اس سے جا کر پوچھ لو۔یوں افسردہ ہونے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ چلو اب اٹھو میں دوائی دیتی ہوں۔ابھی ٹھیک ہو جائے گا یہ درد! مجھے اپنی بیٹی ایسے پڑی بالکل بھی اچھی نہیں لگ رہی۔" عسرہ بیگم اسے بہت نرمی سے انابیہ کو سمجھاتے، اسے زبردستی وہاں سے اٹھایا تھا۔ جو اپنی ماں کے مشورہ پر سنجیدگی سے سوچ رہی تھی۔

ماؤں کو ہمیشہ اپنے بچوں کے ساتھ خاص طور بیٹیوں کے ساتھ دوستوں کی طرح پیش

آناچاہیے تاکہ وہ ہر موقع پر آپ سے اپنے دل کی بات آسانی سے بانٹ سکے ورنہ عام طور زیادہ تر بچیاں ماں باپ سے قریب ناہونے کے باعث بے راہ روی کا شکار ہو جاتی ہیں یا پھر کسی کے ٹارچر کا شکار ہوتی رہتی ہیں لیکن کبھی منہ سے کچھ نہیں بول پاتی۔

"پلیز ماما ابھی نہیں ابھی بالکل بھی دل نہیں کر رہا۔" انابیہ دوبارہ سے بلینکٹ اوڑھتے بولی تھی۔اصل میں وہ تنہا رہ کر سوچنا چاہتی تھی کہ وہ کیف سے اس کی ناراضگی کی وجہ پوچھے یا نہیں؟

"انابیہ اگر تم دومنٹ سے پہلے ناا ٹھی تو پھر کیف کو فون کر کے کہ تمہاری طبیعت کا بتا دوں گی پھر جب تمہیں ڈانٹ پڑے گی تو پھر مجھے مت کہنا" اب کہ عسرہ بیگم کی دھمکی پرانابیہ تیزی سے اٹھی تھی وہ جانتی تھی کہ کیف اس کی صحت کو لے کر کتنا کانشیس ہے اگر زرا سی بھی انابیہ لاپرواہی کرتی تھی تو کیف اس سے مزید ناراض ہو جاتا۔

اور آج جیسے اس کا رویہ تھا اس کے بعد تو انابیہ کیف کی ناراضگی بالکل بھی برادشت نہیں کر سکتی تھی۔اس لیے عسرہ بیگم کی دھمکی پر فوراً اٹھ بیٹھی تھی۔ لیکن پھر بھی یہ سارا دن اس کا کوئی خاص اچھا نہیں گزرا تھا۔دوسری طرف انابیہ کا دیوانہ کیف بھی سارا دن بے چینی کا شکار رہا تھا۔اور بار بار خود کو یہ کہہ کر دلاسے دیتا رہا تھا کہ یہ تھوڑی

سی تکلیف ان دونوں کو مستقل تکلیف سے بچانے کے لیے ضروری ہے۔

@@@@@@@@@@@

سعدان اور عدن کے بعد حیات گھر میں اکیلی ہو جاتی تھی۔ پھر تنہائی میں عجیب عجیب سے وہم اسے ستانے لگتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ آج کافی دنوں بعد وہ فرزانہ آپا کے انجیو آئی تھی۔ جہاں آکر اسے ہمیشہ سکون سہ ملتا تھا۔ فرزانہ آپا کا انجیو بے سہارا عورتوں اور بچیوں کو تحفظ اور روزگار دینے کا کام کرتا تھا۔ حیا اکثر یہاں آکر گھنٹوں گھنٹوں ان عورتوں کے ساتھ وقت گزارتے، ان کی دل جوئی کرتی تھی۔ ایسا کرنے سے اسے دلی سکون ملتا تھا۔ دوسرا وہ ان کے سامنے اپنے غموں کو چھوٹا محسوس کرنے لگتی تھی۔ اس کا دل بے اختیار رب کا شکر ادا کرنے لگتا تھا کہ کیا ہوا اگر اس سے ایک چیز چھین لی گئی بدلہ میں اسے سعدان اور آدم جیسے دو انمول تحفے بھی تو عطا کیے گئے ہیں اور پھر رب نے اسے کبھی تنہا بھی تو نہیں کیا تو وہ کیوں ناشکری کرتی گناہگار بنتی۔

اس وقت بھی وہ انجیو کے اس خوبصورت اور پودوں سے بھرے لان میں چند ایک چھوٹی لڑکیوں کے ساتھ مل کر لان میں نئے پودے لگانے لگی تھی۔ وہ کام کرنے کے ساتھ ساتھ ہنسی مذاق کرتے اپنے کام سے خوب لطف اندوز ہو رہی تھی۔ پودوں کو مٹی

سے بھرے گملوں میں،اورلان میں لگانے کے دوران،حیاکے کپڑےاورچہرہ مٹی سے بھرچکاتھا۔لیکن اسے کوئی پرواہ نہیں تھی کیونکہ اسے یہ کام کرتے سکون مل رہا تھا۔

ایسے میں ایک خوبرو شخص بلیک پینٹ پہنے ماتھے پر بالوں کواچھے سے سجائے آنکھوں پر گوگلزلگائےانجیوکےاندرداخل ہواتھا۔اورلان کے ایک طرف بنے راستے سے چلتا اندر کی طرف بڑھ رہاتھا۔جب لان میں بیٹھی ان کھلکھلاتی لڑکیوں پر نظرپڑتے وہ نجانے کیوں رک گیاتھا۔اوراس جانب دیکھنے لگاتھاجہاں سفید سوٹ(جس پرہلکے ہلکے مٹی کے داغ لگے تھے)میں ملبوس،سرخ ڈوپٹہ کواچھے سے سرپراوڑھے ایک حسین لڑکی بیٹھی تھی۔جس کے ارد گرد باقی لڑکیاں اشتیاق کے ساتھ بیٹھی اسے سن رہی تھی۔نجانے کیابات تھی کہ وہ شخص کافی دیر یہاں سے نظرآتےاس کے اس رخ کو دیکھتارہاجومٹی سے بھراتھا۔دیوانگی سے بھریں وہ آنکھوں حیاسےہٹنےکانام نہیں لے رہی تھی۔ہوش توتب آیاجب وہ دوسری طرف سے اٹھتےاندر کی جانب بڑھی تھی۔ اس کے جانے سے دیوانہ جیسے ہوش میں آیاتھا،اوراس کے ہونٹوں سے سرگوشی نکلی تھی۔

"حیات"

ہاں وہ پاگل دیوانہ ابراہیم جاسم آفندی تھا جو آج یہاں اس انجیو کی اونر سے حیات کے متعلق مدد لینے آیا تھا لیکن لان میں بیٹھی لڑکی کو دیکھ ٹھٹھک گیا تھا جس کا چہرہ تو واضع نہیں تھا لیکن جانے کیوں اس کو دیکھ کر اس کے دل کی دھڑکنوں نے گواہی دی تھی کہ وہی اس کی حیات ہے۔ابراہیم نے تیزی اس جانب جانا چاہا تھا جہاں وہ لڑکی گئی تھی۔ لیکن پیون کی بات سن کر وہ اپنے قدم روک گیا تھا۔

"سر ہماری میڈم کا آفس اس طرف ہے۔اگر آپ کو کسی سے ملنا ہے تو وہاں سے پوچھ کر آیئے کیونکہ میڈم نے سختی سے منع کیے ہے کہ کسی کو بھی بغیر اجازت اس حصہ میں نہیں جانے دیا جائے گا۔" ملازم کی بات پر ابراہیم سر ہلاتے خود پر ضبط کے پہرے بیٹھاتے دھڑکتے دل کے ساتھ اندر کی جانب بڑھا تھا۔جو نجانے کیوں اسے بار بار سر گوشی کرتے کہہ رہا تھا کہ ہاں تمہاری حیات یہی ہے وہ یہی کہی ہواؤں میں سانس لے رہی ہے۔

"السلام علیکم مسٹر آفندی! کہیے آج آپ کا ہمارے غریب خانے میں آنے کا کیسے اتفاق ہوا؟" ابراہیم کو دیکھتے فرزانہ آپا خوشگوار حیرت سے بولی تھی۔

وہ ایسا بزنیس ٹائیکون تھا جس کی دھوم دور دور تک مچی ہوئی تھی۔جس کا انٹرویو لینے کے لیے لوگ مہینے مہینے لائن میں لگتے تھے۔لیکن وہ کام کی زیادتی کے باعث کبھی وقت نہیں دے پاتا تھا۔اب ایسے میں اس کی یہاں آمد فرزانہ آپا کے لیے حیرت کی بات ہی تو تھی۔

"وعلیکم السلام فرزانہ میم! یہاں آنا تو میں بہت دیر سے چاہ رہا تھا لیکن بس فرصت کی کمی کے باعث آ نہ سکا۔"ابراہیم سنجیدگی سے کہتے وہاں بیٹھا تھا۔

"خیریت تو ہے؟"فرزانہ آپا نے اب کے ابراہیم کے انداز میں موجود بے چینی کو بھانپتے اچھنبے سے پوچھا تھا۔

"جی سب ٹھیک ہے! بس مجھے آپ کی تھوڑی سی مدد چاہیے کسی کو ڈھونڈنے میں۔۔۔"ابراہیم نے حیات کی موجودگی کے احساس سے تیزی سے دھڑکتے دل کو قابو کرتے کہا تھا۔

"یہ ایک فائل ہے جس میں میری بیوی حیات کی تصویریں اور معلومات ہے جو پانچ سال پہلے سے لا پتہ ہے۔لیکن کہاں میں نہیں جانتا میں کب سے اسے ڈھونڈ رہا ہوں۔ لیکن وہ شاید خود ہی سامنے نہیں آنا چاہ رہی،اسی وجہ سے میں اسے ڈھونڈ نہیں پا رہا۔

پلیز دیکھیں اگر آپ کے انجیو میں میری بیوی ہے تو پلیز مجھے اس تک پہنچا دیں۔"

ابراہیم کے لہجے میں موجود تڑپ، غم و یاسیت، جنونیت،اور عشق کی ہلکی ہلکی آنچ نے فرزانہ آپا کو حیران کر دیا تھا۔

ان کی آنکھیں بھی ابراہیم کے غم پر نم ہوئی تھی۔اس لیے فائل پکڑتے ہوئے بولی۔

"مجھ سے جہاں تک ہو سکی میں آپکی مدد ضرور کروں گی۔" یہ کہتے ہی فرازنہ آپا نے فائل کھولی تھی۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ تصویر کی جانب دیکھتی ابراہیم کا فون بج اٹھا تھا جسے سننے کے لیے وہ سائیڈ پر ہوا تھا۔ پھر آفس میں ایمرجنسی کام آنے کی وجہ سے اسے فوراً ہی وہاں سے واپس آنا پڑا تھا۔ یہاں تک کہ وہ دوبارہ فرزانہ آپا سے مل بھی نا سکا تھا۔

@@@@@@@@@@

ابراہیم کے جاتے ہی فرزانہ آپا فائل کی جانب دوبارہ سے متوجہ ہوئی تھی۔ لیکن اس کے اندر موجود تصویروں کو دیکھتے وہ ششدر رہ گئی تھی۔ان کے چہرے پر ایک رنگ آ رہا تھا اور ایک رنگ جا رہا تھا۔ حیرانگی کے سمندر میں غرق ہوتے،ان کے ہونٹوں نے سرگوشی کی تھی 'حیا' ساتھ ہی ماضی کی جھلکیاں ان کے ذہن میں چلنے لگی تھی۔

اس تاویل اور قدرے ویران سڑک پر اس وقت ایک گاڑی نارمل رفتار سے دوڑ رہی تھی۔ جس کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھی عورت کی آنکھیں مسلسل برس رہی تھی۔ اس عورت کو کل رات اس کے شوہر نے آخر کار بیس سال کی رفاقت کے بعد صرف اس بات پر طلاق نامہ بھیجا تھا کہ وہ انہیں اولاد نہیں دے پائی تھی۔ وہ عورت اس وقت شدید غم میں مبتلا اپنے شوہر کے پاس، اس آخری امید پر جا رہی تھی کہ شاید وہ طلاق کے ارادے کو ترک کرتے، اسے اپنے پاس رکھ لے کیونکہ وہ عمر کے اس حصہ میں، جب اس کے ماں باپ بھی نہیں رہے تھے، اور بھائی بہن بھی اپنے اپنے گھروں والے ہو گئے تھے، تنہا اپنے شوہر کے بغیر نہیں رہ سکتی تھی۔ سوچوں میں طغیانی کے باعث وہ عورت دھیان سے ڈرائیونگ نہیں کر پا رہی تھا۔ بار بار گاڑی کا بیلنس خراب ہو رہا تھا، یہی وجہ تھی وہ سامنے سے آتے لڑکی میں ٹکرا گئی تھی۔

اچانک ہوئے اس حادثہ پر وہ عورت بھکھلا گئی تھی۔ اس لڑکی کے سر سے خون نکلتے وہ تیزی سے باہر نکلی تھی۔ جو بے ہوش پڑی ہو چکی تھی۔

وہ عورت اس لڑکی کو لوگوں کی مدد سے گاڑی میں ڈال کر اسپتال لے کر گئی تھی۔

جہاں جا کر اسے پتہ چلا تھا کہ وہ لڑکی ماں بننے والے ہے اور شکر ہے کہ ٹکراؤ اتنا شدید

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

نہیں تھا۔اسی لیے اس کا بچہ محفوظ رہا تھا۔بس سڑک پر گرنے سے سر پر چوٹ لگی تھی۔اسی وجہ سے وہ بے ہوش ہو گئی تھی۔اس عورت نے نا صرف لڑکی کا علاج کروایا تھا بلکہ جب تک اسے ہوش نہیں آیا تب تک مسلسل تین دن اپنا غم بھلائے،وہ وہی اسپتال میں اس کے پاس رہی تھی۔کیونکہ اس ایکسڈنٹ میں زیادہ غلطی عورت کی ہی تھی۔

پھر جب اس لڑکی کو ہوش آیا تو وہ عورت تیزی سے اس کی جانب بڑھی تھی۔

"بیٹا اب تم کیسی ہو؟شکر ہے میں تو پہلے ڈر ہی گئی تھی کہ میری گاڑی سے ایکسنڈنٹ کے بعد اگر تمہیں کچھ ہو گیا تو میں خود کو معاف نہیں کر پاؤں گی۔خیر ویسے میں فرزانہ ہوں۔لاہور میں ایک انجیو چلاتی ہوں۔تم کون ہو؟اور یہاں کیا کر رہی ہو۔ہاں سچ ایک خوشی کی خبر تو میں تمہیں دینا بھول ہی گئی تمہارا بچہ شکر ہے کہ بالکل ٹھیک ہے۔ اب تم اپنا گھر کا پتہ بتاو یا فون نمبر دو تا کہ میں انہیں اطلاع کر دو وہ بچارے پریشان ہو رہے ہونگے۔"فرازنہ آپا کے پر جوشی سے بولنے کے دوران وہ لڑکی جو سپاٹ چہرے سے بیٹھی بچہ کے ذکر پر اس کے چہرے کے تاثرات بدلے تھے۔

پھر وہ یک دم ہاتھوں میں چہرہ چھپاتے یہ کہہ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی کہ

'میرا کوئی گھر نہیں ہے" اس کی حالت دیکھ کر فرزانہ آپا کو انتہائی دکھ ہوا تھا۔ وہ لڑکی انہیں اپنی طرح تنہا لگی تھی۔ جو یقیناً بہت سی مشکلات کا شکار تھی۔ فرزانہ آپا ایک ہمدرد عورت تھی اس لیے انہوں نے آگے بڑھتے اسے سہارا دیا تھے۔ جسے پاتے وہ لڑکی بکھر گئی تھی۔

فرزانہ آپا نے بعد میں جب اس لڑکی سے اس کے بارے میں پوچھا تو اس نے بتایا تھا کہ اس کا نام حیا ہے۔ اس کے ماں باپ نہیں ہیں اور سسرالیوں نے انہیں جہیز نا ملنے پر اس پر تہمت لگاتے اسے گھر سے نکال دیا ہے۔ کہ بچہ اس کے شوہر سے نہیں ہے۔ جبکہ اس کا شوہر جو محبت سے اسے بیاہ کر لایا تھا۔ وہ ایک ماہ پہلے ہی باہر کمانے کے لیے گیا ہے۔ وہ اس بارے میں کچھ نہیں جانتا۔

فرزانہ آپا نے جب ساری بات سننے کے بعد اس سے شوہر کا نمبر مانگا تو اس نے یہ کہہ کر دینے سے انکار کر دیا تھا۔ کہ اسے اپنے شوہر کا نمبر نہیں آتا۔

فرزانہ آپا کو نجانے کیوں اس کی باتوں پر یقین آ گیا تھا۔ وہ اسے اپنے جیسی لگی تھی کہ مطلب اگر انہیں اولاد نا ملنے کی وجہ سے طلاق کوئی تھی تو اس بچاری کو جہیز نا ملنے کی وجہ سے گھر سے نکال دیا تھا۔ وہ ہمدرد خاتون دن بدن حیا نامی لڑکی سے اٹیچ ہوتی چلی

گئی تھی۔ وہ اسے اپنی بہن کی طرح چاہنے لگی تھی یہاں تک کہ انہوں نے اسے اپنے گھر رکھ لیا تھا۔ جبکہ دوسری جانب وہ لڑکی بھی ان کی محبت کا جواب اتنی ہی محبت سے دیتی تھی۔ وہ فرزانہ آپا کی احسان فراموش نہیں تھی بلکہ وہ جہاں تک ممکن ہوتا تھا وہاں تک ہر کام میں فرزانہ آپا کی مدد کرتی، اس نے فرزانہ آپا کے انجیو کو مزید بڑھانے کے لیے بہت مدد کی تھی۔ یوں فرزانہ آپا اپنی طلاق کے بعد تنہا نہیں ہوئی تھی۔ بلکہ اللہ کی رضا سمجھ کر وہ مطمئن ہو گئی تھی کیونکہ انہیں یقین آگیا تھا کہ دنیا میں کوئی بھی سکھی نہیں ہے۔ بلکہ ہر کسی کو غم ہے نوعیت چاہے سب کی بدلی ہوئی کیوں نا ہو اس لیے اپنے غم میں یہ کہنے کی بجائے کہ میرا غم ہی سب سے بڑا ہے۔ ہمیں اسے جرآت اور حوصلہ سے برداشت کرنا چاہیے۔

وقت پر لگا کر اڑ گیا تھا۔ حیا کی ڈلیوری کے وقت وہ پل پل اس کے ساتھ رہی تھی۔ یہاں تک کہ اس کے بچوں کے نام بھی فرزانہ آپا نے ہی رکھے تھے۔ انہیں یوں معلوم ہوتا تھا کہ شاید اللہ نے انہیں ان کے صبر کے طور پر ایک بیٹی جیسی بہن اور دو بیٹے دے دیے ہیں۔ حیا بھی اپنے غم کو بھلائے ہر وقت شکر کرتی تھی۔ فرزانہ آپا کی صحبت میں رہ کر حیا رب کے نزدیک تر ہوتی چلی گئی تھی۔ اپنے بچوں کی پیدائش پر وہ بہت پھوٹ

پھوٹ کر روئی تھی۔ جس پر فرازنہ آپا سے اسے سنبھالنا بہت مشکل ہو گیا تھا۔ پر پھر وقت کے ساتھ ساتھ وہ خود سنبھل گئی تھی۔ فرزانہ آپا نے جب اپنے انجیو مزید شہروں میں بنانے شروع کیے تو انہیں دو تین بار شفٹ بھی کرنا پڑا تھا۔ لیکن اس کے باوجود بھی انہوں نے ہر موقع پر حیا کو بڑی بہن کی طرح سنبھالا تھا۔ جب جب وہ رات میں اپنے جڑواں بچوں کو سنبھالتے سنبھالتے بحال ہوتے خود بھی ان کے ساتھ رونے لگتی تو فرزانہ آپا ان کو سنبھالتی تھی۔ وقت کے ساتھ ساتھ ان کا رشتہ مضبوط ہوتا چلا گیا تھا۔ فرزانہ آپا نے تو حیا کو دوبارہ اپنے شوہر سے بات کرنے کا مشورہ بھی دیا تھا۔

لیکن حیا نے اپنے ڈر کو ظاہر کرتے کہا تھا کہ اگر اس کے شوہر نے گھر والوں کی باتوں میں آکر یہ یقین کر لیا ہوا کہ یہ بچے اس کے نہیں ہے تو وہ کیا کرے گی اور پھر جب اس کے بچوں نے اس سے اپنے باپ کا پوچھا تو وہ انہیں کیا بتائے گی۔ اس بات پر فرزانہ آپا نے اسے بہت سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ وہ سچی ہے اور اسے اپنی بقا کے لیے لڑنا چاہیے۔ لیکن حیا کمزور تھی اس لیے وہ ہار مان جاتی تھی۔ پھر آہستہ آہستہ فرزانہ آپا کی ضد پر وہ تیار ہو گئی تھی۔ انہی دونوں فرزانہ آپا کو ایک سیمینار اٹینڈ کرنے دو تین دن کے لیے باہر جانا پڑا تھا۔ ان کے جاتے ہوئے حیا نے کہا تھا کہ وہ اپنے گھر والوں سے

بات کرنے جائے گی جس پر فرزانہ آپا بھی خوشی سے روانہ ہو گی تھی۔

لیکن جب وہ واپس آئیں تو حیا نے روتے ہوئے بتایا تھا کہ وہ اپنے گھر گئ تھی۔ لیکن اس کا شوہر جو واپس آچکا تھا۔اس نے گھر والوں کی باتوں میں آکر اسے طلاق دے کر گھر سے نکال دیا تھا۔ جس پر فرزانہ آپا بہت رنجیدہ ہو گی تھی۔ وہ ان لوگوں پر کیس کرنا چاہتی تھی لیکن حیا نے انہیں ایسا کرنے سے روک دیا تھا۔اور پھر فرزانہ آپا نے اس سے اس بات کا ذکر کرنا چھوڑ دیا تھا۔ پھر کچھ عرصہ بعد وہ اسے شادی کے لیے فورس کرنے لگی تھی جس پر حیا ہمیشہ جواب دے دیتی تھی۔اور تو اور اپنے اس ڈر سے کہی اس کے بچے اپنے سے ملنے کو نا کہہ دیں کسی دن، حیا نے بچوں کو دور رکھنا شروع کر دیا تھا۔ جس پر فرزانہ آپا اب کی بار سب کچھ اسی پر چھوڑ دیا تھا

مگر آج انہیں یقینا نہیں آرہا تھا کہ اس کے ساتھ پیچھلے پانچ سال سے رہنے والی لڑکی حیا تھی یا حیات جس کو ابراہیم جاسم آفندی ڈھونڈ رہا تھا۔ جس کی تصویر اس وقت ان کے ہاتھ میں تھی۔انہیں سمجھ نہیں آرہا تھا کہ اگر حیا ہی حیات تھی تو وہ ان کے ساتھ حیا بن کر کیوں رہ رہی تھی اور ان سب کے پیچھے آخر وجہ کیا تھی۔

فرزانہ آپا کافی دیر تک آفس میں بیٹھی ابراہیم کے واپس آنے کا انتظار کرتی رہی، جس پر

پیون سے بعد میں انہیں پتہ چلا تھا کہ وہ ایمر جنسی کی وجہ سے جا چکا ہے۔

دوسری طرف قدرت نے کچھ اور پلین کر رکھا تھا۔ ابراہیم کو اسی شام محراب کے پاس جانا پڑا تھا کیونکہ اسے محراب کے منیجر نے جو ایک پر خلوص شخص تھا، نے خبر دی تھی کہ محراب ایک حریف مسلسل محراب کو ایک ڈیل سے پیچھے ہٹ جانے کے لیے دھمک رہا ہے۔ محراب اسے سریس نہیں لے رہا تھا، اسی وجہ سے ابراہیم کو مجبوراً خود جانا پڑا تھا۔ شاید وقت آ گیا تھا کہ جہاں سب کردار بچھڑے تھے کہانی کو وہی سے شروع کیا جا سکے اور شہزادی کو سب کے سامنے سرخرو کیا جا سکے، اس لیے یہ سب انتظامات کیے جا رہے تھے۔

@@@@@@@@@@@@

پیچھے مسلسل ایک ہفتے سے محراب نجانے کہاں غائب ہو گیا تھا۔ ایراج تو اس کی غیر موجودگی میں میں پریشانی سے سوکھ گئی تھی۔ حمیرہ بیگم نے اسے کئی بار سمجھایا تھا کہ ضرور کام کے سلسلہ میں کہیں گیا ہو گا، جلد ہی آ جائے گا واپس لیکن جانے کیوں ایراج کا دل سمجھنے کو تیار نہیں تھا۔ جیسے ہی رات ہوتی اس کا دل محراب کی ایک جھلک پانے کو تڑپنے لگتا تھا۔ بھلے وہ پہلے اس سے بات نا کرتا تھا۔ لیکن پہلے وہ اس کی نظروں کے

سامنے تو تھا نا لیکن اب تو وہ پچھلے ایک ہفتے سے اس نے اسے دیکھا بھی نہیں دے رہا تھا۔ ساری ساری رات وہ بس اسے یاد کرتے گزار دیتی تھی۔ اب بھی وہ صوفہ پر لیٹی سامنے پڑے خالی بیڈ کو دیکھ رہی تھی۔ آنکھوں سے موتی بے مول ہوتے بہہ رہے تھے۔ جبکہ دل درد سے کرلانے لگا تھا۔

تم نے کیا نہ یاد کبھی بھول کر ہمیں

ہم نے تمہاری یاد میں سب کچھ بھلا دیا

(بہادر شاہ ظفر)

اپنی خیالوں میں غم ایراج یک دم سے دروازے کے کھلنے کی آواز پر چونکی تھی۔ ایراج کا دل یہ خیال پاتے ہی دھڑک اٹھا تھا۔ تو مطلب وہ ہر جائی آ گیا تھا۔ لیکن وہ اس پر ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی کہ وہ اس کے انتظار میں جاگ رہی ہے۔ اس لیے تیزی سے آنکھیں صاف کرتے ان پر بازو رکھتے لیٹ کر یوں ظاہر کرنے لگی تھی جیسے گہری نیند میں ہو۔

محراب جو ابراہیم کے پاس سے تین دن پہلے ہی آ چکا تھا۔ لیکن یہاں آنے کے بعد وہ

اپنے حریف حق نواز کی دھمکیوں اور دوسرا اپنے کام میں اس کی دخل اندازی کے باعث مسلسل تین دن سے گھر نا سکا تھا۔ آج آخر کار فراغت پاتے گھر لوٹا تھا۔ اور ٹائی گردن سے نکالتے وہ ڈھے جانے کے انداز میں بیڈ پر گرا تھا۔ وہ ذہن دباؤ اور جسمانی تھکن سے چور سے چکا تھا۔ اب تو اتنی بھی ہمت نہیں تھی کہ وہ اٹھ کر پانی پی لیتا اس لیے کوٹ اور شوز اتارتے وہی نیند کی وادیوں میں اتر گیا تھا۔

ایراج جو بس نیند میں ہونے کا ناٹک کر رہی تھی۔ کچھ دیر بعد کمرے میں محراب کی بھاری سانسوں کی موجودگی محسوس کرتے اٹھ بیٹھی تھی اور اس کی جانب دیکھنے لگی تھی جو نیند میں بھی شاید غیر آرام دہ سہ تھا۔ ایراج کو وہ آج کچھ زیادہ ہی تھکا تھکا محسوس ہو رہا تھا۔ اسے نجانے کیوں محراب کی حالت پر دکھ ہوا تھا اسے نے سچ میں کبھی محراب کی جگہ خود کو رکھ کر نہیں سوچا تھا کہ وہ ان سب میں کتنا متاثر ہوا ہوگا۔ وہ تو بس محراب یک دم سنجیدہ ہونے سے ہی ہمیشہ خوف زدہ رہتی تھی۔ اس لیے کبھی اس کی تکلیف کو محسوس ہی نہیں کر پائی تھی۔ اسے خود پر شرمندگی ہوئی تھی۔

پھر دل میں پتہ نہیں اس کے کیا سمائی کے وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتے محراب کے پاس بیڈ پر جا بیٹھی تھی اور ڈرتے ڈرتے اس کے سر میں ہولے ہولے انگلیاں چلانے

لگی تھی۔ جس کے نیند میں لیٹے محراب کے چہرے پر سکون جھکا تھا۔ وہ کھسک کر ایراج کی گود میں سر رکھ گیا تھا۔

ایراج تو اس کی حرکت پر سن ہو گئی تھی۔ کیونکہ وہ تو سمجھی تھی کہ محراب سو رہا ہے، اس لیے یہاں آئی تھی۔ وہ چند پل اپنی سانس روکے بس آنکھیں میچیں بیٹھی رہی تھی۔ ایسے جیسے اس کی چوری پکڑی گئی ہو۔ پر جب محراب کی جانب سے کوئی پیشرفت محسوس نا ہوئی تو اس نے آہستہ سے آنکھیں کھولی تھی۔ اور یہ دیکھ کر پر سکون ہو گئی تھی کہ محراب بچوں کی طرح اس کی گود میں منہ چھپائے، اور اس کی کمر کے گرد ہاتھ باندھے سو رہا تھا۔

ایراج کو اس کی اس ادا پر بہت پیار آیا تھا، اس لیے پھر سے دوبارہ سے محراب کے بالوں میں انگلیاں چلانے لگی تھی۔ سالوں بعد ایک سکون اگر محراب کو ایراج کی نرم انگلیوں کے لمس سے مل رہا تھا تو ایک سکون ایراج کی روح میں بھی اترا تھا جس نے اس کے چہرے پر روشنی بکھیر دی تھی۔ نجانے کب وہی بیٹھے بیٹھے ایراج بھی نیند کی وادیوں میں کھو گئی تھی۔ محبت کی دیوی ان دونوں کو دیکھ کر مسکرائی تھی۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے محبت میں انا کے پرچم کو بلند رکھا تھا اس لیے ان کی محبت دب گئی تھی لیکن

NEW ERA MAGAZINE .COM
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

شاید محبت کی راہ میں اتنی ٹھوکریں کھانے کے بعد وہ ایک دوسرے کا احساس کرنا سیکھ گئے تھے اس لیے محبت بھی سر ابھارنے لگی تھی۔

@@@@@@@@@@

"کیف!" ایک دن کے اندر اندر ہی کیف کی بے رخی نے انابیہ کا برا حال کر دیا تھا۔ دو سرا وقفے وقفے سے کی گئی عسرہ بیگم کی برین واشنگ کا نتیجہ تھا کہ وہ رات کے اس وقت کیف کے کمرے میں موجود تھی تاکہ وہ اس کی ناراضگی کی وجہ جان سکے۔

"کیا ہوا؟" اس وقت انابیہ کو یہاں دیکھ کر کیف کو پریشانی ہوئی تھی اس لیے ہر بات بھلائے وہ فکر مندی سے بیڈ چھوڑتا انابیہ کی جانب بڑھا تھا۔ جو کمرے کے بیچ و بیچ کھڑی تھی۔

"کیف آپ مجھ سے کیوں ناراض ہیں؟ آخر مجھ سے کیا غلطی ہوئی ہے جو آپ مجھے اگنور کر رہے ہیں۔ پلیز مجھ سے بات کریں نا میں آپ سے بات کیے بغیر نہیں رہ سکتی پلیز ز میرے ساتھ ایسا مت کریں۔" انابیہ پھوٹ پھوٹ کر روتی کیف کے سینے سے لگی تھی۔

"میں اپنی انابیہ سے ناراض بالکل نہیں ہو میری جان! اس لیے رونا بند کرو۔ کیف آفندی کا دل بہت نازک ہے وہ ان آنسوں کا بھار نہیں سہہ سکتا۔" کیف نے پیار سے اپنی نازک اندام بیوی کے بال سہلاتے ہوئے کہا تھا۔

"تو پھر ایسے روڈلی بیہیو کیوں کر رہے ہیں پچھلے چند دنوں سے؟؟" انابیہ نے رونے سے اپنی سرخ ہوتی ناک کو سکور کر اس کی جانب شکوہ کناں کرتی نگاہوں سے دیکھا تھا۔ کیف تو اپنی بیوی کی اداؤں پر نثار ہی ہو گیا تھا۔ جو رات کے اس پہر اسی کے کمرے میں اسی کے سینے پر سر رکھے کھڑی اسے دیکھ کم اور گھور زیادہ رہی تھی۔

"وہ اس لیے کہ مجھے اپنی بیوی کو سیکھانا تھا کہ جیسے وہ مجھ سے بات کیے بغیر نہیں رہ سکتا ویسے ہی فیض آفندی بھی اب اس کے بغیر تنہا اپنی زندگی نہیں گزار سکتا۔ وہ چاہتا ہے کہ اب انابیہ رخصتی کر کے اس کے پاس آئے اور اس کی زندگی کو مہکا دے۔" کیف نے گھمبیر لہجے میں کہتے انابیہ کی دھڑکنوں کو بے ترتیب کرتے، اس کے رخ پر اپنا احساس چھوڑا تھا۔ جس پر انابیہ جھنپ کر اسی کے سینے میں منہ چھپا گئی تھی۔

"مج۔۔۔ مجھے چھوڑیں کیف!! مجھے اپنے کمرے میں جانا ہے۔" انابیہ نے چند پل بعد حیا سے سرخ چہرہ لیے پیچھے ہٹنا چاہا تھا۔ جس پر کیف نے اس کے گرد حصار مضبوط

کرتے نفی میں سر ہلایا تھا۔

"نہیں پہلے مجھے میری بات کا جواب دو۔۔کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ تمہارا بھائی تمہاری اس خاموشی کو کچھ اور ہی سمجھتے ہماری رخصتی کو مزید دس سال کے لیے لٹکا نا دے" کیف نے ضدی لہجے میں کہتے دل کے پھپھولے پھوڑے تھے۔اس کے انداز پر انابیہ کو ہنسی ائی تھی۔لیکن ہونٹ دبائے اس کا دھیان بٹتے تیزی سے حصار ہٹاتے کھکھلا کر بولی تھی۔

"ٹھیک ہے پھر اپنا جواب میں اپنے بھائی کو ہی بتاؤں گی۔اب وہی اپ سے بات کریں گے۔" انابیہ کیف کو چڑا کر وہاں سے بھاگی تھی۔جبکہ کیف جو اس کی مسکراہٹ سے ہی اس کے قرار کو سمجھ گیا تھا۔اس کے یوں جانے پر بالوں میں ہاتھ پھیرتے دلکشی سے مسکرایا تھا۔۔

@@@@@@@@@@@

فرزانہ آپا نے کل سے چپ سادھی ہوئی تھی وہ آج انجیو بھی نہیں گئی تھی۔بس خاموشی سے حیات کو دیکھ رہی تھی۔اور کچھ جانچنے کی کوشش کر رہی تھی۔انہیں سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ پہلے حیات کے دھوکہ دے کر ان کے ساتھ حیا رہنے پر اس سے جواب

طلبی کریں یا پہلے بیوی کے لیے تڑپتے ابراہیم کو پہلے حیات کا بتائیں۔

انہیں ان سب سے یہ تو اندازہ ہو گیا تھا کہ یقیناً حیات اور ابراہیم کے درمیان کچھ تو غلط ہوا ہے یا کیا گیا ہے جس کی وجہ سے یہ الگ ہوئیں ہیں اور اب حیات اسی وجہ سے واپس جانے پر خوف زدہ ہے لیکن آخر اس کی وجہ کیا ہو سکتی ؟؟ یہی انہیں سمجھ نہیں آرہا تھا۔ آخر کسی نتیجہ پر پہنچتے وہ اپنے کمرے کی جانب بڑھی تھی۔

@@@@@@@@@@@@

چھٹی کے وقت سکول کے سامنے لینے آنے والوں کا ہجوم لگا تھا۔ انہی میں ایک حیات بھی تھی جو سعدان اور آدم کو لینے آئی تھی۔ ڈوپٹہ سے چہرے اور سر کو ڈھانپے آنکھوں پر گلاسز لگائے، حیات تیزی سے گیٹ کی جانب بڑھی تھی۔ جہاں کھڑے سکیورٹی گارڈ نے اس سے بچوں کا نام پوچھتے سعدان اور آدم کو باہر بلایا تھا۔ جو چند ہی لمحوں کے بعد باہر آگئے تھے۔ ان کے ساتھ عدن بھی تھی جس کا ڈرائیور بھی آگیا تھا۔

"ماما!" عدن اور سعدان خوشی سے چیختے اس کے ساتھ آکر چپکے تھے۔ جن کے پیچھے پیچھے عدن بھی اسی طرف آگئی تھی۔

"جی ماما کی جان! کیسے ہیں میرے بچے؟" ان دونوں کے ماتھے پر بوسہ دیتے ہیں حیات نے محبت سے پوچھا تھا۔

"ہم ٹھیک ہے ماما! خیر یہ چھوڑیں اور پہلے آپ میری بہن دوست عدن سے ملیں نا۔" سعدان نے عدن کو آگے کرتے کہا تھا۔اپنی طرف اشارہ پاتے عدن شرما سی گئی تھی۔

اس شرمیلی سی بچی کو دیکھ کر حیات کو نجانے کیوں انجانہ سہ اپنائیت بھرا احساس ہوا تھا۔ جس کی حسرت بھری نگاہیں حیات پر جمیں تھی۔حیات نے برجستہ سعدان اور آدم کی طرح اسے بھی گھٹنوں کے بل جھک کر اپنے سینے سے لگایا تھا۔اور اس کے ماتھے پر بوسہ دیا تھا۔

۔"کیسی ہو بیٹا!" حیات کی اتنی محبت پر وہ ننھی سی جان تو کھل ہی اٹھی تھی جو بچپن سے ہی ایک ماں کے لمس کے لیے ترسی ہوئی تھی۔ہاں اس کے پاس دادی اور پھوپھو تھی لیکن پھر بھی اسے ایک ماں کی کمی محسوس ہوتی تھی۔جیسے باقی بچوں کے پاس ہوتی تھی۔

"ٹھیک ہو آنٹی!" عدن نے شرمیلی مسکراہٹ کے ساتھ کہا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

جس پر حیات کو اس پر بہت پیار آیا تھا۔

"یہ تو بہت اچھی بات ہے عدن! خیر اس وقت تو ہم لیٹ ہو رہے ہیں۔اس لیے چلتے ہیں لیکن یہ تم ہمارا اڈریس رکھ لو اور جب دل کرے تب آجایا کرنا۔ٹھیک ہے بچہ؟" حیات نے سر پر پڑتی دھوپ اور سڑک پر کھڑے ہونے کے احساس کو محسوس کرتا، اپنے گھر کا ڈریس عدن کو تھامتے ہوئے کہا تھا۔جس کا ڈرائیور پاس ہی ہاتھ باندھے عدن کے فارغ ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔

سعدان اور آدم کے جانے کے بعد عدن بھی تھوڑی دیر ان جاتی گاڑی کو دیکھتے، اپنی گاڑی میں بیٹھ گئی تھی۔اس نے فیصلہ کرلیا تھا کہ وہ جلد ہی سعدان لوگوں کے گھر جائے گی تاکہ وہ حیات کے ساتھ کھیل سکے۔اسے وہ آنٹی بہت اچھی لگی تھی۔

@@@@@@@@@@

"کیف بھائی! کل رات سے ممی کی طبیعت بہت خراب وہ اس وقت ہاسپٹل کے آئی سی یو میں ہیں۔ہم سب بہت پریشان ہیں بھائی ہمیں آپ کی سخت ضرورت ہے پلیز گھر واپس آجائیں۔۔" فون کے اسپیکر کے دوسری جانب سے آتی منیب کی روتی آواز پر کیف کے جسم میں تکلیف کی ایک لہر سرائیت ہوئی تھی۔

افشاں بیگم جیسی بھی تھی۔انہوں کسی کے ساتھ جتنا بھی برا کیا تھا۔لیکن وہ آخر کیف کی ماں تھی اور کیف تو پھر اپنی ماں کا لاڈلا دہا تھا۔وہ ان سے ناراض ہوا تھا۔اس لیے گھر چھوڑ کر یہاں آگیا تھا۔لیکن اب یہ بات سن کر اس کے دل پر گھونسا پڑا تھا۔وہ اپنی ماں کے خود سے ہمیشہ کے لیے دور جانے کے خیال سے تڑپ اٹھا تھا۔اس کی آنکھوں سے آنسوں بہہ نکلے تھے۔

"کیف بھائی اپ سن رہے ہیں نا؟ پلیز بھائی آپ سب کو لے کر آجائیں یہ آفندی ویلا آپ سب کے بغیر ویران ہو گیا ہے۔اس کی رونق ختم ہو گئی ہے۔میں آپ کو خود منا کر لینے آنے والا تھا۔لیکن اچانک ماما کی طبیعت بگڑنے پر آ نہیں سکا۔پر بھائی آپ پلیز آجائیں نا ہم سب کو اپ کی دادا کی اور ابراہیم بھائی کے سہارا چاہیے۔آفندی ویلا میں پہلے جیسی رونق چاہیے بھائی!" منیب کی اواز میں بھی آنسوں کی آمیزش شامل تھی۔جس نے کیف کے ساکن وجود کو جھنجھوڑا تھا۔

تین دن بعد اس کی اور انابیہ کی رخصتی تھی تو دوسری جانب اس کی ماں کو اس کی ضرورت تھی۔ایسے میں کیف کو سمجھ نہیں آرہا تھا کہ کیا کرے بہت دیر سوچنے کے بعد اس نے اپنی ماں کے حق میں فیصلہ کیا تھا اور چل پڑا تھا سب گھر والوں کو اپنے جانے

کی اطلاع دینے، اور انہیں اپنے ساتھ لیجانے کے لیے منانے کے لیے۔۔

@@@@@@@@@@

ایک اُجلی اور حسین صبح السلام آباد کے اس فلیٹ پر اتری تھی۔ جس کے ایک کمرے میں اس وقت محراب مراد اپنی زندگی کو باہوں میں بھرے پر سکون نیند سویا ہوا تھا۔ برسوں بعد یہ وہ پہلی نیند تھی جس میں وہ مضطرب نہیں تھی۔ کوئی اضطراب اس کے چہرے سے جھلک نہیں رہا تھا۔ وجہ صرف وہ وجود تھا۔ جس نے آخر کار محبت میں آئی انا کی دیوار کو گرانے کے لیے پہلا قدم بڑھا دیا تھا۔

آفتاب کی کرنوں کی میٹھی میٹھی روشنی چہرے پر پڑنے پر محراب کی نیند میں خلل پڑا تھا۔ کسمسا کر اس نے کروٹ بدلنا چاہی تھی لیکن اچانک کسی احساس کے تحت وہ ٹھٹھک گیا تھا اور آنکھیں کھولتے اپنے حصار میں پڑے وجود کو دیکھنے لگا تھا۔

نیند کی وادیوں میں کھوئی ایراج اس وقت محراب کے کس قدر نزدیک تھی یہ بات اسے پتہ چل جاتی تو شاید بچاری شرم سے پانی پانی ہو جاتی۔ محراب کے چہرے پر اس کی بے خبری پر مسکراہٹ رینگی تھی۔ محراب مراد کا دل ایراج کے خود چل کر اپنے پاس آنے پر دھڑک اٹھا تھا۔ وہ بے خود سہ ہوتے آنکھوں کے رستے اس کے ایک ایک

نقوش کو دل میں اتارنے لگا تھا۔ شاید یہ محراب کی نظروں کا ہی ارتکاز تھا کہ گہری نیند میں گم ایراج کسمائی تھی۔ جس پر محراب فوراً سے آنکھیں بند کر گیا تھا۔ کیونکہ وہ ایراج کے ایکسپریشن دیکھنا چاہتا تھا۔

آنکھ کھلتے ہی جو پہلی چیز ایراج کو محسوس ہوئی تھی وہ کسی کا حصار تھا جو اس کے گرد بندھا ہوا تھا۔ وہ دھک سے رہ گئی تھی۔ رات کے واقعات یاد آئے تو وہ شرمندہ ہو گئی تھی کہ کیا ضرورت تھی اسے یہاں سونے کی، یہ تو شکر ہے کہ محراب ابھی سویا ہوا ہے۔ لیکن اگر اس نے دیکھ لیا ہوتا تو کیا سوچتا؟؟ ایراج نے یہی سب سوچتے بغیر آواز پیدا کیے آہستگی سے محراب کے ہاتھ ہٹا کر اٹھنا چاہا تھا۔ لیکن کانوں میں پڑی سرگوشی پر دھک سی رہ گئی تھی۔

"یقین کرو تمہیں اپنے حصار میں قید دیکھ کر میں نے کچھ غلط بالکل نہیں سوچا، کیونکہ دیر سے ہی سہی لیکن تم اصل جگہ پر آ گئی ہو۔" محراب نے گھمبیر لہجے میں بولتے ایراج کی دھڑکن کو بے ترتیب کیا تھا۔

اگر ایراج نے ایک قدم محراب کی طرف رکھا تھا تو محراب نے بھی ہرانا کے بت کو گراتے دو قدم ایراج کی جانب بڑھائے تھے۔ نجانے کس احساس کے تحت ایراج کی

بند آنکھوں سے چند موتی نکل کر رخساروں پر پھسلے تھے۔ جنہیں محراب نے محبت سے چن لیا تھا۔

"جانتی ہو بابا اور حیات کے بعد میں بہت اکیلا ہو گیا تھا۔ اور جب مجھے پتہ چلا تھا کہ میری بہن کی تباہی میں جانے انجانے میں میری ماں کا بھی ہاتھ ہے تو میں ٹوٹ گیا تھا۔ میں خاموش ہوتے دنیا سے کٹ گیا تھا۔ مجھے اس وقت کسی اپنے کی شدید ضرورت تھی جس کے کندھے پر سر رکھتے میں کھل کر رو سکتا لیکن یہ کندھا مجھے میسر نہیں تھا یا میں نے ہی کسی کو میسر نہیں ہو دیا پتہ نہیں وجہ کیا تھا؟ لیکن ہاں تمہارے آجانے کے بعد مجھے لگتا تھا کہ شاید تم مجھے وہ کندھا دو گی لیکن تمہاری آنکھوں سے نظر آتی بے اعتباری نے محراب مراد کو سنبھالنے کی بجائے اسے بکھیر دیا تھا، تم نے میری محبت پر شک کرتے مجھے مزید تکلیف پہنچائی، تمہاری اس سوچ نے کہ میں کمزور مردوں کی طرح کسی اور کی سزا تمہیں دوں گا۔ جانتی ہو مجھے کس قدر شدید رنج میں مبتلا کیا تھا۔ میرا دل ٹکڑوں میں بٹا تھا۔ اس لیے میں سوچ لیا تھا کہ اب جب تک خود مجھ پر بھروسہ کرتے مجھ تک نہیں آؤں گی تب تک میں بھی تم تک نہیں آؤں گا۔ شکر ہے کہ میرا انتظار لا حاصل نہیں گیا اور تم وقت رہتے لوٹ ائی۔ جانے انجانے میں میں نے جو بھی

تمہیں تکلیف دی اس کے لیے معافی مانگتا ہوں،اور وعدہ کرتا ہوں کہ اب میں تمہیں کبھی خود سے دور نہیں جانے دوں گا۔"ایراج کے کندھے میں منہ چھپائے اس سے شکوہ کرتے،آخر میں محراب نے ظرف بڑھا کرتے معافی مانگنے میں پہل کی تھی۔ ماضی کو یاد کرتے محراب کی آنکھوں سے شفاف موتی گرے تھے جو ایراج کے کندھے میں جذب ہو گئے تھے۔

محراب کی بات پر ایراج جو پہلی پیچھلے دنوں سے اپنا احتساب کرنے کے بعد شرمندگی کے سمندر میں غرق تھی،وہ محراب کے سینے میں منہ چھپائے پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔محراب تو اچانک اس کے اتنے شدید رد عمل پر بھکھلا گیا تھا۔لیکن پھر اسے اپنے دل کا غبار نکالنے کی اجازت دیتے ہولے ہولے سے اس کا سر سہلانے لگا تھا۔

"رولو جتنا رونا ہے کیونکہ اس کے بعد مجھے تمہاری آنکھوں میں آنسوں نہیں صرف محبت کی روشنی دیکھنی ہے۔"محراب نے گھمبیر لہجے میں تنبیہ کی تھی۔

"آئم سوری! محراب میں آپ کی محبت پر شک نہیں کرنا چاہتی تھی لیکن میں ڈر گئی تھی کہی مفاقات عمل نہ ہو کہ جیسا اس گھر کی بیٹی کے ساتھ اس گھر والوں نے ویسا کچھ میرا ساتھ نہ ہوا۔مجھے معاف کردیں محراب میں نے آپکو تکلیف پہنچائی ہے۔" محراب

کی بات کے جواب میں روتے ہوئے ایراج نے معافی مانگی تھی۔ جس پر محراب نے بغیر کچھ بولے ایراج کے چہرے کو ہاتھوں کے پیالے میں لیتے،اس پر جابجا اپنا احساس بخشنا شروع کیا تھا۔ایک راحت برسوں بعد ان کے دل کے دریچوں میں اتری تھی۔

"بس بہت ہوا یہ رونا دھونا،اب ہم بالکل نہیں روئیں گے۔ مجھ سے وعدہ کرو کہ آئندہ کبھی محراب کی محبت کو کمزور نہیں سمجھو گی اور ہر مشکل میں میری ساتھی،میری طاقت بن کر رہو گی" محراب نے ایراج کے سامنے ہاتھ کیا تھا۔ جس پر ہلکی سی مسکان کے ساتھ ہاتھ رکھتے ایراج نے وعدہ کیا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"اور آپ بھی وعدہ کریں کہ آئندہ میں جو بھی غلطی کرو مجھ سے یوں دور جانے کی بجائے حق سے مجھ سے جواب مانگیں گے کیونکہ آپ کی ناراضگی میں اب کبھی برداشت نہیں کر سکتی۔" ایراج نے نم آنکھوں سے وعدہ لینا چاہا تھا۔ جس پر محراب نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھتے اسے ہونٹوں سے لگایا تھا۔

"اچھا چلیں جلدی سے اٹھیں فریش ہو جائیں تب تک میں آپ کے کپڑے نکال دیتی ہوں۔ پھر آفس بھی تو جانا ہے۔" غم کے بادل ہٹے تھے تو ایراج کے چہرے پر الوہی سی چمک لوٹ آئی تھی۔اس لیے تیزی سے بستر سے اٹھتے ہوئے بولی تھی۔

"اتنی بھی کیا جلدی ہے جانے کی!" محراب نے ہاتھ کھینچ کر ایراج کو خود پر گراتے معنی خیزی لہجے میں کہا تھا۔ جس پر ایراج جھنپ سی گئی تھی۔ پھر اس کے کندھے پر ہاتھ مارتے وہاں سے اٹھتے ہوئے بولی تھی۔

"محراب شرم کریں صبح کے نو بج رہے ہیں۔ یقیناً ماما ہمارا باہر انتظار کر رہی ہو گی۔ اسی لیے شرافت سے جلدی سے اٹھ جائیں۔" ایراج کے کہنے پر محراب مجبوراً اٹھتے ہوئے شرارت سے بولا تھا۔

"ویسے تو میری ماما کافی سمجھدار ہیں۔ وہ سمجھ جائیں گی کہ ان کا بہو اور بیٹا ان کو دادی بنانے کی پلیننگ کر رہے ہیں۔ اس لیے باہر نہیں آرہے اس لیے وہ انتظار بھی نہیں کریں گی۔ پر پھر بھی اگر تم کہتی ہو تو اٹھ جاتا ہوں۔" محراب کی بات پر ایراج حیا سے گلنار ہوتی اسے دھکیل کر واش روم کرتی خود اسکے کپڑے نکالنے لگی تھی۔ جبکہ محراب اس کے یوں نظریں چرانے پر خوب لطف اندوز ہوا تھا۔

@@@@@@@

کچھ دیر بعد جب وہ دونوں فریش ہو کر لاونج میں آئے تو لاونج میں حمیرہ بیگم کے ساتھ بیٹھے ابراہیم کو دیکھ کر انہیں خوشگوار سی حیرت ہوئی تھی۔ ایراج نے تیزی سے آگے

بڑھتے نم آنکھوں سے ابراہیم کو سلام کیا تھا۔ جس پر ابراہیم نے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے بہنوں کا مان بخشتے سینے سے لگایا تھا۔ جبکہ ایراج کے بعد محراب نے جب آگے ہو کر ابراہیم سے ملنا چاہا تھا تو ابراہیم پیٹھ موڑتے حمیرہ بیگم کی چہرہ کرتے خفگی سے بولا

"پھوپھو! یہ زرا اپنے صاحبزادہ کو بتادیں کہ میں اس سے ناراض ہوں کیونکہ یہ صرف مجھے نام کا ہی بھائی مانتا ہے۔ اگر یہ مجھے اصل کا بھائی مانتا تو اسکی پریشانی مجھے اس کے مینجر سے نہیں بلکہ اس سے سننے کو مل رہی ہوتی۔" ابراہیم کی ناراضگی کی وجہ جانتے محراب کو مینجر پر غصہ آیا تھا۔ کہ آخر اس نے ابراہیم اسکی وجہ سے پریشان کیوں کیا۔ لیکن پھر ابراہیم کی ناراضگی سے بے چین ہوتے، اس نے ابراہیم کے سامنے جاتے اپنے دونوں کان پکڑے تھے۔

"اپنے چھوٹے سے پیارے سے سالے کو معاف کردیں بھائی! دیکھیں مجھے لگا کہ مجھے خوامخواہ اپنی وجہ سے آپ کو پریشان نہیں کرنا چاہیے۔ اس لیے وہ سب آپ کو نہیں بتا آیا۔ سچی اس کے علاوہ میرا کوئی اور مقصد نہیں تھا۔" محراب کے اتنے معصومانہ انداز میں کہی گئی بات پر ابراہیم نم آنکھوں سے اسے دیکھتا رہا پھر اسے سینے سے لگاتے بولا

"ڈفر تمہیں میں نے بھائی کہا نہیں مانا بھی ہے۔ اس لیے آج اس شخص کو اچھا سبق

سیکھا کر آرہاہوں جس نے تمہیں دھمکی دینے کی کوشش کی تھی۔ لیکن اگر آئندہ تونے ایسی کوئی بات چھپائی تو یادرکھنااب تومیں مان رہاہوں۔ لیکن اس کے بعد بالکل نہیں مانوں گا۔اب جلدی سے اپنی جو بھی پیکنگ ہے ضروری ضروری وہ کرلوں کیونکہ میں چاہتاہوں کہ اب سے تم لوگ یہاں نہیں بلکہ سب کے ساتھ وہی رہو" ابراہیم نے انہیں جلدی سے حکم سنایا تھا۔ جس پر محراب منع کرناچاہتا تھا۔ لیکن پھر ابراہیم کے اپنائیت سے بھرے لہجے میں کیے گئے حکم کی خاطر وہ بلاچراں چوکیے مان گیا تھا۔

یوں کچھ دیر بعد یہ چھوٹاسہ قافلہ ہوائی جہاز کے ذریعے چند ہی گھنٹوں میں کراچی پہنچا تھا۔ابراہیم انہیں لے کر سیدھا اپنے منشن میں آیا تھا۔

@@@@@@@

"انا! تم ناراض تونہیں ہوں نامیری جان؟ جانتاہوں کہ میں یوں ایسے تمہیں چھوڑ کر وہاں جاکر اچھا نہیں کر رہا لیکن وہ میری ماماہیں۔۔۔" کیف جواپنی پیکنگ کرتی انابیہ کو دیکھ رہا تھا، یک دم اسے حصار میں لیتے شرمندگی سے بول رہا تھاجب انابیہ نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھتے اسے خاموش کر دیا تھا۔

"کیف! مجھے آپ کا جانا بالکل بھی برا نہیں لگا کیونکہ میں جانتی ہوں کہ وہ وہاں جو بیمار

پڑی ہے وہ آپکی ماما ہے اور ماں چاہے جیسی بھی ماں ماں ہی ہوتی ہے۔ جس کے قدموں کے نیچے جنت ہوتی ہے۔ میں نہیں چاہتی کہ آپ میری وجہ سے اپنی جنت کو گوادیں۔ اس لیے بے فکر ہو کر جائیں ویسے بھی رخصتی کا کیا وہ تو کبھی بھی ہو سکتی ہے نا۔ آپ وہاں جائیں اور اپنی ماما کی تیمارداری کریں۔ ان کی حالت بہتر ہو گی تو میں بھی بڑے دادا اور ماما کے ساتھ وہاں آؤں گی۔" انابیہ نے کیف کے دل پر موجود ایک بھاری سیل کو ہٹاتے، اسے اپنا مان بخشا تھا۔

"بہت شکریہ انابیہ! تم واقع رب کی طرف سے میرے لیے ایک انعام ہو جس کے لیے میں ساری زندگی رب کا شکر گزار رہوں گا" کیف نے انابیہ کو معتبر کرتے، بیڈ سے سامان پکڑتے نیچے کی طرف آیا تھا۔ کچھ دیر میں اسکی لاہور کے لیے فلائیٹ تھی۔

سب سے ملنے کے بعد جیسے ہی کیف باہر کی جانب بڑھا، ابراہیم کے سنگ موجود محراب لوگ اندر داخل ہوئے تھے۔ ان سب کو دیکھ کر گھر والوں کو خوشگوار حیرت ہوئی تھی۔ کیف کو چونکہ جلدی تھی اسی لیے وہ ان سب سے ملنے کے بعد وہاں سے فوراً نکل گیا تھا۔ ابراہیم کو اس کے جانے کی وجہ سن کر افسوس ہوا تھا لیکن دکھ نہیں کیونکہ جو عورت اس وقت اسپتال میں تھی اس نے ابراہیم کی پاکیزہ محبت پر تہمت لگائی تھی۔ وہ

کبھی انہیں معاف نہیں کر سکتا تھاہاں اگر کبھی حیات اسے مل جاتی تو شاید اس کی خاطر وہ معاف بھی کر دیتا ورنہ وہ ایسا ارادہ نہیں رکھتا تھا۔

کیف کے جانے کے بعد وہ سب اندر کی جانب بڑھے تھے۔سالوں بعد حمیرہ بیگم اپنے باپ سے مل کر خوب روئی تھی اور سب کو بھی خوب رلایا تھا۔دوسری طرف ایراج کو انابیہ کو ٹھیک دیکھ بہت ہی خوش ہوئی تھی۔کچھ ہی دیر میں وہ دونوں گھل مل گئی تھی۔ ابھی وہ سب لوگ بیٹھے ہوئے تھے جب حمیرہ بیگم اچانک بولی تھی۔

"بابا! مجھے آپ سب کے سامنے اپنی ایک غلطی کا اعتراف کرنا ہے جس کا بوجھ میں برسوں اپنے سینے پر لئے پھر رہی ہوں۔جانتی ہوں ابراہیم کا ظرف ہے کہ اس نے مجھے اس کے لیے معاف کر دیا ہے۔لیکن میں چاہتی ہوں کہ آپ لوگ بھی اس بات کو جانے اور افشاں بھابھی کیطرح مجھے بھی سزا دیں کیونکہ ان سب میرا بھی بہت ہاتھ تھا۔" حمیرہ بیگم کی تمہید پر جہاں محراب نے دکھ سے، آنے والے لمحات کے خیال سے اپنی آنکھیں میچی تھی، وہی ابراہیم نے بے چینی سے حمیرہ بیگم کا ہاتھ دبا کر انہیں روکنا چاہا تھا۔شاید اس لیے کہ وہ نہیں چاہتا تھا کہ حمیرہ بیگم شرمندہ ہوں۔

لیکن حمیرہ بیگم نے ابراہیم کی مانے بغیر ہر اس بات سے پردہ اٹھادیا تھا جس میں افشاں

بیگم کے ساتھ عسرہ بیگم کے پاس انہیں شادی سے منع کرنے سے لے کر یہ تک تھا کہ کیسے انہوں نے ابراہیم کو حیات سے دور رکھنے کے لیے وعدہ لیا تھا۔

"حمیرہ! جانتی ہو ایک لڑکی کے والی وارث رب نے اس کے باپ اور بھائی کو بنایا ہے۔ مطلب اگر باپ چاہے تو لڑکی کی مرضی سے اس کی شادی کہی بھی کر سکتا ہے۔ اس بات پر ماں کوئی آواز نہیں اٹھا سکتی۔ اس لیے جو تم نے ابراہیم سے وعدہ لیا تھا۔ ابراہیم اسے نبھانے کا پابند نہیں تھا ہاں اگر یہی وعدہ محراب یا مراد میں سے کوئی ابراہیم سے کرتا وہ ضرور اس کو نبھانے پر پابند تھا لیکن تمہارے کہنے پر وہ پابند نہیں تھا اور دوسرا تمہارا ابراہیم سے وعدہ وعدہ کے نہیں بلکہ بلیک میلنگ کے زمرے میں آتا ہے کیونکہ تم نے اپنا دوپٹہ ابراہیم کے پاؤں میں رکھتے اسے مجبور کیا تھا۔ اور ایسا کر کے تم نے اپنی لاعالمی میں گناہ کیا ہے۔ اس لیے تمہیں ہم سے نہیں بلکہ رب سے معافی مانگنی چاہیے کیونکہ وہی ہے جو رحیم و کریم ہے۔ یقیناً یہ جو تمہارے دل پر بھوج ہے وہ ایسا کرنے سے ضرور ہٹ جائے گا۔" بڑے ابا نے اپنی بیٹی کو پیار سے سمجھاتے تمام حقائق واضع کیے تھے۔ جس پر ندامت کے آنسوں حمیرہ بیگم کی آنکھوں سے گرے تھے۔

دوسری طرف ابراہیم کے ذہن میں جھکڑ چلنے لگے تھے۔ کیونکہ حمیرہ بیگم کے یہ کہنے

کے باوجود کہ اس نے ابراہیم کو وعدہ سے پہلے ہی آزاد کر دیا تھا۔ پھر بھی ابراہیم کہی نا کہی برسوں سے جو یہ سمجھتا آرہا تھا کہ اس نے وعدہ خلافی کی تھی۔ اس لیے حیات سزا کے طور پر اس سے دور کی گئی ہے۔ پر ایسا کچھ تھا ہی نہیں۔ حقیقت میں تو اس کی لاعلمی اسے حیات سے دور کر گئی تھی۔ ابراہیم سرخی مائل آنکھیں لیے وہاں سے اٹھتا مینشن میں موجود ایک کمرے میں آگیا تھا۔

@@@@@@@@@@

ابراہیم مینشن کا یہ کمرہ ہوبہو آفندی ویلا میں موجود ابراہیم کے کیلیگرافی والے کمرے سے ملتا جلتا بنا گیا تھا۔ لیکن ایک فرق تھا یہاں اور وہاں والے کمرے میں، وہ یہ کہ اُس کمرے میں ابراہیم جاسم آفندی ہر موقع پر جاتا تھا۔ خواہ وہ خوشی ہو یا غمی، تنہائی ہو یا سب کے ساتھ وہ ہر حال میں اس کمرے کو یاد رکھتا تھا۔ جہاں وہ رب سے محو گفتگو ہوتا تھا۔ لیکن اس کے برعکس اس یہ کمرہ ایسا تھا جہاں پچھلے ان گزرے چند سالوں میں یہ تعلق ختم نہیں ہوا تھا لیکن نجانے کیا بات تھی کہ اب ابراہیم ان الفاظ کو اپنی قلم سے لکھ نہیں پاتا تھا۔ اب یہ کمرہ صرف اس کی سکون کی آماجگاہ تھا۔ لیکن رب سے رابطہ کا ذریعہ نہیں رہا تھا۔ شاید وجہ وہ ان گناہوں کا بوجھ تھا جو اس کے کندھوں پر آن گرا

تھا۔

ابراہیم بے خودی کے عالم آج پھر کنویکس کے سامنے آبیٹھا تھا۔ شہزادے کے لرزتے ہاتھوں نے پھر سے قلم کو تھاما تھا۔ نجانے قلم کو تھامنے میں کیسی تاثیر تھی کہ اس کے ہاتھ ایک دفعہ کانپے تھے۔ ماتھے پر پسینہ کی بوندیں چمکی تھی۔ آنکھیں خود باخود نم ہوئی تھیں۔ ایک شفاف ندامت سے لبریز موتی اس کی آنکھوں سے گرا تھا جو شاید رب کی بارہ گاہ میں قبولیت کا درجہ اختیار کر گیا تھا۔ اسی لیے ابراہیم کے ہاتھ کنویکس پر چلتے 'الجبار' کے الفاظ لکھنے لگے تھے جبکہ وہ سحر زدہ ہونٹوں سے جو مقابل کو اپنے سحر میں جکڑنے کی طاقت رکھتے تھے، رب سے محو گفتگو ہوا تھا۔

"اے رحمان! اے رحیم! اے کریم مالک! اے دونوں جہاں کے رب عظیم یہ تیرا بندہ آج بھٹکتا ہوا برسوں بعد پھر سے تیری بارگاہ میں آیا ہے۔ اس لیے یہ نا دیکھیے گا یہ کتنے عرصے بعد آیا ہے۔ بس اپنے نام الرحیم کی طرف بس مہربان بن کر دیہ دیکھ لیجئے گا کہ آپ کے محبوب کا بھولا بھٹکا امتی لوٹ آیا ہے۔

میرے مالک میں تو بے بس، لاچار، اور بڑا ناسمجھ بندہ ہوں۔ جو تیری آزمائش کو کہی نا کہی دل میں اپنی سزا سمجھتا آیا ہے۔ اس کے لیے مجھے معاف کر دیں اور میری اس

آزمائش کو ختم کر دیں۔ آپ تو 'الجبار' ہیں یعنی جو بچھڑوں کو ملاتے ہیں۔ ایک تڑپتی ماں کو اس کے سالوں سے بچھڑے بیٹے سے ملاتے ہیں، ایک بہن کو بھائی سے باپ کو بیٹی سے اور بھائی کو بھائی سے ملاتے ہیں۔ جیسے آپ نے یوسف علیہ السلام کو حضرت یعقوب علیہ السلام سے برسوں بعد ملایا تھا۔ ویسے ہی آپ اپنی اس صفت کے بدلے مجھے میری حیات سے ملا دیں۔ یا اللہ میں تجھے تیرے حبیب کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ مجھے میری شریک حیات سے ملا دیں میرے مالک یہ بندہ ناچیز اب ضبط کے دھانے پر ہے۔ اس سے زیادہ بوجھ وہ اٹھا نہیں سکتا۔ پلیز یا اللہ مجھے حیات سے ملا دیں۔ "
جیسے جیسے انمول موتی آنکھوں سے گر رہے تھے۔ ویسے ویسے یک گونہ احساس ابراہیم کو مل رہا تھا۔

انسان گناہ کرتے وقت خود سے کہتا ہے کہ وہ بعد میں معافی مانگ لے گا کیونکہ رب رحیم ہے وہ جلدی معاف کر دے گا۔ لیکن وہ بھول جاتا ہے کہ بے شک رب رحیم ہے پر صدا کے انسان کے دشمن شیطان نے تو قسم کھائی تھی کہ اے رب تیرے ان بندوں کو تیرے راستے سے ہٹاؤ گا۔ تو وہ کیسے یہ برداشت کر سکتا ہے کہ بندہ واپس رب سے رجوع کرے یہی وجہ ہے کہ گناہ کے بعد رب کی طرف واپس بڑھنے کے لیے

پہلا قدم اٹھانا بہت مشکل ہے۔ لیکن جب یہ ہو جاتا ہے تو پھر رب ہاتھ تھام لیتا ہے اور جلد معاف کر دیتا ہے۔

ابراہیم نے بھی بھٹکنے کے بعد رب کی جانب قدم بڑھالیا تھا۔ جس پر رب نے اس کا ہاتھ تھامتے اسے معاف کر دیا تھا۔ یقیناً اب اسے اس کی منزل جلد ملنے والی تھی۔

اچانک اس خاموش کمرے میں ابراہیم کے موبائل پر آتی فون کال نے ارتعاش پیدا کیا تھا۔ جس پر ہوش میں آتے، نام دیکھے بغیر ابراہیم نے اسے پیک کرتے کان سے لگایا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"السلام علیکم! ابراہیم میں فرزانہ آپا بات کر رہی ہوں۔ کل جس لڑکی کی تصویر تم دے کر گئے تھے۔ مجھے تمہیں اس کے متعلق کچھ بتانا ہے ہو سکتا ہے وہ تمہاری مدد کر سکے۔ اس لیے اگر ممکن ہو تو آج شام رات کو میرے گھر ڈنر پر آجاؤ۔" سپیکر کے دوسری جانب سے آتی فرزانہ آپا کی آواز نے ابراہیم کو دعوت نہیں دی تھی۔ بلکہ زندگی کی ڈور تھمائی تھی۔ ابراہیم کی آنکھ سے شکرانے کے آنسوں گرے تھے۔ جنہیں صاف کرتے وہ تیزی سے حرکت میں آتے بولا

"جی جی میں ابھی آجاتا ہوں!" ابراہیم کی پھرتی دیکھ دوسری جانب فرزانہ آپا کو نجانے

کیوں خوشی ہوئی تھی۔شاید اس پر خلوصِ عورت نے دل سے یہ چاہا تھا کہ حیات کو اس کا شوہر مل جائے اس لیے اب وہ خوش تھی۔

@@@@@

فرزانہ آپا کے گھر کے جدید طرز سے بنے،ڈرائنگ روم میں بیٹھا ابراہیم اس وقت بے چینی سے فرزانہ آپا کا انتظار کر رہا تھا۔اضطرابی کیفیت کے باعث ابراہیم کی ایک ٹانگ مسلسل ہل رہی تھی۔جبکہ نظریں ڈرائینگ روم کے دروازہ پر تھی۔اس کے برعکس اس کے ساتھ بیٹھی عدن،جو ابراہیم کو باہر جاتے دیکھ ضد کرتے اس کے ساتھ آئی تھی،ٹکر ٹکر اشتیاق سے ادھر اُدھر دیکھ رہی تھی۔اس دل بار بار مچل رہا تھا باہر بنے خوبصورت گارڈن میں جا کر کھیلنے کو لیکن باپ کی وجہ سے معصومیت کا مظاہرہ کرتے بیٹھی ہوئی تھی۔ تبھی فرزانہ آپا جلد ہی وہاں آ گئی تھی۔

"ویلکم ٹو مائی ہوم ابراہیم !"فرزانہ آپا نے آتے ہی ابراہیم کو خوش آمدید کہا تھا۔پھر اس کے ساتھ بیٹھی بچی کی جانب سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی تھی۔

"یہ میری بیٹی عدن ابراہیم ہے۔عدن بچے آنٹی کو سلام کرو!"ابراہیم نے ان کی نظروں کا مفہوم سمجھتے انہیں عدن سے متعارف کروایا تھا۔جس پر فرزانہ آپا مزید الجھی

تھی۔ لیکن کچھ بولنے کی بجائے محظ سر ہل گئی تھی۔

"السلام علیکم آنٹی! میں عدن ابراہیم جاسم آفندی ہوں۔" عدن کے ہاتھ آگے بڑھانے پر فرزانہ آپا نے مسکراتے ہوئے تھام لیا تھا۔ پھر ابراہیم کی اجازت سے اسے باہر کھیلنے کے لیے بھیج دیا تھا۔ کیونکہ انہیں جو ابراہیم سے بات کرنی تھی وہ یوں عدن کے سامنے نہیں کر سکتی تھی۔

"اپ کو یوں میری بیٹی کا آنا برا تو نہیں لگا؟" عدن کے جانے کے بعد ابراہیم نے ان کے سنجیدہ چہرہ کو دیکھ کر پوچھا تھا۔

"نہیں برا تو نہیں لگا لیکن مخمصہ کا شکار ضرور ہو گئی ہوں۔ کہ اگر تم اپنی محبوب بیوی کو ڈھونڈ رہے ہو تو پھر یہ بیٹی کس بیوی سے ہے؟" فرزانہ آپا کی بات ابراہیم کو چبھی تھی۔ اس لیے بغیر ان کی بات کا جواب دیے روکھے لہجے میں بولا

"میرے خیال سے آپ نے یہاں مجھے حیات کے بارے میں بات کرنے کے لیے بلایا ہے۔ اس لیے اگر وہی بات کریں تو ٹھیک ہے۔ میں اپنی بیٹی کے وجود کو موضوع گفتگو نہیں بنانا چاہتا۔" ابراہیم کے چہرے پر ابھرتے برہمی کے تاثرات کو فرزانہ آپا نے بہت غور سے جانچا تھا۔

"تو ٹھیک ہے پھر اگر تم مجھے یہ بات نہیں بتا سکتے تو میں بھی تمہیں حیات کا پتہ نہیں دوں گی" فرزانہ آپا بھی ٹھوس لہجے میں بولی تھی۔ جس پر ابراہیم چند لمحے انہیں دیکھنے کے بعد لب بھینچ کر انہیں عدن کی حقیقت سے آگاہ کر گیا تھا۔

"ابراہیم میرا مقصد قطعاً تمہارا دل دکھانا نہیں تھا۔ تم میرے لیے میرے بھائی، بیٹے کی مانند ہو یقین کرو کہ جس لڑکی کو تم ڈھونڈ رہے ہو وہ میرے اتنے قریب رہ رہی ہے کہ میں تمہیں اس تک لیجانے سے پہلے، خود ماضی میں ہوئے واقعات جاننا چاہتی ہوں۔ تاکہ فیصلہ کر سکوں کہ غلطی کسی کی تھی اور کیا تم اس تک جانا ڈیزو کرتے ہو کہ نہیں" فرزانہ آپا نے گہری سانس بھرتے بات کا اغاز کیا تھا۔ جس پر ابراہیم کا دل دھڑک اٹھا تھا۔ حیات کو دیکھنے کی چاہ مزید بڑھی تھی۔ لیکن خود پر ضبط کرتے وہ فرزانہ آپا کو ہر چیز بتا گیا تھا۔

جس پر ان کی آنکھوں میں آنسوں آ گئے تھے۔ ان کے دل میں جو کل سے حیات کو لے کر بد گمانی آگئی تھی وہ چھوٹ چکی تھی۔ انہیں اب اس سے ہمدردی محسوس ہوئی تھی۔ انہیں آج پتہ چلا تھا کہ کیوں حیات نے ان سے لگاتا جھوٹ بولے تھے۔ کیونکہ شاید وہ خوف زدہ تھی کہ اگر وہ واپس جائے گی تو ابراہیم بھی باقی سب کی طرح یہی سمجھے گا کہ

وہ بد کردار لڑکی ہے۔ جس کے پیٹ میں کسی اور کا بچہ ہے۔ صرف اس ایک ڈر کے باعث حیات نے ان سے جھوٹ بولے تھے۔

"پلیز آپ تو بتائیں آپا کہ حیات کہاں ہے؟؟" ابراہیم کا ضبط جواب دے رہا تھا۔ اس لیے بے چینی سے بولا تھا۔

"تم بیٹھو اس بارے میں بھی بات ہوتی ہے میں ابھی تمہارے لیے چائے لاتی ہوں۔"

"فرزانہ آپا ابراہیم کو ایک بار پھر انتظار کی سولی پر لٹکا کر، اسے بولنے کا موقع دیے بغیر باہر کی جانب تیزی سے بڑھی تھی۔

ابراہیم جلے پیر کی بلی کی مانند یہاں سے وہاں چکر لگانے لگا تھا۔ دل پاگل دیوانہ جو اس گھر میں قدم رکھتے ہی تیزی سے دھڑکا تھا۔ اب تو اس نے ابراہیم کی حالت خراب کر رکھی تھی۔

"آؤ حیا! اندر آ جاؤ۔ یہ کوئی غیر نہیں ہے میرے جاننے والے ہیں۔" فرزانہ آپا اپنے ساتھ چائے والی ٹرالی اندر لاتی حیا سے کہا تھا۔

ابراہیم جو کھڑکی کی جانب پیٹھ موڑ کر کھڑا تھا۔ ایک دم سے فرزانہ آپا کی آواز پر مڑا تھا۔

لیکن سامنے موجود اس وجود کو دیکھ کر ساکن ہو گیا تھا۔ کتنے برسوں بعد وہ اسے دیکھ رہا تھا۔ جو پہلے سے بہت بدل گئی تھی۔

اس کی جسامت پہلے کی نسبت تھوڑی بھری بھری سی ہو گئی تھی۔ چہرے پر ایک نور کا ہالہ سہ بنا ہوا تھا۔ لمبے خوبصورت بال اس وقت پردے میں چھپے تھے۔ جبکہ وہ ہیزل براون آنکھیں جن کو دیکھنے کے لیے مقابلے کی کالی آنکھیں بے چین سی تھی۔ وہ گھنی پلکوں کے بھار تلے جھکی ہوئی تھی۔

ابراہیم کو زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑا تھا۔ جلد ہی وہ آنکھیں اس کی جانب اٹھی تھی اور کالی آنکھوں کی طرح ساکن ہوگئی تھی۔

فرزانہ آپا ان دیوانوں کو بات کرنے کا موقع دیتے خود وہاں سے چپکے سے نکل گئی تھی۔

ابراہیم اپنے قدموں کو مشکل سے اٹھاتا حیات کے مقابل آ کر کھڑا ہوا تھا۔ جو بس خواب کی سی کیفیت میں ابراہیم کی جانب دیکھ رہی تھی۔ لب دونوں کے خاموش تھے لیکن نظریں دونوں کی ہم کلام تھی ایک آنکھوں میں اگر شکوّں کا ڈھیر تھا تو دوسرے کی آنکھوں میں ایک ڈر اور خوف تھا۔

اچانک حیات ڈگمگا کر گرنے لگی تھی۔جب ابراہیم نے فوراً اسے آگے بڑھ کر تھاما تھا۔ آنسوں حیا کی آنکھوں سے بہنا شروع ہو گئے تھے۔چہرے پر خوف کی واضع پر چھائیاں جھلکی تھی۔۔دماغ نے سرگوشی کی تھی۔

"حیات بھاگ جاو یہاں سے اگر ابراہیم نے تم سے پوچھ لیا کہ وہ بچے کس کے ہیں تو کیا جواب دو گی کہ تمہیں خود نہیں پتہ کہ ان کا باپ کو ہے۔کیا وہ تمہارا یقین کر لے گا؟ نہیں! بلکہ نہیں!"دماغ حیات کو بھاگ جانے کی ترغیب دے رہا تھا۔جبکہ دوسری جانب دل نے الگ شور کر دیا تھا۔

"نہیں حیات ایسے مت جاو۔خدارا ابراہیم کی محبت پر شک مت کرو ہو سکتا ہے وہ تم سے ایسا کچھ نہ کہے۔۔۔"دل نے دہائی دیتے اسے ایسا کرنے سے روکا تھا۔

دوسری طرف ابراہیم نے بغیر کسی کی پرواہ کیے حیات کے آنسوں کو چن لیا تھا۔یہ آنسوں ابراہیم کے لیے کس قدر تکلیف دہ تھے یہ کوئی نہیں جان سکتا تھا۔

"کیسی ہو؟؟"ابراہیم کے منہ سے نکلے چند الفاظ حیات کو منجمد کر گئے تھے۔کیسا عجیب شخص تھا وہ جس نے برسوں بعد ملنے پر نا کوئی سوال کیا تھا؟نا کوئی جواب مانگا تھا۔ صرف اور صرف اس کے بارے میں پوچھا تھا کہ وہ کیسی ہے؟یہ کونسی منزل تھی

محبت کی جس پر ابراہیم جاسم آفندی جا بیٹھا تھا۔۔

نہیں یہ محبت نہیں تھی کیونکہ محبت میں تو سوال بھی ہوتے ہیں اور شکوہ گلے بھی ہوتے ہیں ارے یہ تو عشق تھا کہ جس میں ہر چیز سے دور ہوتے انسان صرف محبوب کو چاہتا ہے۔

"میں نے تمہیں بہت مس کیا ڈول میں نے پل پل ہر جگہ تمہیں تلاشی ہر روز اللہ سے دعا کی، ہر ایک وسیلہ سے کی، یہ سوچتے ہوئے کہ شاید اب مل جائے اور جانتی ہو رب نے آج آخر مجھ گناہگار کی دعا قبول کر ہی لی اور تم مجھے عطا کر دی گئی۔اب میں تمہیں کبھی نہیں جانے دوں گا۔تم جانا بھی چاہو تب بھی نہیں۔اب صرف تم میرے پاس رہو گی میرے قریب، صرف اور صرف میری بن کر" وہ شہزادہ عشق میں پاگل دیوانہ ہوا اپنی شہزادی کو سینے سے بھینچے شکایت یا شکوہ نہیں کر رہا تھا بلکہ اپنی تڑپ بتا رہا تھا۔ اسے اپنے محبت کا مان بخشتے معتبر کر رہا تھا۔

اور وہ شہزادی جو ڈر رہی تھی، جو سوچتی تھی کہ شہزادہ بھی سب کی طرح اسے غلط سمجھے گا۔اپنے شہزادے کے سینے سے لگتے کر رو پڑی تھی۔پھوٹ پھوٹ کر روتے وہ برسوں کا غبار نکالنے لگی تھی۔ان آنسوں میں ہجر کی راتوں کا بوجھ، خود پر لگی تہمت کا

بوجھ، اکیلے ہونے کا بوجھ اور نجانے کن کن باتوں کا بوجھ شامل تھا۔اس بوجھ کو شہزادی سے خود پر لیتے شہزادہ اپنا حصار مضبوط کرتے، شہزادی کو اپنا تحفظ فراہم کرتا جارہا تھا۔

"حیات میرا بچہ کہاں ہے؟ بتاؤ کیا رب نے مجھے اپنی رحمت دی ہے یا مجھے نعمت دی ہے۔ جانتی ہوں برسوں اپنے وجود کو سینے سے لگانے کے تڑپ رہا ہوں۔ تم نہیں جانتی کہ وہ شخص جس کو سب نامرد کہتے تھے۔ جب رب نے اسے اپنی رحمت سے نوازنے کی نوید دی تھی تو خوشی سے اس کا کیا حال ہوا تھا۔بتاؤ نا کیسی ہے وہ؟ یا کیسا ہے؟ کیا وہ تم پر گیا ہے؟ یا مجھ پر گیا ہے؟" ابراہیم نے حیات کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرتے، اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے اشتیاق سے اپنے بچوں کا پوچھا تھا۔

جب کہ حیات اس کے تو دماغ میں 'اپنے وجود' کے الفاظ پر جھکڑ چلنے لگے تھے۔ یہ کیا کہہ رہا تھا ابراہیم؟ اسے لگ رہا تھا کہ شاید ابراہیم اس کی محبت میں ان بچوں کو اپنا بچہ کہہ رہا تھا لیکن اگر وہ ابراہیم کی آنکھوں میں موجود تڑپ کو دیکھ لیتی تو جان جاتی کہ وہ سچ کہہ رہا ہے۔

"ابر! وہ۔۔۔وہ۔۔۔آپ کا بچہ۔۔" حیات کے الفاظ پورے ہونے سے پہلے ہی ابراہیم نے ان لفظوں کو چن لیا تھا۔اسے اندازہ تھا کہ حیات شاید ان کے متعلق نہیں

جانتی۔

"وہ ہمارا بچہ ہے حیات! تمہارا اور میرا بچہ، ہماری محبت کی نشانی ہے وہ، اس کے لیے کوئی برے الفاظ مت نکالا" ابراہیم کے حیات کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ٹھوس لہجے میں کہنے پر حیات کے دل میں انجانا سکون اترا تھا۔ ساتھ ہی اس کے دماغ میں سوالوں کی آندھی چل اٹھی تھی۔ جن کا اندازہ اس کے چہرے سے ہو رہا تھا۔

"یاد ہے مری کی وہ رات جب ہمارا ایکسیڈنٹ ہوا تھا۔ اس رات تمہاری حالت بہت خراب تھی سردی کی وجہ سے تم موت کے قریب چلی گئی تھی۔ اس لیے تب مجھے جو صحیح لگا تب میں وہ کر دیا۔ اور تمہیں یہ سب اس لیے یاد نہیں کیونکہ تم اس وقت ایسی بے ہوش کے عالم میں تھی۔ جس میں انسان موت سے قریب ہوتا ہے اور اپنے ارد گرد موجود ہر چیز سے بے خبر ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ اسے یہ تک نہیں پتہ ہوتا کہ اس کے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔" ڈھکے چھپے الفاظ میں کہی گئی بات پر حیات کے سر سے برسوں بعد ایک زنگ زدہ سیلن کا بوجھ اترا تھا، اور شکرانے کے طور پر اس کی آنکھوں سے آنسوں بہہ نکلے تھے۔ وہ ابراہیم کے سینے میں منہ چھپاتے ایک بار پھر سے رو پڑی تھی۔

ابراہیم نے پھر اسے حمیرہ بیگم کے وعدہ سے لے کر اس کے جانے کے بعد جو جو ہوا وہ ہر چیز بتادی تھی۔اپنے والد کی وفات کا سن کر حیات اس قدر روئی تھی کہ ابراہیم کے لیے اسے سنبھالنا مشکل ہو گیا تھا۔وہ اسے لے کر صوفہ پر بیٹھا تھا۔اور پانی پلانے لگا تھا کہ اتنے میں آدم سعدان اور عدن دروازہ کھولتے اندر آئے تھے۔آدم تو اپنی ماں کے ساتھ لگے بیٹھے اس انکل کو دیکھ کر سیخ پا ہو گیا تھا۔

"انکل! آپ نے میری ماما کو کیوں پکڑا ہوا ہے۔چھوڑیں اسے!"آدم کے سخت لہجے میں کہی گئی بات پر ابراہیم نے جہاں نا سمجھی سے اسے دیکھا تھا۔وہی حیات کے چہرے پر مسکراہٹ بکھری تھی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"اب ایسے کیا دیکھ رہے ہیں جیسے کچھ پتہ نا ہو۔ویسے اپ ہے بڑے چلاک اس دن میرے سعدی ٹوینی کو دیکھ کر اس پر لٹو ہو گئے تھے اور اسے اٹھالیا تھا اور اج میری ماما کو پکڑ رکھا ہے۔شرم نہیں آتی آپکو!"پوزیسیو آدم صاحب کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اپنی ماں کے ساتھ بیٹھے اپنے باپ کو جسے وہ انکل سمجھ رہا تھا۔اٹھا کر باہر پھینک دے۔اس کی بات پر فرزانہ آپا اور حیات کا قہقہ لگا تھا۔جبکہ ابراہیم وہ تو منہ کھولے بے یقینی سے سامنے کھڑے اس بچے کو دیکھ کر رہا تھا۔جو اس کے وجود کا حصہ تھا۔

"آدم بھائی چپ کریں نا دیکھیں وہ انکل کتنے پیارے ہیں۔ان کی بلیک آئیز آپکی اور ڈمپل بالکل آپکی طرح کی ہیں۔ہائے میرا دل کر رہا ہے میں ان کے گلے لگ جاؤں گر اپ کی اجازت ہو تو پلیز زز" سعدان نے آگے بڑھتے آدم سے سرگوشی میں فرمائش کی تھی۔لیکن اس کی آواز اتنی ضرور تھی کہ ان سب کو سنائی دے گئی تھی۔

اپنے جڑواں شہزادوں کو دیکھ کر ابراہیم کی آنکھیں نم ہوئی تھی۔اسے پتہ نہیں تھا کہ جن بچوں سے وہ اس دن ملا تھا وہ اس کے بچے ہونگے۔لیکن اس دن وہ ہاسٹل میں کیا کر رہے تھ۔یہ بات وہ چاہ کر بھی فلحال حیات سے نا پوچھ سکا تھا۔

"نہیں بالکل نہیں!ایک تمہیں یہ عدن اور اس کے بابا کچھ زیادہ ہی اچھے لگ رہے ہیں۔میں بتا رہا ہوں سعدی تو بس میرا ٹوین ہے اس لیے تو کبھی کسی کے پاس نہیں جائے گا۔"آدم نے سعدان کو ٹوکا تھا۔جس پر بچارہ کا منہ بن گیا تھا۔

"آدم سعدان ادھر آؤ!"اپنے بچوں کی حالت دیکھتے حیات نے انہیں پاس بلایا تھا اور انہیں ابراہیم کے اگے کرتے بولی تھی۔

"یہ تم لوگوں کے بابا ہیں سعدان اور آدم!اور ابر یہ ہمارے بچے ہیں۔"حیات نے خوشی سے نم ہوتی آنکھوں سے کہا تھا۔حیات کی بات پر ابراہیم نے باہیں کھول کر

انہیں خود کے نزدیک بلایا تھا۔ جس پر سعدان فوراً آگے بڑھا تھا۔ ابراہیم نے لرزتے ہاتھوں سے سعدان کے چہرے کو تھاما تھا اور اس کے ماتھے پر بوسہ دیا تھا۔ لاڈ صاحب خود بھی باپ کے ملتے ہر چیز بھلائے اس کے سینے سے لگا تھا۔

"لیکن یہ تو عدن کے بابا ہیں ماما، یہ ہمارے بابا کیسے ہو سکتے ہیں اور اگر یہ ہمارے بابا ہیں تو پھر یہ اب تک ہم سے دور کیوں تھے۔ باقی بچوں کی طرح یہ ہمارے پاس کیوں نہیں تھے۔" آدم سنجیدگی سے ماں کی دیکھتے استفسار کرنے لگا تھا۔ اس کی بات پر چند لمحے وہاں خاموشی چھا گئی تھی۔ حیات نے نظریں اٹھا کر اب کہ دھیان سے اس بچی کی طرف دیکھا تھا۔ جس پر پہلے وہ دھیان نہیں دے پائی تھی۔

پھر عدن کو اپنے نزدیک بلاتے اس کے ماتھے پر بوسہ دیتے آدم سے بولی تھی۔

"یہ عدن کے بابا کے ساتھ ساتھ تم لوگوں کے بابا بھی ہیں۔ کچھ سال پہلے ایکسنڈنٹ میں، میں اور تم لوگ تمہارے بابا اور بہن سے الگ ہو گئے تھے۔ اور آج اتنے سالوں بعد وہ ہمیں ڈھونڈتے ہوئے آئے ہیں" جس طرح ابراہیم نے حیات سے کوئی سوال نا کرتے، کہ وہ اب تک کہاں تھی؟ واپس کیوں نہیں آئی؟ وغیرہ ویسے ہی حیات نے بھی کھلے دل سے عدن کو سینے سے لگاتے ابراہیم کو مان بخشتے تھا۔ پھر اپنے بیٹوں کو

جھوٹی کہانی سنائی تھی کیونکہ ابھی ٹھیک وقت نہیں تھا انہیں کچھ بھی سمجھانے کا۔۔۔

ماں کی بات پر آدم نے چھوٹی آنکھیں کیے ابراہیم کو دیکھا تھا۔اب کہ ابراہیم کو اپنے اسے چھوٹے پیکٹ بڑے دھماکے والے بیٹے پر ہنسی آئی تھی۔اس لیے اسے کھینچ کر سینے سے لگاتے ہوئے بولا

"بس کر یار اب کیا اپنی باپ پر پرچہ کروائے گا؟" ابراہیم کے حصار میں آتے ہی آدم کو ایسی خوشبو اور اپنائیت محسوس ہوئی تھی کہ وہ خود باخود سعد ان کی طرح اس کے گردن میں باہیں ڈال کر مسکرا دیا تھا۔

اسی طرح عدن بھی حیات کو ماما کہتی اس کے سینے میں منہ دے گئی تھی۔فرزانہ آپا کی آنکھیں اس ملن پر برس اٹھی تھی۔

اس کے بعد حیات نے فرزانہ آپا سے معافی مانگی تھی کہ وہ صرف اپنے ڈر کے باعث ہمیشہ ان سے جھوٹ بولتی آئیں تھی ورنہ اس کا کوئی غلط ارادہ نہیں تھا۔جبکہ دوسری طرف ابراہیم نے فرزانہ آپا کا شکر ادا کیا تھا اور انہیں اپنے ساتھ چلنے کا کہا تھا کہ وہ بھی ان کے ساتھ چلیں۔لیکن اس نیک دل عورت نے حیات کو معاف کرتے ان کے ساتھ جانے سے منع کر دیا تھا ہاں یہ ضرور کہا تھا۔کہ یہ حیات کا دوسرا گھر ہے۔جہاں

وہ جب چاہے آسکتی ہے۔

پھر تھوری دیر مزید وہاں گزارنے وہ لوگ رات گئے واپس آ گئے تھے۔ابراہیم کے ایک بازو پر عدن تھا تو دوسرے پر سعدان صاحب سو رہا تھا۔جبکہ ساتھ چلتی حیات سوئی ہوئی عدن کو اٹھائے ہوئے اس کے ساتھ گھر میں داخل ہوئی تھی۔اس وقت چونکہ سب سوئے ہوئے تھے اس لیے ان کو لے کر سیدھا ابراہیم اپنے کمرے میں آیا تھا اور پھر عدن کو اپنے کمرے سے ملحقہ اس کے کمرے میں سلانے کے بعد، سعدان اور آدم کو بیڈ پر لیٹا کر، خود وہ حیات کا ہاتھ پکڑے بالکونی میں آیا تھا۔

"حیات کیا تم مجھ سے یہ نہیں پوچھو گی کہ عدن کون ہے؟"چاند کی روشنی کے نیچے کھڑے اس شہزادے نے شہزادی سے پوچھا تھا۔جس پر شہزادی نے نفی میں سر ہلایا تھا۔

"نہیں کیونکہ میں جانتی ہوں کہ جو شخص برسوں تک مجھے ڈھونڈ سکتا ہے وہ کبھی بے وفائی نہیں کر سکتا۔"حیات نے کہتے ابراہیم کے سینے پر سر رکھا تھا۔اس کے پر سکون لہجے پر ابراہیم کے دل کو ٹھنڈک پہنچی تھی۔

پھر یہ رات ان دونوں نے وہی بالکونی میں باتیں کرتے گزاری تھی۔ہجر کی راتوں کے

بعد نصیب ہونی والی یہ ان کی وصل کی پہلی رات تھی کہ جس میں حیات نے اپنے گھر سے نکالے جانے کے بعد سے لے کر اب تک کہ ہر لمحے سے ابراہیم کو آگاہ کرتے، اپنے دل کے غم کو ہلکا کیا تھا۔ابراہیم کو یہ سب جان کر افسوس ہوا تھا۔اس لیے اس کے ماتھے پر بوسہ دیتے اسے خود میں بھینچ گیا تھا۔پھر وہی کچھ ماضی کی بات کرتے اور کچھ مستقبل کا ذکر کرتے انہوں نے ایک نئی صبح کے اس اگتے سورج کے ساتھ وعدہ کیا تھا کہ اب وہ اپنے آنے والے دنوں میں کبھی جو گزر گیا اسے یاد کر کے افسردہ نہیں ہونگے بلکہ ہمیشہ مسکرا کر اپنے ہر لمحے کو یادگار بنائیں گے۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

عشق نے آخر ان دو دیوانوں کو خوب رقص کروانے کے بعد کندن بنا دیا تھا۔جواب ہمیشہ ساتھ رہنے والے تھے۔

@@@@@@@@@

صبح کا سورج ایک نیا سویرا اور ایک نئی امنگ لے کر آیا تھا۔چڑیاں چہچہا رہی تھی، بادِ صبا بہت معطر اور محبت کی خوشبو سے لبریز تھی۔ابراہیم مینشن میں سب لوگ اس وقت اٹھ چکے تھے۔آدم اور سعدان بھی اٹھ کر ماں باپ کی تلاش میں نکلے تھے لیکن انہیں بالکونی میں سوتا دیکھ آدم اور سعدان واپس اندر سے بلینکٹ لا کر ان پر اڑھا گئے

تھے۔ پھر ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑتے باہر نکلے تھے، دوسری طرف عدن جس کی آنکھیں بھی ماما کے مل جانے کی خوشی میں آج جلدی کھل گئی تھی۔ وہ بھی اچھلتی ہوئی باہر آئی تھی اور سعدان کو دیکھتے پر جوشی سے ان کی طرف آکر بولا

"سعدی بھائی ماما کہاں ہے؟" عدن نے استفسار کیا تھا۔

"ماما اور بابا سو رہے ہیں۔" جواب سعدان کی بجائے آدم کی جان سے آیا تھا جو خلاف معمول عدن سے سعدی کی طرح پیار سے بات کر رہا تھا۔

"بھائی مجھے بھوک لگی ہے چلو نا نیچے چلتے ہیں۔" سعدی نے ان دونوں کو اپنی طرف متوجہ کیا تھا جس پر عدن انہیں اپنے ساتھ لے کر نیچے کی جانب بڑھی تھی۔

"گڈ مارننگ ایوری ون" ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھے لوگوں کو دیکھ کر عدن تو پر جوشی سے بولی تھی۔ جبکہ آدم اور سعدان اتنے لوگوں کو دیکھ کر حیران رہ گئے تھے۔

"عادی! ماما نے ان سب کے بارے میں تو بتایا ہی نہیں تھا کیا یہ لوگ بھی بابا کی طرح گم ہو گئے تھے؟" سعدان نے آدم کے کان میں سرگوشی کی تھی جو سنجیدگی سے ہر کسی کو ایکسرے کرتی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ گھر والوں کا دھیان ابھی ان کی طرف نہیں

ہوا تھا۔

"ڈفران کا تو پتہ نہیں لیکن بابا گم نہیں ہوئے تھے ماما ہوئی تھی!" آدم نے نفی میں سر ہلایا اس کی تصیح کی تھی۔ جس کو سمجھتے سعدان نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

"دادا آپ کو پتہ ہے اللہ نے مجھے دو بھائی دیے ہیں۔ جواب میرے ساتھ رہیں گے۔

"عدن بڑے ابا کی گود میں چڑھتی خوشی سے بولی تھی۔ جس پر ناشتہ کرتے سب لوگوں کا دھیان اس کی جانب ہوا تھا۔

"بس کر چھوٹی دنیا یہ ہر وقت تمہارے دماغ میں بھائی بہن ہی کیوں گھومتے رہتے ہیں۔" انابیہ جو بڑے ابا کے بائیں جانب بیٹھی تھی۔ عدن کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے بولی تھی۔ اسے لگا تھا کہ شاید عدن نے رات کو خواب دیکھا ہے اسی لیے ایسے کہہ رہی ہے۔

"پھوپھو میں سچ کہہ رہی ہوں۔ بلکہ وہ دیکھیں میرے بھائی کھڑے ہیں۔ کل رات کو بابا ماما اور بھائی لے کر آئیں ہیں۔" عدن کی بات پر سب کو جھٹکا لگا تھا۔ سب کی نظریں سعدان اور آدم کی جانب گھومی تھی۔

"ادھر آؤ بچہ! نام کیا ہے تمہارا؟" محراب نے آدم اور سعدان کو اپنی جانب بلاتے ہوئے پوچھا تھا۔ سب کے ذہن میں ان دونوں کو لے کر کافی سوال اٹھے تھے۔ لیکن وہ وقت سے پہلے کچھ بھی اخذ نہیں پر سکتے تھے۔

"مائی سیلف آدم ابراہیم جاسم آفندی اینڈ ہی از مائی ٹوینی سعدان ابراہیم جاسم آفندی(میں آدم ابراہیم جاسم آفندی ہوں اور یہ میرا جڑواں بھائی سعدان ابراہیم جاسم آفندی ہے۔" سعدی کی بجائے جواب آدم نے ہی دیا تھا۔ جو سعدان کی طرح نروس بالکل بھی نہیں ہوا تھا۔

"اچھا تمہاری ماما کون ہے اور وہ کہاں ہے؟؟" محراب نے دلچسپی سے اس بچہ سے مزید سوال کیا تھا۔

"میری ماما کا نام حیات ابراہیم جاسم آفندی ہے۔ لیکن انکل آپ یہ سب کیوں پوچھ رہے ہیں؟؟" آدم کی بات پر ان سب کے چہروں پر بے یقینی کا پہاڑ ٹوٹا تھا۔ ہر چہرہ پر حیرت در حیرت تھی کہ سالوں بعد اچانک سے حیات کیسے مل گئی۔ انہیں لگ رہا تھا کہ اچانک کوئی معجزہ ہوا ہے جس کے باعث انہیں حیات مل گئی ہے۔

محراب تو خوشی سے نم آنکھیں لیے اٹھا تھا اور ان دونوں کو سینے میں بھینچ کر پیار سے

بولا

"انکل نہیں ہوں ماموہوں میں تمہارا، تمہاری ماماکا بھائی ہوں" محراب نے سب سے پہلے ہوش میں آیا تھا۔ ہر طرف خوشی کی لہر پھیل گئی تھی۔

"تو کیا آپ بھی ماما کی طرح گم ہو گئے تھے؟" آدم نے چھوٹی آنکھیں کیے پوچھا تھا۔ جس پر محراب کے ساتھ ساتھ سب کو ہنسی آئی تھی۔ اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ حیات نے اپنے ان الفلاطون بچوں ضرور کوئی کہانی کروائی ہے۔ اسی لیے محراب اثبات میں سر ہلاتے اس شہزادے کو مطمئین کرتے انہیں اپنی گود میں اٹھاتے ٹیبل پر لایا تھا۔

سب لوگوں نے ہاتھوں ہاتھ انہیں لیا تھا۔ پر دادا، دادی۔ نانی، پھوپھو اور ماموامی جیسے رشتے جن کے بارے میں سعدان اور آدم کو کچھ علم بھی نہیں تھا۔ وہ سارے انہیں ایک ہی ساتھ مل گئے تھے وہ لوگ تو چند ہی پل میں ان کے ساتھ گھل مل گئے تھے۔ ڈائنگ ٹیبل پر بہار آگئی تھی۔ سب لوگ کھل اٹھے تھے۔ سعدان کی معصومیت اور آدم کے اٹیٹیوڈ نے توسب کو اپنا دیوانہ کر دیا تھا۔

جب تک حیات اور ابراہیم فریش ہو کر وہاں آئے تو اپنے بچوں کو گھر میں دھمال ڈالتے دیکھ مسکرادیے تھے۔ حیات کو دیکھ کر ہر کسی نے نم آنکھوں سے گلے لگایا تھا۔ ایراج تو

حیات کے گلے لگ کر خوب روئی رہی تھی۔ غم کے بادل گزر چکے تھے۔اب تو ہر طرف خوشیوں کی روشنی چھا گئی تھی۔ابراہیم نے سب کو حیات کے گھر سے نکلنے کے بعد اب تک کی ہر بات بتادی تھی۔دوسری طرف حیات نے بھی اپنی ماں کو معاف کرتے سارے گلے شکوہ دور کر دیے تھے۔

پھر اس کے بعد سب لوگوں نے مل کر ناشتہ کیا تھا۔کھانے کے بعد جب وہ لوگ لاونج میں آکر بیٹھے تھے تب ہی کیف نے فون پر انہیں اطلاع دی تھی کہ افشاں بیگم اب اس دنیا میں نہیں رہی،سب کو اس بات پر دکھ ہوا تھا۔ابراہیم نے بھی ان کی مغفرت کی دعا کرتے،اللہ سے التجاء کی تھی کہ وہ انہیں بخشش دے کیونکہ وہ انہیں اپنے حق میں کیے گئے ہر ظلم پر معاف کرتا ہے۔

@@@@@@@@@

افشاں بیگم کی وفات پر سب لوگ دوبارہ سے آفندی ویلا آ گئے تھے۔اور گلے شکوہِ دور کرتے دوبارہ سے وہاں رہنے لگے تھے۔آفندی ویلا کی رونقیں پھر سے بحال ہو گئی تھی۔ہر طرف خوشیوں نے دستک دے دی تھی۔عدن،آدم اور سعدان نے گھر کی افسردگی کا ماحول کم کر دیا تھا۔ہر چیز معمول پر آگئی تھی۔یہاں تک کہ افشاں بیگم کی

وفات کے دو ماہ بعد دامن بھی امید سے ہو گئی تھی۔ بڑے ابا نے گھر کی رونق کو مزید بڑھانے کے لیے کیف اور انابیہ کی رخصت کے ساتھ حیات اور ابراہیم، محراب اور ایراج کے ولیمہ کا اعلان بھی کیا تھا۔

بچوں کے بعد اب ولیمہ والی تجویز حیات کو کچھ خاص پسند نہیں آئی تھی۔ لیکن ابراہیم اپنے بچوں کی یادوں کی البم میں اپنی شادی کو بھی شامل کرنا چاہتا تھا۔ اس لیے اس نے حیات کی ایک بھی چلنے نہیں دی تھی۔

اور آخر کار وہ خوشیاں بھرا دن بھی آ ہی گیا تھا۔ جس کا سب کو بے صبری سے انتظار تھا۔ کل انابیہ اور کیف کی رخصت بہت اچھے سے سرانجام پا گئی تھی۔ اسی لیے تینوں جوڑیوں کا ولیمہ تھا۔ پہلے دو کپل کیف، انابیہ اور ایراج، محراب تو پہلے سے اکر سٹیج پر موجود تھے۔ جو خوبصورت سے لباس زیب تن کیے چہروں پر زندگی سے بھرپور مسکراہٹ لیے کھڑے مبارکباد قبول کر رہے تھے۔

عسرہ بیگم، حمیرہ بیگم، فوزیہ بیگم لوگ تو اپنے بچوں کی بار بار نظریں اتار رہی تھی۔ ان کے پاس ہی فرزانہ آپا بھی کھڑی تھی جو ہلکی سی مسکراہٹ لیے حیات لوگوں کا بے صبری سے انتظار کر رہی تھی۔

دامن جب سے امید سے ہوئی تھی، دانش نے اسے ہاتھ کا چھالا بنالیا تھا۔اب بھی اسے انہی خواتین کے پاس بیٹھائے خود اس کے لیے کولڈ رنک لینے گیا تھا۔ کہ اتنا چل چلا کر اس کا بچہ تھک گیا ہو گا۔دانش کی بات پر سب عورتیں مسکرادی تھی۔ جبکہ دامن جھنپ گئی تھی۔

اتنے میں حیات اور ابراہیم کے آنے شور اٹھا تھا۔ جس کا وہاں موجود تقریباً سبھی لوگ بے صبری سے انتظار کر رہے تھے۔کچھ دیر میں حال کے انٹرینس سے نیلے ٹیکسیڈو پینٹ کوٹ میں ملبوس ابراہیم جاسم آفندی جس کے چہرے پر موجود ہلکی ہلکی بیرڈ میں چھپے ڈمپل آج وقفے وقفے سے جھلک دکھا رہے تھے،کالے رنگ کی میکسی پہنے اپنی خوبصورت سی بیوی کے ہمراہ اندر داخل ہوا تھا۔ جس کے چہرے کے گرد موجود حجاب اسے الگ ہی پاکیزگی بخشش رہا تھا۔

ان کے آتے ہی سب لوگ ان کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔آدم اور سعدان جن میں سے ایک کیف کا شاہ بالا بنا تھا اور ایک محراب کا وہ بھی اٹھ کر ان کی جانب آئے تھے۔ باپ کی طرح نیلے پینٹ کوٹ میں ملبوس وہ شہزادے بھی غضب ڈھا رہے تھے۔ جبکہ ماں کی طرح کالی فراق میں ملبوس وہ پری بھی ماں کی انگلی پکڑ کر کھڑی ہو گئی تھی۔ وہ

سب ایک مکمل فیملی کی طرح لگ رہے تھے۔ جس پر بڑے ابا سے کر فرزانہ آ؟

آپا نے ماشاءاللہ کہہ کر انہیں نظر بد سے محفوظ کیا تھا۔ جبکہ ابراہیم نے سب کے سامنے حیات کے ماتھے پر بوسہ دیتے اسے معتبر کیا تھا۔ اس حسین منظر کو منیب دی فوٹو گرافی جو کب سے بس اپنی منکوحہ منہا منیب کی تصویریں کھینچ رہا تھا، نے اپنے کیمرہ میں بند کیا تھا۔

محبت کی دیوی نے مسکرا کر ان کو دیکھا تھا اور بہت شان سے ان کا استقبال، وادیء عشق میں کیا تھا۔ ایک ایسی وادی جہاں عام لوگوں کو جانے اجازت نہیں تھی بلکہ صرف ان لوگوں کو تھی جن کو پہلے عشق خوب نچا تا کر کندن بناتا ہے اور جب وہ کندن بن جاتے ہیں تو پھر ان کا قبول کرتا ہے۔ وہ دونوں بھی آزمائشوں کی ایک بہت بڑی بھٹی سے گزر کر اب انمول بن چکے تھے۔ جن وک عشق نگر والوں بہت چاؤ سے خوش آمدید کہا تھا۔

یوں ایک عظیم کہانی کا اختتام میں ہوا تھا۔ نہیں بلکہ ابھی تو آغاز ہوا تھا ایسی زندگی کہ جس میں ابراہیم نے حیات کے سنگ اپنی آزمائشوں کے نتیجہ میں ملنے صبر کے پھل سے لطف اندوز ہونا تھا۔ آدم، سعدان اور عدن نے ان کی زندگی کو روشن کرنا، بے شک اس سے ثابت ہوا تھا کہ آزمائش جتنی بڑی ہو صبر کا پھل اتنا بڑا ہی ملتا ہے۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

****

ختم شدہ

ہماری ویب میں شایع ہونے والے ناولز کے تمام جملہ و حقوق بمعہ مصنفہ کے نام محفوظ ہیں۔

ہمیں اپنی ویب نیو ایرا میگزین(New Era Magazine)کیلئے لکھاریوں کی ضرورت ہے۔اگر آپ ہماری ویب پر اپنا ناول، ناولٹ، افسانہ، کالم، آرٹیکل، شاعری، پوسٹ کروانا چاہیں تو اردو میں ٹائپ کر کے مندرجہ ذیل ذرائع کا استعمال کرتے ہوئے ہمیں بھیج سکتے ہیں۔

(Neramag@gmail.com)

انشااللہ آپ کی تحریر ایک ہفتے کے اندر اندر ویب پر پوسٹ کر دی جائے گی۔مزید تفصیلات کیلئے اوپر دیئے گئے رابطے کے ذرائع کا استعمال کر سکتے ہیں۔

شکریہ ادارہ: نیو ایرا میگزین